

# روحانیتِ اسلام

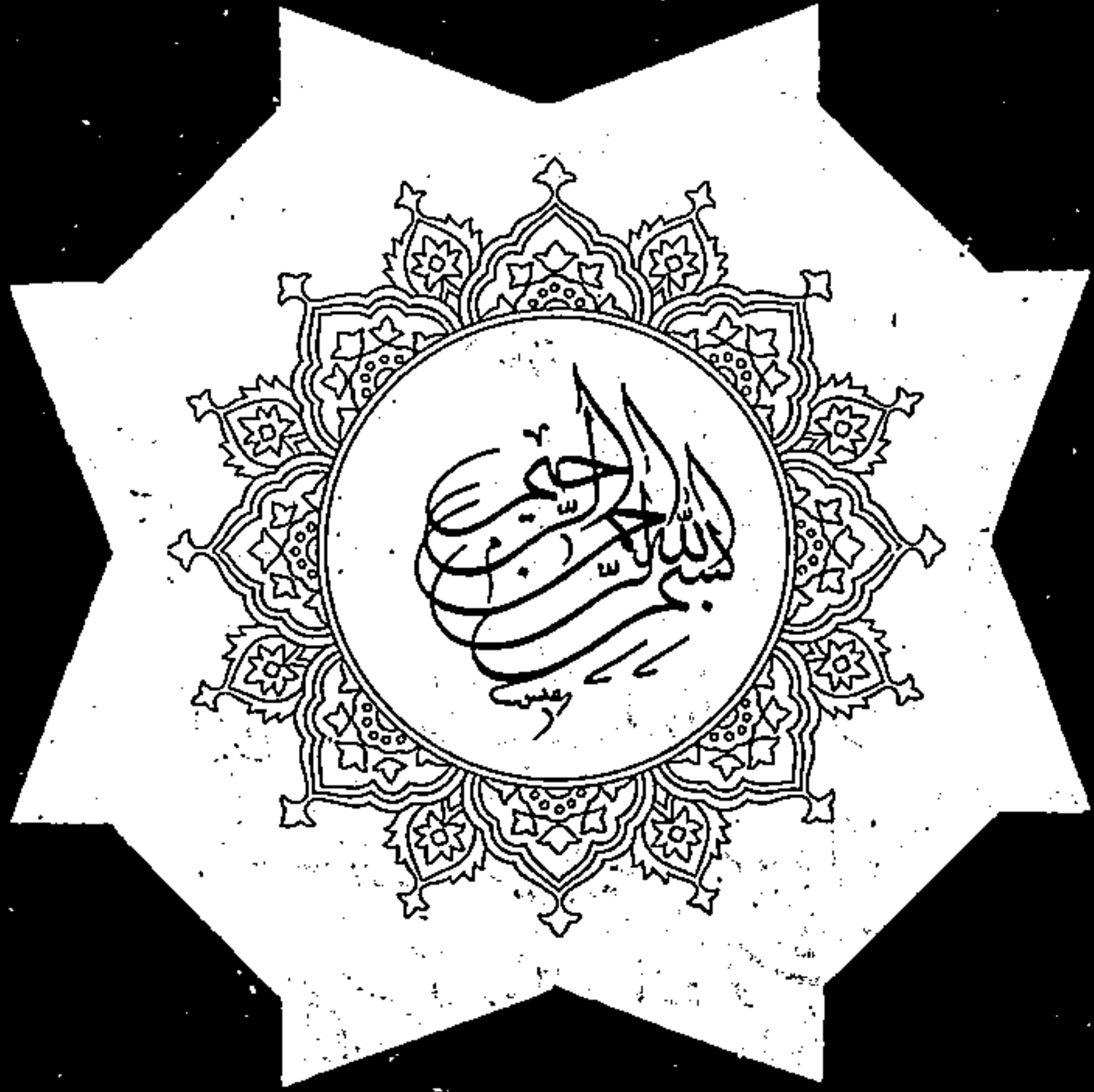
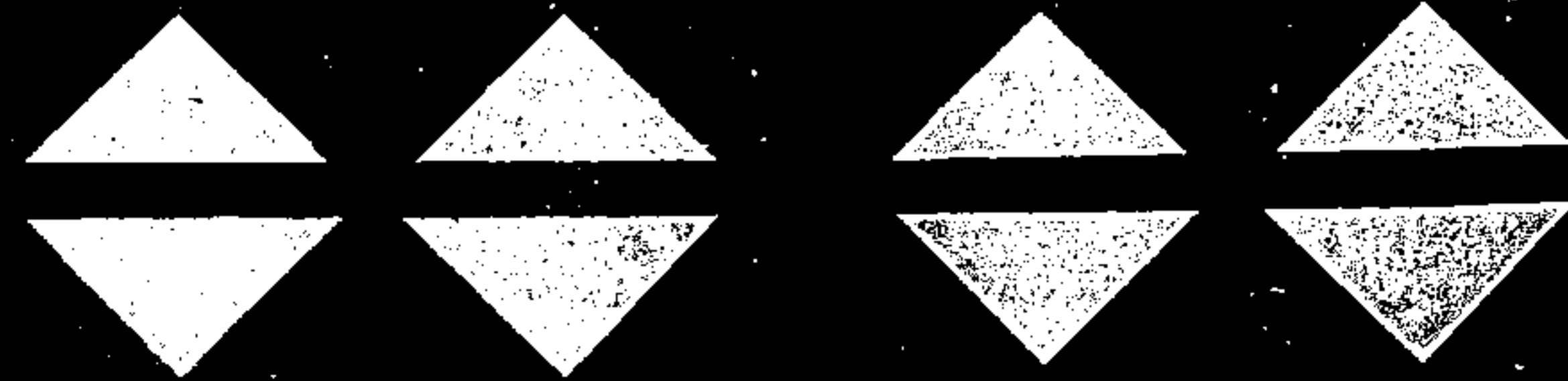
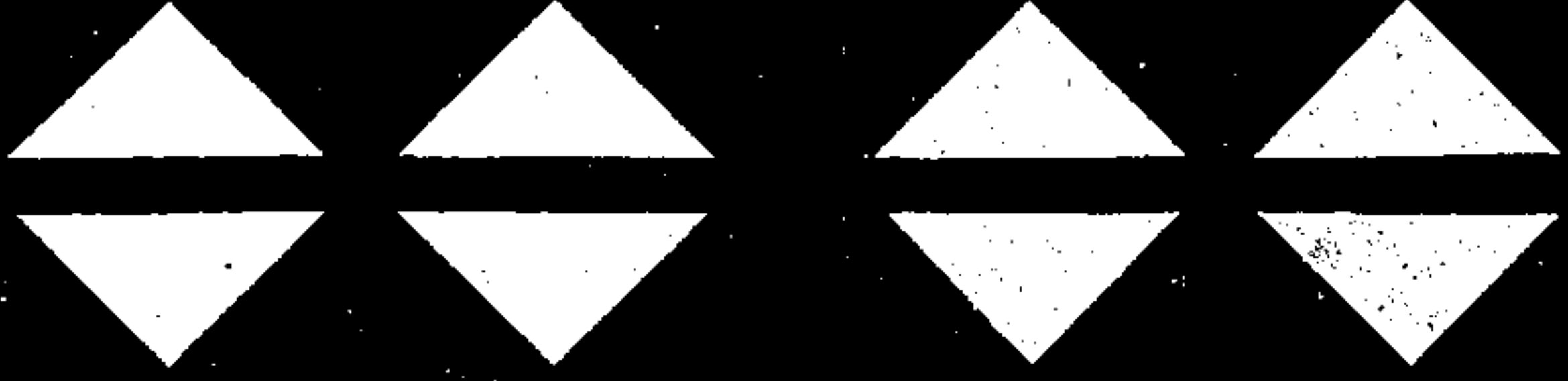
جس میں

حق تعالیٰ تک رسائی کا آسان ترین طریقہ بتایا گیا ہے  
اور اسلام، اکابرِ اسلام اور تصوف پر بیرونی اثرات کے  
الزامات کو تاریخی ذرائع سے باطل اور بے بنیاد ثابت  
کیا گیا ہے۔

از

مولانا الحاج (کپتان) واحد بخش سیال چشتی صابری





هر دو عالم قیمت خود گفتند  
 نرخ بالا کن که ارزانی هستنوز



آمین مشو که مرکب مردان زهد را  
 در سنگلاخ بادیه سپا بریده اند  
 نامید هم مشو که رندان باده نوش  
 ناگه بیک خروش بمنزل رسیده اند



یارب چه چشمہ الیبت مجببت کہ من ازو  
یک قطره آب خوردم و دریا گریتم

# روحانیت اسلام

## مضامین

- تصوف کی تہذیب مغرب پر فتح، یورپ اور روس و چین کا تصوف کی طرف میلان
- تصوف کی تعلیمات کے ذریعہ مقامات فنا و بقا اور حق تعالیٰ تک سائی کا آسان طریقہ
- اسلام، اکابر اسلام اور تصوف پر بیرونی اثرات کے الزامات کی تردید
- عیسائی اور ہندو ارباب روحانیت پر اولیائے اسلام کے احسانات
- حقیقت انسان، مقصد حیات اور اس کے حصول کا طریقہ
- وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں تطبیق اور وضاحت

از

مولانا الحاج (کپتان) و احد بخش سیال چشتی صابری

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب: ----- روحانیت اسلام

مصنف: مولانا الحاج (کیهان) داؤد بخش سیال پٹی صابری

اللہ آباد - ضلع رحیم یار خان پاکستان

اشاعت: رجب ۱۴۱۲ھ

طباعت: ایم - ایس پرنٹرز دربارہ اکیٹ لاہور

کتابت: ----- غلام مرتضیٰ

ناشران

بزم اتحاد اہلسنیان لاہور

۸۰ بی طارق روڈ لاہور چھاؤنی

فون نمبر: ۳۷۵۷۰۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مَنْ اَقْرَبَ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الوَرِيدِ

(ہم انسان سے اسکی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔)

(القرآن)

وَفِي اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تَبْصُرُونَ

وہ تمہارے اندر ہے (اندر) کیوں نہیں دیکھتے۔ (القرآن)



## حديث قديم

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَالَ مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ وَمَا  
 تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ  
 وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالتَّوَّافِلِ حَتَّى أَحْبَبْتُهُ  
 فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي  
 يُبْصِرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا  
 وَإِنْ سَأَلَنِي لِأَعْطِيْتَهُ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لِأُعِيذَنَّهُ  
 وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِي عَنْ  
 نَفْسِ الْمُؤْمِنِ يَكْفُرُهُ الْمَوْتُ وَأَنَا أَكْرَهُ  
 مَسَاءَتَهُ وَلَا بُدَّ لَهُ مِنْهُ - رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ -

مشكاة شريف : صفحة ١٩٤

باب ذكر الله عز وجل وتقرّب اليه

الفصل الاول







## ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو شخص ایذا دے میرے ولی کو، پس تحقیق خبردار کرتا ہوں میں اس کو ساتھ لڑائی کے، اور نہیں نزدیکی حاصل کی طرف میرے بندہ نے، یعنی مؤمن نے ساتھ کسی چیز کے، یعنی اعمال سے کہ بہت محبوب ہو میری طرف اس چیز سے کہ فرض کیا میں نے اس پر۔ بندہ نفل عبادتوں کے ساتھ میرے ساتھ تقرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں بھی اس کو محبوب بنا لیتا ہوں، حتیٰ کہ میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور ہاتھ جس سے وہ پکڑتا ہے اور پاؤں جس سے وہ چلتا ہے۔ اور اگر مانگتا ہے مجھ سے یہ بندہ، البتہ دیتا ہوں میں اس کو، اور اگر پناہ پکڑتا ہے ساتھ میرے، البتہ پناہ دیتا ہوں اس کو، اور نہیں توقف اور تردد کرتا کسی چیز سے کہ کرنے والا ہوں میں اس کو مانند تردد میرے کے قبض کرنے جان مؤمن کے سے، ناخوش رکھتا ہے وہ موت کو، اور حال یہ ہے کہ میں ناخوش رکھتا ہوں ناخوشی اس کی کو، اور چارہ نہیں اس کو مرگ سے۔





بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

از درد فراق اگر نرسد الم چه کنیم

روز و شب اگر نرسد الم چه کنیم

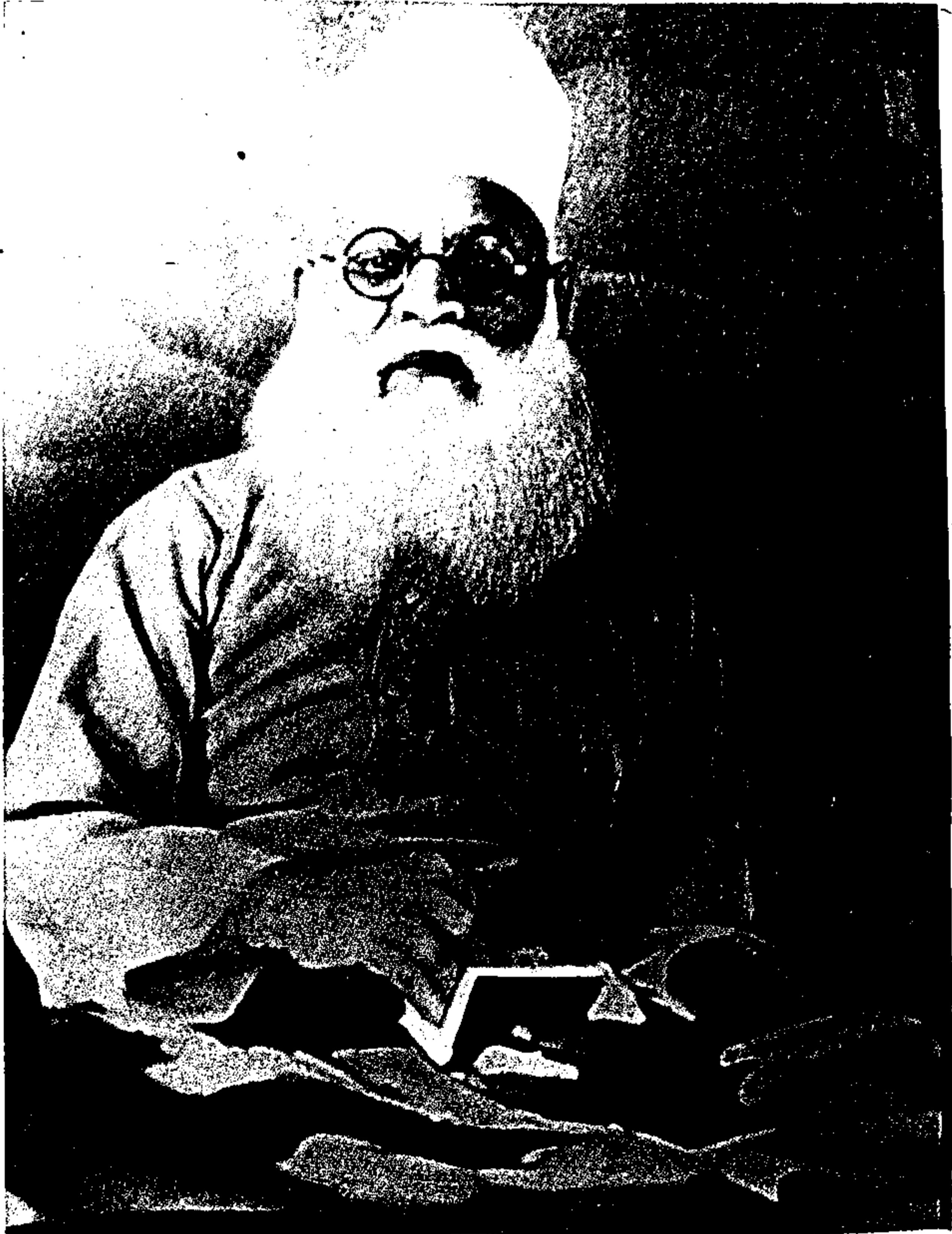
میگویی با تو آمدم نه ام هرگز دور

در عین حضور بی وصل الم چه کنیم

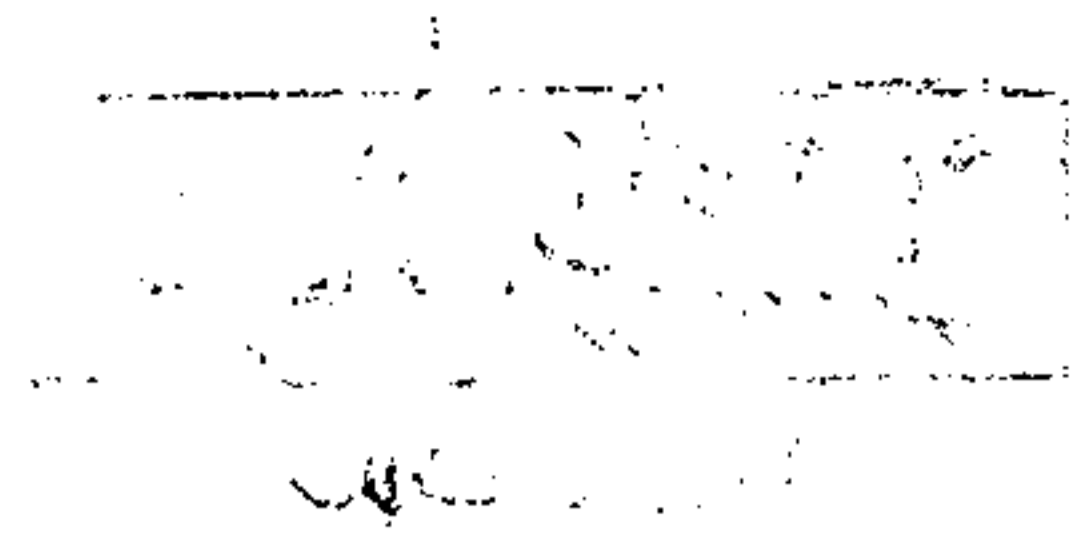


حضرت شاہ سید محمد ذوقیؒ

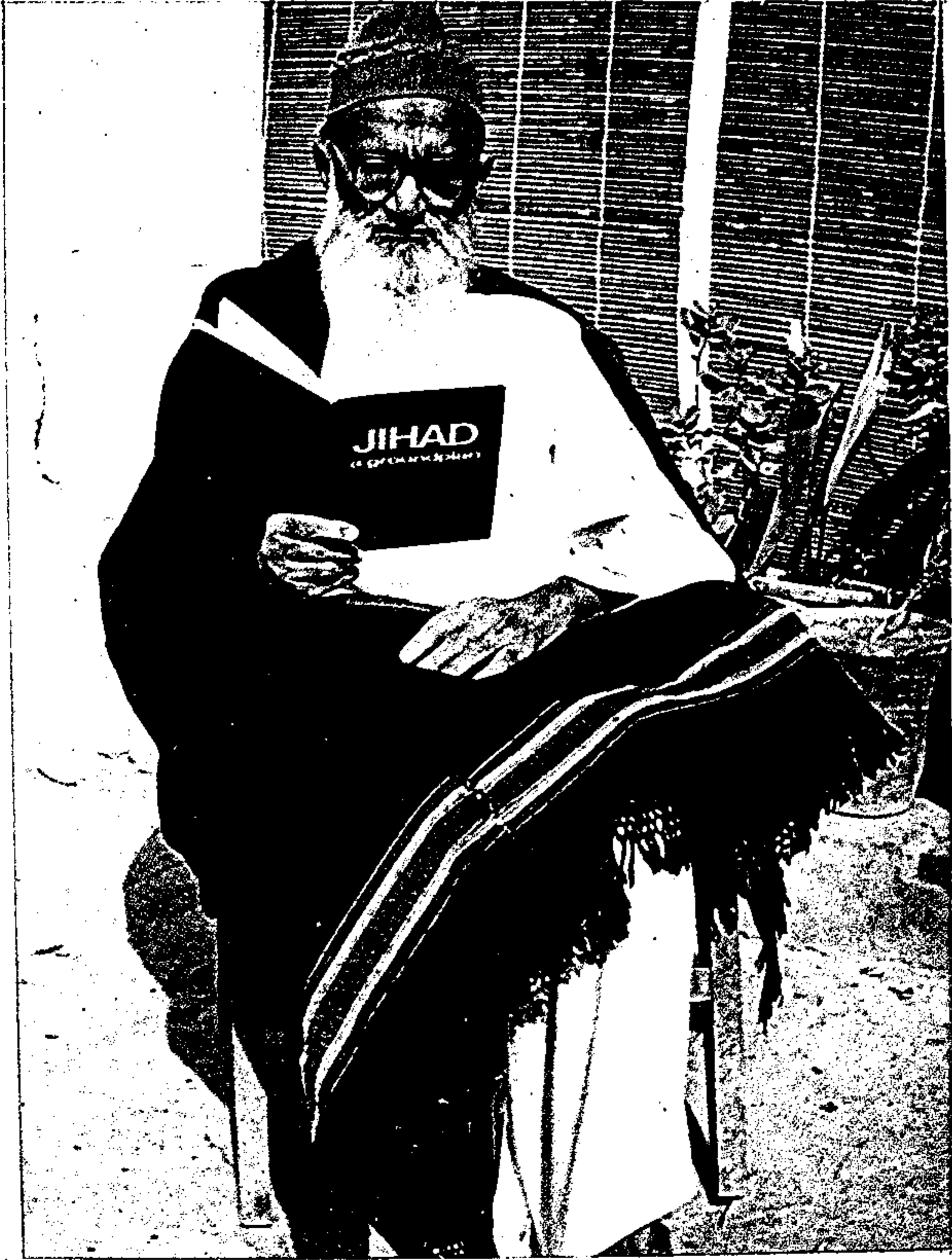
حالات صفحہ نمبر ۲۱۴



(E1514 B)



مولانا اجماع دڪستان، واحد بخش سايل رباني



1914

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# فہرست مضامین

## ۱- پہلا باب

- ۱۷ دنیا کو روحانیتِ اسلام کی سخت ضرورت ہے  
۱۸ عالمِ اسلام کا سب سے بڑا المیہ  
۲۰ مغرب کے بیچا چھڑانے میں مسلمانوں کی خیر ہے

## ۲- دوسرا باب

- ۲۵ موجودہ دنیا کی المناک حالت اور اس کا علاج  
تشخیصِ مرض  
۲۷ مذہب کی حقیقت  
ساری دنیا کی خواری کی جڑ  
۲۹ عیسائیت کی ناکامی کی وجوہات  
۳۰ اہل مغرب نے کہاں ٹھوکر کھائی  
اس عالمگیر تباہی سے نجات کا واحد حل  
۳۱ اسلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے متعلق  
غیر مسلم مفکرین، فلاسفہ اور سائنسدانوں کے بیانات ۳۵  
۳۰ علمی دنیا کا قبولِ اسلام جزوی طور پر  
روس میں روحانی شوق  
۳۱ لوہا گرم ہو چکا ہے  
قرآن کی حقانیت کے متعلق فرانس کے  
ایک سائنسدان کا اعتراف ۳۱  
۳۲ سائنس اور آسمانی کتب  
بائبل اور سائنس  
قرآن اور سائنس

- ۲۴ قرآن بائبل کی نقل نہیں ہے  
قول: "کائنات چھ ایام میں پیدا کی گئی"  
۲۵ میں لفظ ایام کا مطلب  
۲۵ دوسرے ستاروں میں آبادی کا امکان قرآن کی رو سے  
نظریہ مادہ اور قاطع مادہ  
نظریہ تسخیرِ فضا  
۲۶ نظریہ توسیعِ کائنات

## ۳- تیسرا باب

- ۲۹ اسلام میں ذاتِ باری تعالیٰ کا تصور اور شہرت  
اثباتِ ہستی باری تعالیٰ  
علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین  
۵۳ خداوندِ عالم کی ہستی سے کوئی انکار نہیں کر سکتا  
اسلام میں تصورِ باری تعالیٰ  
نظریہ تشبیہ - نظریہ تنزیہ  
نظریہ توحید  
نظریہ تشلیث  
۵۲ اسلامی نظریہ  
وحدت الوجود  
۵۵ نظریہ حلول و اتحاد کی تردید  
عقیدہ تجسیم کی تردید  
۵۷ وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں مطابقت

## ۴- چوتھا باب

- ۵۹ حضرت انسان کی حقیقت اور عظمت

|    |                            |
|----|----------------------------|
| ۸۸ | وحدت الوجود                |
| "  | مقام فنار الفنا            |
| ۸۹ | مقام عبدیت یا بقا باللہ    |
| "  | مقام جامعیت                |
| "  | مسئلہ نور بشر کا شاندار حل |
| ۹۱ | وصل میں ہجر                |
| ۹۲ | مقام عبدیت کا دوسرا راز    |
| ۹۵ | دیگر خصوصیات بقا باللہ     |

#### ۶۔ چھٹا باب

|     |   |
|-----|---|
|     | تصوف کے خلاف بے بنیاد الزامات اور جوابات      |
| ۱۰۰ | مستشرقین کی تضاد بیانی                        |
| ۱۰۱ | ان الزامات کے خلاف مسلمانوں کا طرز عمل        |
| ۱۰۲ | تصوف کے متعلق غلط فہمیوں کی پہلی وجہ          |
|     | مورخ ٹوٹن بی کا اعتراف                        |
| ۱۰۳ | پروفیسر ہٹی کا اعتراف                         |
| ۱۰۴ | امام غزالی کی عظمت اہل مغرب کی نظر میں        |
|     | امام غزالی کو پروفیسر آربری کا خراج تحسین     |
| ۱۰۶ | کیا منگتے سے بھی مانگا جاسکتا ہے              |
| ۱۰۸ | تصوف کے متعلق غلط فہمی کی دوسری وجہ           |
| ۱۱۱ | غلط فہمی کی تیسری وجہ                         |
| ۱۱۲ | اسلامی نظریہ وحدت الوجود اور نظریہ توحید      |
| ۱۱۲ | علم جغرافیہ اور وحدت الوجود                   |
|     | لب لباب                                       |
| ۱۱۴ | وحدت الوجود کے متعلق مولانا جامی کی تشریح     |
|     | جنید بغدادی جیسے عارف باللہ نے علاج کے        |
| ۱۱۵ | خلاف کیوں فتویٰ کفر لگایا                     |
| ۱۱۸ | شیخ محی الدین ابن عربی اور شریعت              |
| ۱۱۹ | شریعت کی رو سے وحدت الوجود کا انکار ناممکن ہے |
| ۱۱۹ | مسئلہ جبر و قدر                               |

|    |                     |
|----|---------------------|
| ۹۱ | اعزازِ مسجودِ ملائک |
| ۹۲ | مقام مصطفیٰ         |
| ۹۳ | کائناتِ صغیر        |
| ۹۳ | حقیقتِ روح          |
| ۹۴ | اقسامِ روح          |
| ۹۶ | تنزلاتِ ستہ         |
| ۹۶ | لطائفِ ستہ          |
| ۹۸ | مقصدِ حیات          |

#### ۵۔ پانچواں باب

|    |                                      |
|----|--------------------------------------|
| ۴۱ | سلوک الی اللہ                        |
| "  | حقیقتِ تصوف                          |
| ۴۲ | لفظ تصوف کی وجہ تسمیہ                |
| ۴۳ | اصل تصوف                             |
| ۴۴ | قرآن حکیم میں تصوف کے متعلق ارشادات  |
| ۴۵ | ایمان باللہ کے مراتب                 |
| ۴۵ | سب کو ایک لالہ ٹھی سے ہانکنے کی کوشش |
| ۴۵ | کشف و کرامات                         |
| ۴۶ | سلوک الی اللہ                        |
|    | خاکہ سلوک الی اللہ                   |
| ۴۷ | متصف بصفات الہی ہونا                 |
| ۴۸ | ضرورتِ شیخ                           |
| ۴۹ | ضرورتِ بیعت                          |
| ۸۰ | منصب نبوت اور منصب شیخ               |
| ۸۱ | فضل اللہ                             |
| ۸۲ | مقامِ عشق                            |
| ۸۳ | حق تعالیٰ تک رسائی کے تین بڑے راستے  |
| ۸۴ | کلامِ ہجر و فراق                     |
| ۸۶ | کلامِ قرب و وصال                     |
| ۸۷ | نعرۃ انا الحق                        |



|   |     |   |
|---|-----|---|
| عصر حاضر میں اہل یورپ اور                           | ۱۲۱ | صفت و مصروف کی اصل ایک ہے                               |
| ۱۴۲ اہل ہند پر تصوف کے اثرات                        | ۱۲۲ | کیا حضرت مجدد کا وحدت الشہود عین الیقین پر اور ابن عربی |
| ۱۴۳ ریچرڈ برٹن - فیئر فیکس                          | ۱۲۲ | کا وحدت الوجود علم الیقین پر مبنی ہے ؟                  |
| ۱۴۵ کرنل ولبر فورس کلاک                             | ۱۲۶ | تصوف کے متعلق غلط فہمی کی پوچھتی وجہ                    |
| صوفی عبدالعزیز                                      | "   | پانچویں وجہ   |
| ۱۴۶ صوفی حبیب اللہ توگرو                            | ۱۲۸ | عیسائی ارباب روحانیت اور علماء کے مابین اختلاف          |
| ۱۴۸ صوفی عبداللہ مالکے                              | ۱۳۱ | غلط فہمی کی چھٹی وجہ                                    |
| ۱۴۹ صوفی عبدالسلام                                  | ۱۳۲ | مکمل ضابطہ حیات   |
| مستر ایس ہوب  | ۱۳۳ | غلط فہمی کی ساتویں وجہ                                  |
| ۱۴۰ مدن راؤ مادھوراؤ                                | ۱۳۴ | آٹھویں وجہ  |
| ڈاکٹر زولو  | ۱۳۶ | خصوصی الزامات اور جوابات                                |
| شیخ مراد  | ۱۳۷ | ہارٹ مین کے دیگر الزامات و جواب                         |
| متفرق نو مسلمین                                     | ۱۳۸ | ولیم جونز کے الزامات و جواب                             |
| احمد اکبر، عبدالرحمن اطالوی، عطار اللہ چشتی         | ۱۳۹ | جان میلکم کے الزامات و جواب                             |
| ۱۴۲ محمد ہارون، حاجی مختار، محمد نعوت وغیرہم        | "   | تھالاک کے الزامات و جواب                                |
| ۱۴۲ ہندو روحانی پیشواؤں پر صوفیائے اسلام            | ۱۴۱ | میکڈانلڈ کا اعتراض اور اعتراف                           |
| ۱۴۳ کے عظیم احسانات                                 | "   | میکس ہورٹن کے الزامات و جواب                            |
| ڈاکٹر تارا چند کے حیرت انگیز انکشافات اور اعترافات  | ۱۴۲ | آسن پلے سیوس کے الزامات و جواب                          |
| ۱۴۴ شکر آچاریہ پر صوفی اثرات                        | ۱۴۲ | ڈاکٹر نکلسن کا اعتراف                                   |
| رامانوجا پر صوفی اثرات                              | ۱۴۵ | لونی ماسنیوں کا اعتراف                                  |
| ۱۴۵ ہندو فرقے لنگا (جگنماں) اور سدھار پر صوفی اثرات | ۱۴۶ | مارگریٹ سمٹھ کا اعتراف                                  |
| ۱۴۹ رامانند اور بھگت کبیر پر صوفی اثرات             | ۱۴۷ | عیسائی ارباب روحانیت پر غزالی کے اثرات                  |
| ۱۸۰ بھگت کبیر کے اسلامی عقائد                       | ۱۴۹ | ولیم سٹوڈارڈ کا اعتراف                                  |
| ۱۸۲ گورونانک پر صوفی اثرات                          | ۱۵۱ | ایچ سی ہارلڈ کا اعتراف                                  |
| ۱۸۴ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر                     | ۱۵۳ | میکڈانلڈ پر صوفی مجالس کا اثر                           |
| ۱۸۸ سوہویں صدی کے ہندو فقیروں پر صوفی اثرات         | ۱۵۴ | سینٹر ٹرنگم کا اعتراف                                   |
| کبیر کے چیلے  | ۱۵۵ | ایسی میری شیل کا اعتراف                                 |
| ۱۹۰ کلہا اور ملک داس                                | ۱۵۸ | رودولف اولڈ کی نکتہ چینی                                |
| سندر داس  | ۱۵۹ | ڈاکٹر شیل اور وحدت الوجود                               |
| دیر بھان  | ۱۶۱ | ٹامس آرنالڈ کا اعتراف                                   |

|     |                             |  |
|-----|-----------------------------|--|
|     | ۳۔ سلسلہ ہبیریہ             | لال داس اور بابا لال                                       |
|     | ۵۔ سلسلہ چشتیہ              | دھرناداس اور پیران ناتھ                                    |
| ۲۰۸ | ۶۔ سلسلہ عجمیہ              | اٹھارہویں صدی کے ہندو فیروں پر صوفی اثرات                  |
| "   | ۷۔ سلسلہ طیفوریہ            | بلا صاحب   |
| "   | ۸۔ سلسلہ کرخیہ              | چندر داس   |
| "   | ۹۔ سلسلہ سقطیہ              | غریب داس   |
| "   | ۱۰۔ سلسلہ جنیدیہ            | رام حیرن   |
| "   | ۱۱۔ سلسلہ گادرونیہ          | انیسویں صدی کے ہندو معتبروں پر صوفی اثرات                  |
| "   | ۱۲۔ سلسلہ طوسیہ             | مہاراشٹر میں صوفی اثرات                                    |
| ۲۰۹ | ۱۳۔ سلسلہ سہروردیہ          | مختلف روحانی تعلیمات کا اسلام سے مقابلہ                    |
| "   | ۱۴۔ سلسلہ فردوسیہ           | تصوف اور عیسائی مسیحی سزم                                  |
| ۲۱۰ | بارہ فروعی سلاسل            | اسلام اور نوافلاطونیت                                      |
| "   | ۱۔ سلسلہ قادریہ غوثیہ       | اسلام اور ہندو مسیحی سزم                                   |
| "   | ۲۔ سلسلہ سیویہ              | اسلام اور یہودی قبائل                                      |
| "   | ۳۔ سلسلہ لقتبندیہ           | اسلام کی جامعیت  |
| ۲۱۱ | ۴۔ سلسلہ نوریہ              | تقابلی مطالعہ کا نتیجہ                                     |
| "   | ۵۔ سلسلہ خضرویہ             | ایک سوال؟  |
| "   | ۶۔ سلسلہ شطاریہ عشقیہ       |  |
| ۲۱۲ | ۷۔ سلسلہ سادات کرام         | ۷۔ سالوں باب   |
| "   | ۸۔ سلسلہ زاہدیہ             | سلاسل طریقت  |
| "   | ۹۔ سلسلہ انصاریہ            | ظاہری اتباع اور باطنی اتباع                                |
| ۲۱۳ | ۱۰۔ سلسلہ صفویہ             | ولایت  |
| "   | ۱۱۔ سلسلہ ادروسیہ           | ولایت کی اقسام   |
| "   | ۱۲۔ سلسلہ قلندریہ           | ولایت اور ولایت میں فرق                                    |
| "   | سلسلہ چشتیہ ذوقیہ           | ہر زمانے میں ولایت کا مصدر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں |
| ۲۱۴ | حضرت مولانا ذوقی شاہ        | حضرت علی کے خلفاء  |
| "   | تصانیف                      | حضرت امام بصری کے خلفاء                                    |
| ۲۱۸ | خلفاء                       | ۱۔ سلسلہ زیدیہ   |
| "   | ۱۔ حضرت شاہ شہید اللہ فریدی | ۲۔ سلسلہ عیاضیہ  |
| "   |                             | ۳۔ سلسلہ ادھمیہ  |

|     |  |                      |   |
|-----|--|----------------------|---|
| ۲۴۱ | انراہل بیت اور صوفیاء کا طریقہ ایک ہے          | ۲۱۹                  | تصنیف و تالیف                             |
|     | حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی کو                    | ۲۲۰                  | حضرت مولانا محمد عمر                      |
| ۲۴۲ | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا عطیہ            | ۲۲۰                  | حضرت مولانا عبدالسلام                     |
| "   | حضور اقدس کی طرف سے زردہ ملا                   | ۲۲۱                  | مصنف کتاب اور آپ کی دیگر تصانیف           |
| "   | زیارت رسولؐ                                    |                      | خلاصہ کلام                                |
| ۲۴۳ | ایک حدیث کی تشریح خود آنحضرت کی زبانی          | <b>۸- آٹھواں باب</b> |   |
| "   | ولایت اور نبوت کے مراتب میں فرق                | <b>خانقاہی نظام</b>  |   |
| ۲۴۴ | زیارت رسولؐ اور مومنے مبارک کا عطا کرنا        | ۲۲۳                  | خانقاہی نظام کی حقیقت اور اہمیت           |
| ۲۴۵ | سجدہ غیر اللہ کی ممانعت                        | ۲۲۴                  | اسجکل جرائم کا انسداد کیوں نہیں ہونے پاتا |
| "   | قرابت رسولؐ کا مقام                            | "                    | اولیاء کرام اور علماء کی تعلیمات میں فرق  |
| ۲۴۶ | آپ کا پسندیدہ درود شریف                        | ۲۲۸                  | بیعت                                      |
| "   | نذر نیاز کی پسندیدگی بارگاہ نبوتؐ میں          | ۲۲۹                  | اقسام بیعت                                |
| "   | گزشتہ اولیاء سے ملاقات                         | "                    | ضرورت شیخ                                 |
| ۲۴۷ | حضرت خواجہ اجیریؒ سے خلافت شاہ ولی اللہؒ کو    | ۲۳۰                  | ادصاب شیخ                                 |
| ۲۴۷ | مختلف سلاسل کی سیر روحانی                      | ۲۳۱                  | تجدید بیعت                                |
| "   | حضرت خواجہ قطب الدین بختیارؒ سے ملاقات         | ۲۳۲                  | آداب مریدی                                |
| ۲۴۸ | مزار پر حاضری اور بشارت فرزند                  | ۲۳۳                  | زیارت قبور                                |
| ۲۴۹ | مجالس ارواح                                    | ۲۳۵                  | زیارت قبور کے فضائل و برکات               |
| "   | شیخ سعدی سے ملاقات                             | "                    | زیارت قبور و احادیث نبوی                  |
| "   | نذر و نیاز کا طعام کھانے کا جواز               | ۲۳۶                  | زیارت قبور کی غرضی ممانعت                 |
| ۲۵۰ | تلاوت قرآن سے اہل قبور خوش ہوتے ہیں            | "                    | زیارت قبور کے فضائل و برکات               |
|     | اصحاب قبور ذکر اللہ بھی کرتے ہیں               | ۲۳۸                  | انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں            |
| ۲۵۰ | جن کو اہل اللہ سن سکتے ہیں                     | "                    | شفاعت کا ثبوت                             |
| ۲۵۱ | شہید بھی انسانی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں          |                      | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث کے  |
| "   | اصحاب مزار کا قوالی میں رقص کرنا               | ۲۳۹                  | معنی پوچھنا اور آپ کا جواب                |
| "   | زیارت قبور اور فیوض و برکات                    | ۲۴۰                  | حقیقت محمدیہ                              |
| ۲۵۲ | اولیائے زمانہ سلف سے اخذ فیض اور نوعیت فیض     | ۲۴۰                  | حضرت شاہ ولی اللہؒ کا ایسی ہونا           |
| "   | اصحاب قبور سے مدد مانگنا                       | "                    | مذہب حنفی بہترین طریقہ ہے                 |
| "   | ذکر نفی و اثبات کی تعلیم سرور کائنات کی طرف سے | "                    | فضیلت صحابہ کے بیان میں                   |

- ۲۶۶ اصحابِ قبور کے تصرف اور فیضان کی ایک اور مثال
- ۲۶۷ کمالاتِ نبوت کا اولیاءِ کرام میں منتقل ہونا
- ۲۶۸ اصحابِ قبور اور حضرت غوث الاعظم
- حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا قبر سے نکل کر
- حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے ملنا
- دیگر علماء و مشائخ کے شواہدات اور شہادت
- ۲۶۹ علامہ جلال الدین سیوطیؒ اور تصرفِ انبیاء و اولیاء
- ۲۶۹ مولانا اشرف علی تھانوی دہلوی کی شہادت
- حافظ ابن قیم جوزی کی شہادت
- ۲۷۰ حضرت شاہ عبدالرحمن محدث دہلوی کی شہادت
- مولانا محمد قاسم نانوتوی دہلوی کی شہادت
- حضرت سعید ابن مسیب تابعی کی شہادت
- ملاں علی قاری کی شہادت
- ۲۷۱ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی شہادت
- امام عبدالوہاب شعرانی کی شہادت
- ۲۷۱ شیخ جلال الدین سیوطی کی شہادت
- امام غزالی کی شہادت
- ۲۷۲ حضرت شیخ صدر الدین تونوی کی شہادت
- اصحابِ قبور سے رابطہ کیسے پیدا کیا جاتا ہے
- ۲۷۳ عالم ارواح کہاں ہے

### ۹۔ نَوَاقِبُ

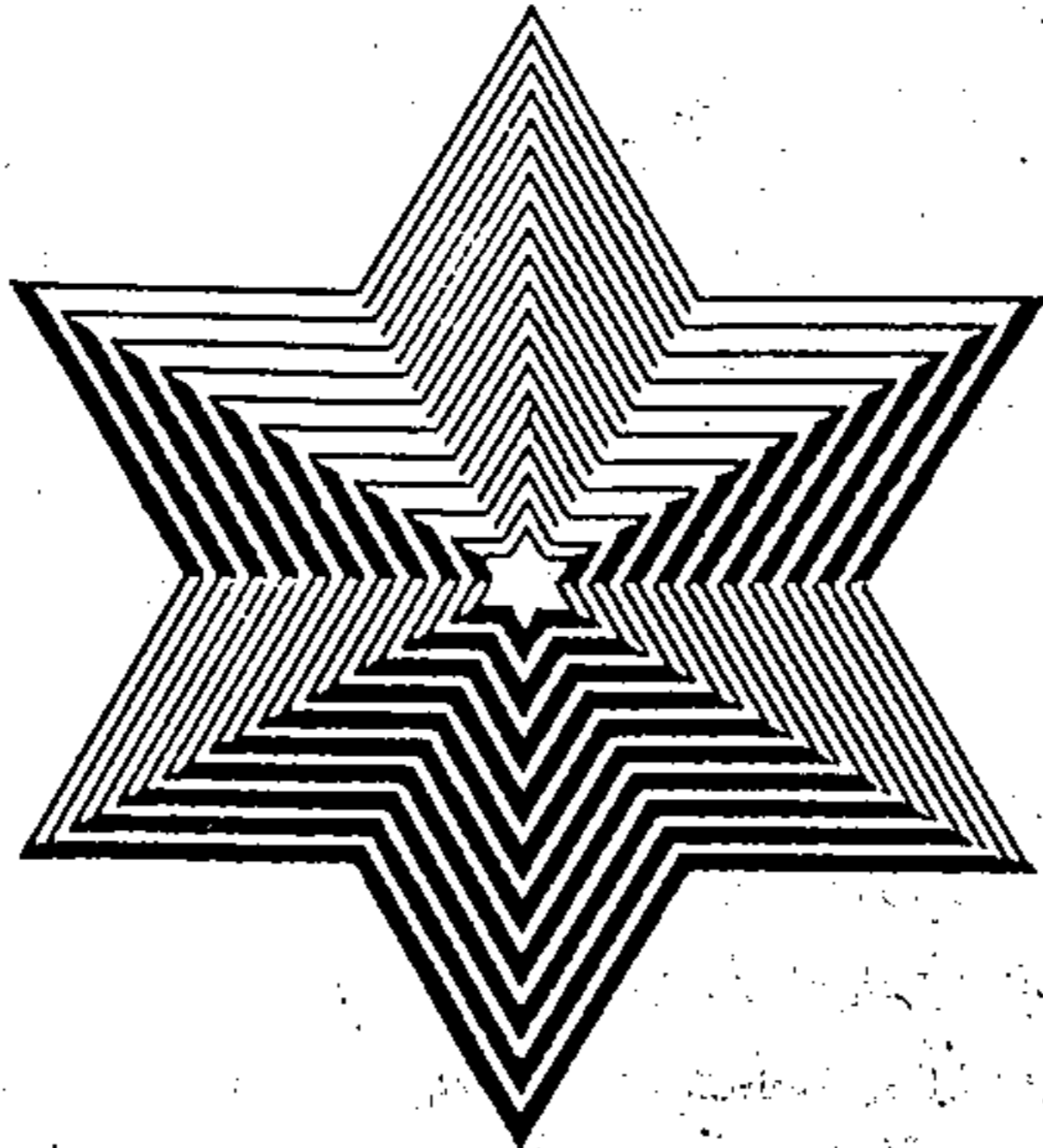
- ارکانِ اسلام یعنی نماز، روزہ وغیرہ کے
- ۲۷۵ باطنی اسرار و رموز
- ۲۷۵ اسرار و رموزِ طہارت
- ۲۷۷ اسرارِ صلوة
- ۲۷۹ اسرارِ صوم
- مختلف اولیاءِ کارِ روزہ
- شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین بہروردیؒ

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا اصحابِ قبور سے اخذ فیض

- ۲۵۳ زیارتِ قبور اور مولانا تھانوی
- ۲۵۴ مجالسِ میلاد میں رسولِ خدا کا تشریف لانا
- ۲۵۴ علمائے دیوبند کے نزدیک ممکن ہے
- ۲۵۴ اولیائے زمانہ ماضی سے ملاقات اور علماء دیوبند
- ۲۵۵ علماء دیوبند اور نذر و نیاز
- خواجہ اجیریؒ کا فیض
- امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب میں بھی
- نذر و نیاز جائز ہے
- ۲۵۶ آنحضرتؐ کا تشریف لانا اور امام غزالی کو
- خطابِ حجۃ الاسلام عطا فرمانا
- حالتِ بیداری میں زیارتِ رسولؐ
- ۲۵۷ علماء دیوبند کے نزدیک پیر و مرشد بھی حاضر و ناظر ہو سکتا ہے
- مسئلہ نور و بشر میں علماء دیوبند کا اعتراف
- علمائے دیوبند کی ایک اور کتاب سے اصحابِ قبور
- دیگر اولیاء کی کرامات کا ثبوت
- ۲۵۹ حضرت ثابت بن قیس کی بعد وفات کرامت
- ۲۶۰ حضرت امام حسنؒ ابن حضرت علیؑ کی کرامت
- حضرت امیر حمزہؓ کی کرامت
- ۲۶۱ حضرت زید بن فارح انصاری کی کرامت
- حضرت سعد بن عبادہ کی کرامت
- ۲۶۲ حضرت عثمانؓ کی کرامت
- حضرت علیؑ کی کرامت
- حضرت عمرؓ کی کرامت
- ۲۶۳ شاہ اسماعیل شہید اور زیارتِ قبور
- نذر و نیاز کا جواز
- ۲۶۴ ارواحِ انبیاء و اولیاء کرام اور ملائکہ سے ملاقات
- ذاتِ حق میں داخل ہونا
- ۲۶۵ فتاویٰ اللہ بایسیر فی اللہ کی حقیقت

|                      |  |  |
|----------------------|--|--|
| ۲۸۱                  | کے افادات روزہ کے متعلق                | شغل دائرہ سحتی   |
| ۲۸۲                  | لقمان کی نصیحت                         | مراتب فنا  |
| ۲۸۳                  | روزہ میں غیبت کا گناہ                  | مقام بقا باللہ سے مراد                                   |
| ۲۸۴                  | دوستوں کی خاطر نفلی روزہ توڑنا جائز ہے | اچھے اور بُرے انوار کی پہچان                             |
| ۲۸۵                  | رزق میں برکت کا طریقہ                  | رنگوں کی پہچان   |
| ۲۸۶                  | قلب کی بیماریوں کا علاج                | ذکر برائے شفا تے مرضی                                    |
| ۲۸۷                  | اسرار و رموز                           | مقاصد کے حصول اور آئندہ حالات سے واقفیت کے لیے           |
| <b>۱۰۔ دسواں باب</b> |  | کشف قبور کے لیے  |
| ۲۸۸                  | اوراد، وظائف، اشغال و مراقبات          | کشف قبور کا دوسرا طریقہ                                  |
| ۲۸۹                  | ذکر اللہ کی اہمیت                      | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے                |
| ۲۹۰                  | اقسام ذکر                              | حاجت براری کا طریقہ                                      |
| ۲۹۱                  | اشغال و مراقبات                        | مشائخ کے تصرفات کرنے اور توجہ دینے کا طریقہ              |
| ۲۹۲                  | ضرورت اذکار و مشاغل و مراقبات          | زندہ اور مردہ اہل اللہ کی نسبت معلوم کرنے کا طریقہ       |
| ۲۹۳                  | ذکر اسم ذات                            | کسی کے دل کے خیالات معلوم کرنے کا طریقہ                  |
| ۲۹۴                  | ذکر اسم ذات یک ضربی                    | آئندہ واقعات معلوم کرنے کا طریقہ                         |
| ۲۹۵                  | ذکر اسم ذات دو ضربی                    | مرض سلب کرنے کا طریقہ                                    |
| ۲۹۶                  | ذکر سہ ضربی                            | مرض سلب کرنے اور گناہگار سے گناہ دور کرنے کا دوسرا طریقہ |
| ۲۹۷                  | ذکر چہار ضربی                          | بلا دفعہ کرنے کا طریقہ                                   |
| ۲۹۸                  | ذکر نفی و اثبات                        | احتیاط کی ضرورت  |
| ۲۹۹                  | ذکر پاس انفاس                          | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا دوسرا طریقہ        |
| ۳۰۰                  | شیطان کے شرک مٹانے کا طریقہ            | نماز استخارہ   |
| ۳۰۱                  | جس دم کا دوسرا طریقہ                   | استخارہ کا دوسرا طریقہ                                   |
| ۳۰۲                  | شغل سر پایہ                            |  |
| ۳۰۳                  | مراقبات                                |  |
| ۳۰۴                  | مراقبہ یقین                            |  |
| ۳۰۵                  | مراقبہ قرب                             |  |
| ۳۰۶                  | مراقبہ رویت                            |  |
| ۳۰۷                  | مراقبہ ذات                             |  |
| ۳۰۸                  | شغل ہوا                                |  |
| ۳۰۹                  | شغل یا ظاہر و یا باطن                  |  |
| ۳۱۰                  |  | احوال و مقامات اولیاء                                    |
| ۳۱۱                  |  | حضرت خواجہ حسن بھری اور ایک آتش پرست                     |
| ۳۱۲                  |  | حضرت مالک بن دینار اور ملاح                              |
| ۳۱۳                  |  | حضرت حبیب عجمی   |

|           |  |   |
|-----------|--|---|
| ۳۰۶       | خواجہ حبیب عجمی کی کرامات                            | تحریر علی                                     |
| "         | رالعبصریؒ  | غلبہ حال                                      |
| ۳۰۷ - ۳۰۸ | رالعبد کی مناجات                                     | خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین حسن سجریؒ |
| ۳۰۸ - ۳۰۹ | رالعبد کی دعائیں                                     | اجیری کے حالات زندگی                          |
| ۳۰۹       | حضرت فضائل ابن عیاضؒ                                 | بیعت  |
| ۳۱۰       | ایک یہودی کا مسلمان ہونا                             | سفر صومالیہ شریفین اور ہندوستان               |
| "         | خواجہ فضیل بن عیاض اور خلیفہ ہارون الرشید            | کی ولایت کا سپرد ہونا                         |
| ۳۱۳       | حضرت بایزید بسطامیؒ کا ۵۰۰ عیسائیوں کو مسلمان کرنا   | ہندوستان خواجہ بزرگؒ کو درتہ میں ملا          |
| ۳۲۰       | حضرت شیخ علی بن عثمان الجوزی المعروف دانگنج بخشؒ     | حضرت غوث الاعظم اور خواجہ بزرگ کی ملاقات      |
| "         | حضرت غوث الاعظم حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ | اولیاء اللہ میں تفریق اور مقابلہ کرنا غلطی ہے |
| ۳۲۳       | سیر و سلوک   | اقوال مبارک                                   |
| ۳۲۵       | ظاہری و باطنی علوم کے لیے جدوجہد                     | کرامات  |
| ۳۲۶       | آپ کے قول قدمی علی رقبۃ کل                           | شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ       |
| "         | ولی اللہ کا مطلب                                     | شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربیؒ             |
| "         | حلیہ مبارک   | "   |
| ۳۲۷       | تاریخ وصال   | خواجہ بزرگ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ      |



# روحانیت کی پیاسی دنیا

## کلاسک روحانیت کی سخت ضرورت

یہ قدرت کا کرشمہ ہے کہ مادیت (MATERIALISM) اور لادینیّت (SECULARISM) میں غرق مغربی دنیا اور دہریت میں غرق روس میں پھر سے روحانیت کی تلاش آجکل زوروں پر ہے اور یورپ اور امریکہ میں لوگ اولیائے اسلام مثل امام غزالی، ابن عربی، جنید بغدادی، رومی وغیرہم کی روح پرور تصانیف سے متاثر ہو کر کثرت سے اسلام قبول کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نہ مادیت میں روح کی غذا موجود ہے نہ لادینیّت میں۔ انسان مجموعہ ہے روح اور جسم کا۔ جسم کا تعلق مادی دنیا سے ہے اور اس کی غذا بھی مادی ہے، روح عالم قدس کی چیز ہے اور اس کی غذا روحانی ہے یعنی خالق کائنات کی محبت اس کی معرفت اور قربت وغیرہ روح کی غذا ہے جس طرح انسان کا جسم مادی غذا نہ ملنے کی وجہ سے بے چین ہو جاتا ہے اسی طرح روح کو بھی روحانی غذا نہ ملنے سے سخت بے چینی اور بے قراری لاحق ہوتی ہے لہذا مغربی دنیا اور اس کی بے چینی، پریشانی اور آپس میں رسد کشتی اور جنگ و جدال کی حقیقی وجہ روح کی بے قراری ہے اور جب تک اہل مغرب اور اہل روس روحانی غذا حاصل نہیں کریں گے اسی طرح بے چینی، بد امنی اور جنگ و جدال میں مبتلا رہیں گے۔

حیثیت کی بات ہے کہ ان ممالک میں دولت کی فراوانی اور عیش و عشرت کے باوجود خودکشی اور دماغی امراض (PSYCHIC AILMENTS) کی اس قدر کثرت ہے کہ اقوام متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق وہاں کے ہر شہر کی ہر ہسپتال میں نصف سے زیادہ بستر دماغی امراض کے مریضوں کے لیے مخصوص رہتے ہیں اور خودکشی کی واردات بھی ان دولت مند ممالک میں غریب ملکوں سے کئی گنا زیادہ ہیں ان تمام خرابیوں اور بے چینیوں کی وجہ وہی روحانی غذا کا فقدان ہے جس سے کئی صدیوں سے لوگ محروم ہیں۔ ایک دفعہ ایک انگریز ادیب نے مجھ سے کہا کہ میرے پاس اس قدر دولت ہے کہ ہر چیز خرید سکتا ہوں ہر قسم کا آرام و آسائش میسر ہے لیکن میرے دل میں ایک ایسی تڑپ ہے کہ جن کا علاج مجھ سے نہیں ہو سکا۔ نہ اچھے کھانوں سے وہ تڑپ ختم ہوتی ہے نہ اچھے کپڑے پہننے سے اور نہ حسین چہروں

سے۔ آپ بتائیں کہ وہ کیا چیز ہے جو میرے اندر اس قدر آگ بھڑکار رہی ہے۔ میں نے جواب دیا کہ ہر انسان کے اندر رُوح موجود ہے اور رُوح کی غذا محبت الہی یا دالہی اور قُرب الہی ہے جب تک اُسے یہ غذا نہیں دی جاتی بے چین رہتی ہے۔ آپ کے دل میں حق تعالیٰ کی محبت موجزن ہے اور جب تک آپ یا خدا اور قُرب خداوندی سے محروم رہیں گے بے چین رہیں گے۔

ایک امریکی نو مسلم سے جب میں نے پوچھا کہ آپ کس طرح مسلمان ہوئے تو انہوں نے فوراً جواب دیا کہ "شراب سے" میں نے حیران ہو کر پوچھا کہ شراب سے آپ کس طرح مسلمان ہوئے۔ تو انہوں نے کہا کہ میں اس قدر شراب پیتا تھا کہ بالآخر اس کا اثر مجھ پر ختم ہو گیا اور مجھے نشہ چڑھنا بند ہو گیا۔ اس سے میری طبیعت میں شدید بے چینی پیدا ہو گئی اور میں تیز قسم کے سپرٹس (SPIRITS) سے اپنی پیاس بجھانے لگا جس سے میرا دماغ اور بھی زیادہ پریشان ہوا۔ ایک دن میں نے اپنے بھائی کے ہاتھ میں ایک کتاب دیکھی۔ وہ قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ تھا جب میں نے اُسے کھول کر پڑھا تو مجھے اس قدر سکون حاصل ہوا کہ میری جان میں جان آگئی اور میں اُسی وقت مسلمان ہو گیا۔

تو یہ خداوند عالم کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ مادیت اور لادینیت میں سرشار ممالک میں خود بخود اسلامی روحانیت کی تڑپ پیدا ہو رہی ہے اور نشوں سے خراب حال لوگ خود بخود اسلام کی طرف آرہے ہیں۔ اس لیے آج کل ان ممالک میں اسلامی روحانیت کی جستجو اس قدر بڑھ گئی ہے کہ پہلے کبھی نہ تھی۔ روس میں تو باقاعدہ سرکاری طور پر قومی تجزیہ گاہوں میں سرکاری ڈاکٹروں اور ماہرین روحانیت و نفسیات کے ہاتھوں اسلامی کشف و کرامات یعنی مافوق العادت امور پر آلات اور مشینوں اور کمپروں کے ذریعے تجزیے ہو رہے ہیں اور ٹیلی پیچی کے ذریعے دور دراز مقامات کے مابین سلسلہ مواصلات ہونا شروع ہو گیا۔ نیز روحانی قوت کے ذریعے وزنی چیزوں کو بغیر ہاتھ لگائے حرکت دینا زمین سے ایک دو اینچ اوپر ہوا میں معلق ہونا (LEVITATION) اور دُور کی چیزوں کو دیکھنا اور دُور کی آوازوں کو سننا ان تمام مافوق العادت امور پر تجربے ہو رہے ہیں اور وہ دن دُور نہیں کہ جب روس اسلام کی بے پناہ روحانی قوت سے آگاہ ہو کر اسلام قبول کر لے۔

لیکن اسلامی دنیا کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ تہذیب مغرب علم اسلام کا سب سے بڑا المیہ کے زہریلے اثرات کا طوفان اُٹا چلا آرہا ہے اور نہ صرف گھر گھر

کے اندر گھس رہا ہے بلکہ مسلمانوں کے دل و دماغ میں بھی سرایت کر رہا ہے جس سے ہماری قدیم مذہبی روحانی، معاشرتی اور اخلاقی اقدار کو سخت دھکا لگا ہے۔ دوسری مصیبت یہ ہے کہ اس زہریلے تمدن کو اقوام مغرب کی بے پناہ فوجی قوت کی پشت پناہی حاصل ہے جس کے ذریعے یہ زہر زبردستی ہمارے حلق



کے اندر آثار اجار ہا ہے۔ اس کے ساتھ روس اور اقوام مغرب کی یلغار بھی اسلامی ممالک میں بڑھ رہی ہے کیونکہ جغرافیائی اور فوجی اعتبار سے یہ ملک بے حد اہمیت کے حامل ہیں اور قدرتی معدنیات اور تیل وغیرہ سے مالا مال ہیں۔ لہذا ان فوجی اور تمدنی یا نظریاتی حملوں کے جواب میں ایک تو اسلامی ممالک کو متفقہ محاذ پیدا کر کے اپنی فوجی قوت کو بڑھانا اور یکجا کرنا ہے دوسرے محاذ پر ہم نے ان لوگوں کے تمدنی یا نظریاتی حملوں کے جواب میں اپنی اسلامی روحانیت کے بے پناہ ذخائر کو بڑھانا اور بر دے کا ر لانا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے قدرت ہماری امداد کر رہی ہے اور وہاں کے لوگ مادیت اور لادینیت کی خشک اور مہلک فضائے تنگ آ کر خود بخود اسلامی روحانیت کی تلاش میں امام غزالیؒ اور ابن عربیؒ کی کتابوں کی ورق گردانی میں مصروف ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ فوجی محاذ پر اگرچہ ہم مسلمان فی الحال کمزور ہیں اور یہ کمزوری عارضی ہے، لیکن روحانی محاذ پر ہمیں فوقیت حاصل ہے اور ان کی دفاعی لائن کے اس حصے میں یعنی نظریاتی حصے میں اب اسلامی روحانیت نے جا بجا شگاف ڈال دیئے ہیں۔ یہ ایک اہم فوجی اصول ہے کہ ”کمک ہمیشہ اس محاذ پر پہنچانی چاہیے جہاں کامیابی ہو رہی ہو نہ کہ اس محاذ پر جہاں ناکامی کا سامنا ہو۔“ اب چونکہ روحانیت کے میدان پر ہمیں کامیابی ہو رہی ہے ہمارا فرض ہے کہ اسی محاذ کو ہم مضبوط بنائیں اور زیادہ سے زیادہ اولیائے کرام (روحانی ماہرین) کی تصانیف کے تراجم ان روحانیت کے پیاسوں کے سامنے پیش کیے جائیں تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ اسلام قبول کریں جس سے ان کی توپیں خود بخود ٹھنڈی پڑ جائیں گی۔ ایک دفعہ جب ایک انگریز تو مسلم کے سامنے جو تصوف کی کتابیں پڑھ کر مسلمان ہوا تھا۔ میں اقوام مغرب اور روس کی یلغار کا ذکر کر رہا تھا تو اس نے کن جان افزاء الفاظ میں کہا کہ ”آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ جہاں ان لوگوں کی توپیں اسلامی ممالک کی سرحدوں پر کھڑی کر دی گئی ہیں۔ اللہ کی قدرت سے ان کے اپنے گھروں کے اندر ہم جیسے جاں نثار مجاہدین اسلام پیدا ہو رہے ہیں۔“ یہ حقیقت ہے اور خداوند بالا برتر کی قدرت کا عظیم الشان کرشمہ ہے کہ بقول علامہ اقبالؒ

”پاسبان مل گئے کعبہ کو صنم خازن سے“

خالق کائنات نے اپنے دین اسلام کی حفاظت کی خود ذمہ داری یہ فرما کر لی ہے کہ ”إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَنَحْفَظُونُ“ (ہم نے قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں) چونکہ قرآن دین اسلام ہے اس لیے قرآن کی حفاظت دین اسلام ہی کی حفاظت ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ چونکہ ان لوگوں کی تہذیب و تمدن میں خداوند عالم سے بغاوت اور تباہی کے تخم پوشیدہ ہیں اور ان کی معیشت ہو یا معاشرت، سائنس ہو سیاست ہر چیز کے اندر تخریب اور توڑ پھوڑ کے اثرات موجود ہیں ہم مسلمانوں کے لیے واحد لائحہ عمل یہ ہے کہ ہم ان کے گمراہ کن، کافرانہ اور مشرکانہ تمدن کو اپنانے

کی بجائے اس سے پرہیز کریں اور اسلام کے ابدی اصولوں پر سختی سے جم جائیں۔ مسلمان کبھی بھی کافروں کی غلامی میں ترقی نہیں کر سکتے۔ ہم مسلمان دین حق پر ہیں لہذا ہمیں اقوام مغرب کی تقلید کی بجائے خود ان کو اپنی یعنی اسلام کی تقلید پر آمادہ کریں۔ مسلمان کا وجود دنیا میں خلیفۃ اللہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ خلیفۃ اللہ کے لیے یہ مناسب نہیں کہ خداوند عالم سے باغی اقوام کا مقلد (CAMP FOLLOWERS) بنا پھرے۔ ہمارے مذہب اسلام اور ان کے مذہب عیسائیت کو بارہا دنیا میں آزمایا جا چکا ہے۔ جہاں عیسائیت کی حکمرانی سے یورپ چھ سات صدیوں تک دنیا کے تاریک ترین دور جس کو مورخین یورپ DARK AGES کے نام سے یاد کرتے ہیں میں مبتلا ہو گیا۔ اسلامی اقتدار کے زمانوں میں مسلم سپین، بغداد، دمشق اور بخارا کی یونیورسٹیوں سے یورپ کو انھیں اور باقی دنیا کو بالعموم علوم و فنون، تہذیب و تمدن اور سائنس کے وہ انمول خزانے حاصل ہوئے کہ دنیا دنگ ہے۔

ہمارے نام نہاد ترقی پسند (PROGRESSIVES) کہتے ہیں کہ مذہب میں رجعت پسندی (REACTIONARISM) ہے جب تک اقوام مغرب مذہب پر پابند رہیں زوال پذیر رہیں جب سے انہوں نے مذہب کا جو اتار کر پھینکا ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہیں۔ ہمارے ان نام نہاد ترقی پسندوں اور احساس کتری میں ڈوبے ہوئے انسانوں نے تاریخ عالم کا اتنا مطالعہ بھی نہیں کیا کہ جس سے ان کو معلوم ہو کہ اقوام مغرب نے صرف مادیت کے میدان میں جو ترقی حاصل کی ہے وہ انہوں نے اپنے رجعت پسندانہ مذہب عیسائیت کو چھوڑ کر اور اسلام کے مادی ترقی اور سائنس کے فروغ کے اصولوں کو اپنا کر کی ہے۔ مذہب کی وجہ سے تنزل کے گڑھے میں جا کر نا اہل مغرب کا تاریخی تجربہ ہے۔ اسلام کا تاریخی تجربہ نہیں ہے اسلام کا تاریخی تجربہ یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کو نہ صرف روحانیت کے میدان میں عظیم الشان کامیابیاں حاصل ہوئیں اور قرب و معرفت الہی کے بلند ترین مقامات پر پہنچ گئے بلکہ مادیت کے میدان میں انہوں نے علوم و فنون اور سائنس میں وہ ترقی حاصل کی کہ یورپ کے استاد بن کر دنیا میں ابھرا آئے۔ یورپ کے مورخین اس بات کو متفقہ طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ علوم و فنون، سائنس اور تمدن کے میدان میں یورپ کو جو ترقی حاصل ہوئی ہے وہ اسلام اور مسلمانوں کی مرہون منت ہے۔

مغربیت سے سچا چھپانے میں مسلمانوں کی خیر ہے اور تباہ کن اثرات سے بھاگ کر اسلامی اصول اور

نظریات کو اپنائیں۔ تہذیب مغرب سے پرہیز سے ہماری مراد سائنس سے پرہیز نہیں ہے کیونکہ سائنس تو خود اسلام کا درخت ہے اور اسلام کی پیدا کردہ نعمت ہے۔ مغربیت سے پرہیز سے ہماری مراد یہ ہے کہ تہذیب مغرب کے کافرانہ اور ملحدانہ نظریات مثل لادینیت اور کمیونزم وغیرہ سے اجتناب کیا جائے۔ تمام اہل دانش ارباب کا کہنا ہے کہ جب تک تہذیب مغرب سے ان تباہ کارانہ عناصر کو نکال پھینکا نہیں جاتا۔ دنیا ہمیشہ جنگ و جدال کا گھاڑی رہے گی لہذا وقت کی ضرورت یہ ہے کہ:-

۱- پہلے علم کو مغربیت سے پاک کیا جائے جس کا نام دانشوروں نے رکھا ہے۔

(DEWESTERNISATION OF KNOWLEDGE)

۲- سائنس کو مغربیت سے پاک کیا جائے جس کا نام انہوں نے رکھا ہے۔

(DEWESTERNISATION OF SCIENCE)

۳- معاشرت کو مغربیت سے پاک کیا جائے جس کا نام انہوں نے رکھا ہے۔

(DEWESTERNISATION OF SOCIAL LIFE)

۴- تعلیم کو مغربیت سے پاک کیا جائے جس کا نام ہے۔

(DEWESTERNISATION OF EDUCATION)

۵- معیشت کو مغربیت سے پاک کیا جائے جس کا نام ہے۔

(DEWESTERNISATION OF ECONOMICS)

۶- سیاست کو مغربیت سے پاک کیا جائے جس کا نام ہے۔

(DEWESTERNISATION OF POLITICS)

۷- فلسفہ کو مغربیت سے پاک کیا جائے جس کا نام ہے۔

(DEWESTERNISATION OF PHILOSOPHY)

اور خداوند تعالیٰ کا شکر ہے کہ اسلامی ممالک میں نظام اسلام لانے کی مہم شروع ہو چکی ہے۔ اب اس مہم کو باقاعدگی سے چلانے کی ضرورت ہے کیونکہ جب تک تمام علوم و فنون، تمدن اور سیاست وغیرہ سے خداوند عالم سے بغاوت کے عمل کو نکال پھینک نہیں دیا جاتا ہے دنیا کو چین نصیب نہ ہوگا۔ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ سب سے پہلے ہم اپنے ملکوں اور اپنی زندگیوں میں تطہیر کا یہ عمل نافذ کریں اور اس کے ساتھ قدمے سنبھلے درمے، داسے ہم باقی دنیا کو بھی مغربیت کے زہریلے اثرات اور اسلام کے جاں پرور اصولوں سے آگاہ کرنے کی مہم جاری کریں۔

چنانچہ یہ کتاب اس عظیم الشان مہم کی ایک اہم کڑی ہے۔ اس کے مختلف ابواب میں ایک طرف تو مغربیت مغرب کی تباہ کاریوں سے آگاہ کیا گیا ہے اور دوسری طرف اسلامی روحانیت کی حقیقت اور حق تعالیٰ کا قرب معرفت حاصل کرنے کے طریقوں کی وضاحت کی گئی ہے۔

علاوہ پر مغرب ممالک کا اسلامی دنیا پر تسلط برقرار رکھنے کی خاطر ان کی حکومتوں کی طرف سے اسلام، قرآن اور اکابر اسلام پر کیچڑ اچھالنے کی جو مہم جاری کی گئی ہے اس کتاب میں ان کے بے بنیاد اور جھوٹے الزامات کی بھی تاریخی شواہد سے پر زور تردید کی گئی ہے اور چونکہ اسلامی دنیا میں نسبت سے زیادہ کامیابی ہمارے روحانی

پیشواؤں کو حاصل ہوتی ہے۔ یورپ کے مصنفین کی ایک جماعت جسے مستشرقین (ORIENTALISTS) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے نے خاص طور پر ان کو زیادہ بدنام کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ الزام تراشی ہے کہ انہوں نے عیسائی مسیحی سزم اور ہندو مسیحی سزم کی خوشہ چینی کی ہے چنانچہ کتاب ہذا میں مکمل ریسرچ کے بعد خود انصاف پسند غیر مسلم مصنفین کی شواہد سے ثابت کیا ہے کہ نہ صرف تصوف پر بیرونی اثرات کے الزامات بے بنیاد لغو اور شرانگیز ہیں بلکہ یہ بھی ثابت کیا ہے کہ اٹا ہندو اور عیسائی ارباب روحانیت نے مسلمانوں سے زبردست استفادہ کیا ہے اور مرہون منت ہیں۔

کتاب ہذا کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ جو حضرات اسلام کی روحانی تعلیمات اور حق تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کے طریقوں سے آگاہ نہیں ہیں ان کو آسان عبارت میں تصوف کی حقیقت اور روحانی ترقی کے حصول کے طریقوں سے آشنا کیا گیا ہے۔

اس کتاب کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ جو حضرات صوفی مشرب رکھتے ہیں لیکن صوفیاء کرام اور مشائخ عظام کے بلند ترین روحانی منازل و مقامات سے آگاہ نہیں ہیں ان کا معیار بلند کیا جائے اور اسلام کے بلند ترین حقائق و معارف سے ان کو نہ صرف بخوبی آگاہ کیا جائے بلکہ عملی طور پر اس کو چھ میں قدم زن بھی کرایا جائے اور روحانی سفر کی مختلف منازل و مقامات مثل سیر الی اللہ، سیر فی اللہ، سیر باللہ، سیر مع اللہ، فنا فی اللہ، بقا باللہ وغیرہ کے عملی طریقے بتائیں جائیں جس کے لیے کتاب ہذا میں ایک باب ماہرین فن روحانیت کے مقرر کردہ روحانی کورس یعنی اوراد، افکار، مشاغل اور مراقبات مختصر طور پر بیان کیے گئے ہیں لیکن اس انتباہ کے ساتھ کہ مرشد کامل کی راہنمائی کے بغیر ان پر عمل نہ کیا جائے کیونکہ جو درخت خود بخود پیدا ہوتا ہے اس کا پھل بے مزہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ آج کل ہمارے بے شمار خور و علماء اور خور و صوفیاء بڑی طرح ناکام ہوئے ہیں۔ مولانا روم فرما گئے ہیں۔

قال را بگذار و مرد حال شو  
پیش مرد کا ملے پا مال شو

علاوہ ازیں کتاب میں ایک باب ارکان اسلام یعنی صوم و صلوة اور حج و زکوٰۃ کے باطنی اسرار و رموز پر بھی باندھا گیا ہے تاکہ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے بعد جو حلاوت اور لذت اور عروج عبادت پایندی ارکان اسلام سے حاصل ہوتا ہے اس کا کچھ اندازہ ہو سکے۔

کتاب ہذا میں سب سے زیادہ عجیب اور دلکش بات جو بتائی گئی ہے یہ ہے کہ مقربین بارگاہ کا کہنا ہے کہ دنیا میں سب سے بڑی کامیابی اور فتح حق تعالیٰ تک رسائی ہے اور یہ بھی کہ دنیا میں آسان ترین کام حق تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنا ہے۔ اس کی تفصیل کتاب ہذا میں ملاحظہ ہوگی۔

ہر دو عالم قیمت خود گفتمہ نرغ بالا کن کہ از زانی ہنوز (امیر خسرو)

از دل دین چہ آورم ہدیہ رونمائے تو ایک نشان دلبری ہر دو جہاں فدلے تو (خسرو)  
ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ

ایمن مشوک مرکب مردان زہد را در سنگلاخ بادیہ پینہ بریدہ اند  
نامید ہم مشوک زندان بادہ نوش بیک خسروش بمنزل رسیدہ اند

چنانچہ کتاب ہذا میں جہاں مردان زہد کی سست رفتاری دکھائی گئی ہے اس کے ساتھ عشاق ازل کی تیز پرواز کے نمونے بھی پیش کیے گئے ہیں۔

اس پر طرہ یہ کہ کتاب ہذا میں قرب حق حاصل کرنے اور حقیقت اور معرفت کے میدان میں پرواز اور عروج و نزول کی تمام منازل و مقامات کے لیے چوبیس گھنٹوں میں سے علاوہ صوم و صلوٰۃ کے اوقات کے صرف ایک یا دو گھنٹہ مقرر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ جہاں آج کل ہم خیر القرون یعنی تمام زمانوں سے بہترین زمانہ نبویؐ سے چودہ سو سال دور ہو چکے ہیں۔ اس لیے عنایت خداوندی نے ہمارا ساتھ نہیں چھوڑا اور قرون اولیٰ میں جو روحانی منازل نہایت شدید ریاضات، عبادات اور مجاہدات کے بعد حاصل ہوتی تھیں اب وہ آسانی سے حاصل ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ ایک توشیاطین کے حملوں میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے دوسرے ہماری جسمانی قوت اور بہت اور ارادوں میں بھی بہت کمی واقع ہوتی ہے جس کی وجہ سے عنایت ایزدی میں بے حد اضافہ ہو گیا ہے کتاب ہذا میں یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ جو ترقی صلحا اور نیک لوگوں کو سالہا سال کی عبادت سے حاصل ہوتی ہے۔ سالکان راہ حقیقت کو وہ ترقی مہینوں میں حاصل ہو جاتی ہے اور جو ترقی دوسروں کو مہینوں میں حاصل ہوتی ہے وہ عشاق کو دنوں میں حاصل ہو جاتی ہے۔

لیکن کتاب ہذا میں سب سے زیادہ حیران کن بات یہ بتائی گئی ہے جہاں عام طور پر قوم کے آوارہ اور گمراہ جوانوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اولیائے کرام اور مشائخ عظام کے نزدیک اس قسم کے جوان روحانی ترقی کے لیے بہترین خام مال (RAW MATERIAL) شمار ہوتے ہیں کیونکہ دراصل وہ خوش قسمت لوگ ہیں جن کو حق تعالیٰ نے ذالہانہ محبت سے نوازا ہے اور یہی وہ جذبہ محبت ہے جو ان پر غالب آکر آوارگی کی طرف لے جاتا ہے۔ لیکن جب شیخ کامل کے ہاتھوں اس کا کاٹنا بلا جاتا ہے تو نیکی اور عبادت کی طرف بھی اسی زور سے چلنے لگ جاتا ہے اور یہ محبت راکٹ بن کر اسے روحانیت یعنی قرب معرفت الہی کی بلند ترین منازل مقامات پر لے جاتی ہے۔ بالفاظ دیگر ٹھنڈی مٹی طبیعت (FLAT NATURE) کے لوگوں کی بجائے محبت بھرے قلوب (VERTICAL NATURE) روحانی ترقی کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں اور تاریخ اسلام میں اس کے بے شمار شواہد موجود ہیں۔

وما علینا الا البلاغ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

بچه‌ها را به یاد داشته باشید که بی‌بازی نظیر  
بچه‌ها را واجب است که احترام کردن

## موجودہ دنیا کی المناک حالت کا علاج اسلامی تصوف سے

جب دنیا کا اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا تو انہوں نے دنیا کو روحانیت تہذیب و تمدن، علوم و فنون، فلسفہ اور سائنس کی دولت سے مالا مال کیا اور بڑا عظیم یورپ بلکہ ساری عیسائی دنیا کو قرون وسطیٰ کے اس دور کی جہالت بربریت اور تاریکی سے باہر نکالا جو تاریخ یورپ میں دور تاریک (DARK AGES) کے نام سے بدنام ہے۔

لیکن جب سے دنیا کا اقتدار نام نہاد مذہب (CIVILIZED) اقوام مغرب کے ہاتھ آیا ہے انہوں نے اپنے لادینیت (SECULARISM) اور مادیت (MATERIALISM) جیسے تباہ کن نظریات کے ذریعے استبداد (IMPERIALISM) اور قومی برتری (NATIONAL SUPREMACY) کو فروغ دینے کی خاطر دنیا میں عام روحانی اور اخلاقی اقتدار کا خاتمہ کر دیا ہے اور کمزور اقوام کے خون میں ہولی کھیل رہے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ انہوں نے دنیا کو ایسا جہنم کدہ بنا دیا ہے جس سے نہ صرف کمزور اقوام بلکہ وہ لوگ خود نالاں اور پریشان ہیں طاغوتی طاقتوں کے فروغ کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ آپس میں لڑیں۔ خود بھی تباہ ہوں اور ساری دنیا کو بھی تباہ کریں۔ چنانچہ آج دنیا میں بڑی اقوام کے درمیان جو شدید رتہ کشی اور رقابت، عناد پایا جا رہا ہے وہ سب ان کے لادینی، مادی اور قومی برتری کے نظریات کا پیدا کردہ ہے اور جب تک ان منحوس نظریات کا دنیا سے خاتمہ نہیں ہوتا ہے دنیا میں بد امنی اور جنگ و جدال کا بازار گرم رہے گا اور بنی نوع انسان پر عالم گیر جنگوں کی بھرمار ہوتی رہے گی۔

اس میں شک نہیں کہ آنے والی تباہی سے اقوام مغرب بھی آگاہ ہیں اور اس کو روکنے اور آپس میں صلح جوئی کے لیے وہ لوگ زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے ہیں لیکن امن و سکون ہے کہ دور سے دور تر ہوتا جا رہا ہے، اور موت بنی نوع انسان کے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ جن کافر نسوں کو یہ لوگ ہتھیاروں کی دوزخ کو بند کرنے اور امن و امان کی فضا پیدا کرنے کے لیے منعقد کرتے ہیں ان ہی کافر نسوں سے ان کا باہمی عناد زیادہ فروغ پاتا ہے اور مہلک سے مہلک آلات کے پہلے سے زیادہ انبار لگتے شروع ہو جاتے ہیں۔ بقول شخصے ع

مرض برطنتا گیا جو ن جو ن دوا کی

در اصل ان کی عقل اس قدر مسخ ہو چکی ہے کہ بین الاقوامی آگ کو بجھانے کے لیے وہ پانی کی بجائے اس

پر تیل چھڑک رہے ہیں۔ بالفاظ دیگر جہاں امن و سکون کے حصول کے لیے باہمی ایمانداری کی ضرورت تھی۔ یہ لوگ اپنا مطلب نکالنے کی خاطر بے ایمانی اور دھوکہ دہی میں یکتا بن گئے ہیں۔ جہاں دوسروں کے قلب کو مسخر کرنے کی خاطر باہمی محبت اور مروت کی ضرورت تھی یہ لوگ نفاق اور بددیانتی میں کمال حاصل کر چکے ہیں۔ جہاں کمزور اقوام کے حقوق بجال کر کے ان کی تالیف قلبی کی ضرورت تھی یہ لوگ اپنی طاقت کا مظاہرہ کر کے کمزور اقوام کے جذبات کا خون کر رہے ہیں۔ جہاں انسانی حقوق (HUMAN RIGHTS) کی بجالی کے لیے انہوں نے بلند بانگ نعرے بلند کر رکھے ہیں اور بے شمار انجمنیں کھڑی کر رکھی ہیں۔ اس کے ساتھ کمزور اقوام جہاں کہیں اپنے حقوق کے حصول کی کوشش کرتے ہیں۔ بھوں اور میزائلوں سے ان کی تواضع کی جاتی ہے جس عریانی اور فحاشی کی ان کو حکم الحاکمین کی طرف سے سزا مل رہی ہے وہی عریانی اور فحاشی ان کی تہذیب و تمدن کا مایہ ناز عنصر بن چکا ہے جس عیش پرستی تن پروری اور نفسانیت نے ان کے یہاں تمام روحانی اقدار اور سکون قلب کا جنازہ نکال ڈالا ہے۔ اسی عیاشی کے ذریعے یہ لوگ سکون قلب حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور خداوند عالم کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے جس روحانی اور قلبی بے چینی اور بدحواسی میں مبتلا ہوئے ہیں اسی بغاوت کو فروغ دینے کے لیے ان کی یونیورسٹیوں اور ادبی اداروں سے ہر سال لاکھوں کروڑوں کی مالیت کی ایسی کتابیں، رسالے، اخبار نکالے جا رہے ہیں جن میں اتحاد، دہریت، لادنییت اور مادیت پر نہایت زہریلے مضامین شائع ہو رہے ہیں اور مذہب اور ارباب مذہب کو بڑی طرح نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ حق و انصاف کو مسلسل جھٹلانے کی وجہ سے ان کے اذہان اس قدر مسخ اور معطل ہو چکے ہیں کہ اب انہوں نے تخریب کا نام تعمیر، بدکاری کا نام تمدن، بے ایمانی کا نام اصول، بددیانتی کا نام پالیسی، فریب کاری کا نام ڈپلومیسی، بدی کا نام نیکی، اور عیاشی اور فحاشی کا نام ترقی، نسواں رکھ دیا ہے اور ان کے مسخ شدہ اذہان اب یہ محسوس کرنے سے بھی قاصر ہیں کہ ان اقدامات سے وہ اپنی بڑیں آپ کاٹ رہے ہیں اور اپنی بنیادیں آپ کھوکھلی کر رہے ہیں اور خداوند عالم کے غیض و غضب کو دعوت دے رہے ہیں اور وہ دن دور نہیں کہ تیسری جنگ عظیم کی لپیٹ میں آکر وہ خود بھی تباہ ہو جائیں اور باقی دنیا کو بھی تباہ کر دیں۔

اب چونکہ اقوام مغرب کی اس بد عملی سے ساری دنیا کے تباہ ہونے کا اندیشہ لاحق ہے ہم مسلمانوں پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ جس طرح قرآنِ دسٹلی میں ہم نے اقوام یورپ کو دور تاریک کی جہالت اور بربریت سے نجات دلا کر اسلامی تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کی دولت سے مالا مال کیا اسی طرح اب بھی ان کو لادنییت، مادیت اور خداوند عالم سے بغاوت جیسی لعنت سے نجات دلا کر دنیا میں پھر سے روحانی اور اخلاقی اقدار کو فروغ دیں اور دنیا کو آنے والی تباہی سے بچائیں۔ اور یہ فرائض مسلمان پر بطور خلیفۃ اللہ عائد ہوتے ہیں۔





## تشخیص مرض

مرض کا علاج کرنے کے لیے سب سے پہلے تشخیص مرض کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ جب تک صحیح مرض کا پتہ نہیں لگتا، کوئی علاج کارگر نہیں ہوتا۔ آجکل کی خرابیوں کے انسداد کی جس قدر کوششیں کی جا رہی ہیں وہ اس لیے ناکام ہیں کہ مرض کچھ ہے اور دوائی کچھ دی جا رہی ہے اور لبا اوقات وہ دوائی دی جاتی ہے جس سے مرض ختم ہونے کی بجائے اور زیادہ بڑھتا ہے بلکہ آجکل یہ ہو رہا ہے کہ اقوام مغرب جن ہلک نظریات کی وجہ سے تباہی کی دلدل میں پھنس چکے ہیں۔ وہی نظریات وہ لوگ ساری دنیا پر مسلط کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اس کے ساتھ ہماری مغرب زدگی اور احساس کمتری (INFERIORITY COMPLEX) کی یہ حالت ہے کہ ہم مغرب سے آئی ہوئی ہر چیز کو آسمانی صحیفہ کی حیثیت دے کر بلا دریغ قبول کرنے میں مشتاق بن چکے ہیں۔ اب ہم اہل مغرب کی امراض کا ایک تاریخی جائزہ لیں گے تاکہ مرض کا صحیح علاج ہو سکے اور بنی نوع انسان قانون جنگل کی افراتفری میں پھنس کر نہ رہ جائے جیسا کہ آجکل کی نام نہاد مہذب دنیا پھنسی ہوئی ہے اور نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی۔

**مذہب کی حقیقت** انبیاء علیہم السلام کے ذریعے ہی تعالیٰ نے جو قوانین بنی نوع انسان تک پہنچائے ہیں ان کے مجموعہ کا نام مذہب ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کونسا مذہب صحیح مذہب ہے۔ اس کا جواب خداوند عالم نے خود دے دیا ہے۔ قرآن عظیم میں ہی تعالیٰ فرماتے ہیں: **إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ** (اللہ کے پاس دین اسلام ہی ہے) اسلام وہی مذہب ہے جس کی تعلیمات حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تمام انبیاء علیہم السلام مثلاً حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بالآخر سرور کائنات فخر موجودات، سرور انبیاء خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہر زمانے میں بنی نوع انسان تک پہنچی رہیں۔ جب ایک نبی کی لائی ہوئی تعلیمات مخلوط ہو کر بگڑ جاتیں تو خداوند عالم دوسرے نبی کو بھیج کر از سر نو اپنے دین متین کی تجدید فرماتے رہے۔ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خداوند تعالیٰ کے آخری اور بہترین نبی ہیں جن کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا اور تاقیامت قرآن مجید کی حفاظت اور صحت کی ذمہ داری ان الفاظ میں سنبھال لی۔ **إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ** (قرآن مجید کو ہم نے نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں) علامہ حمید اللہ نے "خطبات بہاولپور" میں فرمایا ہے کہ ۱۹۳۳ء میں تمام عیسائیوں نے یہ سکیم بنائی کہ جن طرح ہماری مذہبی کتابیں اپنی اصلی حالت میں نہیں رہیں ہم ساری دنیا میں قرآن کے پرانے سے پرانے نسخے جمع کر کے ان کا آپس میں مقابلہ کریں تو ضرور ان کے درمیان فرق نکل آئے گا۔ چنانچہ انہوں نے جرمنی میں دنیا کے گوشہ

گوشر سے قرآن عظیم کے بیالیس ہزار نسخے جمع کیے اور جب ان کا مقابلہ کیا تو ایک نقطے کا فرق بھی نہ نکلا۔ یہ ہے حفاظتِ خداوندی، حق تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا پورا کر کے دکھلادیا۔

اسٹریا کے مایہ ناز نو مسلم سکالر علامہ محمد اسد لیوپولڈ ویس لکھتے ہیں کہ:-

”زمانہ قدیم سے مذہب ایک عظیم ترین طاقت رہا ہے جس کے ذریعے بنی نوع انسان منزل مقصود تک پہنچتی رہی ہے۔ اس سے لاکھوں کروڑوں انسانوں کے ایمان تازہ ہوتے رہے ہیں، اور بنی نوع انسان کو نہ صرف سکون قلب اور روحانی خوشی حاصل ہوتی رہی ہے بلکہ بڑی بڑی مہمات سر کرنے میں بھی ان کی حوصلہ افزائی ہوتی رہی ہے اور تہذیب و تمدن کی بڑی بڑی منزلیں طے ہوتی رہی ہیں۔۔۔۔۔ نیز ہر زمانے میں مذہب ہی وہ کسوٹی ٹھی ہے جس کے ذریعے خیر و شر، نیکی اور بدی اور حلال و حرام میں تمیز ہوتی رہی ہے۔ کیونکہ جب تک ہم کو خداوند عالم کی طرف سے یہ نہ بتایا جاتے کہ فلاں چیز خیر اور فلاں شر ہم نہ کوئی نیکی کا کام کر سکتے ہیں اور نہ برائی سے رک سکتے ہیں، غرضیکہ نیکی اور بدی، حلال و حرام، جائز اور ناجائز چیزوں کو پرکھنے کے لیے ہمارے پاس قانونِ خداوندی کے سوا اور کوئی معیار ہی نہیں ہے اور دنیا میں امن و امان قائم رکھنے کی خاطر نیکی اور بدی کے اس معیار کے لیے ضروری ہے کہ وہ عالمگیر (UNIVERSAL) نوعیت کا ہو، اگر وہ عالمگیر نہیں ہے تو ہر شخص اور ہر قوم اپنے اپنے مفاد کی خاطر اپنی پسند کا علیحدہ لائحہ عمل تیار کر لیتی ہے جس سے امن عالم خطرے میں پڑ جاتا ہے اور عصرِ حاضر میں بعینہ یہی ہو رہا ہے۔ دنیا کے ہر ملک نے مذہب کو بالائے طاق پھینک کر اپنے لیے اپنے مطلب کا ضابطہ حیات بنا لیا ہے جس سے باہمی تصادم اور جنگ و جدال کا واقعہ ہونا لازمی اور ناگزیر امر ہے۔“

اب چونکہ عیسائی مذہب کی فرسودہ اور بگڑی ہوئی تعلیمات مثل تثلیث (TRINITY) عقیدہ باپ بیٹا

(SONSHIP) پھانسی کے ذریعے ساری دنیا کا کفارہ (ATONEMENT) رہبانیت اور ترک دنیا

(ASCETICISM) جیسے خلاف عقل (IRRATIONAL) اور خلاف فطرت (UNNATURAL) عقائد اور

نظریات کی وجہ سے پیر اعظم یورپ حد درجہ کی تاریکی، بربریت اور بے جاہالت کے ایسے دور میں مبتلا ہو چکا تھا جسے تاریخ

یورپ میں دور تاریک DARK AGES کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مغربی دنیا مذہب سے سخت متنفر ہو گئی اور

عوام کے قلوب میں نہ صرف مذہب کے خلاف بدترین شکوک اور عقائد پیدا ہوئے بلکہ خداوند عالم کے وجود اور ہستی سے

انکار کی فضا پیدا ہو گئی۔

اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی کے دوران یورپ کا دماغ مذہب سے بالکل باغی ہو گیا اور ہر خاص و عام

کے دل میں خیال جاں گزین ہو گیا کہ اب مذہب کی جگہ سائنس نے لے لی ہے مذہب کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں

اب سائنس ہماری تمام مشکلات حل کر دے گی۔ لیکن سائنس کے ساتھ یہ عقیدت مندی زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی اور بیسویں صدی کے سائنسدانوں پر یہ حقیقت واضح ہونے لگی کہ سائنس ہماری زندگی کو آسان تو بنا سکتی ہے لیکن نہ اس کے پاس خیر و شر اور نیک و بد میں تمیز کرنے کا کوئی آلہ ہے نہ یہ ہمیں مقصد حیات بتا سکتی ہے نہ تخلیق کائنات کا مقصد معلوم کر سکتی اور نہ ہی ہمیں کوئی لائحہ عمل مہیا کر سکتی ہے اور جب تک ہمیں مقصد حیات معلوم نہ ہو خیر و شر اور نیکی اور بدی کا کوئی معیار مقرر کرنا بالکل ناممکن ہے۔

لہذا اب بیسویں صدی کے بلند پایہ سائنسدانوں نے یہ خام خیالی ترک کر دی ہے کہ سائنس ہمیں کوئی لائحہ عمل دے سکتی ہے اب ان پر یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے کہ سائنس کا اخلاق اور خیر و شر سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ چیز سائنس کے دائرہ عمل سے باہر اور مذہب کے دائرہ عمل میں شامل ہے۔ روز بروز سائنسدانوں پر یہ بات واضح ہوتی جا رہی ہے کہ سائنس کے لیے ان سوالات کا جواب دینا محال ہے کہ کائنات کیسے وجود میں آئی؟ انسان کی حقیقت کیا ہے؟ انسانی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ کیا خداوند عالم کا وجود ہے؟ اگر ہے تو وہ کہاں ہے؟ کس طرح ہے؟ انسان کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے اور انسان اس کی ذات تک کیسے رسائی حاصل کر سکتا ہے؟ جب تک ہمیں ان سوالات کا جواب نہیں ملتا یعنی جب تک انسانی زندگی کی حقیقت اور اس کا مقصد معلوم نہ ہو جائے ہم نیکی و بدی اور خیر و شر کا تعین نہیں کر سکتے اور جب تک نیکی و بدی اور خیر و شر کا تعین نہ ہو ہمارے لیے ضابطہ حیات مقرر کرنا بالکل ناممکن ہے۔

**ساری دنیا کی خواری کی جڑ** اب جس خواری بدامنی اور بے چینی میں ساری دنیا اس وقت مبتلا ہے اس کی حقیقی وجہ یہی ہے کہ دنیا کی طاقت ور قوموں کے پاس زندگی کا کوئی لائحہ عمل اور ضابطہ حیات نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جس مشین کو کوئی شخص ایجاد کرتا ہے اس کو چلانے اور اس کو تیل دینے اور کام لینے کے قواعد و ضوابط وہی شخص مقرر کر سکتا ہے۔ کسی دوسرے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کی بنائی ہوئی مشین کے لیے قوانین مقرر کرے اب چونکہ انسان کا وجود اور خالق خداوند کریم ہے انسانی زندگی کے لیے قوانین مقرر کرنے کا حق خداوند عالم کے سوا کسی کو نہیں پہنچتا لیکن جو یہ رہا ہے کہ خداوند عالم کے بنائے ہوئے قوانین کی بجائے سیاستدانوں اور قانون ساز اسمبلی کے ممبروں کے بنائے ہوئے قوانین انسانی زندگی پر لاگو کیے جا رہے ہیں جس کا نتیجہ اس عالمگیر تباہی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ جس کی طرف اقوام عالم تیزی سے دوڑ رہی ہے جس تباہی کی طرف اقوام مغرب ساری دنیا کھلے جا رہی ہیں اس کی اصلی وجہ ان کا اپنا فرسودہ مذہب اور اس کے خلاف عقل اور خلاف فطرت اصول اور تعلیمات ہیں تاریخ شاہد ہے کہ خدا کے نئے دین اسلام کا جب تک دور دورہ رہا دنیا میں ہی نوع انسان تیزی سے ترقی کی منازل طے کرتی رہی یہاں تک کہ مغربی دنیا جو قرون وسطی کے تاریک دور (DARK AGES) کی دلدل میں پھنس چکی تھی اس کو بھی اسلامی تہذیب اور تمدن نے نکال باہر

کیا ہے اور مسلم سپین کی یونیورسٹیوں میں یورپ کے لوگوں نے علوم و فنون، سائنس، علم و ہنر، تہذیب و تمدن میں شاندار ترقی حاصل کی ہے اس سے ظاہر ہے کہ نام نہاد ترقی پسند حضرات کا یہ الزام غلط ہے کہ اسلام ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے کیونکہ قرون وسطیٰ کے یورپ کو جس مذہب نے ترقی سے محروم کر کے بربریت اور تاریکی کے گڑھے میں ڈالا ان کا اپنا عیسائی مذہب تھا اور عصر حاضر میں بھی اقوام مغرب جس مادیت اور لادینیت کی وجہ سے مصائب میں مبتلا ہے یہ بھی ان کے اپنے عیسائی مذہب یا اس کی مسخ شدہ صورت کا نتیجہ ہے یہ تنزل ان کی تاریخ ہے اور ان کا تاریخی تجربہ ہے لیکن اسلام کی تاریخ اور مسلمانوں کا تاریخی تجربہ اس کے بالکل برعکس ہے جہاں عیسائیت کی وجہ سے عیسائی لوگ تنزل کا شکار ہوئے اسلامی تعلیمات کی وجہ سے مسلمانوں کو تہذیب و تمدن، علم و فنون اور سائنس کے میدان میں شاندار ترقی اور کامیابی حاصل ہوئی بلکہ اسلامی تعلیمات کی وجہ سے بڑا عظیم یورپ کو بھی دور تاریک کی بربریت سے نجات ملی۔

مختصر الفاظ میں عیسائیت کی ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ یہانیت یعنی ترک دنیا اس کا اصل اصول تھا چونکہ دنیاوی امور یعنی

## عیسائیت کی ناکامی کی وجوہات

سیاست، معیشت اور مادی ترقی میں حصہ لینا اس مذہب میں گناہ سمجھا جاتا تھا اور چونکہ ان دنیاوی امور کے بغیر چارہ بھی نہیں تھا اس لیے وہ لوگ اپنے نزدیک دنیاوی امور میں حصہ لیتے تھے تو مجرمانہ ذہنیت

(GUILTY CONCIENCE) سے لیتے تھے عیسائی مذہب کے تنزل کی دوسری وجہ تھی کہ اس مذہب میں مادی ترقی، علم و فنون اور سائنس کو فروغ دینا ممنوع سمجھا جاتا تھا اس لیے قرون وسطیٰ کے پادریوں نے دل کھول کر بے بہا کتب خانے نذر آتش کیے اور دانشوروں کو چن چن کر تختہ دار پر لٹکایا یا زندہ جلادیا تاریخ یورپ شاہد ہے کہ چرچ کی عدالتوں (INQUISITION COURTS) نے تین لاکھ دانشوروں کو موت کے گھاٹ اتارا جس میں سے تیس ہزار کو زندہ جلایا گیا۔ زندہ جلنے والوں میں یورپ کے دو مایہ ناز سائنس دان برنو (BRUNO) اور گلیلیو GALILIO بھی شامل ہیں جن میں سے ایک کا جرم یہ تھا کہ اس کے عقیدہ کے مطابق زمین سورج کے گرد چکر لگاتی ہے اور دوسرے کا جرم یہ تھا کہ وہ کہتا تھا کہ زمین کے علاوہ دیگر اجرام فلکی میں بھی آبادی ہے لیکن اسلامی تعلیمات اس کے برعکس ہیں۔ قرآن وحدیث میں جا بجا مناظر قدرت پر غور کرنے اور سائنس کو فروغ دینے کی آیات موجود ہیں اور مسلمانوں نے جب ان احکامات خداوندی پر عمل کرتے ہوئے کائنات کا مشاہدہ کیا تو بے شمار علوم و فنون وجود میں آگئے۔ یورپ کے مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ اہل یورپ نے سائنس اور علوم و فنون کے میدان میں جو ترقی کی ہے انہوں نے یہ سب کچھ اسلام سے سیکھا ہے۔

لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اہل مغرب نے اسلام کے صرف ان اصولوں کو اپنانے پر اکتفا کیا یا بالفاظ دیگر ان لوگوں

## اہل مغرب نے کہاں ٹھوک رکھی

نے اس حد تک اسلام قبول کیا جس کا تعلق صرف مادی ترقی اور سائنس کے فروغ سے تھا لیکن چونکہ وہ لوگ یورپ کے صدیوں کے ظلم و ستم سے تنگ آچکے تھے انہوں نے اسلام کی روحانی تعلیمات سے گریز کیا اور مادی ترقی کی دوڑ میں اقوام مغرب اس قدر منہمک ہوئیں کہ افراط و تفریط کا شکار ہو گئیں۔ اور ایک بیماری سے بھاگ کر دوسری بیماری میں مبتلا ہو گئیں۔ مثلاً اپنے عیسائی مذہب کی رہبانیت کو ترک کر کے بدترین قسم کی عیاشی میں مبتلا ہو گئے۔ عیسائی مذہب کے فرسودہ عقائد بھاگ کر وہ لادینیت (ATHEISM) کی حد تک جا پہنچے۔ عورت سے نفرت کے عقائد ترک کر کے وہ بدترین فحاشی میں مبتلا ہو گئے اور خداوند عالم کے بنائے ہوئے قوانین سے بھاگ کر وہ انسان کے بنائے ہوئے قوانین کی گرفت میں آ گئے۔ اس بے راہ روی اور کج فہمی کا نتیجہ یہ ہوا کہ قومی برتری کی دوڑ شروع ہو گئی ہے۔ اور اقوام مغرب اس تیزی سے دوڑے کہ آخر ایٹم بم پر جا کر ٹھوکر کھائی اور سائنس کا وہی دیو جوا انہوں نے پیدا کیا تھا اب اپنے بتانے والوں کو کھانے کے لیے ان کے سر پر آن پہنچا ہے جس سے وہ لوگ تھرا گئے ہیں اور نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی بین الاقوامی کشیدگی کو کم کرنے کی جس قدر کوشش کرتے ہیں کشیدگی اور بڑھتی ہے اور تباہی کی دلدل میں پہلے سے زیادہ گھستے جا رہے ہیں۔

اس صورت حال سے نہ صرف تمام ملک اور قومیں پریشان ہیں بلکہ انفرادی طور پر بھی ہر شخص بدترین قسم کی قلبی بے چینی اور روحانی بے قراری میں مبتلا ہے کس قدر حیرت کی بات ہے کہ مال و دولت کی فراوانی کے باوجود مغربی ممالک میں ذہنی امراض (مالیخولیا) اور خودکشی کی فراوانی ہے اور ان کے اعداد و شمار مغرب ممالک سے کئی گنا زیادہ ہیں اس پر ظلم و ستم یہ ہے کہ اس بد حالی کے باوجود بھی وہ لوگ اپنے آپ کو مذہب اور باقی دنیا کو غیر مذہب سمجھتے ہیں ہمیں بھی اپنے جیسا مذہب بنانے پر تلے ہوتے ہیں۔ یہ دیکھ کر ہمیں نظیری نیشاپوری کا شعر یاد آتا ہے

تو بہ خوشین چو کردی کہ بہا کئی نظیری  
بخدا کہ واجب آمد ز تو احترام کردن

تم نے اپنے ساتھ کیا سلوک کیا ہے جو ہم سے بھی کرنا چاہتے ہو۔ خدا کی قسم تم لوگوں کی صحبت سے تو اجتناب ہی واجب ہو گیا ہے

اس عالمگیر تباہی سے نجات حاصل کرنے کا واحد حل یہ ہے کہ  
مغربی تمدن میں پھر سے اسلامی تہذیب و تمدن کا وہی روحانی

اس عالمگیر تباہی سے نجات کا واحد حل

شامل کیا جائے جسے انہوں نے عیسائیت سے بغاوت کے وقت ترک کیا تھا اور اسلام کی صرف مادی ترقی اور سائنس کے فروغ کی تعلیمات کو قبول کرنے پر اکتفا کیا تھا۔ اس کے بغیر نجات کا اور کوئی راستہ ہی نہیں ہے اور خداوند عالم کی قدرت سے یہی عمل خود بخود شروع ہو گیا ہے اور اقوام مغرب کے حقیقت پسند لوگ تہذیب مغرب کی مادیت (MATERIALISM) اور لادینیت (SECULARISM) سے تنگ آ کر خود بخود صوفیانے اسلام مثل شیخ اکبر محمد ابن ابن عربی، امام غزالی، جنید بغدادی، رومی، قشیری اور کلاباری کی تصانیف کے انگریزی تراجم پڑھ کر سکون قلب حاصل

کر رہے ہیں اور اسلام قبول کر رہے ہیں۔ نیز اہل مغرب کے ارباب عقل و فہم بھی مسلمانوں کو دعوت دے رہے ہیں کہ آؤ اور ہمیں اس خواری سے بچاؤ۔ عصر حاضر کے ایک عظیم مفکر ایچ۔ اے۔ آر۔ گب (GIBB) اپنی کتاب "اسلام کا مستقبل (WHITHER ISLAM)" میں لکھتے ہیں :-

”اب کل اسلام اور یورپ کے باہمی تعلق کے متعلق تاریخ جس دور سے گزر رہی ہے وہ یہ ہے کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ (RENAISSANCE) کے وقت تہذیب مغرب کے اندر جو خامیاں داخل ہو گئی تھیں اسلام سے اس کی تعمیر نو ہو رہی ہے۔ یہ عمل ہماری آنکھوں کے سامنے جاری ہے اور بہت وسیع و عریض پیمانے پر ہو رہا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم مسلمانوں سے درخواست کریں کہ تہذیب مغرب کی یکطرفہ کیفیت ONE-SIDED NATURE اور متزلزل حالت میں استقرار اور استحکام پیدا کریں۔ بہر کیف اسلام کا یورپ کے ساتھ رشتہ ہندوستان اور مشرق بعید (یعنی چین) کے تمدن سے زیادہ قریب ہے۔ یورپ کے بغیر نہ اسلام پوری ترقی کر سکتا ہے اور نہ یورپ کا اسلام کے بغیر بالخصوص اسلام کی روحانی تعلیمات کے بغیر گزارہ ہو سکتا ہے۔ اسلام کے اندراب بھی بگڑی ہوئی سوسائٹیوں میں توازن قائم کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اسلام اسی طرح یورپین نیشنلزم کی بد نظمی ANARCHY کے خلاف ہے جس طرح وہ روسی کمیونزم کی ابتری کے خلاف ہے۔ اسلام نے اب تک تہذیب مغرب اور روسی دنیا پرستی کے آگے سر نہیں جھکایا ہے۔ پروفیسر ماسینیونے کس غرّبی سے اسلام کا ضابطہ اخلاق بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ”اسلام نے امراتے آمدنی کا چالیسواں لے کر غربا کے حوالہ کیا ہے۔ اسلام سوڈ کے خلاف ہے۔ نفع اندوزی کی مخالفت کرتا ہے۔ بہترین قانون وراثت کا حامل ہے۔“ مغرب کی سرمایہ داری اور روس کی کمیونزم کی ابتری کے مابین اسلام ایک بہترین متوازن سوسائٹی قائم کرتا ہے۔ لیکن اسلام اس سے بھی زیادہ بنی نوع انسان کی خدمت انجام دے سکتا ہے وہ یہ کہ اسلام کے اندر مخالفت اور متصادم سوسائٹیوں میں مفاہمت اور صلح کرنے کی شاندار روایت و صلاحیت موجود ہے۔ کسی اور مذہب یا سوسائٹی میں متضاد سوسائٹیوں کو شکر و شکر کرنے اور مساوی مفادات سے مستفید کرنے کی اتنی صلاحیت نہیں ہے جتنی کہ اسلام میں ہے۔ افریقہ، ہندوستان، انڈونیشیا، چین، جاپان جس طرف نگاہ کرو یہی نظر آتا ہے کہ اسلام کے اندر سخت متصادم اقوام کے شکر و شکر ہونے کی مثالیں موجود ہیں۔ لہذا اگر ہمیں تہذیب مغرب اور روس میں مفاہمت کرنا مطلوب ہے تو اس کی خاطر اسلام کو لازماً درمیان میں لا کر ثالث بنانا ہو گا۔ اگر دونوں فریقوں نے اسلام کی مصالحت قبول کر لی تو امن قائم ہو سکتا ہے ورنہ دنیا کو تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ختم ہوا۔ پروفیسر گب کا بیان۔

انگلستان کے مشہور معروف ادیب پروفیسر آری بی نے بھی اسلام کے متعلق یکساں جذبات کا اظہار کیا ہے وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: ”دو عظیم جنگوں نے دنیا کو تباہ و برباد کر ڈالا ہے جس کے نتیجے میں ہر ملک کے لوگ دو قسم کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ تمام اقوام کے مابین مفاہمت ہو جائے۔ دوسری یہ کہ

۱۔ (از: تاریخ تصوف کا تعارف)

مختلف مذاہب کی حقیقت اور اہمیت سمجھ میں آجائے۔ اس وقت دنیا مندرجہ ذیل سوالات کا جواب چاہتی ہے۔

۱۔ ہمارا ضابطہ حیات کیا ہونا چاہیے؟

۲۔ کیا خدا کا وجود ہے؟

۳۔ اگر ہے تو اس کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے؟

۴۔ خالق اور مخلوق کے درمیان کیا تعلق ہے؟

۵۔ انسان کی خدا تک کیسے رسائی ہو سکتی ہے؟

اس وقت بنی نوع انسان حقیقت کی پیاسی ہے۔ اس کی پیاس بجھانے کا سامان موجود ہے لیکن دُور دراز مقامات پر مقفل پڑا ہے۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم ان چھپے ہوئے خزانوں کو باہر نکالیں۔ خواہ ہم مسلمان نہ ہوں تب بھی ہم اور مسلمان ایک ہی باپ کی اولاد ضرور ہیں۔ اس لیے عیسائی دانشوروں کے لیے یہ کوئی ہتک اور بے عزتی کی بات نہیں کہ ہم ان حقائق و معارف کی تلاش کریں جنہوں نے اسلامی تصوف کو چار چاند لگا کر ہمیشہ کے لیے ایک عظیم اٹلان قوت بنا دیا ہے۔ اس مہم میں اگر مسلمانوں کی طرف سے ہمیں تعاون حاصل ہو گیا اور علامات تبارہی ہیں کہ یہ تعاون ضرور حاصل ہو گا تو ہم مل کر ایک معجزانہ تاریخ کا کھوج لگا سکتے ہیں جس سے ہمیں ایسا ضابطہ عمل مل سکتا ہے جس کی روحانی تعلیمات ہمیں عصر حاضر کے تاریک اور تباہ کن اثرات سے محفوظ کر دینگی۔

عصر حاضر کے مایہ ناز مورخ ڈاکٹر ٹوائسن بی (TOYNBEE) لکھتے ہیں:

”تہذیب مغرب نے جہاں جہاں اقتصادی فراوانی پیدا کی ہے اس کے ساتھ ساتھ اس نے اخلاقی

اور روحانی خلا بھی پیدا کر دی ہے۔ لیکن یہ قانون قدرت ہے کہ خلا (VACUUM) کبھی برقرار نہیں رہ

سکتا۔ اور یہ روحانی خلا کسی روحانی قوت سے پُر ہو سکتی ہے وہ روحانی قوت اسلام ہے جس کے

سامنے مغرب کی مادی تہذیب نے تمام دروازے کھول دیئے ہیں۔ لہذا ان علاقوں کے

لوگ جب بھی بیدار ہوئے اس خلا کو اسلامی روحانیت پُر کر دے گی اور اسلام کی یہ قوت بڑے

بڑے کرشمے دکھائے گی جن میں سے ایک یہ ہو گا کہ شراب کی لعنت سے نجات مل جائے گی

وہ لعنت جسے دنیا کا کوئی اور قانون نہیں مٹا سکتا۔ ان اسلامی اثرات کا نتیجہ یہ ہو گا مستقبل قریب

میں تہذیب مغرب جس نے ساری دنیا کو گھیرے میں لے رکھا ہے بہت جلد متاثر ہوگی اور

مستقبل بعید میں اسلام بحیثیت ایک مذہب کے کسی قسم کے کا ز نامے انجام دے سکتا ہے۔

اگرچہ بین اسلامزم (PAN-ISLAMISM) فی الحال خفہ ہے۔ لیکن جب بھی تہذیب مغرب کے مارے

ہوتے انسان نے اس تہذیب کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو وہ سوتی ہوئی طاقت بیدار ہو جائے گی اور اسلام

کی فوجی طاقت خواہ وہ اصحاب کھفت جیسی طویل نیند سونی ہوتی ہو بیدار ہو کر دنیا کو تماشاد کھا دے گی۔ زمانہ ماضی میں اسلام نے دو دفعہ اہل مغرب کی دخل اندازی کو گرفت میں لیا۔ پہلا وہ معرکہ تھا جب اسلام نے شام اور مصر کے باشندوں کو مغربی طاقتوں کی حکومت سے رہا کر لیا۔ دوسرا وہ موقعہ تھا جب نور الدین زنگی اور صلاح الدین کے زمانے میں اسلام نے اقوام مغرب کی متفقہ طاقت کو ٹھکرا دیا۔ اگر دنیا کی موجودہ ابتری نے میدان کارزار پیدا کیا تو اسلام بیدار ہو کر میدان میں کود پڑے گا۔ تہذیب مغرب کی اور چیزیں بھی ہیں جن کے فوائد مشکوک ہیں۔ ان میں سے ایک وہاں کی نیشنلزم ہے۔ اگرچہ ترک اور دوسری مسلم اقوام مغربی نیشنلزم اور مغربی تہذیب کی دیگر چیزوں کا شکار ہو چکی تھی خواہ وہ اچھی ہوں یا بُری، لیکن سوال یہ ہے کہ اس تنگ دلانا اور محدود مغربی نیشنلزم کا اسلامی دنیا میں کیا حشر ہو گا جہاں اس کی اپنی عالمگیر اخوت کا زریں اصول کار فرما ہے۔ وہ اصول جو ان کے مذہب کا حصہ ہے اور جو قومی، لسانی اور معاشرتی اختلافات کے باوجود کامیاب ہے۔ اسلام کی عالمگیر اخوت کا یہ اصول عصر حاضر کے انسان کی معاشرتی ضروریات کو کسی مغربی جمہوریتوں سے زیادہ بہتر طریق پر پورا کر سکتا ہے۔ فاضل موزخ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ۔

”دوسری جنگ عظیم کے بعد اہل مغرب کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ ایک گھر چالیں چھوٹے چھوٹے جمہوری ملکوں میں تقسیم ہو کر اپنی طاقت کھو بیٹھا ہے۔ پھر بھی تہذیب مغرب میں اس قدر طاقت باقی ہے کہ نیشنلزم کی لعنت سے باقی دنیا کو ناپاک کر سکتی ہے۔ امید ہے کہ اسلام کی روحانی طاقت اسلامی دنیا کو مغرب کی اس سیاسی بلا سے محفوظ کر سکے گی۔“

مغربی دنیا کے ایک اور مفکر پادری ایس۔ ایم زوانی مر (ZWEMER) کا بیان ہے:-

”محمد کی ذات سے بنی نوع انسان کی امیدیں وابستہ ہیں۔ عیسائی مشنریوں کو اسلامی مشن نے چیلنج کر دیا ہے اور اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ محمدؐ نے امریکہ کو پایا ہے (MUHAMMAD HAS DISCOVERED AMERICA) شمالی امریکہ میں ایک درجن کے قریب اسلامی تنظیمیں موجود ہیں جو اگرچہ چھوٹی ہیں تاہم فعال بہت ہیں۔ جنوبی امریکہ یعنی صرف ارجنٹینا اور برازیل میں دو لاکھ سے زائد مسلمان پائے جاتے ہیں۔ آسٹریلیا میں مسلمانوں کی تعداد پچیس ہزار ہے اور وہ اپنا میگزین نکالتے ہیں۔ جنوب مشرقی یورپ میں پینتیس لاکھ مسلمان آباد ہیں۔ چھٹی صد عیسوی میں اسلام کا آغاز صرف ایک انسان کی قلیل ترین اقلیت سے ہوا۔ وہ انسان جس نے پیغمبر خدا ہونے کا وعدہ کیا۔ اب وہی اسلام یورپ اور امریکہ کو چیلنج کر رہا ہے۔“





## دیگر غیر مسلم مفکرین، فلاسفہ اور سائنسدانوں کے بیانات اور قرآن کے متعلق

خداوند تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے مولانا افضل الرحمن انصاری بانی دارالعلوم اسلامک سنٹر نارنگ پور  
آباد-کراچی اور بھوانی ٹرنسٹ کراچی نے اسلام، قرآن اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف میں غیر مسلم  
مصنفین و مفکرین کے بیانات جمع کیے ہیں جن میں سے اختصار کی خاطر یہاں صرف چند اقتباسات دیئے  
جاتے ہیں۔ فرانس کے مفکر لاساویا (LAUSA VACCIA) اپنی کتاب (APOLOGIC DE ISLAM)  
میں لکھتے ہیں:-

”غرضیکہ قرآن کے اندر ایسی حکمت کے خزانے موجود ہیں جو بڑے بڑے دانشوروں، فلاسفوں،  
جہانداروں اور جہاں بانوں کے لیے مشعل راہ کا کام دے سکتے ہیں۔ لیکن قرآن کے خداوند تعالیٰ کے  
کلام ہونے کا ایک اور ثبوت بھی ہے وہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے اسے شروع سے آج تک اپنی اصلی  
حالت میں محفوظ رکھا ہے۔“

انگلستان کے مسٹر آر بوٹھناٹ (ARBO THNOT) اپنی کتاب

(THE CONSTRUCTION OF BIBLE AND QURAN) میں لکھتے ہیں:-

”مذہبہ بالا عبارت سے ظاہر ہے کہ قرآن کی کتابت محمدؐ کے اس جہاں سے رخصت  
ہونے کے بیس سال کے اندر مکمل ہو چکی تھی اور وہی نسخہ آج تک کسی تبدیلی کے بغیر موجود ہے  
لیکن افسوس کی بات ہے کہ تورات اور انجیل میں یہ بات نہیں ہے۔“

انگلستان کے ایک اور مصنف مسٹر ایچ۔ اے۔ آر۔ گیب (H. A. R. GIBB) اپنی کتاب

(MUHAMMADANISM) میں لکھتے ہیں:-

”اچھا اگر قرآن محمدؐ کا اپنا کلام ہوتا تو اور لوگ بھی اس کے مقابلے میں دوسرا قرآن بنا سکتے لیکن  
قرآن کے اندر یہ چیلنج موجود ہے کہ اگر کسی بشر کی طاقت ہے تو اس کے مقابلے میں کوئی  
آیات تو بنا کر دکھائے۔ لیکن کسی کی جرأت نہ ہوئی۔ تو پھر اب اس کو خدا کا کلام تسلیم کرنے  
میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔“

مسٹر جیمس میچنر (JAME MICHENER) اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں جو ریڈر ڈائجسٹ مئی ۱۹۵۵ء

میں شائع ہوا:-

”یہی (قرآن) وہ پیغام خدا ہے جس نے بت پرستی کو تباہ کر ڈالا اور پڑھنے والوں کی زندگیوں  
میں انقلاب پیدا کر دیا۔ قرآن کی خاصیت یہ ہے کہ اس نے اعلیٰ زندگی کے تمام مسائل عملی طور

پر حل کر دیئے ہیں اور قرآن کے یہی دو اوصاف ہیں یعنی ایک خدا کی پرستش اور عملی سبق جس سے قرآن دنیا میں بے مثل بن کر رہ گیا ہے۔“

مسٹر ہارٹ وگ ہرشفیلڈ (HARTWIG HIRSCHFIELD) اپنی کتاب

(NEW RESEARCH INTO EXEGESIS OF QURAN) میں لکھتے ہیں:-

”ہمیں یہ دیکھ کر حیران نہیں ہونا چاہیے کہ قرآن تمام قسم کی سائنس کا سرچشمہ ہے۔ کیوں کہ اس میں زمین اور آسمان کے تمام مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی وجہ سے سائنس کی تمام شاخوں میں حیرت انگیز ترقی ہوئی۔“

انگلستان کے معروف پادری جناب روڈویل (RODWELL) اپنی کتاب (THE QURAN) میں

لکھتے ہیں:-

”ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ قرآن کے اندر تمام صفات باری تعالیٰ مثل توحید قدرت علم ربوبیت وغیرہ نہایت ہی اعلیٰ اور احسن انداز میں بیان کی گئی ہیں اور یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ قرآن کے اندر ایسے اصول موجود ہیں جن پر عظیم الشان سلطنتیں اور قومیں تعمیر ہو سکتی ہیں۔“

مسٹر ولیم ڈریپر (WILLIAM DRAPER) اپنی کتاب

(HISTORY OF INTELLECTUAL DEVELOPMENT IN EUROPE) میں لکھتے ہیں:-

”محمد ان تمام اوصاف کے مالک تھے جن سے کسی بار عظیم الشان سلطنتوں کی قسمت کا فیصلہ ہوا ہے۔ مثلاً انہوں نے اعلان کر دیا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد اس کا پیغمبر ہے اب جو شخص ان کے اس اعلان کی سچائی دیکھنا چاہتا ہے اسے عصر حاضر کے نقشہ دنیا پر ایک نظر ڈالنی چاہیے۔ اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ کسی جھوٹے پیغمبر کا کارنامہ نہیں ہو سکتا۔ اتنی سلطنتوں کا مذہبی آقا اور دنیا کی آبادی کے ایک تہائی حصے کے قلوب پر حکمرانی کرنے والا کبھی جھوٹا پیغمبر نہیں ہو سکتا۔ (اللہم صل علی محمد والہ)“

مہاتما گاندھی اپنی کتاب (YOUNG INDIA) میں لکھتے ہیں:-

”میں اس عظیم انسان کی زندگی کے حالات معلوم کرنا چاہتا تھا جو کروڑوں انسانوں کے قلوب پر حکومت کرتا ہے۔ مجھے ان کی زندگی کے حالات پڑھ کر سچے یقین ہو گیا کہ اسلام کی شان تلواریں کے زور سے نہیں بلکہ پیغمبر اسلام کی کمال سادگی، عظیم الشان قربانی، شاندار پیمانہ عہد اپنے پیروکاروں اور دوستوں سے کمال شفقت، کمال جرات اور خدا تعالیٰ پر بے پناہ توکل اور اپنے مشن پر یقین کمال سے یہ چیز حاصل ہوئی۔ تلواریں سے یہ چیز کہاں حاصل ہو سکتی ہے۔“

میجر آرٹھس گلن (ARTHUS GLYN) اپنی کتاب

(ISLAM, HER MORAL AND SPIRITUAL VALUE) میں لکھتے ہیں :-

”محمدؐ کی سچائی کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے تاریخ کے طالب علم کو سب سے پہلے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ کوئی معمولی داعظ نہیں تھے اور نہ ہی آوارہ پھرنے والے خود غرض انسان تھے بلکہ وہ نوع انسان کے سب سے زیادہ سچے اور مخلص انسان تھے اور ایسی باکمال شخصیت تھے کہ دنیا نے کم ایسی ہستیاں دیکھی ہیں۔ یہ تسلیم کرنے کے بعد تاریخ کے طالب علم کو یقین ہو جائے گا کہ اسلام ایک مکمل اور سچا مذہب ہے جو مسلمان کو حقیقت اور روشنی کی بلندیوں پر لے جاتا ہے۔“

انگلستان کے معروف مورخ لین پول (LANE POOLE) اپنی کتاب

(THE SPEECHES AND TABLE TALKS OF MUHAMMAD) میں لکھتے ہیں :-

”دشمنانِ مکہ پر محمدؐ کی عظیم ایشان فتح کا دن محمدؐ کے اپنے نفس پر بھی عظیم ایشان فتح کا دن تھا۔ جس دن انہوں نے قریش مکہ جیسے ظالم جانی دشمنوں کو معاف کر کے امن عام کا اعلان کر دیا وہ جس طرح اپنے آبائی شہر میں داخل ہوئے۔ تاریخ عالم کی جنگوں میں اس جیسی فتح کی مثال ملنا ناممکن ہے۔“ (اللهم صل علی محمد وآلہ)

فرانس کے مفکر لامارٹی (LAMARTINE) اپنی کتاب

(HISTOIRE DE LA TURQUIE) میں لکھتے ہیں :-

”فلاسفہ، مبلغ، پیغمبر، قانون ساز، جنرل، فاتح، شاعر، بہت شگن، بیس ظاہری اور ایک روحانی سلطنتوں کا بانی یہ ہے محمدؐ۔ انسانی عظمت کے ہر معیار پر اسے پرکھ لینے کے بعد ہم دنیا سے سوال کرتے ہیں کہ آیا کوئی اس سے زیادہ عظیم انسان ہو سکتا۔“ (اللهم صل علی محمد وآلہ)

لارٹھرپ سٹوڈارڈ (LUTHEROP STODDARD) اپنی کتاب

(THE NEW WORLD OF ISLAM) میں لکھتے ہیں :-

”اسلام کا ابھرننا شانہ دنیا کا سب سے زیادہ حیران کن واقعہ ہے۔ ایک غیر معروف خطہ زمین اور غیر معروف قوم سے نکل کر اسلام ایک صدی کے اندر نصف دنیا پر حاوی ہو گیا اور عظیم ایشان سلطنتوں اور عظیم ایشان مذہبوں کو روندتا ہوا، مختلف قوموں کی قبضتیں بناتا ہوا اور اپنی علیحدہ دنیا یعنی دنیا سے اسلام بناتا ہوا چلا گیا۔ ہم اس واقعہ کو جس قدر نزدیک سے دیکھتے ہماری حیرت میں اسی قدر اضافہ ہوتا ہے۔ دو ہزار سے بڑے مذاہب نے بھی اپنی حیثیت بنائی لیکن آہستہ اور دشوار گزار ریاستوں سے گزر کر اور وہ بھی شاہان دنیا کی مدد سے۔ مثلاً عیسائیت کو قریب دو

مل گیا، بدھ مت کو اشوک اور زرتشت کو شاہ سائرس کی اندامی جس نے کمزور اقوام کو سخر کر لیا۔ لیکن اسلام کو کسی بادشاہ کی معاونت حاصل نہ تھی۔ ریگستان کے فروماندہ گنام خانہ بدشوں میں جنم لے کر اسلام کسمپرسی کی حالت میں گھر سے باہر نکلا اور زبردست مخالفت کے باوجود دنیا پر چھا گیا۔ یہ ایک معجزہ تھا کہ دونوں کے اندر اسلام کا پرچم ہسپانیہ کے کوہ پیرینیز سے لے کر کوہ ہمالیہ تک اور وسط ایشیا کے صحراؤں سے لے کر وسط افریقہ کے صحراؤں تک لہلہانے لگا۔ محمد عربوں کا عرب اور قوم کی روح کا دلفریب مجسمہ تھا۔ خدا سے واحد لاشریک کا سادہ اور مذہبی اجارہ داری سے پاک دین لے کر محمد نے عربوں کی کاپلیٹ دی اور عرب لوگ اپنی قدیمی دشمنیوں کو بھول کر ایک سیہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے اور ریگستانوں سے نکل کر جوش و خروش کے ساتھ خدا کی زمین کو اپنے ایک خدا کے لیے فتح کرنے میں مشغول ہو گئے۔ پہلی تین صدیوں یعنی ۶۵۰ عیسوی سے لے کر ۱۰۰۰ء دنیا سے اسلام ساری دنیا میں سب سے زیادہ مذہب اور ترقی یافتہ خطہ تھا۔ جہاں عالم اسلام شاندار شہروں، عظیم الشان مساجد اور خاموش یونیورسٹیوں سے آراستہ و پیراستہ تھا اور عیسائی دنیا دور تاریک کی گہرائیوں میں غرق تھی۔

ہندوستان کی مائے ناز سیاستدان اور مفکر سر جینی نیڈو اپنی کتاب (THE IDEAS OF ISLAM) میں لکھتی ہیں

ساری دنیا میں اسلام پہلا مذہب ہے جس نے جمہوریت کا نہ صرف سبق دیا گیا بلکہ اس پر کامیابی سے عمل بھی کیا گیا۔ جب مسجد کے میناروں سے اللہ اکبر کی اذان گونجتی ہے تو اسلامی جمہوریت کا دن میں پانچ وقت ایسا مظاہرہ ہوتا ہے کہ شاہ دگدگ ایک ہی صفت میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور خدا کی عظمت کا اقرار کرتے ہیں۔ اسلام کی یہ لازوال اخوت دیکھ کر میں بار بار حیرت زدہ ہوتی ہوں کہ کس طرح سب انسان بھائی بھائی نظر آتے ہیں۔ جب لندن میں آپ مصر، ترکی، ہندوستان اور الجزائر کے مسلمانوں کو دیکھیں تو کیا مجال کہ کوئی مصری اور کوئی ہندی نظر آئے۔ سب مسلمان بھائی نظر آتے ہیں۔

انگلستان کے مشہور و معروف قانون دان سر ایڈمنڈ بک نے ہندوستان کے ایک وائسرائے لارڈ لورڈ ہیننگ

کے مقدمہ کے سلسلے میں برطانوی پارلیمنٹ میں بیان دیا۔

اسلامی قانون جو ہر شاہ و گدا پر لاگو ہے قانون سازی کا وہ بہترین اور روشن ترین بلند ترین اور پر حکمت فریضہ ہے کہ جس کی دنیا میں مثال نہیں ملتی۔

فرانس کے ڈاکٹر برتھرانڈ (BERTHRAND) اپنی کتاب

(CONTRIBUTION DES ARABS AN DE SCIENCES) میں لکھتے ہیں کہ

”اسلام کے عظیم پیغمبر کے یہ الفاظ کہ ”علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے“ علم حاصل کرو خواہ چین ہی کیوں نہ ہو“ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ عالم کی سیاہی شہید کے خون سے زیادہ مقدس ہے۔ ان جاہلوں کے بیانات کی نفی کرتے ہیں کہ اسلام کو زوال قرآنی تعلیمات سے ہوا۔ اگر وہ لوگ اس عظیم کتاب کو غور سے پڑھیں اور عقل سے سمجھیں تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کے ہر صفحے پر بت پرستی، اور مادہ پرستی کی مذمت کی گئی ہے اور قدرت کے کرشمے دیکھ کر سائنس میں ترقی کی ترغیب دی گئی ہے اور جیسا کہ ہم نے اس کتاب میں ثابت کیا ہے جن لوگوں قرآن عظیم کے ان اصولوں پر عمل کیا وہ ایک محیر العقول تمدن کے معمار بن کر دنیا میں اُبھرے۔“

برطانیہ کے سی۔ ایچ بیکر (BEEKER) اپنی کتاب ”عیسائیت اور اسلام میں لکھتے ہیں:-  
”یہ نظریہ کہ مسلم فاتحان کے دل میں عیسائیت سے نفرت کا جذبہ کارفرما تھا۔ عیسائیوں کی من گھڑت ناول ہے۔“

سٹر ایگزیکٹو ریڈر پاول (ALEXANDER POWELL) اپنی کتاب

(THE STRUGGLE OF POWER IN ASIA) میں لکھتے ہیں:-

”مسلمانوں نے اپنی فتوحات کے وقت ایسی بردباری اور وسعت قلبی کا ثبوت دیا کہ جس سے عیسائی قوموں کا شرم کے مارے سر جھک جاتا ہے۔“

سٹر ڈیکن گرین لوس (DUNCAN GREENLUS) اپنی کتاب (THE GOSPEL OF ISLAM)

میں لکھتے ہیں:-

”اسلام کی یہ شرافت اور فراخ دلی کہ تمام مذاہب خدا کے سچے مذہب ہیں ہمیشہ بنی نوع انسان کی قابل فخر وراثت تصور ہوتی رہے گی اور اسی حقیقت پر ساری دنیا کے لیے ایک مذہب بنایا جاسکتا ہے۔“

عضیر حاضر کے معروف مفکر (WILFERD CANTWELL SMITH) اپنی کتاب

(ISLAM IN MODERN HISTORY) میں لکھتے ہیں:-

”جہاں عیسائی مذہب حال میں سوشل تعلیمات کی طرف آیا ہے اسلام شروع سے ایسا ہی تھا۔“



## علمی دنیا کا قبول اسلام

اسلام کے متعلق منذر جب بالا بیانات معمولی آدمیوں کے دیتے ہوئے نہیں ہیں بلکہ دنیا بھر کے بہترین مورخین، فلاسفرز، مفکرین، مدبرین، محققین اور سائنسدانوں کی قلم سے نکلے ہوئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ دنیا کے دل و دماغ نے اصولی طور پر اسلام قبول کر لیا ہے۔ اب صرف مغربی دنیا کا رسمی طور پر قبول اسلام باقی ہے جو بفضلہ تعالیٰ قریب ہے۔

## روس میں روحانی شوق

اب تو دنیا مادیت اور لادینیت سے اس قدر بیزار ہو رہی ہے کہ رُس جیسے دہریہ ملک میں بھی اسلامی روحانیت کے شوق کی لہر دوڑ چکی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے عیسائیت کے خلاف بغاوت کے وقت باقی اقوام مغرب نے اسلام کے ان اصولوں کو قبول کر لیا جن کا تعلق مادی ترقی اور سائنس کے ساتھ تھا اور اسلام کی روحانی تعلیمات کو نظر انداز کر دیا تھا۔ روس ان سے ایک قدم آگے نکل گیا اور اس نے عیسائیت کو خیر باد کر کے دہریت اختیار کر لی جس سے اس ملک میں ایک زبردست روحانی خلا (SPIRITUAL VACUUM) پیدا ہو گئی اور چونکہ یہ قانون قدرت ہے کہ کوئی دیکھو مہم تک قائم نہیں رہ سکتی۔ اب روسی لوگ شدت سے روحانیت کی پیاس محسوس کر رہے ہیں اور سرکاری اداروں تجربہ گاہوں اور یونیورسٹیوں میں روحانیت پر کام ہو رہا ہے اور تجربے ہو رہے ہیں جس سے عجیب و غریب نتائج رونما ہو رہے ہیں۔ اب وہ لوگ اس قابل ہو گئے ہیں کہ روحانی توجہ (CONCENTRATION) کے ذریعے زمین سے ایک دو پاخ ہوا میں معلق ہو سکتے ہیں۔ بغیر آلات دور کی چیزیں دیکھ سکتے ہیں اور کی آوازیں سن سکتے ہیں اور ٹیلی پتھی (TELEPATHY) کے ذریعے دور تک پیغام رسانی کر سکتے ہیں۔ حالانکہ اسلامی روحانی سائنس (تصوف) میں یہ امور نجلی سطح سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور تھوڑی سی روحانی ترقی سے اس قسم کے کشف و کرامات حاصل ہو جاتے ہیں۔ لیکن صوفیائے کرام ان کی طرف قطعاً متوجہ نہیں ہوتے اور ان کو بچوں کا کھیل سمجھا جاتا ہے جس سے ترقی میں کاوٹ پڑ جاتی ہے لیکن روس اور یورپ و امریکہ میں بھی ان معمولی چیزوں کو بڑی اہمیت دی جا رہی ہے اور اس کو بہت بڑا کارنامہ تصور کیا جا رہا ہے۔

اب روسیوں کو طاقتور کیمروں کے ذریعہ آسانی سے رُوح کا کھوج بھی مل گیا ہے جس کا وہ آج تک انکار کرتے آئے ہیں۔ اب ان کو معلوم ہو رہا ہے کہ جسم کے اندر ایک اور لطیف جسم ہے جو دور کی چیزوں کو دیکھ سکتا ہے اور آوازوں کو سن سکتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی ثابت کر لیا ہے کہ موت کے وقت صرف انسان کا جسم مرتا ہے لطیف جسم کسی اور مقام پر چلا جاتا ہے۔ یہ اسلامی عقائد کے عین مطابق ہے۔ اسلام نے صدیوں پہلے بتا دیا تھا کہ موت کے وقت جسم ختم ہو جاتا ہے اور رُوح عالم برزخ میں چلا جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اب روسی لوگ آہستہ آہستہ اسلام کی طرف آرہے ہیں۔

## لوہا گرم ہو چکا ہے

اب جبکہ لوہا خود بخود گرم ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ تاریخ کے اس اہم موڑ پر گرم لوہے کو اپنے اسلامی قالب میں ڈھالنے کی کوشش کریں ورنہ ہندو اور بدھ مت کے فن روحانیت میں اتاری مبلغ یکے کر لئے کام کو خراب کر دیں گے اور اسلام کی طرف آئوالی اقوام کو اپنی غلط اور فرسودہ، زائد المیعا اور روحانی نظام پر ڈال کر صدیوں پیچھے دھکیل دیں گے۔ زہد خشک نے اسلام کو بدنام اور ناکام کر دیا ہے۔ اب بھٹکی ہوئی دنیا کو روحانیت اسلام ہی بچا سکتی ہے جس کا دوسرا نام تصوف (SUFISM) ہے جس کی طرف مغربی دنیا بچ روس و چین اب تیزی سے مائل ہو رہے ہیں۔ اب چین میں بھی روحانی محرکات رونما ہو رہے ہیں اور حکومت نے بدھ، عیسائی اور اسلامی روحانیت پر ریسرچ کے مراکز قائم کر رکھے ہیں۔ ویسے بنیادی طور پر چین خود بھی ایک روحانی ملک ہے جس میں طوازم قسم کی روحانیت کے اب بھی لوگ قائل ہیں اور لاؤ طرز کو اپنا روحانی پیشوا سمجھتے ہیں۔

## قرآن کی حقانیت کے متعلق فرانس کے ایک سائنسدان کا بیان

فرانس کے شہر سائنسدان ڈاکٹر مارین بوکائی  
(MAURICE BUCAILLE)

اپنی کتاب (THE BIBLE, THE QURAN AND SCIENCE) میں لکھتے ہیں:-

”موجودہ سائنس نے انسانی دماغوں کو جس قدر ناپاک کیا ہے ان کو پاک کرنے کے لیے بڑی روحانی قوت کی ضرورت ہے۔ آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:-

قرآن کا نزول چھٹی صدی عیسوی میں ہوا۔ اس کے اندر کافی ایسا مواد آیا ہے جو تورات اور انجیل میں بھی مذکور ہے۔ قرآن تمام مسلمانوں کو تلقین کرتا ہے کہ باقی آسمانی کتابوں کو برحق مانا جائے۔

اس میں تمام انبیاء مثل نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ کو برحق کہا گیا ہے۔ انجیل کی طرح قرآن میں بھی عیسیٰ کی ولادت کو ایک کرامت قرار دیا گیا ہے۔ نبی بی مریم کو بھی قرآن میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ یہاں تک کہ قرآن کی ایک آیت کو بھی ”مریم“ کا نام دیا گیا ہے۔ عام طور پر مغربی دنیا کو

یہ حقائق معلوم نہیں ہیں اس لیے وہ یہ ہے کہ وہاں ان حقائق کو جان کر چھپایا گیا ہے اور عوام کو اس علم سے بے بہرہ رکھا گیا ہے۔ یہاں تک کہ مغرب میں اسلام کو بھی جان بوجھ کر محمد نریم کا نام

دیا گیا ہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ قرآن محمد کا کلام ہے اور اسلام محمد کا مقرر کردہ دین ہے۔ جس میں خدا کا کوئی دخل نہیں ہے۔ آج کل پڑھے لکھے لوگوں کو اسلام میں خاص دلچسپی ہے لیکن وہ نزول وحی کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی تکلیف گزارا نہیں کرتے جالاںکہ یہ معلومات بہت ضروری ہیں۔

عیسائی حلقوں میں مسلمانوں کو اس قدر نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کہ میرا بارہا کا تجربہ ہے کہ جب بھی میں نے بائبل اور قرآن کی حکایات پر غور کرنے کی کوشش کی تو قرآن سے اس قدر نفرت

دی جاتی تھی کہ گویا شیطان کا ذکر کیا گیا ہے۔

”تاہم ایک خدا میں یقین رکھنے والے تمام مذاہب پر اس وقت ریسرچ اور ان کا تقابلی مطالعہ ہیجہ ضروری ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ یہ مذاہب ایک ہی مضمون کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ آج کل سائنس اور مذہب کے درمیان اس قدر مقابلہ بازی ہو رہی ہے کہ تمام مذاہب کی تعلیمات کو یکجا کر کے سائنس کا مقابلہ کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ اس کام کے لیے یہ تین بڑے مذاہب (اسلام، عیسائیت اور یہودیت) کے لیے بے حد ضروری ہو گیا ہے کہ مل کر مادیت اور لادینیت کا مقابلہ کریں۔ اس کام کے لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ یہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ ان تینوں مذاہب کی کتابیں کتنی صحیح ہیں۔۔۔۔۔ مغربی دنیا میں آسمانی کتب کا تنقیدی مطالعہ زمانہ حال کی بات ہے کئی صدیوں تک لوگ بائبل (تورات و انجیل) کو صحیح مانتے آئے اور ان کی معمولی سی نکتہ چینی کو بھی گناہ سمجھا جاتا تھا۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ بائبل کو سمجھنا صرف پادریوں کا کام ہے اور عام لوگوں کی اکثریت کلام کے صرف اسی حصے سے واقف تھی جو گرجاؤں میں عبادت کے لیے مخصوص تھا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تنقیدی کتابوں میں بعض مشکلات پر پردہ ڈالا جاتا ہے۔“

”کس قدر افسوسناک بات ہے کہ بائبل کی بعض ایسی غلطیوں کو صحیح تصور کیا جاتا ہے جو منطق کی رو سے صحیح نہیں۔ اس عمل سے پڑھے لکھے لوگوں کا خداوند تعالیٰ کی ہستی میں اعتقاد مجروح ہو جاتا ہے۔ ہمارے تجربے میں یہ آیا ہے کہ اس حقیقت سے بہت کم عیسائی آگاہ ہیں عیسائیل کی اکثریت نے اپنے دنیاوی علوم کے ذریعے ان باتوں کو کبھی نہیں پرکھا۔ خواہ وہ کتنی بنیادی کیوں نہ ہوں۔“ اسلام کی حقانیت کے متعلق ڈاکٹر ماس لکھتے ہیں کہ:-

”اسلام میں انجیل کے برابر حدیث کا درجہ ہے جو پیغمبر اسلام کے اقوال کا مجموعہ ہے اور انجیل بھی عیسائی کے اقوال سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ جس طرح احادیث محمد کے کئی سال بعد لکھی گئیں اسی طرح انجیل بھی عیسائی سے کئی سال بعد قلمبند ہوئی۔ دونوں کے اندر گزشتہ واقعات کا ثبوت صرف انسانی شہادت پر منحصر ہے۔ اب ہم یہ دیکھیں گے کہ کس طرح ان چار انجیلوں کے مصنف ان واقعات کے عینی شاہد نہیں تھے جو انہوں نے بیان کیے ہیں، خواہ لوگ کچھ سمجھیں۔ انجیل پر حدیث کا نام صادق آتا ہے اسی بات پر حدیث (نبوی) اور انجیل کی کتابوں کی مطابقت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ آگے چل کر جہاں احادیث کی سچائی زیر بحث آتی رہی اور اب تک آ رہی ہے انجیل کی سچائی کی بحث صدیوں پہلے ختم ہو چکی تھی اور متعدد انجیل کی کتابوں میں سے صرف موجودہ چار کتابوں کو صحیح مان کر اس بحث کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا۔ اگرچہ بہت مقامات پر ان کا آپس میں اختلاف ہے۔ اسلام اور عیسائیت کی آسمانی کتابوں میں دو سہ بنیادی فرق یہ ہے کہ عیسائیت میں ایسی کوئی



کتاب نہیں جو نازل ہوئی اور قلمبند کی گئی۔ لیکن اسلام کی کتاب قرآن میں یہ صفت موجود ہے کہ جو نبی  
یہ نازل ہوا قلمبند ہو گیا اور اس کی تلاوت شروع ہو گئی۔ محمدؐ نے خود اس کی سورتوں کو ترتیب دی۔  
اس کے مقابلہ میں عیسائی وحی کی بنیاد بے شمار سنی سنائی باتوں  
(INDIRECT HUMAN ACCOUNTS) پر ہے۔ ہمارے پاس عیسائی زندگی کے واقعات  
کے متعلق کوئی عینی شہادت نہیں ہے۔ خواہ عیسائی لوگ کچھ سمجھیں۔ اس امر سے عیسائیت اور اسلام  
کی صداقت (AUTHENTICITY) کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

## سائنس اور آسمانی کتب

**بائبل اور سائنس** وہ آگے چل کر لکھتے ہیں۔۔۔ جہاں تک سائنس اور آسمانی کتابوں کا تعلق ہے۔ شروع میں اگرچہ یہ خیال کیا جاتا  
تھا کہ سائنس اور مذہب میں مطابقت ضروری ہے۔۔۔ لیکن جب سائنس نے ترقی کی تو یہ واضح ہو گیا کہ بائبل  
اور سائنس کے درمیان اختلاف ہے۔ لہذا اس تقابلی عمل کو ترک کر دیا گیا اور آج ہم یہ دیکھ رہے ہیں۔ بائبل کی  
تفسیر اور سائنسدانوں کے مابین بہت اختلاف واقع ہے۔

**قرآن اور سائنس** لیکن اسلامی وحی میں یہ بات نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے قرآن  
کے اندر سائنس کی دلچسپی کے حقائق بائبل سے کہیں زیادہ ہیں۔ قرآن میں لاتعداد  
ایسے حقائق موجود ہیں جو سائنس کے مطابق ہیں۔ قرآن کی کوئی چیز بھی سائنس کے خلاف نہیں ہے۔۔۔ جب میں  
نے یہی ٹیٹ تورات اور انجیل کے مطالعہ کے وقت سامنے رکھا تو تورات کی پہلی کتاب (GENESIS) میں یہ دیکھا کہ  
اس کے تمام بیانات سائنس کے مسلم حقائق کے بالکل برعکس ہیں۔ انجیل کے کھولتے ہی سب سے بڑے شمار مشکلات کا سامنا  
ہوتا ہے۔ عیسائیوں کے شجرہ نسب کے متعلق میتھیو (MATHEW) کی انجیل لیوک (LUKE) کی انجیل سے بالکل  
مختلف ہے۔ اس انجیل میں انسان کی پیدائش کے متعلق جو مواد درج ہے وہ موجودہ زمانے کے سائنسی حقائق برعکس  
ہے۔۔۔ لیکن جہاں تک قرآن کا تعلق ہے سائنس نے بعض ایسی آیات کے معنی اُجاگر کر دیئے ہیں جو اب  
تک سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ اور یہ کوئی حیران کن بات نہیں ہونی چاہیے کیونکہ اسلام میں سائنس اور مذہب  
ہمیشہ سے دو جڑواں بہنیں (TWIN SISTERS) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شروع سے اسلام نے مسلمانوں کو  
سائنس کی طرف راغب ہونے کا سبق دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کو سائنس کے میدان میں زبردست ترقی حاصل  
ہوئی جس سے عیسائیت کی نشاۃ ثانیہ (RENAISSANCE) سے قبل کی مغربی دنیا کو بھی فائدہ پہنچا۔ لہذا  
سائنس اور الہامی مذہب کے درمیان جو جنگ جاری تھی اس میں قرآن نے اگر صلح کرادی کیونکہ سائنس کی روشنی  
میں قرآن کی آیات صحیح ثابت ہوئیں۔

ڈاکٹر مارکس کتاب کے صفحہ ۱۱ پر لکھتے ہیں :-

”یہودی اور عیسائی مذاہب اس بات کو نہیں چھپاتے کہ وہ مادیت اور لادینیت کے حملوں سے اپنے آپ کو بچانے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ یہ دونوں مذاہب دہریت کے طوفان میں دُب کر رہ گئے ہیں اور طوفان ہے کہ ہر روز بڑھتا ہوا آرہا ہے اور ایسا نظر آتا ہے کہ سب کچھ بہا کر لے جائے گا۔ مادہ پرست دہریہ یہ دیکھتا ہے کہ عیسائیت انسان کے ہاتھ کا بنایا ہوا مذہب ہے جو دو ہزار سال سے اس کوشش میں ہے کہ ایک خاص اقلیت عوام پر غالب رہے۔ ان دونوں مذاہب کے اندر اُسے سائنس کے خلاف اتنی زیادہ باتیں نظر آتی ہیں کہ وہ ان پر غور کرنے سے انکار کرتا ہے۔۔۔۔۔ لیکن میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ قرآن میں جو آج سے تیرہ سو سال پہلے کی کتاب ہے ایسے بیانات پائے جاتے ہیں جو موجودہ زمانے کی سائنس کے عین مطابق ہیں چونکہ مغربی دنیا میں اسلام کی جو تصویر کھینچی جا چکی ہے وہ اس سے مختلف تھی جو میں دیکھ رہا ہوں اس لیے میں نے عربی زبان سیکھی اور قرآن کا غور سے مطالعہ کیا اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ قرآن کی ہر چیز سائنس کے مطابق ہے۔ قرآن کے مطالعہ سے آدمی یہ دیکھ کر حیران ہوتا ہے کہ اس میں بے شمار مضامین پر بحث کی گئی ہے۔ مثلاً تخلیق کائنات، علم نجوم، زمین کی ماہیت، نباتات اور حیوانات کے حقائق، انسان کی پیدائش وغیرہ۔ جہاں بائبل میں بڑی بڑی غلطیاں پائی جاتی ہیں قرآن کے اندر ایک غلطی بھی نہیں ہے۔ یہ دیکھ کر میں مہر کر سوچتا تھا کہ قرآن کا مصنف اگر کوئی انسان ہوتا تو اس کے لیے ساتویں صدی عیسوی میں یہ کیسے ممکن تھا کہ ایسے بیانات جو موجودہ زمانے کے سائنس کے انکشافات کے عین مطابق ہوں۔ اب اس بات کو کون جھٹلا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ فرانس کے شاہ دیگو برٹ (DAGOBERT) کا ہم زمان یعنی ساتویں صدی عیسوی کا رہنے والا عربستان کا باشندہ سائنس کے ایسے حقائق بیان کرے جو اس سے دس صدیاں بعد منکشف ہوئے بعض لوگ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ محمد سے پہلے عرب لوگ سائنس میں باہرین فن کی حیثیت رکھتے تھے اور اس نے سائنس کا علم ان سائنسدانوں سے حاصل کیا۔ کس قدر بودی بات ہے تاریخ شاہ ہے کہ اسلامی دنیا میں جو سائنس کو عروج حاصل ہوا وہ محمد کے زمانے کے بعد تھا نہ کہ پہلے۔“

”بعض لوگ کہتے ہیں کہ محمد نے قرآن میں تورات کی نقل لگائی ہے“

کیا قرآن بائبل کی نقل ہے

یہ نظریہ اسی قدر احمقانہ ہے جیسے کوئی کہے کہ انجیل آسمانی کتاب

نہیں ہے بلکہ تورات کی نقل ہے اور حضرت عیسیٰ نے اپنے حواریوں سے یہ کہا کہ یہ آسمانی کتاب ہے۔ اگر محمد تورات کی نقل کرتے تو تورات اور قرآن کے درمیان اس قدر اختلاف کیوں ہوتا جو پایا جاتا ہے۔“

کائنات چھ دنوں میں پیدا کی گئی  
وہ آگے چل کر مختلف مضامین کو بائبل اور قرآن کی روشنی  
میں دیکھتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

”بائبل میں خاص طور پر آیا ہے کہ کائنات چھ دن میں پیدا کی گئی اور ہفتے کے ساتویں دن خدا تعالیٰ نے آرام کیا۔ اس سے پادریوں نے ہفتے میں ایک دن کی چھٹی کا جواز نکالا ہے۔ لیکن یہ بات نہیں بنتی۔ کیونکہ دن سے مراد سورج کا نکلنا اور غروب ہونا ہے اور جب کائنات بنائی گئی تو اس وقت سورج اور زمین کہاں تھے۔۔۔۔۔ لیکن قرآن جہاں کائنات کا چھ دنوں میں بنایا جانا بیان کرتا ہے اس کے ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ دن سے مراد جو کس گھنٹے نہیں بلکہ ایک طویل عرصہ ہے چنانچہ سورہ نمبر ۳۲ کی آیت نمبر ۵ میں آیا ہے کہ ایک یوم کسی ہزاروں سال کے برابر ہے۔ ایک اور آیت میں دن کی لمبائی پچاس ہزار سال بتائی گئی ہے۔“

دوسری بات یہ ہے کہ پادریوں کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ہفتے میں ایک دن خدا تعالیٰ نے آرام کیا کیونکہ خدا تعالیٰ انسان کی طرح نہیں ہے اس کو آرام کی کوئی ضرورت نہیں۔

## دو ستاروں میں آبادی کا امکان قرآن کی رو سے

آگے چل کر فاضل مصنف لکھتے ہیں کہ  
”قرآن میں ایسی آیات بھی ملتی ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ زمین کی طرح بعض دوسرے اجرام فلکی میں بھی آبادی ہے اور اگر سائنسدان اس بات میں قرآن سے متفق ہیں۔“

## نظریہ مادہ اور قاطع مادہ

(THE THEORY OF MATTER AND ANTIMATTER)

سائنس کے حلقوں میں ایک اور مضمون جو زیر بحث ہے ”مادہ اور قاطع مادہ“ کا نظریہ ہے۔ فاضل مصنف کو قرآن میں ایک ایسی آیت نظر آئی ہے جس سے یہ بات ثابت ہو سکتی ہے لیکن انہوں نے کمال احتیاط کی بنا پر اس کے متعلق کوئی قطعی نظریہ قائم نہیں کیا۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ کائنات ہر وقت جدید صورت اختیار کرتی ہے۔ خصوصاً کرام کے نزدیک یہ نظریہ ”تجدد امثال“ کے نام سے موسوم ہے۔ واپل بصیرت کے مشاہدہ کی بات ہے کہ کائنات ہر لمحہ فنا ہو رہی ہے اور از سر نو وجود میں آرہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے اسماء میں ہر اسم ہر وقت فعال ہے۔ ایک لمحہ کے لیے بھی معطل نہیں ہوتا۔ اب چونکہ اسم مبارک یا حاجی زندہ کرنے والا کے بالمقابل اسم مبارک یا ممیت بھی موجود ہے۔ حاجی کا تقاضا یہ ہے کہ تخلیق کا سلسلہ ہر وقت جاری رہے اور

یائمیٹ کا تقاضا یہ ہے کہ تخریب یا فنا کا سلسلہ ہر وقت جاری رہے۔ اس لیے کائنات ہر لمحہ معدوم ہو جاتی ہے۔ اور پھر وجود میں آجاتی ہے لیکن درمیانی وقفہ اس قدر قلیل ہے کہ اہل بصیرت کے سوا کسی کو محسوس نہیں ہوتا چونکہ سائنس نے جدید آلات کی وجہ سے ایک سینکڑوں کے ہزاروں حصّہ کا تعین کر لیا ہے ان کو یہ معلوم ہو گیا ہے کہ مادہ (MATTER) کے ساتھ ایک ایسی قوت بھی موجود ہے جو اس کو کاٹ رہی ہے اس قوت کا نام انہوں نے (ANTI-MATTER) رکھا ہے جو دراصل تقاضا ہے حق تعالیٰ کے اہم یائمیٹ کا یعنی معدوم کرنے والا۔

## نظریہ تسخیر فضا

(CONQUEST OF SPACE)

تسخیر فضا حال ہی وجود میں آتی ہے لیکن قرآن میں اس کے متعلق تین آیات آج سے چودہ سو سال پہلے آچکی ہیں۔ اس کے متعلق فاضل مصنف لکھتے ہیں:-

”اگر میری یہ کتاب آج سے تیس سال پہلے لکھی جاتی تو آج مجھے اس کے اندر ایک اور باب کے اضافہ کی ضرورت محسوس ہوتی جس کی پیشین گوئی قرآن نے کر دی ہے۔ یہ نئی بات تسخیر فضا (CONQUEST OF SPACE) ہے جس کے متعلق قرآن میں تین آیات موجود ہیں۔“

اس کے بعد ہمارے مصنف نہایت ہی فاضلانہ انداز میں ہر آیت پر ایسی مدلل اور مکمل بحث کرتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ماہر تفسیر صرف نحو اور علم الکلام بول رہا ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ ہماری جماعت بے غمقرب پیش کر رہی ہے۔

## نظریہ توسیع کائنات

(EXPANSION OF THE UNIVERSE)

فاضل مصنف لکھتے ہیں:-

”یہ امر کہ کائنات ہر وقت وسعت پذیر ہے۔ موجودہ سائنس کا ایک اہم انکشاف ہے لیکن قرآن نے منذر جبرذیل آیت اس کی خبر پہلے ہی سے دے دی ہے:-  
”ہم نے سموات کو اپنی قوت سے پیدا کیا ہے اور ہم انہیں توسیع دے رہے ہیں۔ قرآن میں لفظ توسیع آیا ہے جس کا مصدر ”أوسع“ ہے جس کا مطلب ہے وسیع کرنا۔“

ساری کتاب میں فاضل مصنف قرآن حکیم کی بے شمار آیات نقل کرتے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کے اندر سائنس کی تمام تازہ ترین انکشافات کی پیش گوئی موجود ہے۔ مثلاً انہوں نے سائنس کے نظریہ دورہ آب WATER CIRCLE ہر چیز میں برقی قوت کا موجود ہونا، جمادات، نباتات، حیوانات کے حقائق اجزاء دودھ، نسل انسان کے حقائق، مادہ تولید کی خصوصیات، رحم مادر میں مادہ تولید کے مختلف مراحل، تخلیق کائنات کے چھ مراحل، تعدد سموات، آسمان اور زمین کے مابین حائل مخلوق وغیرہ تمام موجودہ زمانے کے انکشافات قرآن میں موجود ہیں۔ آخر میں مصنف لکھتے ہیں :-

”بائبل اور قرآن کے درمیان یہ فرق قابل غور ہے اور ان الزامات کا جواب ہے جن میں کہا گیا ہے کہ محمد نے تورات کی نقل کی ہے۔ یہ الزام بالکل غلط ہے۔ بھلا یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک انسان جو آج سے چودہ سو سال پہلے تورات کی نقل لگا کر قرآن بنا رہا ہے اور پھر تورات کے ان بیانات کو ترک کر رہا ہے جو چودہ سو سال بعد کی سائنس کے خلاف ہیں اور ان بیانات کو نقل کر رہا ہے جو چودہ سو سال بعد سائنس پر متکشف ہوئے۔ کس قدر بے بنیاد بات ہے۔“

غرضیکہ یہ کتاب قرآن عظیم کی صداقت کا مدلل ثبوت ہے اور ہر مسلمان کو اس کے مطالعہ کی ضرورت ہے جس سے ایمان تازہ ہوتا ہے۔ اس کتاب اور قرآن حکیم کے مطالعہ کی زیادہ ضرورت مسلم سائنسدانوں کو ہے جن کو چاہیے کہ قرآن کی ہر آیت کو موجودہ سائنس کی روشنی میں دیکھیں اور جہاں جہاں غیر مسلم سائنسدانوں نے ٹھوکر کھائی ہے ان کی راہنمائی کے لیے آگے بڑھیں۔ خاص طور پر ڈاکٹر مارکس بکائی کے مندرجہ ذیل سوال کا جواب دینا مسلم اکابرین کا فرض ہے :-

”یہ جو بعض سائنسدانوں نے علم کو ناپاک کر دیا (یعنی دھرتی پھیلائی ہے)، اس کو پاک کرنے کے لیے کن روحانی قوتوں کی ضرورت ہے؟“

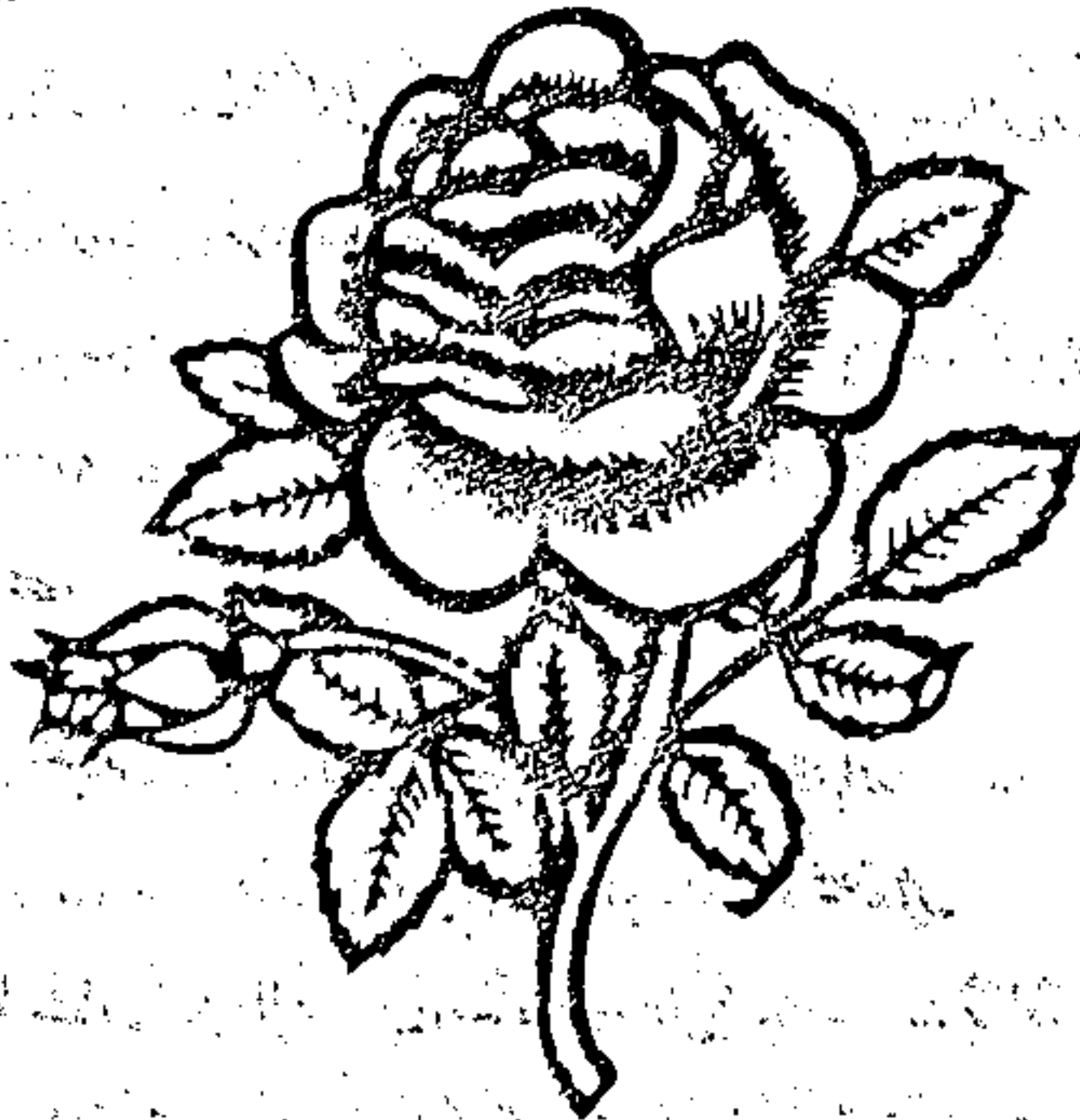
اس سوال کا ایک جواب تو ہماری یہ کتاب ہی ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ جس طرح اسلام نے اہل مغرب کو دور تاریک (DARK AGES) کی بربریت سے نکال باہر کیا اب بھی اسلام ہی دنیا کو تہذیب مغرب کی دلدل سے باہر نکال سکتا ہے۔

ملیشیا کے پروفیسر سید نعیم اللطاس نے بھی اپنی کتاب ”اسلام اور لائسنسیت“

(ISLAM AND SECULARISM) میں یہی جواب دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

”دنیا کو ہر زمانے میں شدید خطرات پیش آتے رہے ہیں لیکن سب سے بڑا اور عظیم ترین خطرہ جو دنیا کو لاسی ہے وہ تہذیب مغرب کی تباہ کاری ہے۔ میں اپنی پوری قوت سے یہ کہنے کی جرات کر رہا ہوں کہ اس تباہ کاری کا سامنا ساری دنیا کو اہل مغرب کے علم سے ہے نہ کہ جہل سے۔ وہ علم جس

کو دنیا پر مسلط کرنے کے لیے وہ لوگ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ وہ علم جو شکوک ہو کر رہ گیا ہے کیونکہ وہ اپنی افادیت کھو کر آلہ تخریب بن چکا ہے اور عدل و امن کی بجائے زبردست مہیاں کا موجب ہوا ہے وہ علم جو شکوک کو جنم دے کر دنیا کو دہریت کی طرف دھکیل رہا ہے اور پھر اس پر فخر بھی کرتا ہے اور شکوک اور لادینیت کو عزیز ترین سرمایہ حیات اور سائنس کا بہترین آلہ کار سمجھتا ہے وہ علم جن کی بدولت عالم جمادات، عالم نباتات اور عالم حیوانات میں تباہی مچ گئی ہے۔ وہ علم جو آگاہی کا دعویٰ رہے لیکن ہے پر لے درجہ کی جہالت۔ وہ علم جو ایک تباہ کار تمدن کی ترجمانی کرتا ہے اور ہدایت کی بجائے گمراہی کا سبق دے رہا ہے۔ وہ علم جو چوں چوں کا مریہ یعنی کسی قسم کے رسم و رواج مذاہب اور تمدن کا مثلاً تہذیب یونان، تہذیب روم، عیسائیت، یہودیت وغیرہ۔ وہ علم جو مجموعہ ہے بے شمار متضاد عناصر اقدار نظریات، تخیلات، عقائد اور فلسفوں کا جن سے تباہی اور تخریب کاری کے سوا کچھ نتیجہ نہیں نکلتا۔ وہ علم جن کے اندر تخریب و تصادم کے بیج کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں۔



## اسلام میں ذات باری تعالیٰ کا تصور اور ثبوت

قلب اومومن دعاغش کافر است (اقبال)

اثبات ہستی باری تعالیٰ ہے کیونکہ تہذیب مغرب نے مسلمانوں کے دلوں میں قسم و قسم کے شکوک اور شبہات پیدا کر دیئے جن کا ازالہ ضروری ہے۔

### علم الیقین

کسی چیز کا وجود ثابت کرنے کے لیے دنیا میں دو طریقے مروج ہیں اول منطقی دلائل دوم قانون شہادت جن کو اسلامی عقائد کی اصطلاح میں علم الیقین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور یہ یقین کا سب سے کمترین اور کمزور ترین درجہ ہے کیونکہ منطقی دلائل جس قدر قوی ہوں ان سے ایک گونا گونا یقین تو آجاتا ہے لیکن حقیقت پھر بھی سامنے نہیں آسکتی۔ اسی طرح شہادت جس قدر صادق اور صحیح ہو شاہد کو تو حقیقت حال کا مشاہدہ ہو سکتا ہے، لیکن سننے والے کے سامنے حقیقت نہیں آسکتی۔

### عین الیقین اور حق الیقین

لیکن قرآن عظیم نے ہستی ذات باری تعالیٰ کے اثبات میں جہاں منطقی دلائل اور قانون شہادت سے کام لیا ہے اس کے ساتھ دو قسم کے اور ثبوت بھی پیش کیے ہیں اول عین الیقین دوم حق الیقین۔ منطقی دلائل کے طور پر قرآن عظیم نے بنی نوع انسان کو مناظر قدرت کے مشاہدہ کی تلقین کی ہے کہ دیکھو کائنات کا عظیم الشان کارخانہ خالق کے بغیر کیسے وجود میں آسکتا ہے۔ قدرت کے کرشمے دیکھ کر روسی بربریت کے بانی مباتی کارل مارکس - CARL MARX نے بھی اعتراف کیا کہ:-

”کائنات کے پیچھے عظیم الشان حکمت (INTELLIGENCE) کارفرما ہے اور نتیجہ ہے ایک نہایت ہی طاقتور (POWERFUL) پر حکمت (INTELLIGENT) تخلیقی (CREATIVE) طاقت (FORCE) کا جسے نیچر کہتے ہیں۔“

لیکن جسے کارل مارکس نیچر کہتا ہے ہم اسے خدا کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ صرف نام کا فرق ہے۔ حقیقت ایک ہی ہے۔ قانون شہادت یہ ہے کہ کوئی شخص آپ کے سامنے آکر یہ کہے کہ میں نے فلاں چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور آپ اس کی بات کا یقین کر لیتے ہیں کہ واقعی وہ چیز موجود ہے خواہ آپ نے اس چیز کو

اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہو۔ یہاں تک ایک حج کسی مبتدئہ قاتل کو صرف دو گواہوں کی شہادت کی بنا پر پھانسی جیسا ہے اور اہم فیصلہ دے دیتا ہے۔ چنانچہ ذات باری تعالیٰ کو ثابت کرنے کے لیے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام نے آکر گواہی دی ہے کہ ہمارا خداوند عالم کے ساتھ البطل قائم ہے، اس نے خلق خدا کی ہدایت کے لیے ہمیں بھیجا ہے اور اس نے بنی نوع انسان کے لیے یہ پیغام دیا ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں سے ہر نبی ایماندار، صداقت پسند، دیانت دار، مخلص اور راست باز تھا۔ اس لیے دنیا نے ان کی بات کو صحیح مانا اور خدا کی مہتی کا یقین کر کے سرخوش ہدایت سے اپنے آپ کو سیراب کیا اور منزل مقصود تک رسائی حاصل کی۔

غرضیکہ دنیا میں کسی چیز کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے ان دو طریقوں کے بغیر چارہ نہیں یعنی منطقی دلائل اور قانون شہادت۔ ان کے بغیر ہم دنیا میں ایک لمحہ بھی نہیں گزار سکتے اور ایک قدم آگے چل سکتے ہیں۔ لیکن اسلام نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ذات باری تعالیٰ کو ثابت کرنے کے لیے علم الیقین یعنی انبیاء علیہم السلام کی شہادت اور منطقی دلائل کے علاوہ دو قسم کے اور ثبوت پیش کیے جن سے عام واقف نہیں ہیں۔ اول عین الیقین دوم حق الیقین۔ عین کے لفظی معنی ہیں آنکھ کا دیکھنا یا عین ہونا یعنی توجید کے بلند ترین منازل طے کر کے ذات باری کے ساتھ عین ہو جانا۔ مثال کے طور پر اگر آپ نے آگ کو جلاتے ہوئے نہیں دیکھا اور کوئی شخص آگ کو کہتا ہے کہ آگ جلاتی ہے تو آپ کا آگ کے متعلق یہ یقین علم الیقین کے درجے کا ہو گا۔ اگر کوئی شخص آپ کے سامنے آگ جلا کر دکھادے تو آپ کا آگ کے متعلق علم عین الیقین (چشم دید) کا درجہ رکھے گا۔ یہ درجہ پہلے درجے سے زیادہ قوی ہے۔ لیکن حق الیقین کا درجہ یہ ہے کہ آپ آگ کے اندر جا کر محسوس کریں کہ واقعی اس کا کام جلا نا ہے علم معرفت کی اصطلاح میں ان آخری دو مدارج یقین کو عین الیقین اور حق الیقین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور یہ دونوں برائے تکرار نفس کے بعد حاصل ہوتے ہیں۔ اسکی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

**خداوند عالم کی مہتی سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا**

لاکھ پردوں میں چھپے تو ہرگز ہرگز نہیں چھپ سکتا اور دھندھنکر ہر شخص کے سامنے موجود ہے۔ وہ خدا ہی کیا جو کسی چیز کی آڑ میں چھپ سکے یا کسی سے اوچھل ہو سکے۔ عارفین کا قول ہے کہ ذات حق شدت قرب اور شدت ظہور کی وجہ سے نظر نہیں آتی ورنہ کیا مجال ہے کہ نظر نہ آئے۔

اب جو لوگ بخدا یاد ہریر کے نام سے مشہور ہیں وہ درحقیقت منکر نہیں ہیں بلکہ غافل ہیں۔ ذات حق کو ان کے قلب مانتے ہیں لیکن دماغ تسلیم نہیں کرتے۔ علامہ اقبال نے نیشے کے متعلق خوب کہا ہے۔

قلب او مومن دماغ کافر است

یعنی اس کا قلب مومن اور دماغ کافر ہے۔ بلکہ ہم تو یوں کہیں گے کہ ہر کافر اور بخدا کافر کا قلب مومن اور دماغ کافر ہے۔ حق تعالیٰ قرآن حکیم میں فرمایا ہے

فحقن القرب الیہ من قبل الوریاء ہم انسان ہے اس کی شہرت



سے بھی زیادہ قریب ہیں، اب آپ خود خیال فرما سکتے ہیں کہ جو ہستی انسان کی شہزادگی سمجھی اس سے زیادہ قریب ہو تو  
 ابن کا شعور اور علم کیسے نہیں ہو سکتا۔ ضرور ہوتا ہے اور ہر کافر اور ملحد کا دل مانتا ہے کہ مجھے اور کائنات کو ضرور باری تعالیٰ  
 نے پیدا کیا ہے اور ان کی ہستی کا شدت سے ہر شخص کو احساس ہے لیکن دماغ چونکہ محدود چیز ہے ذات حق کا  
 احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ انگریزی الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ جو لوگ خداوند تعالیٰ کی ہستی کے منکر ہیں وہ  
 دراصل (ATHEIST) نہیں (AGNOSTIC) ہیں یعنی وہ یہ نہیں غافل یا بے پرواہ ہیں۔ منکر نہیں غیر غافل  
 ہیں اور معلوم کرنے کی کوشش گوارا نہیں کرتے۔ ایک انگریز نے مجھ سے کہا اگر آپ خدا کی ہستی میں یقین کرتے  
 ہیں تو ثابت کریں کہ خدا موجود ہے۔ میں نے جواب دیا کہ آپ ثابت کریں کہ خدا نہیں ہے۔ خدا وہ ہستی ہے کہ  
 اس کو کوئی شخص معدوم ثابت نہیں کر سکتا۔ اگر خدا کو معدوم کہے تو ساری کائنات کو بلکہ خود کو بھی معدوم کرنا پڑے  
 گا۔ اس کے بعد میں نے اس سے کہا کہ اگر میں تم کو کہوں کہ یہ کرسی کہ جس پر تم بیٹھے ہو خود بخود پیدا ہو گئی ہے۔  
 اس کے بنانے والا کوئی نہیں ہے تو آپ میرے دماغ کے متعلق کیا فتوے صادر کریں گے۔ اس نے کہا  
 (FIT FOR LUNATIC ASYLUM) پاگل خانہ کے قابل۔ میں نے کہا ٹھیک ہے جب ایک چھوٹی سی  
 کرسی خود بخود پیدا نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے بنانے والے کی ضرورت ہے تو پھر کائنات کا یہ عظیم کارخانہ کس طرح  
 خود بخود وجود میں آسکتا ہے۔ اس لیے جو شخص یہ کہے کہ کائنات کا پیدا کرنے والا کوئی نہیں ہے تو وہ مجھ سے زیادہ پاگل  
 کی رونق بننے کے قابل ہے۔ یہ سن کر وہ ہنس پڑا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔

امام ابو حنیفہؒ نے بھی اسی دلیل سے چند ہر لوں کو مسلمان بنایا تھا۔ اسحاق نیوٹن (ISAC NEWTON)  
 نے اجرام فلکی کا ایک چھوٹا سا ماڈل تیار کیا جس میں سورج زمین اور چاند ستارے اپنی اپنی جگہ پر لگا دیتے اور سورج  
 کے ساتھ ایک چراغ بھی لگا دیا۔ جب ہینڈل پکڑ کر مشین کو چلانا تو اس ماڈل میں کرۂ زمین چاند اور ستارے روشن  
 ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ اس مشین کو دیکھنے کے لیے اس کا ایک دہریہ دوست آیا۔ دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ کہنے لگا کہ  
 یہ کس نے بنائی ہے۔ نیوٹن نے کہا کسی نے نہیں بنائی یہ خود بخود بن گئی ہے۔ اس نے کہا یہ بھی کبھی ہو سکتا ہے نیوٹن  
 نے کہا جب یہ کائنات کا یہ چھوٹا سا ماڈل خود بخود وجود میں نہیں آسکتا تو بتاؤ کہ یہ اصل کائنات کس طرح خود بخود وجود  
 میں آسکتی ہے یہ سن کر وہ خدا کی ہستی کا قائل ہو گیا۔

بات یہ ہے کہ یہ لوگ خدا کی ہستی کے متعلق غور تک نہیں کرتے اور ہم بتا چکے ہیں کہ خود کارل مارکس جو باہانے  
 بالمشورم ہے اور خدا کا منکر مشہور ہے۔ وہ بھی اس بات کا قائل ہے کہ یہ کائنات سائنٹیفک (SCIENTIFIC) ہے  
 اور ایک نہایت اعلیٰ زیرک (HIGHLY INTELLIGENT) تخلیقی قوت (CREATIVE FORCE) کی  
 پیداوار ہے اور چلائی جا رہی ہے۔ اس قوت کو وہ نیچر (NATURE) کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ لیکن ہم اسے  
 خداوند عالم کہتے ہیں۔ نام کے اختلاف سے حقیقت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

لیکن روسی لوگ اپنے فرسودہ اور زائد المیعا مذہب سے اس قدر تنگ آچکے تھے کہ انہوں نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور اس کا حوالہ اتار کر پھینک دیا۔ یہاں تک انہوں نے اچھا کیا اور ان کا یہ اقدام اسلامی تھا اور اسلام کی جانب ایک قدم تھا کیونکہ اسلام بھی زائد المیعا مذہب اور ان کے کافرانہ اور مشرکانہ عقائد کے خلاف علم بغاوت لے کر میدان میں آیا تھا۔ لیکن اس کے آگے روس کے لوگوں نے اپنے لیڈر کارل مارکس کے دلائل کو ان کے منطقی نتائج تک لے جانے کی زحمت گوارا نہ کی۔ اس لیے وہ منکرین خدا نہیں بلکہ غافلین اور حق پوش ہیں۔ لفظ کافر کے معنی بھی حق پوش ہیں نہ کہ منکر حق صاحب تفسیر حسینی نے بھی یہی معنی لکھے ہیں۔ آپ نے لفظ کافر کے معنی پوشندہ (چھپانے والا) لکھے ہیں۔



## اسلام میں تصور باری تعالیٰ

(CONCEPTION OF GOD IN ISLAM)

العبد عبد وان تعرج - والرب رب وان تنزل (ابن عربیؒ)

آجکل سائنس کی دنیا میں ہر شخص یہ جانتے کی کوشش کرتا ہے کہ آیا خدا موجود ہے۔ اگر ہے تو وہ کیسا ہے کہاں ہے۔ کائنات کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے۔ انسان کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے۔ انسان خدا تک کس طرح رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ انسانی زندگی کا مقصد کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

سائنس کا مقصد بھی یہی حقائق معلوم کرنا ہے۔ اسلامی تصوف یعنی علم معرفت نے ان تمام سوالات کے جواب دے دیتے ہیں لہذا کتاب ہذا کا مقصد یہ ہے کہ سائنسدانوں کو ان حقائق سے آگاہ کر کے مذہب اور سائنس کے مابین جو ایک فرضی خلیج حائل ہے اُسے دور کر دیا جائے اور دنیا کو جو خطرات لاحق ہیں ان سے اس کو بچا لیا جائے۔ یاد رہے کہ دنیا میں ذات باری تعالیٰ کے متعلق بے شمار نظریات اور عقائد پائے جاتے ہیں۔

نظریہ تشبیہ (IMMANENCE) بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ذات باری کائنات میں جاری و ساری ہے اس کے علاوہ کہیں نہیں ہے۔ اس عقیدے کو نظریہ تشبیہ (IMMANENCE) کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔  
نظریہ تنزیہ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کائنات میں نہیں ہے بلکہ اس سے علیحدہ لطیف صورت میں موجود ہے۔ اس تخیل کو نظریہ تنزیہ (TRANSCEDENCE) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

نظریہ توحید: بعض کا خیال ہے کہ خداوند تعالیٰ ایک تو ہے لیکن کائنات کو اپنی ذات میں شامل کیے ہوئے ہے اس عقیدہ کو نظریہ توحید (MONISM) کہتے ہیں۔ یہ نظریہ اسلامی توحید سے قریب تر ہے۔  
نظریہ تثلیث: عیسائی لوگ تین خداؤں کے قائل ہیں۔ یعنی باپ، بیٹا اور مقدس روح (HOLY GHOST) یہودی لوگ بھی حضرت عزیرؑ کو خدا سمجھتے ہیں۔

متعدد خدا: ہندو مذہب میں اگرچہ خدا کی ہستی کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ بے شمار خداؤں کی بھی پوجا کی جاتی ہے۔

غیر و شرکے علیحدہ دو خدا: زرتشت مذہب میں دو خدا مانے جاتے ہیں۔ ایک خالق خیر جسے وہ یزدان کہتے ہیں اور دوسرا خالق شر جسے وہ لوگ اہرمین کہتے ہیں۔

**اسلامی نظریہ:** اسلامی نظریہ ذات باری تعالیٰ سے زیادہ مکمل صحیح اور کفر و شرک سے پاک و  
مبرا ہے۔ اسلامی عقائد کی رو سے خدا ایک ہے اور ہر جگہ موجود ہے۔ کائنات میں بھی اور کائنات سے ماوریٰ بھی بالفاظ  
دیگر اسلامی نظریہ توحید اہل مغرب کے نظریہ تشبیہ (IMMANENCE) نظریہ تمزیہ (TRANSCEDENCE) اور  
مونزم (MONISM) تینوں کا مجموعہ ہے۔ کیونکہ اگر خدا کو صرف کائنات کے اندر مانا جائے اور خارج میں اس کے  
وجود کو تسلیم نہ کیا جائے تو اس کی لامحدودیت ختم ہو جاتی اور وہ محدود کے اندر محدود ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر اس کو  
کائنات سے علیحدہ مانا جائے جیسا کہ نظریہ تمزیہ والوں کا خیال ہے تب بھی وہ محدود ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ کائنات  
میں نہیں اور جو ہستی ایک جگہ ہو اور دوسری جگہ نہ ہو تو لازماً وہ محدود ہے۔ یہ علمائے ظواہر کا نظریہ ہے۔ اسلامی نظریہ  
توحید میں خدا واحد لا شریک ہے اور ہر جگہ موجود ہے خواہ مادہ ہو یا فضا کوئی جگہ اس سے خالی ماوریٰ اور علیحدہ نہیں  
ہے۔ کلمہ توحید بھی یہی گواہی دیتا ہے لا الہ الا اللہ کے اندر لا معبودیت اور لا موجودیت دونوں مفہوم مضمر ہیں۔  
تمام اولیاء کرام، مشائخ سلاسل اور متکلمین اسلام کا یہی عقیدہ ہے۔ خدا خالق ہے اور کائنات مخلوق خدا قدیم ہے اور  
کائنات حادث ہے۔ کائنات خداوند تعالیٰ کی صفت تخلیق کا مظہر ہے چونکہ صفت موصوف سے جدا نہیں  
ہو سکتی۔ کائنات کو خدا کا غیر نہیں کہا جاسکتا۔

**وحدت الوجود:** تصوف کی اصطلاح میں اس عقیدہ کو وحدت الوجود کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے  
جس کی رو سے خداوند تعالیٰ ایک ہے ہر جگہ موجود ہے اور کائنات کی ہر چیز اس کے وجود اور ہستی میں شامل ہے  
اب چونکہ ذات حق کی ماہیت کا محدود انسانی دماغ کی سمجھ میں آجانا محال اور ناممکن ہے۔ اکابرین نے اس عقیدہ  
کی تفصیل سے اجتناب کیا اور صرف اجمال سے کام لیا ہے لیکن حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی پہلے شخص ہیں  
جنہوں نے تفصیل سے کام لیا ہے اور کلمہ کھلا نظریہ وحدت الوجود کی تشریح کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ کام  
کرنے کا حکم ہوا ہے۔ چنانچہ آپ نے فصوص الحکم میں لکھا ہے کہ اس کا ہر لفظ مجھ سے لکھوایا گیا ہے۔ آپ فرماتے  
ہیں کہ اگر میں یہ حقائق بیان نہ کرتا تو جل کر رکھ ہو جاتا۔ لیکن علمائے ظاہر جن کو ذات و صفات باری تعالیٰ کی تفصیل  
کا عرفان نہیں انہوں نے شیخ اکبر کی سخت مخالفت کی اور کفر تک کے فتوے صادر کیے۔ یہاں تک کہ حضرت  
شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے جب آپ کے اصحاب نے شیخ اکبر کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ  
”ہذا رجل زندق“ (یہ زندق یعنی بے دین آدمی ہے) لیکن جب ان کا وصال ہوا تو حضرت شیخ شہاب  
الدین قدس سرہ نے فرمایا کہ آہ آج دنیا کا قطب رحلت کر گیا۔ جب آپ کے اصحاب نے عرض کی کہ حضور پہلے تو  
آپ نے ان کو زندق کہا تھا آج قطب کہہ رہے تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے یہ اس لیے کہا تھا کہ تم لوگ ان کے پاس  
نہ جاؤ کیونکہ وہ ایسے حقائق بیان کرتے تھے جو تمہاری سمجھ سے بالاتر ہیں اس لیے تم لوگ فیتنہ میں مبتلا ہو جاتے اور  
آپ کے اصحاب کون تھے جن کو آپ نے شیخ اکبر کی صحبت سے روکا۔ وہ تھے حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ

یہ شخص سعدی سیرازی جیسے اکابر اولیاء جب ان جیسے اولیاء کرام کو ان کے شیخ علیہ رحمۃ نے وحدت الوجود کی تفصیل سے روک دیا تو آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ باقی لوگ کیا سمجھیں گے۔

یہاں صرف اتنا لکھا جاتا ہے کہ جیسا کہ بعض حضرات کا خیال ہے مسئلہ وحدت الوجود سے شرک لازم نہیں آتا اور نہ ہی بت پرستی کا جواز رکھ سکتا ہے اگر کائنات کی ہر شے خدا کے وجود میں شامل ہے تو بت پرستی کیسے جائز ہو سکتی ہے۔ فرض کرو کہ کوئی شخص زید سے کچھ رقم مانگتا ہے اور زید دینے سے انکار کرتا ہے۔ تو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ وہ شخص

زید کے ہاتھ کو مخاطب کر کے کہے کہ تو زید کی جیب سے رقم نکال کر مجھے دے دے۔ جس طرح زید کے ہاتھ کو زید سمجھتا ہے جیسا کہ غیر شرک ہے۔ اسی طرح کائنات کی کسی چیز یا کسی شخص کو خدا سمجھنا بھی شرک نہیں ہے۔ بالفاظ دیگر

جزو و کل کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ زید کل ہے اور اس کا ہاتھ جزو ہے زید کا ہاتھ زید نہیں بن سکتا۔ اسی طرح بت اگرچہ ذات حق میں شامل ہے لیکن ذات حق نہیں بن سکتا۔ لیکن یہ مثال ذات حق پر پوری طرح صادق نہیں آتی۔ بلکہ

ذات حق پر کوئی مثال صادق نہیں آتی کیونکہ وہ بے مثل اور بے مثال ہے قرآن حکیم کہتا ہے کہ لیس کھیلہ عشق (اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے) اور مثال صرف سمجھانے کے لیے دی گئی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ

ذات باری تعالیٰ جزو و کل سے پاک ہے نہ وہ جسم ہے نہ اس کے اعضاء ہیں۔ نہ وہ قابل تقسیم ہے نہ اس کے اجزاء ہو سکتے ہیں۔ وہ ہر چیز کو محیط ہے اور کسی چیز میں سما نہیں سکتا۔

**حلول واتحاد:** یہ جو بعض حضرات نے کہا ہے کہ وحدت الوجود سے حلول واتحاد لازم آتا ہے یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ عقیدہ حلول یہ ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ خداوند تعالیٰ کسی ولی یا پیغمبر کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔

جیسا کہ عیسائی لوگوں کا حضرت عیسیٰ کے متعلق، یہودیوں کا حضرت عمر علیہ السلام کے متعلق اور ہندوؤں کا رام اور کرشن کے متعلق عقیدہ ہے۔ یہ عقیدہ اس لیے غلط ہے کہ منطوق کی رو سے لامحدود (INFINITE) محدود

(FINITE) کے اندر نہیں سما سکتا۔ ہر چیز خدا کے وجود میں شامل ہے خدا کسی چیز کے وجود کے اندر نہیں سما سکتا۔ وہ لامحدود ہے محدود اشیاء کے اندر کیسے سما سکتا ہے کیونکہ کوئی چیز یا شخص ذات حق کے کمال اسماء و صفات

کا مکمل نہیں ہو سکتا۔ پیغمبر کی بھی ہوتی ایک چھوٹی سی مورتی جس طرح خداوند عالم کی طرح سمیع البصیر، علیم، کلیم، قادر ہو سکتی ہے۔ اگرچہ حضرت انسان کو حق تعالیٰ نے سمیع، بصیر اور علیم بنایا ہے لیکن انسان کی قوت سمع اور بصر اور خدا کی

قوت سمع و بصر میں جو عظیم فرق ہے اس میں سے ہر شخص آگاہ ہے۔ انسان کا علم، سماعت اور بصارت محدود ہے خداوند تعالیٰ کا علم، سمع، بصر اور قدرت لامحدود اور لا انتہا ہے۔

تو کائنات میں جو عظیم فرق ہے اس میں سے ہر شخص آگاہ ہے۔ انسان کا علم، سماعت اور بصارت محدود ہے خداوند تعالیٰ کا علم، سمع، بصر اور قدرت لامحدود اور لا انتہا ہے۔

وحدت الوجود کی تردید کی ہے اور خداوند تعالیٰ کے متعلق یہ کہا ہے کہ کائنات اس کے وجود میں شامل نہیں اور نہ وہ بالوجود ہر جگہ موجود ہے بلکہ وہ بالعلم ہر جگہ موجود ہے یعنی ہر چیز کا اس کو علم ہے لیکن وہ ہر جگہ موجود نہیں ہے بلکہ اوپر

کی جانب عرش پر مقیم ہے۔ انہوں نے اس عقیدہ کو قرآن کی آیت الرحمن علی العرش استوی (رحمن عرش پر مسلط ہے) سے اخذ کیا ہے۔ اس عقیدے سے انہوں نے حلول و اتحاد سے بچنے کی تجویز تو کی لیکن اس سے وہ ایک اور کافرانہ اور مشرکانہ عقیدہ تجسیم میں مبتلا ہو گئے۔ اسلامی دنیا میں اس عقیدہ کے بانی و مبانی ایک بزرگ تھے جن کا نام لیمان سب معلوم نہیں ہوتا۔ ان کے اس عقیدے سے سارے عالم اسلام میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا اور حکومت وقت نے ان کو قید کر دیا اور بقیہ ساری عمر وہ قید ہی میں رہے کیوں کہ عقیدہ تجسیم تو پھر وہی ہندوؤں اور عیسائیوں کا نظریہ تجسیم (REINCARNATION) ہوا۔ اسلام اور ان مذاہب میں کیا فرق ہوا۔

اُن کا عقیدہ معمولی سائنس اور جغرافیہ کی رو سے بھی غلط ہے: یہ کہنا کہ

حق تعالیٰ اوپر کی جانب عرش پر بیٹھے ہوئے ہیں عام علم نجوم اور جغرافیہ کے بھی خلاف ہے۔ معمولی آنکھوں جماعت کا طالب علم بھی جانتا ہے کہ زمین گول ہے اور فضا میں معلق رہ کر اپنے محور اور سورج کے گرد چکر کاٹ رہی ہے۔ بیشمار لوگوں نے زمین کے گرد چکر لگائے ہیں اور جہاں سے روانہ ہوتے تھے پھر اسی جگہ جاپہنچے ہیں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ بڑا عظیم ایشیا کرہ ارض کی جس سمت یا جس حصے پر واقع ہے بڑا عظیم امریکہ اس کے بالمقابل دوسری سمت میں واقع ہے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ امریکہ ہمارے پاؤں کی طرف ہے اور امریکہ والے یوں کہتے ہیں کہ ایشیا ہمارے پاؤں کی طرف ہے۔ لہذا اگر یہ مانا جائے کہ خداوند تعالیٰ اوپر کی جانب عرش پر مقیم ہے تو ہمارے لیے جو اوپر کی سمت ہے وہ امریکہ والوں کے لیے نیچے کی سمت ہوگی اور ہمارے لیے جو نیچے کی سمت ہے امریکہ والوں کے لیے وہ اوپر کی سمت ہوگی۔ دراصل اوپر اور نیچے، دائیں اور بائیں یہ تمام طرفین اعتباری (RELATIVE) ہیں حقیقت میں ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔ مکان اور زمان (TIME AND SPACE) سورج اور زمین کے پیدا ہونے کے بعد وجود میں آئے ہیں اس سے پہلے نہ مکان تھا نہ زمان اور ان کے بعد بھی نہ مکان ہوگا نہ زمان۔ لہذا حقیقت میں کوئی سمت نہیں اور نہ ہی کوئی وقت ہے۔ لامحدودیت ہی لامحدودیت (ETERNITY) کا دور دورہ ہے۔ سورج کی گردش سے وقت وجود میں آیا ہے اور زمین کے فاصلوں سے مکان وجود میں آیا ہے۔ دراصل نہ مکان ہے نہ زمان۔ ذات ہی ذات ہے۔ جن حضرات نے آیت الرحمن علی العرش استوی سے خداوند تعالیٰ کا اوپر کی جانب عرش پر بیٹھا ہوا ہونے کا عقیدہ نکالا انہوں نے قرآن عظیم کی دوسری آیات پر غور کرنے کی زحمت بھی گوارا نہ فرمائی مثلاً آیت الکرسی میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ

(اس کا عرش و کرسی کائنات پر محیط ہے) یعنی کائنات

اس کے عرش و کرسی میں شامل ہیں۔ اس سے باہر نہیں۔ اس عدم فہم دین پر تو اس عقیدہ کے بانی کو قید کر دیا گیا تھا۔ اور وہ قید خانہ ہی میں چل بسے۔ لیکن اُن کے پیدا کردہ اختلاف اب تک باقی ہیں اور امت کا شیرازہ بکھیر رہے ہیں

## وحدت الوجود اور وحدت الشہود | بعض لوگوں کا خیال ہے کہ چونکہ وحدت الوجود شریعت

کے خلاف ہے۔ اس لیے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے وحدت الوجود کی بجائے وحدت الشہود کا نظریہ اختیار فرمایا جو شریعت کے مطابق ہے۔ حالانکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے جو خود نقشبندی ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی کے سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں اپنے رسالہ "مکتوب مدنیہ" میں لکھا ہے کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود ایک چیز ہے ان میں کوئی فرق نہیں ہے ان کے مابین صرف نزاع لفظی لفظی فرق ہے حقیقی نہیں ہے۔ اسی طرح شاہ اسماعیل شہید جو شاہ ولی اللہ کے پوتے ہیں اور نقشبندی مجددی بھی ہیں اپنی کتاب "عمققات" میں لکھتے ہیں کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے درمیان نزاع لفظی ہے حقیقی نہیں ہے آپ لکھتے ہیں کہ ابن عربی کی کتابوں میں بیسیوں ایسی عبارات موجود ہیں جن سے وحدت الشہود کے معنی نکلتے ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات میں بیسیوں ایسی عبارات ہیں جن سے وحدت الوجود ثابت ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کا مطلب ایک ہی ہے۔ خود حضرت مجدد الف ثانی نے بھی وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے درمیان فرق کو نزاع لفظی کہا ہے۔ نزاع حقیقی قرار نہیں دیا۔ آپ نے مکتوبات شریف میں وحدت الوجود کے علم بردار شیخ محی الدین ابن عربی کی بہت تعریف کی ہے اور عارف باللہ قرار دیا ہے۔ نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میرے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہ وصال سے ایک ہفتہ پہلے تک وحدت الوجود پر قائم تھے۔ قلیل عرصہ کے لیے وحدت الشہود اختیار کیا اور وصال باللہ ہوئے۔ نیز حضرت مجدد الف ثانی کے والد ماجد حضرت شیخ عبدالأحد حشتی تھے اور حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مرید تھے جو وحدت الوجود کے زبردست حامی تھے حضرت مجدد کے بعض مکتوبات سے بھی وحدت الوجود ثابت ہوتا ہے جو طوالت کے خوف سے ترک کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں احقر اقم کی کتاب وحدت الوجود وحدت الشہود ملاحظہ ہو۔







## حضرت انسان کی حقیقت و عظمت

### مقصد حیات و طریق حصول مقصد

حضرت مولانا جلال الدین رومی اپنے مجموعہ ملفوظات موسومہ فیہ ما فیہ میں فرماتے ہیں۔  
 افسوس صد افسوس ہے اس انسان پر جس نے اپنے لیے وہی خوراک پسند کر لی ہو جو اسکے گدھے کیلئے  
 تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس آدمی کا مقصد حیات صرف کھانا اپینا اور مباشرت ہے وہ اپنے گدھے سے  
 زیادہ بہتر نہیں ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔ مَنْ كَانَ هِمَّتَهُ مَا دَخَلَ قِيمَتَهُ مَا خَرَجَ  
 (جس شخص کی ساری ہمت اس بات پر مرکوز ہے کہ پیٹ میں کیا داخل ہوتا ہے اس شخص کی قیمت وہی ہے جو  
 اس کے پیٹ سے خارج ہوتا ہے۔)

انسان اور جانور میں کیا فرق ہے۔ دونوں میں جسم اور جان مشترک ہے جان کو روح حیوانی بھی کہتے  
 ہیں جو ہر انسان اور جانور میں موجود ہے۔ جو چیز حضرت انسان کو جانوروں سے تمیز اور ممتاز کرتی ہے اور اسے  
 اشرف المخلوقات کے لقب سے ملقب کرتی ہے وہ ہے روح انسانی جس کو روح ملکوتی  
 بھی کہا جاتا ہے۔ روح انسانی کیا ہے۔ اس کی حقیقت حدیث نبوی سے سنئے۔  
 حدیث پاک یہ ہے۔ انسان کے جسم میں ایک مضمغہ گوشت کا ٹکڑا ہے جس کے اندر فؤادِ قلب ہے  
 قلب کے اندر روح ہے روح کے اندر سیر ہے سیر کے اندر خفی ہے خفی کے اندر انخی ہے۔  
 عرفا کا قول ہے کہ انخی کے اندر انا ہے۔ اس انا کا اشارہ ہے ذات مطلق کی طرف ہے۔ انسان کے  
 اندر جو انا ہے وہ انا ہے حقیقی (ذات حق) کی آواز بازگشت ہے۔

زمہریش سینہ با جولا نگر برق دن ہرزہ در جوش انا الشرق

ذات حق کی محبت سے عاشقوں کے قلوب پر جلیاں گر رہی ہیں اور ہرزہ محبت کے جوش میں انا الشرق میں  
 آفتاب ہوں، کانعرہ لگا رہا ہے۔

وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ الرُّوحِ حَقِيقِي لِيْ اَنَا حَقِيقِيْ كَارِ تَوْ قَلْبِ اِنْسَانٍ پُرْ دَالَا اَوْر  
 اُسے آتش کا پرکالہ بنا ڈالا۔ یہ سب اس واسطے تھا کہ گنت گناہ مخفیا فاجبت ان اعرف  
 فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ (حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ایک مخفی خزانہ (حسن و جمال) تھا۔ میں نے چاہا کہ میرا شاہ  
 کیا جائے اس لیے میں نے کائنات کو پیدا کیا، کائنات کو پیدا کر کے حق تعالیٰ نے اپنے لیے ایک آئینہ

بنایا تاکر اپنے حسن و جمال کا خود تماشا کرے۔ وہ آئینہ حضرت انسان ہے جس کے متعلق حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاِمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ط (ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے پیش کیا۔ لیکن وہ ڈر گئے اور قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن انسان نے اسے قبول کر لیا کیونکہ وہ ظلومی اور جہولی تھا، اب لفظ ظلوماً جہولاً کے معنی علمائے ظواہر نے ظالم اور جاہل کے لیے ہیں حالانکہ حق تعالیٰ حضرت انسان کی تعریف فرما رہے ہیں نہ کہ مذمت۔ تعریف اس لیے کہ جو بوجھ آسمان والے فرشتے اور زمین اور پہاڑ جیسی عظیم و جہیم مخلوق نہ اٹھا سکے اسے ایک چھوٹے سے خاکی پتلے نے برداشت کر لیا اس وجہ سے نہیں کہ وہ ظالم اور جاہل تھا بلکہ اس وجہ سے کہ وہ مجموعہ جسم اور رُوح تھا جس کی ایک سمت یعنی روحانی طرف روشن تھی اور دوسری یعنی جسمانی سمت سیاہ تھی۔ یاد رہے کہ آئینہ اس وقت تک آئینہ نہیں بن سکتا جب تک کہ اس کی ایک طرف روشن اور دوسری طرف سیاہ نہ ہو۔ چونکہ فرشتے سراپا نور تھے ان کے اندر آئینہ بننے کی صلاحیت نہ تھی۔ زمین اور پہاڑ سراپا جسمانیت تھے وہ بھی آئینہ نہیں بن سکتے تھے۔ ساری کائنات میں صرف حضرت انسان کا وجود ہی ایسا تھا جس کی روحانی سمت روشن اور جسمانی طرف سیاہ تھی اس لیے آئینہ بن گیا۔ اور حق تعالیٰ کے حسن و جمال کا عکس اس کے اندر پیدا ہو گیا۔ خواجہ حافظؒ نے خوب فرمایا ہے۔

آسمان بار امانت نتوانت کشید قرعہ فال بناہم من دیوانہ زدند

د آسمان امانت الہی کا بوجھ نہ اٹھا سکا تو قرعہ فال مجھ دیوانے کے نام نکل آیا اور حق تعالیٰ نے مجھے اپنا آئینہ بنا لیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن حکیم کے الفاظ ظلوماً و جہولاً میں انسان کی مذمت نہیں بلکہ انتہائی درجہ کی مدح ہے جو حق تعالیٰ نے اپنے خلیفہ فی الارض کے حق میں فرمائی ہے۔

صاحبِ مثنوی گلشن راز حضرت شیخ محمود شبستریؒ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

|                           |                            |
|---------------------------|----------------------------|
| ظلومی و جہولی ضد نوراند   | لیکن مظہر عین ظہورند       |
| چو پشت آئینہ باشد مکرر    | نماید روتے شخص از عکس دیگر |
| شعاع آفتاب از چارم افلاک  | بگرد منعکس جز بر سر خاک    |
| تو بودی عکس من نبود ملائک | وزان گشتی تو سجود ملائک    |



|                               |                                 |
|-------------------------------|---------------------------------|
| تو محشرِ عالی زان در میانی    | پداں خود را کہ تو جانِ جهانی    |
| جهان و عقل و جان سرمایہ تست   | زمین و آسمان از سایہ تست        |
| بزرگان اندر گشته حیراں        | فرو ماند از تشریح انسان         |
| ازاں دانستہ تو جملہ اسما      | کہ ہستی صورتِ عکسِ مستہی        |
| ظہورِ قدرتِ علم و ارادت       | ہست اے بندہ صاحبِ سعادت         |
| سمیع و بصیری، حتی و گویا      | بقا و داری نہ از خود بل از آنجا |
| زہے اول کہ عینِ آخر آمد       | زہے باطن کہ عینِ ظاہر آمد       |
| تو از خود شب و روز اندر گمانی | ہماں بہتر کہ تو خود را بدانی    |

**اعزازِ مسجودِ ملائک** حضرت انسان کو مسجود ملائک بننے کا اعزاز اسی لیے حاصل ہوا کہ اس نے جملہ اسماء صفات الہیہ کا عکس قبول کر لیا۔ وہ عکس کیا تھا۔ شرفِ نیابت و خلافت تھا

شاہ نیاز بریلوی نے خوب کہا ہے کہ

|  |                                      |
|--|--------------------------------------|
| لباسِ بوالبشر پوشیدہ مسجودِ ملک گشتم   | بہ تصویرِ محمدِ حامد و محمود بودستم  |
| گے اور لیں گا ہے شیت گا ہے نوح کہ یونس | گے یوسف گے یعقوب گا ہے ہود بودستم    |
| گے صالح کہ ابراہیم کہ اسحاق کہ یحییٰ   | گے عیسیٰ گے موسیٰ، و داؤد بودستم     |
| برائے میکشان امروز نقد وقت شاں گشتم    | ز بہر دیگر اں روز جزا موعود بودستم   |
| بدریئے حقیقت بہر غواصان دریا دل        | بہر عہدے و ہر عصرے گوہر مقصود بودستم |

خلافت اور نیابت الہیہ کے اس اعزاز کے ساتھ انسان کے اندر صفات الہیہ کا سما جانا یعنی صفات الہی سے متصف ہونا لازمی تھا۔ صفات اللہ سے متصف ہوتے ہی اشرف المخلوقات اور مسجودِ ملائک بنا اور حاملِ خلافت الہیہ ہوا۔ اس حقیقت کو مغربی نے یوں بیان کیا ہے کہ

|                          |                           |
|--------------------------|---------------------------|
| ما جامِ جہاں نمائے ذاتیم | ما نظہر جملہ صفاتیم       |
| ما نسخہ نامہ الہیم       | ما گنجِ طلسم کائناتیم     |
| ہم صورت واجب الوجودیم    | ہم معنی جانِ ممکناتیم     |
| ہم در مکان و در مکانیم   | ہم بیرون زہات و در جہاتیم |
| ہر چند کہ مجمل دو کو نیم | تفصیل جمیع محسولاتیم      |

## مقام مصطفیٰ

وجود کے تمام مراتب میں انسان اکل سہے اور جملہ افراد انسانی میں حضور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سب سے اکل ارفع ہیں اور حق تعالیٰ کے مظہر اتم ہیں۔ آپ ہی انسان کا اہل ہیں اور آپ ہی حق تعالیٰ کے خلیفہ برحق ہیں۔ آپ باعث تخلیق کائنات ہیں۔ حدیث: **كُنْتُ كُنْزًا مَخْفِيًّا فَانَا حَبِيتُ أَنْ أَعْرَفَ فَخَلَقْتَ الْخَلْقَ** (میں ایک مخفی خزانہ حسن و جمال و کمال تھا مجھے خواہش ہوئی کہ پہچانا جاؤں اس لیے خلقت کو پیدا کیا) میں جس خزینہ حسن و جمال و کمال کے اظہار کی تمنا ہی حق تعالیٰ کو ہوئی وہ حقیقت محمدیہ ہے۔ جو ذات و صفات الہی کے مظہر اتم ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اول **مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ مِنْ نُورِي** (سب سے پہلے حق تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا اور میرے نور سے ساری کائنات پیدا کی) عارف رومی نے خوب کہا ہے:

مصطفیٰ و محبتی و مرتضیٰ جز محمد نیست در ارض و سما  
ایک اور عاشق نے اس شعر کو یوں کہا ہے:

منبع و مصدر محمد مصطفیٰ جز محمد نیست در ارض و سما  
دیکھو کہ کائنات کا منبع اور مصدر حقیقت محمدیہ ہے جس سے ساری کائنات وجود میں آئی۔ صاحب لولاک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

**لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ** (اے پیغمبر اگر آپ نہ ہوتے تو میں کچھ بھی پیدا نہ کرتا) ظفر علی خان نے اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے کہا ہے:

گراں و سما کی عقل میں لولاک لہما کا شور نہ ہو۔ یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں  
عالم لاتعین سے جب حق تعالیٰ نے عالم تعین و شہادت و صفات میں نزول فرمایا تو پہلی تجلی حقیقت محمدیہ میں فرمائی۔ اس لیے آپ کے اسمائے گرامی تعین اول، تجلی اول، ظہور اول اور عالم صفات ہیں اور تمام اسماء و صفات الہیہ کا ظہور اسی تجلی اول کے ظہور سے ہوا جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے **وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ مِنْ نُورِي** (ہر چیز میرے نور سے پیدا ہوئی) عارف رومی فرماتے ہیں:

|                              |                          |
|------------------------------|--------------------------|
| در میان خلق و خالق رابطہ     | ادست ایجاد جہاں را واسطہ |
| رحمتہ اللعالمین در شان او    | شاہباز لامکانی جان او    |
| خلق اول روح اعظم عقل کل      | عارف اطوار سیر جزو کل    |
| نیست غیر از ذات اُس صاحب اہل | علت غائی ز امر کن فکال   |
| مقتدائے انبیاء حستم رسل      | دہمائے خلق و ہادی سبل    |

ہم نے علمائے سابقین، اولیائے کاملین، واصلوں و مطہرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب اور خلفاء میں اور آپ ہی کی بدولت اور آپ ہی کی متابعت اور محبت سے ہر ایک ظلی طور پر عطا ہوئے ہیں۔ اقل انکم تم تجوبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ اس ظاہر سے کہ اتباع رسول سے محبوبیت حق کا

مقام ملتا ہے جو بلند ترین مقام ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ موجود ہے وہ انسان کے اندر بطور اجمال موجود ہے۔ اس کو کائنات صغیر کہتے ہیں جو کچھ کائنات میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ اسے انسان کے اندر بطور اجمال موجود ہے۔ اسی وجہ سے کائنات کو انسان کبیر (MACROCOSM) اور انسان کو کائنات صغیر (MICROCOSM) کہا گیا ہے۔ چنانچہ جب سارے جہان کا جوہن مکمل ہو گیا تو حضرت انسان کو بطور خلیفۃ اللہ لایا گیا اور جملہ صفات الہیہ سے متصف کر کے کائنات اس کے حوالہ کر دی۔ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے جس کی بدولت اس کو ملائکہ پر بھی فضیلت حاصل ہوئی۔

### حقیقت رُوح

انسان مجبور ہے رُوح اور جسم کا۔ رُوح کی حقیقت کیا ہے اس کے متعلق حق تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا: قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا۔ دیکھ دیجئے کہ رُوح عالم امر میں سے ہے جس کے متعلق آپ کو حضور اسلام دیا گیا ہے، لفظ قلیل کا مطلب یہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم رُوح کے متعلق قلیل ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ رُوح کے متعلق علم اس قدر وسیع ہے کہ اس کو ان کے متعلق جو علم دیا گیا اگر بہت زیادہ ہے لیکن پھر بھی رُوح کے متعلق مکمل علم الہی کے مقابلہ میں بہت تھوڑا ہے۔ کیونکہ اس مضمون پر احادیث میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیانات آئے ہیں ان سے رُوح کے متعلق آپ کے علم کی زبردست وسعت کا پتہ چلتا ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی زمین میں سماکتے ہیں ان سے آسمانوں میں بلکہ اپنے عبادوں کے قلب یعنی رُوح میں سماکتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ مومن کا قلب حق تعالیٰ کا عرش ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ مومن کی فراست یعنی روحانی نظریے درونوں کو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو میں اس سے محبت کرتا ہوں اور اس سے اس قدر فریب ہو جاتا ہوں کہ وہ مجھ سے دیکھتا ہے مجھ سے سنتا ہے میری قوت سے ہر کام کرتا ہے اور میری قوت سے چلنا پھرتا ہے اور اس قسم کے نئے شمار و مکر احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رُوح کے متعلق علم بہت وسیع ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں قلیل کہا گیا ہے۔ نیز حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ نور السموات والأرض واللہ آسمانوں اور زمین (یعنی پوری کائنات) کا نور (یعنی رُوح ہے) یہ چیز اب بتائیں کہ ذریعے بھی ثابت ہو رہی ہیں کہ کائنات کی ہر چیز جمادات،

نباتات اور حیوانات کے اندر روحِ بخاری و ساری ہے۔

**اقسامِ روح** انسان میں جو روح ہے اس کی کئی اقسام ہیں۔ ہمارے شیخ حضرت مولانا سید محمد ذوقی شاہ علیہ رحمۃ اپنی کتاب سیرۃ لبرائے میں فرماتے ہیں:-

۱۔ روحِ حیوانی وہ ہوائے لطیف ہے جو عناصر کے بخاراتِ لطیف سے متعدد مخلوقوں کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اور جسم میں قبولیتِ حیات کی صلاحیت پیدا کر کے اس میں حس و حرکت پیدا کرتی ہے۔ یہ گوشت و استخوان میں اس طرح سرایت کیے ہوئے ہے جس طرح کوئلہ میں آگ۔ اس کے سبب سے روحِ اصلی کو بدن سے تعلق ہے اور اسی کی مفارقت سے بدن مر جاتا ہے۔ کیونکہ روحِ حیوانی ہی کے قلب (روحِ انسانی) سے بے تعلق ہونے کا نام موت ہے۔ اس بخارِ لطیف کا اصلی معدن قلب و دماغ و جگر ہے۔ بس اسی میں طب کی تدبیر کا تصرف جاری ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جو روح کی اقسام ہیں ان میں نہ طب کا ٹھونچتا ہے نہ ڈاکٹر کا۔ اور نہ سائنس کی نظر ان تک پہنچ سکتی ہے؟

۲۔ روحِ انسانی۔ یہ روحِ حیوانی پر ایک اضافی چیز ہے۔ یہ اللہ کا ایک نور ہے جس کا پر تو روحِ حیوانی پر ڈالا جاتا ہے۔ اسے روحِ ملکوتی بھی کہا جاتا ہے۔

۳۔ روحِ القدس۔ یہ وجہ حق تعالیٰ سے ایک خاص وجہ ہے جو احاطہ کن سے باہر ہے اور مخلوقات میں شامل نہیں۔ اس سے آدم علیہ السلام میں روحِ پھونچی گئی۔ یہ تقاض کو نیر سے پاک ہے۔ اور ہر چیز میں وجہِ الہی کے ساتھ تعبیر کی جاتی ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **وَلِكُلِّ وُجْهَةٍ هُوَ مَوْلِيهَا رُحِّي تَعَالَى** نے اس کے متعلق یہ بھی فرمایا ہے۔ **وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي**۔ نیز یہ بھی فرمایا ہے۔ **فَأَنبَأْتُوْنَا قَسْمٌ وَجْهَ اللّٰهِ**۔ ان آیات سے اسی وجہ اور اسی روح کی جانب اشارہ ہے۔ یہی وجہ ہر چیز میں اللہ کی روح ہے اور اسی پر روحِ القدس کہلاتی ہے اور اسی کو روحِ الارواح کہتے ہیں۔ سب الہی اور وجودِ ساری بھی اسی روح کا نام ہے۔ محسوسات (اشیاء عالم) میں ہر چیز کے لیے ایک روحِ مخلوق ہے کہ جس کی وجہ سے اس چیز کی صورت کو قیام ہے۔ ہر صورت کے لیے یہ روح ایسی ہے جیسے لفظ کیلئے معنی۔ یہ روحِ مخلوق اپنے قیام کے لیے روحِ الہی کی محتاج ہوتی ہے جسے روحِ القدس کہتے ہیں۔ یہ تو عام محسوسات (موجودات) کے لیے ہے۔ مگر انسان کا مرتبہ جملہ محسوسات سے بھی بڑھا ہوا ہے اور اسے روح سے تعلق تین جہتوں سے ہے۔ روحِ مخلوق اور روحِ الہی کے علاوہ اسے ایک تیسری چیز سے بھی سابقہ ہے جو ان دونوں کے درمیان بطور برزخ کے ہے اور جس کے ذریعے ان دونوں میں زیادہ قوی رابطہ رہتا ہے اور جسے روحِ انسانی یا روحِ ملکوتی یا روحِ الروح بھی کہتے ہیں اور اسی کے واسطے سے حق و عباد کے درمیان سلسلہ راز و نیاز جاری ہوتا ہے۔

روحِ حیوانی ہو یا روحِ ملکوتی یا روحِ القدس یا روحِ کاکوتی اور شعبیہ یا مرتبہ سب کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔

اور حقیقتاً سب ایک ہی اصل کی جانب راجع ہیں۔

جملہ یک نور است اما رنگہائے مختلف اختلفاً فی درمیان این و آن انداختہ

ارواح متعدده کی نسبت نور حق تعالیٰ سے ایسی ہے جیسے روشن کرنے والی متعدد شعاعوں کی نسبت آفتاب کے نور سے۔ فرض کرو کہ ایک آفتاب اپنا عکس ایک بڑے آئینہ میں ڈال رہا ہے۔ پھر اس آئینہ کا عکس مختلف رنگوں اور مختلف صورتوں اور شکلوں اور مختلف جسامت کے بے شمار چھوٹے چھوٹے آئینوں میں پڑ رہا ہے جو اس بڑے آئینہ کے سامنے ترتیب دیئے گئے ہیں۔

روح شمعے شعاع اوست حیات خانہ روشن از و او از ذات

حقیقتاً ایک ہی روح ہے جو ایک ہی سرچشمہ سے نکلی اور مختلف مراتب اور مختلف مدارج میں سے گزرتی ہوئی حیات کے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کرتی ہوئی مختلف عالموں پر محیط ہے۔

یک چراغ است درین خانہ کہ از پرتوآں ہر کجائے نگری اجمنے ساختہ اند

چونکہ روح انسانی اپنی اصل و حقیقت کے لحاظ سے روح اعظم ہے اور روح اعظم مظہر ربوبیت ذات الہی ہے اس لیے ممکن نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اس کی کنہ تک پہنچ سکے۔ جس طرح عالم کبیر یعنی کائنات میں بہت مظاہر اور اسماء ہیں مثلاً عقل اول، قلم اعلیٰ، نور کلی، نفس کلی، لوح محفوظ وغیرہ اسی طرح عالم صغیر یعنی انسان میں بھی بہت مظاہر و اسماء ہیں اور باعتبار ظہور مراتب کے ان اسماء کے اصطلاحی نام یہ ہیں:-

ستر - خفی - روح - قلب - کلمہ - فواد - صدر - روح - عقل - نفس  
قرآن حکیم اور حدیث میں بھی یہ نام آئے مثلاً فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَ وَأَخْفَى قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرٍ لِّمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ۚ كَلِمَةٌ مِّنَ اللَّهِ ۚ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۚ أَلَمْ تَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ۚ حَدِيثِ  
میں آیا ہے کہ إِنَّ رُوحَ الْقُدُّسِ نَفَثَ فِي رُوحِي أَنْ نَفْسًا لَّنْ مَوْتًا حَتَّىٰ تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا ۚ (روح القدس نے میری روح میں پھونکا کہ کوئی نفس اپنے رزق کو پورا کیے بغیر نہ مرے گا، ختم ہوا اقتباس از سر دلیبراں۔)

اس کے بعد کتاب مذکور میں قلب، روح، سرخفی، اخفی، کلمہ، فواد، صدر، روح عقل، نفس کی تشریح درج ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔



## تنزیلات

جیسا کہ کتاب ہذا کے باب سوم میں اجمالاً بیان ہو چکا ہے حق تعالیٰ نے تخلیق کائنات کا عمل چھ مراحل میں طے فرمایا۔ قرآن حکیم میں ان چھ مراحل کو ستہ ایام

کہا گیا ہے یعنی حق تعالیٰ نے کائنات کو چھ ایام میں تخلیق فرمایا۔ اہل اللہ نے چھ ایام کو چھ تجلیات کہا ہے۔ ایام جمع ہے یوم کی یوم کے معنی بھی تجلی کے ہیں۔ کیونکہ یوم یادن آفتاب کی ایک تجلی کی پھینک کا نام ہے۔ تخلیق کے ان چھ مراحل کو تنزیلات ستہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

تنزیلات ستہ (چھ مراحل) جن کو مراتب وجود بھی کہا جاتا ہے یہ ہیں۔

۱۔ مرتبہ اول ذات لائقین کا ہے۔ جب ذات حق تمام اسماء صفات، رنگ و بو، سمت و اشارہ، شکل و صورت سے پاک اور منزہ تھی۔ تخلیق سے قبل کے اس مرتبہ وجود کو تنزیلیہ غیب ہوتیت، ذات بحت، ذات ساذج، ذات لائقین بھی کہا جاتا ہے۔ اس مرتبہ وجود میں ذات حق اسماء و صفات کے نام سے موسوم نہیں تھی البتہ اسماء و صفات بالقوة ذات حق میں مخفی تھے جن کا ظہور تخلیق کے وقت ہوا۔ **كُنْتُ كَنزًا مَخْفِيًّا** سے اسی ذات لائقین کی طرف اشارہ ہے۔

۲۔ دوسرا مرتبہ وجود حقیقت محمدیہ کا ہے جبکہ حق تعالیٰ نے پہلی تجلی فرما کر اپنے نور سے نور محمدی کو ظاہر فرمایا۔ اس مرتبہ وجود کو حقیقت محمدیہ، تجلی اول، تعین اول، برزخ اول، عقل کل، روح اعظم، برزخ البرازخ، مقام وحدت، کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ حدیث اقل **مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِيَّ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ مِنْ نُورِيَّ** سے اسی تعین اول کی طرف اشارہ ہے۔

۳۔ تیسرا مرتبہ وجود حقیقت انسانی ہے جو کائنات کا اجمال یا خلاصہ کائنات ہے۔ اس مرتبہ وجود کو تجلی ثانی کہا جاتا ہے۔ تجلی اول اجمال ہے اور تجلی ثانی اس کی تفصیل ہے۔ جو کچھ تجلی اول میں تھا وہی تجلی ثانی میں ہے صرف اجمال و تفصیل اور بطون و ظہور کا فرق ہے۔ تجلی اول چونکہ اجمالی ہے کمالات اسمانی کے اظہار کے لیے کافی نہ تھی اس لیے تجلی ثانی کی ضرورت تھی۔ تجلی اول کے اجمال کی تفصیل تجلی ثانی میں اس طرح واقع ہوئی کہ پہلے اسماء و صفات کے آثار مفصل طور پر اجزائے عالم میں ظاہر ہوتے۔ پھر ان تفصیل کا اجمال آدم میں ہوا۔ اس تفصیل اور اجمال بعد تفصیل سے تجلی ثانی تکمیل کو پہنچی اور کمال ذاتی کا ظہور پوری آن بان کے ساتھ ذہناً اور غاراً حاصل ہوا۔

۴۔ چوتھا مرتبہ وجود عالم ارواح ہے جو عالم ملائکہ بھی کہلاتا ہے۔ جو کچھ کائنات میں ظاہر ہے وہ عالم ارواح میں باطنی طور پر موجود ہے۔

۵۔ پانچواں مرتبہ وجود عالم مثال ہے جو عالم ارواح اور عالم شہادت یعنی اس ظاہری کائنات کے درمیان ایک لطیف جہان ہے جو کچھ عالم شہادت میں ظاہراً موجود ہے وہ عالم مثال میں باطناً موجود ہے۔

۶۔ چھٹا مرتبہ وجود ظاہری دنیا ہے جسے عالم شہادت اور عالم ناسوت کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔



## لطائف ستہ

یہ اللہ تعالیٰ عزوجل کا احسان عظیم ہے کہ ان تمام عوالم (جمع عالم) کی حقیقت کو سمجھنے

اور ذاتِ حق تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے اس نے انسان کج جسم میں بھی پانچ

حواسِ خمسہ اور چھٹی باطنی حس کی طرح انسان کے رُوح میں بھی چھ حواس پیدا فرمائے ہیں جن کا تعلق

مذہبِ بالا باطنی عوالم سے ہے اور ذاتِ حق کی طرف عروجی سفر کے لیے زینہ کا کام دیتے ہیں۔ ان چھ حواس

کو لطائف ستہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جو حسبِ ذیل ہیں :-

۱۔ لطیفہ نفس ہے جس کا مقام زیر ناف ہے اس کے نور کارنگ زرد ہے اور زیر قدم حضرت آدم علیہ السلام

۲۔ لطیفہ قلب ہے یہ بائیں پستان سے دو انگشت نیچے ہے اس کے نور کارنگ سرخ ہے۔ اور یہی

زیر قدم آدم علیہ السلام ہے۔

۳۔ لطیفہ رُوح ہے اس کا مقام دایاں سینہ ہے اور دائیں پستان سے دو انگلی نیچے ہے اس کا رنگ سفید

ہے زیر قدم حضرت نوح علیہ السلام ہے۔

۴۔ لطیفہ سُر ہے جس کا مقام لطیفہ قلب و رُوح کے درمیان وسط سینہ ہے۔ نور کارنگ سبز اور زیر قدم

حضرت موسیٰ علیہ السلام ہے۔

۵۔ لطیفہ خفی ہے جس کا مقام وسط پیشانی ہے۔ نور کارنگ نیلگوں ہے اور زیر قدم حضرت عیسیٰ علیہ السلام

ہے۔ یہ مقام اتصال ہے جسم اور رُوح کے درمیان عالم قدس سے فیضان پہلے اس لطیفہ پر نازل ہوتا ہے پھر دیگر

لطائف میں تقسیم ہوتا ہے۔ رُوح جسدِ انسانی میں پہلے اسی لطیفہ سے داخل ہوتی ہے اور سب سے بعد اسی لطیفہ

سے خارج ہوتی ہے۔

۶۔ لطیفہ اخفی ہے جس کا مقام اُم الدماغ یعنی سر کی چوٹی ہے۔ نور کارنگ سیاہ ہے اور زیر قدم حضرت

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے۔

ان لطائف پر مختلف اسمائے الہی کی ضربیں لگانے سے ان میں ذکر اللہ جاری ہو جاتا ہے۔ جس سے

پورا کمر منور ہو جاتا ہے۔ بعض ان سب لطائف میں ذکر اللہ جاری ہونے کو سلطان الازکار کے

نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ان کے زندہ ہونے سے قوتِ پرواز حاصل ہوتی ہے اور قُرْبِ اِلَی اللہ اور

اِلَی اللہ میں ترقی ہوتی ہے۔ اور درجہ بدرجہ عالم مثال، عالم ارواح، عالم جبروت اور لاہوت میں پرواز کے

بعد مقامات فنا فی اللہ اور بقا باللہ حاصل ہوتے ہیں۔ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَن يَّشَاءُ

یعنی فضل اللہ شرطِ اول ہے۔ اللہ کی رحمت اور نظر عنایت کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ نظرِ شفقت ہو جائے تو بیڑہ پار

ہے اور اس کی رحمت اس قدر وسیع ہے کہ نظرِ شفقت ضرور ہوتی ہے حق تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ جو شخص میری

طرف ایک باشت آتا ہے تو میں اس کی طرف دو باشت جاتا ہوں اور جو ایک ہاتھ آگے آتا ہے میں دو ہاتھ

جاتا ہوں اور جو چل کر آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں۔ اب بتائیے کہ اس سے زیادہ شفقت کیا ہو سکتی ہے۔

### مقصد حیات

اب ہم نے مختصر طور پر یہ دیکھنا ہے کہ انسان جیسی عظیم الشان ہستی کا مقصد حیات کیا ہے بعض لوگوں نے روزی کمانے کے لیے کوئی پیشہ اختیار کر رکھا ہے بعض نے کوئی لیکن سب کا مقصد روزی کمانا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا روزی کمانا ہی مقصد حیات ہے اگر روزی کمانا یعنی کھانا پینا اور مباشرت مقصد حیات ہوتا تو پھر انسان اور جانور میں کیا فرق ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ روزی کمانا حضرت انسان کا اصلی مقصد نہیں ہے۔ روزی زندہ رہنے کے لیے کماٹی جاتی ہے لیکن اصل بات جو ہم نے دیکھنی ہے وہ یہ ہے کہ زندہ رہنے کا مقصد کیا ہے۔ آیتیں دیکھتے ہیں کہ قرآن حکیم مقصد حیات کے متعلق کیا کہتا ہے۔ فرمان الہی ہے۔ اِلٰی رَبِّكَ مُنْتَهِیًا (تیری منزل مقصود تیرا رب ہے) اس سے ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ ہمیں ایک رسائی حاصل کرنا اور اس کا قُرب و معرفت حاصل کرنا انسان کی زندگی کا مقصد ہے۔ اس کے علاوہ قرآن عظیم میں بے شمار مقامات پر لِقَاءِ اللّٰهِ یعنی حق تعالیٰ کا وصال حاصل کرنے کی تاکید آئی ہے۔ ایک مقام پر مقصد حیات کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (نہیں پیدا کیا ہم نے جن اور انسان کو سوائے عبادت کرنے کے) حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر میں لِيَعْبُدُونِ کے معنی لِيَعْرِفُونِ بتائے گئے ہیں۔ ابن عباسؓ جیسے جلیل القدر صحابی سے بہتر قرآن کے معنی کون مفسر سمجھ سکتا ہے۔ چنانچہ اس آیت شریفہ کی رو سے بھی انسان کی زندگی کا مقصد قُرب و معرفت الہی ہے۔ نیز اگر لفظ لِيَعْبُدُونِ کی شرح کی جائے تو اس کا مقصد بھی تَقَرُّبٌ اِلَى اللّٰهِ اور وصول اِلَى اللّٰهِ ہے کیونکہ صحیح معنوں میں مقام عبادت اس وقت حاصل ہوتا ہے کہ جب قُرب حق میں پہنچ کر انسان حدیث قُرب نوافل کے مطابق تَبِي لِيَسْمَعُ اَوْ رُبِّي يَبْصُرُ کے ذریعے اللہ کی صفات سے متصف ہوتا ہے اور اس کی ذات و صفات کی معرفت حاصل کر لیتا ہے۔ کیونکہ جب تک حق تعالیٰ کی کما حقہ معرفت حاصل نہیں ہوتی کما حقہ عبادت نہیں ہو سکتی۔

لہذا اولیاء کرام اور مشائخ عظام کے ہاں یہ امر سیکھنا ہے کہ ریاضات و مجاہدات اور عبادات کے ذریعے مقام فنا فی اللہ حاصل ہوتا ہے جہاں سادک صفات حق تعالیٰ سے متصف ہوتا ہے اور پھر صحیح معنوں میں عبادت بنتا ہے اور اسی مقام عبادت کو تصوف کی اصطلاح میں بقا باللہ کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ فنا کے بغیر بقا ناممکن ہے اور بقا کے بغیر عبادت محال ہے اور جب تک صحیح معنوں میں عبادت حاصل نہیں ہوتی لِيَعْبُدُونِ کا تقاضا پورا نہیں ہو سکتا۔ لہذا مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان اُس وقت ہوتا ہے جب ریاضات، مجاہدات کے ذریعے غایت درجہ کا تزکیہ نفس حاصل کرتا ہے اور تزکیہ نفس وہ چیز ہے

کہ جس کے ذریعے خصائل رزلیہ مثل خود غرضی، نفس پرستی، حب جاہ، حب مال، حب خودی، حرص و ہوا سے نجات حاصل کر کے محبت اخوت، ہمدردی، ایمانداری، سچائی جیسی صفات حمیدہ سے متصف ہو کر کل شئی یرجع الی اصلہ کے مطابق اپنی رُوح کو جسمانی آلائش سے پاک کر کے عالم قدس کی جانب پرواز کی قوت دیتا ہے۔ کیونکہ انسان مجبور ہے۔ رُوح اور جسم کا رُوح عالم قدس کی چیز ہے اور بمصدق کل شئی یرجع الی اصلہ انسان کو اوپر کی جانب کشش کرتی ہے اور جسم عالم ناسوت کی چیز ہونے کی وجہ سے انسان کو نیچے کی طرف کھینچتا ہے۔ لیکن جب تزکیہ نفس کے ذریعے نفسانی خواہشات کا زور کم ہو جاتا ہے تو رُوح آسانی سے انسان کو عالم قدس کی طرف لے جاتی ہے۔ انسان کی ساخت ہی اس طرح ہوتی ہے کہ رُوح اور جسم کی کشمکش میں ڈال کر اس کی آزمائش کی جائے کہ آیا عالم قدس کی جانب جاتا ہے یا عالم سفلی میں غرق ہونا پسند کرتا ہے۔ سورہ ملک میں حق تعالیٰ نے فرمایا: خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَتَيْتُمْ اَحْسَنَ عَمَلًا۔ (موت اور حیات یعنی انسانی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ اُسے آزمایا جائے کون ہے اچھے اعمال والا)

مقصد حیات ذہن نشین کرانے کے بعد اگلے باب میں ہم مقصد حیات حاصل کرنے کا طریقہ یعنی حق تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کے راستے کی وضاحت کریں گے تاکہ طالبان حق اور عاشقان الہی کا راستہ آسان ہو جائے۔ یاد رہے کہ ویسے تو ہر شخص فطرتاً طالب حق اور عاشق الہی پیدا کیا گیا ہے۔ علامہ اقبال ٹنڈے کے متعلق لکھتے ہیں کہ "قلب او مومن دماغ کافر است" اس کا قلب مومن ہے اور دماغ کافر، ہم کہتے ہیں کہ ہر کافر کا قلب مومن اور دماغ کافر ہے کیونکہ عشق الہی ہر مسلمان و کافر کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اور یہی وہ عشق ہے جو اسے کشاں کشاں محبوبان مجازی کے پیچھے دوڑاتے پھرتا ہے۔ اس خیال سے کہ شاید میرا محبوب اور میرا مقصود یہی ہے۔ کوئی لیلے مال و دولت کا دیوانہ ہے، کوئی لیلے غریب و جاہ کا متوالا ہے، کوئی حسن مجازی کا عاشق ہے تو کوئی لیلے علم و دانش کا شیدائی جو غریب کو کسی چیز کا عاشق ہے کوئی کسی چیز کا۔ لیکن درحقیقت ہر شخص محبوب حقیقی کا دیوانہ ہے لیکن نہ سمجھی سے محبوبان مجازی کو اس نے محبوب حقیقی سمجھ رکھا ہے اور اس کے حصول کیلئے تن من دھن کی بازی لگا دیتا ہے۔ اسلام کی غرض و غایت یہی ہے کہ انسان کو محبوبان مجازی کی طلب سے نکال کر محبوب حقیقی کی راہ پر لگایا جائے اور مسلک تصوف وہ فن ہے جس کے ذریعے تزکیہ نفس کرا کے انسان کو خواہشات نفسانی سے رہائی دلائی جاتی ہے اور اس کے اندر صفات حمیدہ اُجاگر کر کے اس کی رُوح میں قوت پرواز پیدا کی جاتی ہے۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔





# سلوک الی اللہ

یعنی اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کا اور تعلق کا

سلوک کے لفظی معنی ہیں راستہ کے لفظ "مذہب" کے معنی بھی راستہ کے ہیں اور شرع یا شریعت کا مطلب بھی راستہ ہے۔ اس لیے تصوف کی اصطلاح سلوک الی اللہ کوئی انوکھی چیز نہیں۔ اس کا مطلب ہے اللہ تک رسائی حاصل کرنے کا راستہ اور لفظ مذہب کا مطلب بھی یہی ہے۔ لیکن چونکہ تصوف کے متعلق بعض حلقوں میں کچھ شکوک و شبہات پیدا ہو گئے ہیں۔ اور زیادہ تر یہ شکوک دشمنان اسلام کے پیدا کردہ ہیں اس لیے ہم پہلے قارئین کرام کو تصوف کی حقیقت سے آگاہ کریں گے۔ اس کے بعد سلوک الی اللہ کی وضاحت کریں گے۔

تصوف کے متعلق زیادہ تر غلط فہمیاں یورپ کے غیر مسلم مصنفین نے پیدا کر دی ہیں جن کو عرف عام میں مشرقین ORIENTALISTS کہا جاتا ہے۔ جن

## حقیقت تصوف

کی دیکھا دیکھی میں ہمارے مغرب زدہ مسلمان بھی جو مغرب سے آئی ہوئی ہر چیز کو لبتیک کہنے کے عادی ہیں، بغیر سوچے سمجھے ان کی آل میں ہاں ملانے لگ گئے ہیں۔ ان کے علاوہ مسلمانوں کا ایک نہایت ہی قلیل طبقہ بھی چھٹی صدی ہجری سے تصوف کی مخالفت پر آمادہ نظر آتا ہے اور ہمارا خیال یہ ہے کہ چونکہ چھٹی صدی گنتی کے چند گندم جو فروش صوفی بھی پیدا ہونا شروع ہو گئے تھے۔ تصوف کے متعلق ان حضرات کی مخالفت دراصل ان گندم نما جو فردشوں کی مخالفت تھی نہ کہ اولیاء کرام کی۔ خدا بہتر جانتا ہے۔ اب ہم تصوف کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔

تصوف پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ چونکہ یہ لفظ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مروج نہیں تھا۔ تصوف بعد کی اختراع ہے لہذا غیر اسلامی ہے۔ اگر یہی بات ہے تو علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ، علم البیان، علم المعانی، علم الکلام بھی غیر اسلامی ہونے چاہئیں کیونکہ یہ الفاظ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں مروج تھے اور نہ یہ علوم و فنون اس زمانے میں مرتب ہوئے تھے۔ بات یہ ہے کہ نہ علم تفسیر غیر اسلامی ہے نہ علم حدیث، نہ علم فقہ، نہ علم معرفت جسے عرف عام میں تصوف کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ علوم و فنون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں مرتب نہیں ہوئے تھے کیونکہ صحابہ کرام اس قلیل عرصے میں

جہاد فی سبیل اللہ میں منہمک تھے تاہم عملاً صحابہ کرام بہت بلند پایہ مفسر بھی تھے، محدث بھی، فقیہ بھی تھے اور خدا رسیدہ صوفیاں باصفا بھی تھے۔ اس وقت نہ کوئی مفسر کہلاتا تھا، نہ محدث نہ فقیہ۔ ان حضرات کے لیے سب سے بڑا اعزاز صحبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا اور اصحابِ رسول کہلاتے تھے۔ صحابہ کرام کے بعد سب سے بڑا اعزاز صحبتِ صحابہ تھا۔ جن حضرات کو صحابہ کرام کی صحبت ملی وہ تابعین کہلاتے ہیں۔ تابعین کے بعد سب سے زیادہ اعزاز صحبتِ تابعین تھا اور تابعین کے صحبت یافتہ لوگوں کو تاریخ اسلام میں تبع تابعین کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

بعد میں جب جہاد ختم ہوا یا کم ہو گیا تو مسلمانوں نے مختلف علوم و فنون اسلامیہ کی طرف اپنی توجہ مبذول اور تحقیق و تدقیق کے بعد اپنے اپنے فنون پر کتابیں تالیف کیں اور ان کو باقاعدہ علوم و فنون کی صورت میں مرتب کیا۔ جن حضرات نے خالصتاً قرآن مجید کے معانی و مطالب پر کام کیا وہ مفسرین کہلاتے جنہوں نے حدیث نبوی پر کام کیا اور اسے باقاعدہ فن کے طور پر مرتب کیا وہ محدثین کے نام سے مشہور ہوئے۔ جنہوں نے اسلامی قانون پر کام کیا وہ فقہاء کے نام سے مشہور ہوئے اور جنہوں نے اسلام کے باطنی روحانی پہلو پر کام کیا وہ صوفیاء کے نام سے موسوم ہوئے۔ اب اگرچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں علوم کے ماہرین نہ مفسرین کہلاتے تھے نہ محدثین و فقہاء نہ صوفیاء بلکہ اصحابِ رسول کہلاتے تھے۔ تاہم صحابہ کرام علم تفسیر میں بھی ماہر تھے، حدیث میں بھی اور فقہ میں بھی۔ اور علم روحانیت یا معرفت میں بھی ماہر فن تھے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو حضرات علم تفسیر پر کام کر رہے تھے وہ علم حدیث، فقہ اور معرفت سے ناواقف تھے ہرگز نہیں۔ بلکہ بحیثیت مسلمان عمومی طور پر وہ حضرات ان سب علوم و فنون سے بھرپور توجہ آگاہ تھے۔ لیکن جس ایک فن میں انہوں نے مہارت تامہ حاصل کی اسی نام سے مشہور ہوئے۔ چنانچہ آج کل بھی یہی خصوصی عمل SPECIALISATION جاری ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ماہرین علم روحانیت یا معرفت کو صوفی کیوں کہا گیا۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ چونکہ ان

## لفظ تصوف کی وجہ تسمیہ

کا نصب العین صفائے باطن تھا وہ صوفی کہلانے لگے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ چونکہ انبیاء علیہم السلام اور بیشتر صحابہ کرام کے عمل کے مطابق وہ حضرات اکثر صوف یعنی اُون کا کپڑا پہنتے تھے۔ اس نسبت سے بھی وہ صوفی مشہور ہو گئے۔ تیسری وجہ یہ ہے چونکہ ان حضرات کا مسلک اصحابِ صفہ کے مسلک کے مطابق تھا یعنی گوشہ نشینی اور ہمہ وقت یا و خدا میں مشغول رہنا تھا اس نسبت سے بھی وہ صوفیاء کرام کے نام سے موسوم ہونے لگے۔



## اصل تصوف

لیکن ان ظاہری وجوہات سے قطع نظر تصوف کی اصل احسان ہے جو اس حدیث پر مبنی ہے جس کو عرف عام میں حدیث جبریل کہا جاتا ہے۔ جب صحابہ کرام کی تعلیم کے لیے حضرت جبریلؑ انسان کی صورت اختیار کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اسلام، ایمان اور احسان کے مطالب دریافت کیے تو احسان کا مطلب آپ نے یوں بیان فرمایا: **أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ** یعنی تو خدا تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ تو اسے دیکھتا ہے اگر تو اسے نہیں دیکھ سکتا تو تحقیق وہ تجھ کو دیکھتا ہے، مختصر الفاظ میں صدق توجہ الی اللہ کا نام مرتبہ احسان ہے جو جملہ کمالات ظاہری و باطنی کی اصل ہے۔ دل کو ماسوائے اللہ سے پاک رکھنا اور محبوب حقیقی کے سوا کسی کا اپنے دل میں گزرنے ہونے دینا سرمایہ احسان ہے جو تصوف کے نام سے موسوم ہوا۔ تصوف نام ہے مجموعہ شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کا۔ شریعت راستہ ہے، طریقت کا مطلب ہے اُس راستے پر چلنا اور جس مقام یا منزل مقصود کی طرف یہ راستہ راہنمائی کرتا ہے وہ حقیقت کہلاتا ہے اور حقیقت کی روشنی میں جو علم سالک راہ طریقت کو حاصل ہوتا ہے اسے معرفت کہتے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ تصوف اور شریعت میں کوئی مغایرت نہیں ہے بلکہ شریعت پر عمل کرنے کا نام ہی طریقت یا تصوف ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے شرح مشنوی میں ایک حدیث نقل کی ہے جو یہ ہے۔

الشَّرِيعَةُ أَقْوَالِي وَالطَّرِيقَةُ أَعْمَالِي وَالْحَقِيقَةُ أَحْوَالِي وَالْمَعْرِفَةُ سِرِّي۔

شریعت میرے اقوال کا نام ہے طریقت میرے اعمال کا، حقیقت میری باطنی کیفیت کا اور معرفت میرا راز ہے، نیز حضرت سید علی ہجویری معروف بہ داماد گنج بخش لاہوریؒ نے کشف المحجوب کے چوتھے باب میں یہ حدیث نبوی نقل فرمائی ہے۔ **مَنْ سَمِعَ صَوْتَ أَهْلِ تَصَوُّفٍ فَلَا يُؤْمِنُ كَتَبَ عِنْدَ اللَّهِ مِنَ الْغَافِلِينَ۔** جس نے اہل تصوف کی دعوت سنی اور اسے نہ مانا تو اللہ کے نزدیک وہ غافلین میں لکھا جاتا ہے۔

بعض حضرات اس قسم کی احادیث کو خبر واحد یا خبر احاد کا نام دے کر زیادہ معتبر قرار نہیں دیتے لیکن اہل اللہ کے نزدیک یہی وہ احادیث ہیں جو حقائق سے لبریز اور معرفت کی جان ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن احادیث کے بہت راوی ہیں وہ زیادہ تر احکام طہارت و وضو، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، خرید و فروخت سے تعلق رکھتی ہیں اور عوام الناس کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائیں۔ لیکن اسرار و رموز اور حقائق و معارف کی باتیں آپ نے چیدہ چیدہ اصحاب کے سامنے بیان فرمائیں اس لیے نہ ان کو تو اتر نصیب ہوا نہ کثرت روایت۔ دراصل اہل معرفت کے نزدیک سب سے زیادہ قیمتی یہی احادیث ہیں جن کو اصول حدیث کی رو سے خبر واحد یا خبر احاد کہا گیا ہے۔ ان دو احادیث کا بھی یہی حال ہے روایت کے طور پر ضعیف اور معرفت کے نقطہ نگاہ سے نہایت بلند علاوہ ازیں

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر صوف پینا لازمی ہے اس سے تم اپنے قلوب میں علالت ایمان پاؤ گے۔

کتب حدیث میں بے شمار ایسی احادیث موجود ہیں جن میں تصوف کا لفظ تو نہیں آیا لیکن ہیں تصوف اور معرفت کی جان۔ مثلاً ایک حدیث قدسی یہ ہے جو بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کی ہے کہ جب میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو میں اس سے محبت کرتا ہوں اور اس کے کان، آنکھ، ہاتھ پاؤں بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے سنتا ہے۔ مجھ سے دیکھتا ہے، مجھ سے ہر کام کرتا ہے اور مجھ سے چلتا ہے۔ اب کوئی شخص جتنا زور لگائے اس حدیث کے باطنی معنی کو اس سے علیحدہ نہیں کر سکتا۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ یہ حدیث بھی علم باطن یا باطنی بصیرت سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک اور حدیث میں آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ میں پیچھے کی طرف بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح آگے کی طرف دیکھتا ہوں۔ یہ بھی نظر باطن پر دلالت کرتی ہے۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نہ اپنے آسمانوں میں سما سکتا ہوں نہ اپنی زمین میں سما سکتا ہوں لیکن اپنے بندہ مومن کے قلب میں سما سکتا ہوں۔ عبد مومن کے قلب کی یہ وسعت صرف اہل تصوف ہی جانتے ہیں اور سمجھا سکتے ہیں۔ علمائے اہل ظاہر کے نزدیک اس کا کوئی مطلب نہیں نکلتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مومن کا قلب اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔ اب علمائے ظاہر اس کا کیا مطلب نکال سکتے ہیں۔ ظاہر میں اس کا کوئی مطلب ہی نہیں نکال سکتا۔ یہ سب عالم بطون سے تعلق رکھتے ہیں۔

اسی طرح قرآن حکیم میں بے شمار مقامات پر ایسی عبارات

### قرآن حکیم میں تصوف یعنی حقیقت و معرفت کے اشارات

آئی ہیں جن کا تعلق عالم بطون یعنی حقیقت و معرفت سے ہے۔ مثلاً حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ **ذُنُّنُ اقْرَبُ** **الْيَسْرِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ** (ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں، ظاہر ہے کہ اس قرب سے مراد قرب باطن ہے۔ نیز فرمایا۔ **وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ** (وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو یہ معیت الہی بھی عالم بطون سے تعلق رکھتی ہے جو تصوف کا مضمون ہے۔ یہ آیات فقط پڑھنے کے لیے نہیں ہیں بلکہ اسلامی زندگی کو اپنانے کے بعد قرب و معیت الہی کے مقام تک پہنچنے کی تاکید ہے۔ ایک جگہ پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ **اَيْنَمَا تُولُوْا فَوَجَّهْ لَدُنْهُ** (جس طرف منہ کروادھر اللہ کا چہرہ یعنی حسن و جمال ہے، اس آیت میں بھی حق تعالیٰ نے مومن کی شان بتائی ہے کہ جہر دیکھتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کا حسن و جمال نظر آتا ہے اور یہی وہ ایقانہ اللہ ہے جس کے حصول کی قرآن مجید میں کئی مقامات پر تاکید وارد ہوئی ہے۔ اس سے اور اس قسم کی بے شمار آیات قرآنی سے تصوف و طریقت کے تمام حقائق و معارف کی تائید ہوتی ہے۔ اگر ان حقائق و معارف کو نظر انداز کر دیا جائے تو اسلام ایک خالی اور بے جان ڈھانچہ رہ جاتا ہے جو اہل ظاہر کا اسلام ہے۔ اس لیے تو لفظ مولود یا بدنام ہو چکا ہے۔ اور اسلام کو زوال پہنچا ہے۔ کیونکہ جب اسلام روح سے خالی ہو جائے تو بے جان ڈھانچہ بے اثر ہو جاتا ہے۔



وایسے تو ایمان باللہ کے بے شمار مراتب ہیں۔ ہر مسلمان کے ایمان کی نیچگی اور گہرائی علیحدہ ہے۔ لیکن عام طور پر قرآن و حدیث سے ایمان کے تین

### ایمان باللہ کے مراتب

مراتب بیان کیے گئے ہیں۔ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین، علم الیقین یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن و حدیث کے ذریعے بتا دیا ہے کہ خدا موجود ہے اس کی ذات بھی ہے اور صفات بھی اور پھر کئی قسم کی صفات بیان کی گئی ہیں عین الیقین یہ ہے کہ تزکیہ نفس کے ذریعے اپنی باطنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ آیتہ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ اور نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ میں جو کچھ حق تعالیٰ نے فرمایا وہ بالکل صحیح ہے یہ مقام شاہدہ ہے۔ ایمان کا اس کے بھی ایک بلند تر اور قوی تر درجہ ہے جسے حق الیقین کہتے ہیں۔ حق الیقین کو تصور کی اصطلاح میں مقام فنا فی اللہ کہا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی روح، حق تعالیٰ کی روح سے واصل ہو جائے۔ یہی مقام قرب ہے اور یہی مقام وصال اور فنا فی اللہ ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص ہے جس نے کسی سے سنا ہے کہ آگ جلاتی ہے۔ آگ کے متعلق اس کا یقین علم الیقین کہلانے گا۔ جب اس کے سامنے آگ جلاتی جائے اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ آگ میں لکڑی جل رہی ہے تو اس کے ایمان کا درجہ قوی تر ہو جائے گا اس درجے کو عین الیقین کہا جاتا ہے۔ جب وہ شخص آگ میں ہاتھ ڈالتا ہے یا آگ کے اندر چلا جاتا ہے تو اس کا درجہ یقین اور بھی قوی ہو جاتا ہے اس تہیہ یقین کو حق الیقین کہا جاتا ہے۔

لیکن کہاں ہے علمائے اہل ظاہر کا کہ وہ سب کو ایک لاکھی سے ہانک کر ایمان کے اپنے ہی دلچے

### سب ایک ہی لاکھی سے ہانکنے کی کوشش

یعنی علم الیقین پر لانے کی کوشش کرتے ہیں اور جن حضرات کو عین الیقین اور حق الیقین کے مراتب حاصل ہیں ان پر ہر وقت اعتراضات کی بارش برساتے رہتے ہیں۔

عین الیقین اور حق الیقین کے مقامات پر پہنچ کر اولیاء اللہ کو کشف بھی ہوتا ہے اور ان سے کرامات کا ظہور بھی ہوتا ہے کیونکہ حدیث قدسیٰ بِنِي يَسْمَعُ

### کشف و کرامات

وَبِنِي يَبْصُرُ کے مطابق جب سالک حق تعالیٰ کی بصیرت سے دیکھتا ہے اور اس کی سماعت سے سنتا ہے تو کیا نہیں دیکھ سکتا اور کیا نہیں سن سکتا۔ قرآن عظیم میں بھی جگہ جگہ پر کشف و کرامات کے واقعات درج ہیں اور حدیث میں بھی کثرت سے کشف و کرامات کے واقعات ملتے ہیں۔ اہل ظواہر کو قرآن و حدیث کے بیانات سے تو انکار نہیں ہو سکتا۔ البتہ جب کوئی یہ کہے کہ فلاں بزرگ یا فلاں ولی اللہ سے یہ کرامت سرزد ہوتی ہے تو یہ حضرات فوراً تردید پر آمادہ ہو جاتے ہیں کہ نعوذ باللہ یہ کفر ہے یہ شرک ہے اللہ کے سوا کس کو علم غیب ہو سکتا ہے حالانکہ علم غیب کے واقعات سے قرآن و حدیث لبریز ہیں۔ کیا یہ بندہ مومن کا علم غیب نہیں ہے کہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ بندہ مومن کو بھی بعض اوقات کشف و کرامات کی طاقت حق تعالیٰ دیتا ہے اور بعض اوقات نہیں۔ چنانچہ حضرت سعدی شیرازی فرماتے ہیں۔

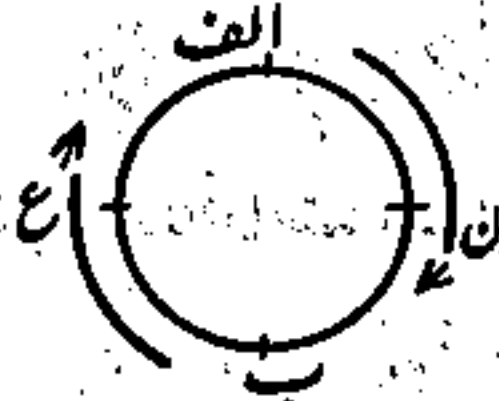
گئے بر طارم عرش بنشینم کہ پشت پائے خود نہ بنیم

بعض اوقات میں عرش پر ہوتا ہوں اور بعض اوقات اپنے پاؤں کی پشت تک نہیں دیکھ سکتا، چنانچہ عرفا کا قول ہے کہ مشاہدۃ الأبرار بین التجلی والاسستار (مقربین بارگاہ کے مشاہدات میں بعض اوقات اظہار غالب ہوتا ہے اور بعض اوقات انخفا)

## سلوک الی اللہ

اس تمہید کے بعد اب ہم یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ حق تعالیٰ تک کیسے رسائی حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ انسان مجموعہ ہے جسم اور روح کا۔ جسم کا تعلق عالم ناسوت سے ہے اور کل شئیٰ یرجع الی اصلہ (ہر چیز اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے) کے مطابق انسان کو نیچے کی طرف کھینچتا ہے۔ روح عالم قدس کی چیز ہے اور انسان کو اوپر کی جانب کشش کرتی ہے۔ اگر نفسانی خواہشات یعنی حرص و ہوا، حسد، بغض، لالچ، خود غرضی، تکبر، عداوت، بے حیائی وغیرہ غالب آجائیں تو انسان سفلی السافلین پر گر کر تباہ ہوتا ہے لیکن اگر اسلامی احکام پر عمل کرنے اور عبادات، ریاضات، مجاہدات، شب بیداری وغیرہ کے ذریعے تزکیہ نفس ہو جائے اور مندرجہ بالا بڑی صفات کی بجائے صفات حسنہ مثل محبت، ایثار، ہمدردی، بے لوثی، بجزو نیاز، حق پرستی وغیرہ کا غلبہ ہو جائے تو پھر روح میں قوت پرواز پیدا ہوتی ہے اور بندہ مومن کو عالم قدس کی جانب کشش کر کے حق تعالیٰ سے وصل کر دیتی ہے۔ یہ ہے اسلام کے فلسفہ عبادت اور مجاہدات و ریاضات کی غرض و غایت۔

یہاں کہ سلوک الی اللہ  
ذیل کے خاکے سے سلوک الی اللہ کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔



حق تعالیٰ تک رسائی کا راستہ مندرجہ بالا دائرہ کی شکل سے سمجھ میں آجائے گا۔ جب عبادات، مجاہدات اور کثرتِ ذکر وغیرہ کے ذریعے لطائف بستہ زندہ ہوتے ہیں اور روح میں قوت پرواز آتی ہے تو سالک یعنی بندہ

مومن کی روح نقطہ ب سے ترقی کر کے لفظ ع کے ذریعے مقام الف تک پہنچ جاتی ہے۔ مقام الف سے مراد ذاتِ حق ہے۔ اور ب ع کے سفر کو سیر الی اللہ یا عروجی سفر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مقام الف بندۂ مومن کو ذاتِ حق میں یا روحِ حق یا نورِ حق سے وصال حاصل ہوتا ہے اس مقام کو علمِ روحانیت یا تصوف کی اصطلاح میں فنا فی اللہ کہا جاتا ہے چونکہ ذاتِ حق تعالیٰ کی کوئی حد نہیں ہے۔ فنا فی اللہ یا سیر فی اللہ کی بھی کوئی حد نہیں۔ بندۂ مومن چاہے تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سیر فی اللہ میں مشغول رہ سکتا ہے لیکن نہ ذات کی کوئی حد ہے نہ سیر فی اللہ ختم ہونے میں آتی ہے۔ حضرت شیخ سعدیؒ نے خوب کہا ہے

نه حشش غایتے وارده سعدی را سخن پایاں بمیرد شدہ مستقی و دریا بچش اں باقی

ان دوست کے حسن و جمال (ذاتِ صفات) کی کوئی حد ہے نہ سعدی کے عشق کی کوئی حد ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے پیس کی بیماری والا آدمی دریا کے کنارے بیٹھا پانی پی پی کر مر جائے۔ اور دریا اپنی آن زبان میں ہی طرح چلتا رہے۔

لیکن جہاں دیگر مذاہب میں مقام فنا فی اللہ میں ہمیشہ کے لیے مستغرق رہ کر غاروں اور جنگلوں میں رہ جانا انسانی زندگی کی غرض و غایت سمجھی جاتی ہے اسلام میں اس سے بھی اوپر ایک اور مقام ہے جسے فنا فی اللہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر حالتِ فنا، فنا ہو جاتی ہے۔ یعنی ختم ہو جاتی ہے اور مقام بقا باللہ حاصل ہوتا ہے۔ مقام فنا فی اللہ کا خاصہ محویتِ استغراق ہے اور مقام بقا باللہ پر بندۂ مومن سکر و استغراق سے نکل کر حضور و ہوشیاری میں آتا ہے اور پھر سے دُنی و کثرت میں اگر فرائضِ زندگی ادا کرتا ہے۔ مقام فنا کا سالک مغلوب الحال ہوتا ہے اور مقام بقا کے سالک کو غالب الحال کہتے ہیں۔ مقام پر سالک ابنِ الحال ہوتا ہے۔ مقام بقا پر وہ ابوالحال ہوتا ہے۔

غرضیکہ مقام فنا فی اللہ میں رہ کر بجز ذات و صفاتِ الہی میں غوطے لگا لگا کر بندۂ مومن بصدق حدیثِ قدسی **بِیْ سَمْعٍ وَبِیْضُوْرٍ** حق تعالیٰ

**متصف بصفات الہی ہونا**

کی صفات سے متصف ہوتا ہے اس مقام کی طرف ایک اور حدیث سے بھی اشارہ ہوتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ **تَخْلُقُوا بِاخْلَاقِ اللّٰهِ** (یعنی اللہ کی صفات سے متصف ہو جاؤ) جب صفاتِ الہی سے بندۂ مومن متصف ہو کر مندرجہ بالا دائرہ کے مقام ب پر قوس و ن ب کے ذریعے واپس آتا ہے تو بحیثیت انسانِ کامل خلافتِ الہیہ کا تاج اس کے سر پر رکھا جاتا ہے اور حق تعالیٰ کے نائب کی حیثیت سے حکمرانی کرتا ہے آیہ مبارک **الْحِجَابُ عَلٰی فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً** سے مراد یہی مقام ہے اور اسی مقام پر پہنچنے کی اسلام دعوت دیتا ہے۔ اس مقام بقا باللہ کو مقام عبودیت بھی کہا جاتا ہے کیونکہ انسان حقیقی معنوں میں بندۂ مومن یا عبدِ خالص اس وقت بنتا ہے جب وہ نفس کی کثافت سے پاک ہو کر ذاتِ حق سے واصل ہوتا ہے اور صفاتِ باری تعالیٰ

سے متصف ہو کر نیابت و خلافت الہیہ کا سہی ادا کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ مجاہدات اور ریاضات کی کٹھالی سے نکلے بغیر انسان نفسانیت کی کثافت سے نجات پاسکتا ہے نہ مقام فنا پر پہنچ کر صفات الہیہ سے متصف ہو سکتا ہے اور نہ ہی خلافت الہیہ کے منصبِ جلیلہ کے قابل بن سکتا ہے۔ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ پاکستان کے ایک بڑے عالم نے شبِ برات اور شبِ قدر کے مضمون پر اپنے ایک پمفلٹ میں لکھا ہے کہ اسلام کے ایک مختصر سے عبادت کے پروگرام کو لوگوں نے اس قدر بڑھا دیا ہے کہ ساری ساری رات جاگتے ہیں، مسلسل روزے رکھتے ہیں اور کڑے مجاہدات اپنے اوپر لازم کر دیتے ہیں۔ ان مولانا صاحب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ابدی و ازلی معصومیت کے باوجود ساری ساری رات نوافل میں گزار دیتے تھے۔ یہاں تک کہ گریہ سے آپ کی ریش مبارک تر ہو جاتی تھی اور پنڈلیاں مبارک سوچ جاتی تھیں۔ نیز آپ کی کئی روز مسلسل اس طرح روزہ رکھتے تھے کہ سحری اور افطار تک کا نام نہیں تھا۔ اس قسم کے علماء صاحبان نے شاید قرآن مجید کی یہ آیت بھی پڑھی کہ تَتَجَاوَزُ الْجَنُوبَهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (ایسے لوگ بھی ہیں جو ساری رات اپنے پہلوؤں کو بستروں سے علیحدہ رکھتے ہیں۔ یعنی شب بیداری کرتے ہیں) انہوں نے قرآن کی یہ آیت بھی نہیں پڑھی یَبْتَئُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا (ساری رات سجود و قیام میں گزارتے ہیں) انہوں نے سورہ منزل کی یہ آیات بھی نہیں پڑھیں: "فَمَا لَيْلٌ" رات کو جاگو نصف شب یا اس سے کم یا زیادہ) اسی صورت میں آگے فرمایا ہے: اِنَّ تَائِسَةَ الْيَلِیْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْأًا وَاَقْوَمُ قَبْلًا (یہ امر ستر ہے کہ رات کا جاگنا نفس کشی میں مدد دیتا ہے اور قال کو حال میں بدل دیتا ہے) قال کو حال میں بدلنے کی مولانا روم نے یوں تاکید فرمائی ہے۔

قال را بگذار و مردِ حال شو پیش مردِ کالے پامال شو

دُعا و بقا کے زبانی جمعِ خرچ کو چھوڑ کر قال کی بجائے حال حاصل کرو اور یہ کام اس وقت ہو سکتا ہے کہ تم مردِ کال کے پاؤں کی خاک بن جاؤ گے۔

**ضرورتِ شیخ** دنیا کے ہر کام ہر فن اور ہر پیشہ کی طرح فن روحانیت یعنی سلوک الی اللہ طے کرنے اور حق تعالیٰ کے قرب و معرفت حاصل کرنے کے لیے استاد کی ضرورت ہے۔ علم

تصوف کی اصطلاح میں ایسے استاد کو شیخ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ لفظ شیخ کی اصل یہ حدیث نبوی ہے اَلشَّيْخُ فِي قَبِيلَةٍ كَالنَّبِيِّ فِي اُمَّةٍ (اپنے قبیلہ میں شیخ اسی طرح ہے جس طرح ایک نبی اپنی امت میں)۔

قرآن حکیم میں حق تعالیٰ نے ضرورتِ شیخ کو یوں بیان فرمایا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (اے ایمان والو! اللہ

اللہ سے اور تلاش کر دو وسیلہ اس تک رسائی کے لیے، اس آیت مبارکہ سے دو باتوں کا حکم نازل ہوا اول حق تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنا۔ دوم اس تک حاصل کرنے کے لیے وسیلہ تلاش کرنا۔ وسیلہ سے مراد وہ ہادی، مرشد، شیخ یا پیر ہے۔ جن نے راہ سلوک طے کیا ہو اور راستے کے نشیب و فراز سے واقف ہو اور خدا رسیدہ ہو۔ بعض لوگ لفظ وسیلہ سے مراد ایمان لیتے ہیں۔ لیکن تمام مفسرین خواہ متقدمین ہوں یا متاخرین کے نزدیک وسیلہ کا مطلب شیخ طریقت ہے کیونکہ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ اتِّعَافُ الْأَرْوَاحِ وَالْجَسَدِ وَالْمَالِ وَالنَّفْسِ وَالْهَيْئِ وَالْجَمَلِ** حضرت شاہ عبدالرحیم، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جو اہل طریقت اور اہل حدیث دونوں میں مقبول ہیں۔ وسیلہ سے مراد شیخ لیتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ کے پوتے شاہ اسماعیل شہید جو مخالفین تصوف کے امام مانے جاتے ہیں بھی اپنی کتاب منصب امامت میں قرآن مجید میں لفظ سے مراد شیخ لیتے ہیں آپ لکھتے ہیں

”مراد از وسیلہ شخصے است کہ اقرب الی اللہ باشد در منزلت  
دوسیلہ سے مراد وہ شخص ہے جو اقرب الی اللہ ہو یعنی مقرب بارگاہ ہو“

دوسری آیت میں لفظ وسیلہ کے معنی خود خداوند تعالیٰ نے صاف بتا دیئے ہیں اور شک و شبہ کی گنجائش نہیں رکھی۔ فرمایا: **أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ** اس کی تفسیر شاہ اسماعیل شہید جیسے سخت گیر منصب امامت میں یوں بیان کرتے ہیں:

”واقرب الی اللہ باعتبار منزلت اول رسول است بعد ازاں امام کہ نائب اوست“

اور مقام کے لحاظ سے اقرب الی اللہ سب سے پہلے رسول ہیں اور ان کے بعد امام جو ان کے نائب ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایمان باللہ کے ساتھ حق تعالیٰ نے اپنے نائب حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کو ضروری قرار دیا ہے۔

### بیعت کی ضرورت

بیعت کے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ **إِنِ الَّذِينَ يَبِيعُونَكَ إِنَّمَا يَبِيعُونَ اللَّهَ ط** اللہ فوق ایدئہم (اے نبی اللہ جو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ دراصل اللہ کے ساتھ بیعت کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے) اس آیت میں نہ صرف انسان کامل کے ہاتھ پر بیعت کرنا ثابت ہے بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر حق تعالیٰ نے اپنا ہاتھ بھی قرار دیا ہے۔ یہ قرب حق کا وہ درجہ ہے جسے فنایت نامہ کہا جاتا ہے۔ ایک ظاہر بین حضرت اس آیت کے یوں معنی کر رہے تھے کہ لوگوں کے ہاتھوں پر رسول کا ہاتھ اور ان سب کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ تھا۔ راقم الحروف نے ان سے کہا اگر آپ کی تفسیر صحیح ہوتی تو لفظ ایدئہم کی بجائے ایدئہم ہوتا۔ ایدئہم کا تو اس کے سوا کوئی مطلب نہیں ہو سکتا کہ بیعت کرنے والوں کے ہاتھ پر بظاہر رسول اللہ کا ہاتھ تھا اور باطن خدا کا ہاتھ تھا۔ غرضیکہ قرآن کے معنوں کو بعض لوگ اس طرح توڑ موڑ کر کے بیان کرتے ہیں۔

اسی طرح آیہ وَاذْرَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنْ اللّٰهُ رَهِيَ فِيْهِ حَقِّ تَعَالٰى كے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال وحدت پائی جاتی ہے دشمنوں پر مٹی تو پھینک رہے ہیں۔ رسول اللہ صلعم اور فرما رہے ہیں حق تعالیٰ کہ مٹی آپ نے نہیں پھینکی اللہ نے پھینکی۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیعت ضروری ہے تو آپ کے وصال کے بعد آپ کے خلفاء کے ساتھ بھی بیعت کی وہی اہمیت ہے بلکہ پہلے سے زیادہ ہے کیونکہ خدا کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ظاہری غیر موجودگی میں بیعت اور وسیلہ کی زیادہ ضرورت ہے۔

قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے منصب نبوت کی یوں وضاحت فرمائی ہے۔

### منصب نبوت اور منصب شیخ

يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (الجمعة) اللہ وہ ہے جس نے بھیجا ان پڑھوں کے درمیان پیغمبر انہی میں سے جو پڑھتا ہے ان لوگوں کے سامنے اللہ کی آیات اور پاک کرتا ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت

کتاب کے ساتھ معلم یعنی سکھانے والے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ نسخہ کے ساتھ طبیب کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن کی موجودگی میں شیخ کی کیا ضرورت ہے ان سے ہم پوچھتے ہیں کہ قرآن کی موجودگی میں نبی یا رسول کی کیا ضرورت تھی۔ چنانچہ جس طرح رسول کی صحابہ کرام کو ضرورت تھی آج بھی ہمیں وہی ضرورت پیش ہے جس طرح اس زمانے میں رسول کے بغیر ہدایت ناممکن تھی۔ اب بھی ناسب رسول کے بغیر ہدایت ناممکن ہے۔ حیرت ہے کہ علمائے ظاہر لوگوں کے درمیان اپنی ضرورت تو محسوس کرتے ہیں لیکن ایک ایسے شیخ کمال کی ضرورت محسوس نہیں کرتے جو ان سے کئی گنا زیادہ عبادات، مجاہدات و ایضاً کر کے ذات حق کے قریب و معرفت کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔ امام احمد بن حنبل پہلے تصوف اور صوفیائے کرام کی مخالفت میں مشہور تھے لیکن بعد میں جب حضرت بشر حافی کی صحبت میں رہ کر عداوت ایان نصیب ہوئی تو جو شخص احکام شریعت ان سے دریافت کرنے آتا تو خود بتا دیتے تھے لیکن جب کوئی شخص راہ حقیقت دریافت کرنے آتا تو حضرت شیخ بشر حافی کے پاس بھیج دیتے تھے۔ یہ دیکھ کر ان کے شاگردوں کو غیرت آتی اور عرض کیا کہ آپ اتنے بڑے عالم ہو کر لوگوں کو ایک صوفی کے حوالہ کیوں کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ کے احکام کا علم ہے اور ان کو خود اللہ کا علم ہے اس لیے طالبان حق کو ان کے پاس بھیجتا ہوں۔

آیہ مذکور میں حق تعالیٰ نے منصب نبوت میں ان امور کو شامل فرمایا ہے۔

۱۔ آیات مستبرآن پڑھ کر سنانا۔ ۲۔ ان کا تزکیہ نفس کرنا۔ ۳۔ احکام الہی کی تعلیم دینا۔ ۴۔ حکمت یعنی حقیقت

ذات و صفات الہی سے آگاہ کرنا۔

اجل بھی علمائے کرام یہی کام کرتے ہیں۔ لوگوں کے سامنے آیات قرآن پڑھتے ہیں۔ مطالب قرآن بھی سمجھاتے ہیں اور احکام قرآن کی تلقین بھی کرتے ہیں لیکن کیا بات ہے کہ رسول خدا صلعم کی ہدایت سے تو لوگ جوق در جوق آکر اسلام قبول کرتے تھے لیکن علمائے کرام کے سامنے ایک آدمی بھی اسلام قبول نہیں کرتا اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر زبردست روحانی قوت موجود تھی اور آپ کی محض زیارت سے لوگوں کے مراتب بلند ہو جاتے تھے۔ نیز آپ کی صحبت اور بات چیت سے مراتب بلند ہوتے تھے نیز آپ کے ساتھ ہمکلام ہونے اور آپ کے ہاتھ لگانے سے صحابہ کرام کے کئی گنا مراتب بلند ہو جاتے تھے۔ حضرت سلیمان فارسی اسلام لانے سے پہلے کئی یہودی، نصاریٰ اور آتش پرست ارباب روحانیت سے ملاقات کر چکے تھے لیکن ان سے متاثر نہ ہوئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو چہرہ مبارک دیکھتے ہی کلمہ طیبہ پڑھ لیا۔ اسی طرح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک مجھ سے اپنی جان مال اور اولاد سے زیادہ محبت نہیں کرتا تو یہ سن کر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ حضور میں اپنے اندر یہ کیفیت محسوس نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا کیا تم محسوس نہیں کرتے اس خطاب سے حضرت عمرؓ کے مراتب بلند ہو گئے اور فوراً عرض کیا کہ حضور اب محسوس کرتا ہوں۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ بن جبل یا کسی اور صحابی کو یمن کا عامل مقرر کر کے بھیج رہے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور میرے اندر عامل بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔ آپ نے ان کے کندھے کو چھوا تو وہ فوراً چلا اٹھے کہ حضور اب وہ صلاحیت اپنے اندر محسوس کرتا ہوں۔

یہ ہے توجہ باطنی سے تزکیہ نفس کرنا۔ رسول خدا صلعم کی طرح آپ کے بعد آپ کے خلفا بھی باطنی توجہ سے مریدین کا تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں علماء ظاہر کی دھواں دھار تقریریں ناکام رہتی ہیں اولیاء اللہ کی ادنیٰ اسی باطنی توجہ سے مریدین کا تزکیہ نفس ہو جاتا ہے جس سے ان کی رُوحوں میں قوت پرواز آتی ہے اور وہ مختلف منازل و مقامات طے کرتے ہوئے قرب حق میں پہنچ جاتے ہیں۔

**فضل اللہ** | راہ سلوک طے کرنے میں سب سے زیادہ اہمیت فضل اللہ کو حاصل ہے۔ جب تک

حق تعالیٰ کا فضل و کرم بندہ کے شامل حال نہ ہو راہ ہدایت نصیب نہیں ہوتا۔ نہ اعمال کام آتے ہیں نہ حسب و نسب کی کوئی حیثیت ہے۔ لہذا اہل اللہ حضرات ہمیشہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں رحمت کی درخواست کرتے رہتے ہیں۔ کہ بار خدا یا مجھے اپنی بارگاہ میں قبول فرما۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

لہذا بندہ کو چاہیے کہ جن قدر زیادہ عبادت کرے اسے بہت ہی کم سمجھے اور حق تعالیٰ کی طرف سے ذرہ بھر نظر عنایت اور ظاہری نعمت کو بہت بڑا انعام و اکرام سمجھے۔

زاد شدہ بر بندگی خود متکبر مایم و نظر بر کرم بندہ نواز سے

حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عابد و زاہد کون ہو سکتا ہے لیکن آپ بھی اپنی عبادت، ریاضات اور مجاہداتِ شاقہ کے باوجود ہر وقت اقرارِ عجز کرتے ہوئے بارگاہِ حق تعالیٰ میں عرض پر واز ہوتے تھے کہ **يَا وَهَّابُ سُبْحَانَكَ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ مَا ذَكَرْنَاكَ حَقَّ ذِكْرِكَ مَا شَكَرْنَاكَ حَقَّ شُكْرِكَ** (اے میرے معطی تیری ذات پاک بہت بلند ہے۔ نہ ہم تیری عظمت کے مطابق کما حقہ، حق عبادت ادا کر سکتے ہیں نہ تیری معرفت کے مطابق کما حقہ، معرفت حاصل کر سکتے ہیں نہ تیرے ذکر کے مطابق کما حقہ تیرا ذکر کر سکتے ہیں نہ تیرے شکر کے مطابق کما حقہ، شکر ادا کر سکتے ہیں۔) جب سرورِ کائنات فخرِ موجودات کا یہ حال ہے تو ہم لوگ کس باغ کی مٹولی ہیں ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے اعمال کی وجہ سے کوئی شخص نجات حاصل نہیں کر سکتا ہے جو شخص نجات حاصل کرے گا۔ رحمتِ حق سے کرے گا۔ اس پر صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ حضورؐ آپ بھی۔ فرمایا ہاں میں بھی اپنے اعمال سے نہیں بلکہ فضلِ ربی سے نجات حاصل کروں گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ طالبِ مولا کو چاہیے کہ ہر وقت اور ہر آن وہر لحظہ رحمتِ حق کا طلب گار رہے کیونکہ حق تعالیٰ کی عظمت اور شان اس قدر بلند ہے کہ انسان کو چاہیے جتنی عبادت کرے۔ اس کی عظمت اور شان کے مطابق ہرگز ہرگز نہیں اتر سکتا۔ امیرِ خسروؒ نے خوب کہا ہے۔

اے بہ در ماندگی پناہ ہم کرم تست عذرِ خواہ ہم  
تو بہ در گہت قبول کن اے الہ من والہ ہم  
خسرو از تو پناہ مے جوید اے پناہ من و پناہ ہم

ضرورتِ شیخ اور فضلِ اللہ کے ساتھ راہِ حقیقت میں تیسری جس چیز کی اشد ضرورت ہے وہ عشق ہے ویسے تو ہر شخص فطرتاً عاشق پیدا ہوا ہے اور عاشق بھی کس کا ہر خود ذاتِ حق

مقامِ عشق

کا عاشق۔ کیونکہ جہاں حق تعالیٰ نے ساری کائنات کو حضرت انسان کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ انسان کو خالصتاً اپنے لیے پیدا فرمایا ہے۔ لہذا انسان عاشق بھی ہے اور معشوق بھی۔ محب بھی ہے اور محبوب بھی۔ **كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا أَوْ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتَ الْآفَلَكَ** سے مراد یہی عشقِ الہی ہے۔ **آيَةُ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ** کہہ دیجئے کہ اگر تم کو اللہ سے محبت ہے تو میری (نبی کی) اطاعت کرو اللہ کے محبوب بن جاؤ گے، میں بھی انسان کے عاشق و معشوق ہونے کی تاکید ہے۔

لیکن افسوس صد افسوس ہے کہ انسان محبوبِ حقیقی کو ترک کر کے محبوبانِ مجازی کے پیچھے ڈوڑتا پھرتا ہے کوئی نیک لاشن کا متوالہ ہے کوئی لیلانے دولت کا دیوانہ ہے، کوئی لیلانے عز و جاہ کا شیدائی ہے غرضیکہ



آتش عشق حقیقی تو محبوب حقیقی کی طلب میں سر مار ہی ہے لیکن وہ بے سمجھی سے محبوبان مجازی کی طلب میں سرگرداں ہے جتنی کہ جب کوئی اللہ والا اگر اس کا کاٹنا بدلتا ہے تو وہ صحیح سمت میں چلنے لگتا ہے۔ ایک دفعہ ایک انگریز نے کہا کہ میرے دل میں کسی چیز کی تڑپ ہے لیکن مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ چیز کیا ہے۔ میرے پاس بہت دوست ہے اور اپنے دل کی بے تابی مٹانے کے لیے عیش و عشرت کا سامان مہیا کرتا ہوں جتنی کہ محبوبان مجازی کا قرب بھی حاصل کرتا ہوں لیکن کسی چیز سے میری تشفی نہیں ہوتی اور دل میں ایک تڑپ ہے جو مجھے کشاں کشاں لیے پھرتی ہے۔ آپ بتائیں کہ وہ کیا چیز ہے جس کی مجھے طلب ہے۔ میں نے کہا کہ پیدائشی طور پر ہر شخص ذات حق تعالیٰ کا عاشق ہے۔ خواہ وہ کافر ہے یا مسلمان، یہودی ہے یا نصرانی، اسی وجہ سے علامہ اقبال نے نیٹے کے متعلق لکھا ہے کہ قلب او مومن رما عشق کافر است (اس کا قلب مومن اور داغ کافر ہے) لیکن یہ صرف نیٹے کی خصوصیت نہیں ہے ہر شخص کا قلب مومن ہے اور عشق مولا میں سرشار ہے۔ لیکن سمجھ نہیں سکتا کہ میں کس کا عاشق ہوں۔ اس لیے وہ محبوبان مجازی کے پیچھے دوڑتا ہے۔ یہ سن کر اس نے کہا اچھا تو پھر محبوب حقیقی تک کیسے پہنچا جائے میں نے کہا اس کام کے لیے تو ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اور لاکھوں کروڑوں اولیاء اللہ بھیجے گئے ہیں۔ اگر ہمت ہو تو آؤ راستہ بہت آسان ہے لیکن میں وہ انگلستان چلا گیا اور ملاقات کا سلسلہ کٹ گیا۔

حق تعالیٰ ایک رسائی کے تین بڑے راستے  
اسلام میں حق تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کے  
تین بڑے راستے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ طریق اخیار۔ یہ راستہ کثرت صوم و صلوٰۃ، تلاوت، حج، جہاد وغیرہ سے طے ہوتا ہے۔ لیکن بہت لمبا راستہ ہے اور منزل مقصود تک پہنچنے میں بہت دیر لگتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو صحابہ کرام کا راستہ جلدی طے ہو جاتا تھا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر بے پناہ روحانی قوت تھی لیکن جو جو زمانہ گزرتا گیا۔ لوگوں کے قلوب پر زنگ بڑھا گیا اور زنگ دور کرنے کے لیے قلوب کو عبادات و مجاہدات شاد سے مانجنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

۲۔ طریق ارباب مجاہدات و ریاضات۔ اخلاق ذمیرہ کو جدوجہد اور محنت و کوشش اور ریاضت کے ذریعے اخلاق حمیدہ میں تبدیل کرنے کے لیے عام عبادت سے زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔ یہ راستہ پہلے راستے کی نسبت چھوٹا ہے لیکن اس میں محنت زیادہ لگتی ہے۔

۳۔ طریق اصحاب شطاریہ۔ یہ طریق عشق و محبت سے طے ہوتا ہے اور سب سے زیادہ اقرب اور قوی تر ہے۔ اگر کسی جنگل کو صاف کر کے زمین آباد کرنی ہو تو ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ہر درخت کو جڑ سے نکال کر پھینک دیا جائے۔ دو سزا اور زیادہ توڑا اور آسان طریقہ یہ ہے کہ جنگل کو آگ لگا دی جائے۔ ان کی آن میں زمین صاف ہو جائے گی۔ طریق شطاریہ کے لوگ یہی کرتے ہیں۔ آتش عشق کے ذریعے تمام روحانی امراض کا

علاج کرتے ہیں اور بہت جلدی منزل مقصود تک پہنچا دیتے ہیں۔ اکثر عشق کو بھڑکانے کے لیے بعض شائخ  
 سماع سنتے ہیں اور مریدین کو بھی سنواتے ہیں۔ ان حضرات کا قول ہے کہ ایک محفل سماع کے ذریعے جس قدر  
 ترقی حاصل ہوتی ہے سو سال کی عبادت سے بھی حاصل نہیں ہوتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ بات یہ ہے  
 کہ اسلام کی بنیاد عشق الہی پر قائم ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا سے  
 ایسی شورش برپا ہوتی ہے کہ انسان تو انسان، حیوان، نباتات اور جمادات میں بھی حضرت عشق کا فرما ہے اور عشق  
 ہی کے ذریعے ذرہ ذرہ آپس میں جڑا ہوا ہے۔ کشتش ثقل کیا ہے۔ وہی عشق ہے جو ساری کائنات میں روح  
 رواں کی طرح جاری و ساری ہے اور ہر چیز کو اپنے دائرہ کار میں مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہے۔ اگر عشق نہ  
 ہو تو عابد معبود کے سامنے کیوں سر تسلیم خم کرے اور سجدہ ریزیاں کیوں کرے۔ علامہ اقبال نے خوب کہا ہے  
 کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آبا کس مجاز میں کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں می جبین نیاز میں  
 حضرت مولانا نے روم فرماتے ہیں۔

### کلامِ حب و فراق

|                             |                              |
|-----------------------------|------------------------------|
| مرجباے عشق خوش سودائے ما    | اے طیب جملہ علت ہائے ما      |
| اے دو آنخت و ناموس ما       | اے تو افلاطون و جالینوس ما   |
| جسم خاک از عشق بر افلاک شد  | کوہ در رقص آمد و چالاک شد    |
| عشق آن شعلہ کو چوں برفروخت  | ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت |
| در گنجد عشق در گفت و شنید   | عشق در ریخت قعرش تا پدید     |
| شرح عشق از من بگویم بر دوام | حد قیامت بگذرد آن تا تمام    |
| عاشقی پیداست از زاری دل     | نیست بیماری جو بیماری دل     |
| ملت عشق از ہمدینہا جدا است  | عاشقان ملت و مذہب خدا است    |

عشق، درد، فراق کے مضمون پر حضرت شیخ فرید الدین عطار کے جذبات ملاحظہ ہوں۔

|                              |                               |
|------------------------------|-------------------------------|
| درد حاصل کن کہ درماں درد تست | درد و عالم داروئے جاں درد تست |
| ذرة دردت رہ اے دربان من      | زانکہ بے دردت بمیرد جان من    |
| کنز کافر راہ دین دیندار را   | ذرة دردت دل عطار را           |
| ہرچہ بینی یار بہت اغیار نیست | غیر از جزو ہم و جز پذیر نیست  |

حضرت شیخ سرمد غم عشق کو خوشی سے زیادہ پسند فرماتے ہیں۔

سرمد غم عشق را بہ شادی نہ دہی درد اگر ت رسد منادی نہ دہی  
صد بار شود اگر مرادست حال زہار زدست نامرادی نہ دہی  
سرمد ایک اور رباعی میں عشق وستی کی یومدحت سرائی کرتے ہیں۔

سرمد در دین عجب ٹنگتے کردی ایمان بغدادے چشم متے کردی  
عمرے کہ بآیات و احادیث گزشت رفتی و نثاربت پرستے کردی  
ایک بزرگ کا نالہ عشق ملاحظہ ہو۔

دل را در آتش غم جانانہ سوختیم قندیل کعبہ را بہ صنم خناسوختیم  
زاں آرزو کہ جلوہ کند شعلہ پیکرے شہا چرخ کعبہ و بت خانہ سوختیم  
ایک اور بزرگ درد عشق کو یوں بیان کرتے ہیں۔

پنج زد عشقت لباس پارسائی پارہ شد طاعت صد سالہ ام تاراج یک نظارہ شد  
ایک صاحب آتش عشق کو یوں بیان کرتے ہیں۔

آتش رخسار گل خرمین بلبل بہ سوخت چہرہ خنداں شمع آفت پروانہ شد  
حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ کا نعرہ عشق ملاحظہ ہو۔

نئے دامن کہ آخر چوں دم دیدارمے رقصم مگر نازم باین ذوقے کہ پیش یارمے رقصم  
خوشا زندگی کہ پامالش کنم حد پارسائی را نہی تقوی کہ من باجیبہ دستارمے رقصم  
بیجا جان تماشاکن کہ در انبوہ جان باران بصد سامان رسوائی سر بازمے رقصم  
تو آن قاتل کہ از بہر تماشای خون من زری من آن لیل کہ زیر خنجر خود خواریمے رقصم  
منم عثمان ہارونی کہ یار شیخ منصورم ملامت کند خلعے من بزارمے رقصم

یا علی

حضرت امیر خسرو ایک مشاہدہ کے بعد اپنے محبوب کی مدح سرائی کچھ اس انداز سے فرماتے ہیں۔

نئے دامن چہ منزل بود شب جاغیکہ میں بودم ہم سوئے قص لیل بود شب جاغیکہ میں بودم  
پری پیکر نگارے سرو قد سے لالہ رخسارے سراپا آفت دل بود شب جاغیکہ میں بودم  
خدا خود میر مجلس بود اندر لامکان خسرو محمد شمع محفل بود شب جاغیکہ میں بودم

حضرت شرف الدین بوعلی قلندر نالہ ہجر و فراق یوں بلند کرتے ہیں۔

اگر بنیم شبے ناگاہ من اں سلطان خواباں را  
سیر اندر پائے فے آرم فدا سازم دل و جہاں  
رؤم در بتکدہ شینیم بہ پیش بست کتم سجدہ  
اگر یا بکم خریدار سے فروشم دین و ایمان را  
بگرد کعبے گردم چورٹے یار من کعبہ  
شوم طواف میخانہ بہوسم پائے ستان را  
دلہ پیچاں، سرم پیچاں تنم پیچاں  
شرف چوں مائے سجد چو بیند زلف پیچاں را

ایک اور غزل میں غیرتِ عشق کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن نہم  
گوش را نیز حدیث تو شنیدم نہ ہم  
عشق کی مدح سرائی میں آپ فرماتے ہیں۔

گر عشق بنودے و غم عشق بنودے  
چندیں سخن نغز کہ گفتے کہ شنیدے  
یہ کلام درد و فراق ہے جو محبوب حقیقی کے ہجر میں عشاق کے منہ سے نکلتا ہے۔

لیکن عشاق ازل پر ہمیشہ ایک ہی حالت طاری نہیں رہتی۔ ہجر و فراق اور  
قرب و وصل کی گھڑیاں بدلتی رہتی ہیں۔ فراق کے وقت خود بھی روتے ہیں

## کلام قرب و وصل

اور جہاں کو بھی رلاتے ہیں۔ لیکن جب قرب و دوست میں پہنچتے تو کرب و غم کا فور ہو جاتا ہے اور بلند و بالا مقامات  
سے بلند و بالا باتیں کرتے ہیں۔ اپنے آپ سے فانی اور ذاتِ حق سے باقی ہو کر ایک صاحب فرماتے ہیں۔

من تاجدار فقرم ذوق فنا چشیدہ  
اہوتے دشت ہویم از ناسوی رمیدہ

مقام قرب و فنا کو حضرت مغربی نے یوں بیان فرمایا ہے۔

ما جام جہاں نمائے ذلتیم  
ما نظہر جملہ صفاتیم

ما سخہ نامہ اہیم  
ما گنج طلسم کائناتیم

ہم صورت واجب الوجودیم  
ہم معنی جان ممکناتیم

برتر مکان و در مکانیم  
بیرون ز جہاں در جہاتیم

شاہ نیاز بریلوی اس مقام فنا فی اللہ کو یوں ظاہر کرتے ہیں۔

لباس بوالبشر پوشیدہ مسجود ملک شتم  
بر تصویر محمد حامد و محمود بود شتم

گہے ادریس گاہے شیت گاہے نوح کہ یوس  
گہے یوسف گہے یعقوب گاہے ہود بود شتم

گہے صالح گہے ابراہیم گہے اسحاق گہے یحییٰ  
گہے عیسیٰ گہے موس گہے داؤد بود شتم

برائے میکشان امروز نقد وقت شان شتم  
ز بہر دیگران روز و تہرا موعود بود شتم

بدریائے حقیقت بہر خواصان دریا دل !  
بہر عہد و عہدے گوہر مقصود بود شتم

جب مقام فنا فی اللہ پر کثرت ختم ہو جاتی ہے اور وحدت ذات طاری ہو جاتی تو اس حقیقت کو حضرت مغربی ان الفاظ کا جامہ پہنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

از ذات اوست این ہر اسماء عیاں شدہ از نور اوست این ہر انوار آمدہ  
 این نقشہا کہ ہست سر اسر نمائش است اندر نظر چوں صورت بسیار آمدہ  
 این کثرتیست لیک وحدت عیاں شدہ دین وحدتیت لیکن باطوار آمدہ  
 علم مثال ذات و ظلال و صفات اوست، نقش دونی چو صورت پذیر آمدہ  
 اس مقام فنا میں جب محویت طاری ہو جاتی اور غیر کا شعور جاتا رہتا ہے تو حضرت مغربی اس حالت کو یوں بیان کرتے ہیں۔

تو یقینی وہاں جملہ گمان من بے تین دستے شد کہ نصتین را بہ گمان سے نیم  
 اس حقیقت کو صاحب مثنوی گلشن راز شیخ محمود شبستری یوں بیان فرماتے ہیں۔  
 وجود اندر کمال خویش ساریست تعینہا امور اعمتباریست،  
 امور اعمتباری نیست موجود عدد بسیار و یک چیز است محدود  
 جہاں رانیت ہستی جز مجازی سر اسر حال او لہو است و بازی  
 حضرت نیاز بر بلوی اس حقیقت کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

ہستیم جملہ خیال است کا مثال سراب بالیقین من نیم وہم گمانم باقی است  
 کاروانم ہمہ بگدشت زمینان شہود ہچو نقش کف پا نام و نشانم باقی است  
 سر و سامان وجودم شرر عشق بسوخت زیر خاکسرد دل سوز نہانم باقیست  
 طمع فاتحہ از خلق نذریم نیاز عشق من در پس من فاتحہ خوانم باقیست

مقام فنا میں پہنچ کر جب عارفین خود گم ہو جاتے ہیں اور حق باقی رہ جاتا ہے  
 تو نعرہ ہائے انا الحق اور سبحانی اعظم شانی بلند کرتے ہیں۔ نعرہ منصور تو عام  
 ہو چکا صاحب گلشن راز کا نعرہ سنئے۔

در آں در وادی ایمن کہ ناگاہ درختے گویت رتی انا اللہ  
 روا باشد انا اللہ از درختے چرا نمود روا از نیک بختے  
 ہزار لکن را کہ اندر دل شکے نیست یقین داند کہ ہستی جزیکے نیست  
 جناب حضرت حق را دونی نیست دران حضرت من و ما و توئی نیست  
 من و ما و تو، او ہست یک چیز کہ در وحدت نباشد ہیچ تیسرے  
 ہر آنکو خالی از خود چون خلا شد انا الحق اندر اوصوت و صدا شد

وحدت الوجود

اس حقیقت وحدت الوجود کو حضرت مولانا جامی یوں بیان فرماتے ہیں

عاشق و عشق و مبت و مبت گرد عیار کیست  
کعبہ و دیر و مساجد ہمہ جاہار کیست  
گرد آئی در چمن وحدت و یک رنگی ہیں  
کہ دران عاشق و معشوق و گل و خار کیست  
در کون و مکان نیست عیاں جز یک نور  
ظاہر شدہ آں نور بانواع ظہور  
حق نور و تنوع ظہور کش عالم  
توحید ہمین است و دیگر و اہم غرور

اس مضمون پر مولانا جامی کی ایک اور رباعی ملاحظہ ہو

مجموعہ کونین بقانون سبق  
کر دیم تفحص ورقاً بعد ورق  
حقا کہ ندیدیم و سخا ندیم درو  
جز ذات حق و شیون ذات حق

مقام فنا فی اللہ کے بعد سالکین راہ حقیقت ایک اور مقام پہنچتے ہیں جسے علم اکتوف کی اصطلاح میں فنا الفناء یا فنا سے فنا کے

نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر سالک کا یہ احساس بھی ختم ہو جاتا ہے کہ میں ذات حق میں فنا ہو چکا ہوں۔ بالفاظ دیگر اس کے دل سے فنا کا شعور بھی مٹ جاتا ہے اور نیند کی طرح بحر ذات میں بے خود اور محو ہو جاتا ہے۔ اب فنا کا فنا ہونا کیا ہے بقا ہے۔ چنانچہ فنا الفناء کے بعد سالک کو مقام بقا نصیب ہوتا ہے۔

اگر مندرجہ بالا نقشہ سلوک نظر ڈالی جائے تو یہ کہا جائے گا کہ سالک فنا الفناء کے بعد نقطہ الف سے عود کر کے نقطہ ن سے ہوتا ہوا پھر نقطہ ب پر پہنچ جاتا ہے۔ نقطہ ب پر واپس آتے ہی وہ اپنی کھوتی ہوئی خود کو پھر سے حاصل کر لیتا ہے اور عبد مومن کی حیثیت سے پہلے سے کہیں زیادہ صوم و صلوات میں منہمک ہو جاتا ہے۔ نقطہ ب پر جب وہ واپس آتا ہے تو اب وہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ شروع میں یعنی سفر شروع کرنے سے پہلے یہاں پر تھا بلکہ وہ پہلے ناقص تھا اب کامل ہو کر واپس آیا ہے۔ پہلے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے واقف نہیں تھا۔ اب وہ عارف باللہ ہو کر واپس آیا ہے۔ اور حدیث قدسیٰ *يَسْمَعُ* اور *يَبْصُرُ* اور *تَخْلُقُوا* باخلاق اللہ کے بمصداق اب اس کو صفات الہیہ سے متصف ہو کر خلافت اور نیابت الہیہ کا منصب پورا کرنے کی پوری اہلیت عطا کی گئی ہے۔ اس مقام کو مقام بقا باللہ اور عبدیت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جس کی شرح آگے آرہی ہے۔

## کلام مقامِ عبدیت یا بقا باللہ

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے مقربین بارگاہِ ربّ العزت پر  
 نہ حالت فنا دائمی طور پر طاری رہتی ہے نہ حالت بقا کبھی

وہ بجز بکیران فنا میں غوطے لگا کر قرب وصال کے مزے لیتے ہیں اور کبھی بعد و فراق کی آگ میں جلنا پسند  
 کرتے ہیں۔ مقامِ قرب و فنا کے تاثرات تو آپ نے اوپر دیکھ لیے۔ اب آیتے مقامِ فرق بعد الجمع یا  
 ہجر و فراق میں وہ کس قسم کے نعرے بلند کرتے ہیں۔

## مقامِ جامعیت

شاید آپ یہ کہہ دیں کہ ایک ہجر و فراق کا کلام تو ہم کلامِ وصال سے پہلے سن چکے  
 ہیں یہ کون سا ہجر و فراق نکل آیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مبتدی کا نالہ ہجر و فراق

اور قسم کا ہوتا ہے۔ متوسط کا اور منہتی کا اور ہوتا ہے۔ پہلے آپ مبتدی کے ہجر و فراق کے نعرے سن چکے  
 ہیں۔ اس کے بعد متوسطین کا مقام ہے جو مقامِ فنا میں غرق ہو کر انا الحق کے نعرے بلند کرتے ہیں۔ آخر میں  
 منہتوں کا مقام ہے جو فنا سے بقا کو اور قرب سے بعد کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ قرب مقامِ وحدت ہے اور بعد  
 مقامِ عبدیت جو خاصہ ہے سرور کائنات فخر موجودات سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ جہاں آپ کا عروج و  
 فنا بدرجہ اتم تھا اس کے ساتھ آپ کا نزول و بقا بھی بدرجہ اتم تھا۔ مقامِ نزول و بقا کو عبدیت کہتے ہیں جو  
 بنی نوع انسان کی روحانی ترقی کا آخری مقام ہے۔ عارفین کا قول ہے کہ جن قدر کسی بزرگ کا مقام فنا بلند  
 ہوتا ہے اس کا نزول و بقا اسی کے مطابق قوی ہوتا ہے۔ حضرت حاجی اندو اللہ مہا جسہ مکھی شام امدادیہ میں  
 فرماتے ہیں کہ مولانا دروم کا نزول شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے نزول سے زیادہ قوی تھا۔ جن حضرات کا نزول  
 قوی تر ہوتا ہے ان کو منہتی کہتے ہیں۔ اس مقام کو جامعیت کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ جامعیت اس  
 لیے کہ اس مقام پر فنا اور بقا دونوں کا اجتماع ہوتا ہے اس مقام کا سالک بیک وقت فانی فی اللہ بھی ہوتا  
 ہے اور باقی باللہ بھی۔ وہ بیک وقت قرب و وصال کے مزے بھی اڑاتا ہے اور ہجر و فراق کے بھی۔

من لذت درد تو بد رہاں نفروشم کفر بہر زلف توبہ ایماں نفروشم

ان کو مقامِ بشریت یا عبدیت کے ہجر و فراق کی آگ وصل کی لذت سے زیادہ پسند ہے۔ اس کی وجہ  
 یہ ہے زیادہ بلند تر بہ بزرگان مالک حقیقی کا ادنیٰ ترین بندہ بن کر رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔

## مسئلہ نور و بشر کا شاندار حل

اس استدلال سے مسئلہ نور و بشر بھی آسانی سے حل ہو جاتا ہے۔ سطح  
 بین بریلوی اور دیوبندی حضرات مسئلہ نور و بشر پر دست و گریبان

ہیں حالانکہ صوفیاء کرام کے نزدیک یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ مقامات فنا و بقا عروج اور نزول کو اچھی طرح  
 سمجھ لینے کے بعد یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ راہ حقیقت میں دونوں حالتیں، یعنی عروج و نزول  
 یا نور و بشریت اپنے اپنے مقام پر محمود اور مستحسن ہیں۔ تمام مقربین، عارفین اور واصلین حالتِ فنا میں نور

ہوتے ہیں اور حالت بقایا عبدیت میں بشر۔ صرف حقیقت و مجاز کا فرق ہے۔ عالم حقیقت میں نور ہوتے ہیں اور عالم مجاز میں بشر کہلاتے ہیں۔ اب چونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تمام اولیاء کے سرور، مقربین کے آقا، واصلین کے راہنما اور عارفین کے مقتدا ہیں آپ تمام اولیاء عارفین اور واصلین سے بڑھ چڑھ کر بدرجہ اتم بیک فانی فی اللہ بھی تھے اور باقی باللہ بھی۔ جس طرح آپ کو فنایت و عروج میں کمال حاصل تھا اسی طرح آپ کو نزول و بشریت میں کمال حاصل تھا۔ آپ کے عروج کو کوئی پہنچ سکا ہے نہ آپ کے نزول کو۔ نہ آپ جیسا مکمل پیکر نور کوئی ہو سکا ہے اور نہ آپ جیسا کوئی عبد بن سکا۔ آپ کے عروج کی شہادت آپ کی حدیث **لِي مَعَ اللَّهِ وَقْتُ لَا يَسْتَعِينِي نَبِيُّ الْمُرْسَلِ وَمَلَكٌ لِّلْقَرْبِ** (مجھے اللہ کے قرب کا وہ مقام حاصل ہے کہ جہاں نہ کسی نبی کی رسائی ہو سکتی ہے نہ فرشتہ کی) اور آپ کے مقام نزول و عبدیت و بشریت کی شہادت بارگاہ رب العزت میں آپ کا کمال عجز و انحصار اور خوف و حراس دے رہا ہے جو آپ کو ہر وقت لاحق رہتا تھا یہ بشریت و عبدیت کا کمال ہے کہ ساری رات نوافل میں گزر جائے، پاؤں مبارک پر درم آجائے اور گریہ و زاری سے ریش مبارک تر ہو جائے۔ نیز یہ عبدیت اور بشریت کا کمال ہے کہ خشوف و کسوف کے وقت آپ پر قہر الہی کا خوف طاری ہو جائے۔ اور نوافل شروع کر دیں۔ یہ بھی بشریت کا کمال ہے کہ آندھی آئے یا بارش حق تعالیٰ کے خوف سے لرزہ براندام ہو جائیں۔ یہ بھی آپ کی عبدیت و بشریت کا کمال ہے کہ سرور کائنات فخر موجودات اور باعث تخلیق کائنات ہونے کے باوجود آپ فاقہ کشی کریں اور ایک ایسی چھوٹی ٹیسی کچی کو ٹھٹھی میں زندگی لبر فرمادیں جس کی نہ چھت ہو نہ در نہ روازہ۔

یہ بھی آپ کی عبدیت کا کمال ہے کہ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" کے باوجود آپ کا معیار زندگی امت کے غریب ترین اور مفلس ترین افراد سے زیادہ بلند نہ ہونے پائے اور آپ علی الاعلان دنیا کو یہ سنہری سبق پڑھادیں کہ **لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ**۔ (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے)

یہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت اور بشریت کا کمال۔ انہوں نے کہ جن حضرات نے نور و بشر کے اختلاف سے دنیا میں شورش برپا کر رکھی ہے وہ نہ تو مقام نور کی حقیقت سے آگاہ ہیں نہ مقام عبدیت اور بشریت کو سمجھ سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام نور یعنی عروج و فنایت فی اللہ میں کمال تھا اسی طرح آپ کو مقام نزول یعنی بشریت اور عبدیت میں کمال حاصل تھا۔ دیگر مذاہب کے روحانی پیشواؤں کا کمال جہاں مقام فنا پر ختم ہو جاتا ہے۔ امت محمدیہ کے اولیاء کرام کا کمال مقام فنا سے گزر کر بقا باللہ اور عبدیت ہے جو بشریت کا دوسرا نام ہے۔ جہاں دوسرے مذاہب میں ارباب روحانیت



یعنی عیسائی اور یہودی راہب اور ہندو جوگی ساری عمر مقام فنا کے استغراق اور محویت میں رہ کر غاروں میں زندگیاں ختم کر دیتے ہیں اور بنی نوع انسان کے رنج و غم میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے اہل دنیا ان کو برا بھلا کہتی ہے۔ اولیائے اسلام اپنے محبوب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نقش قدم پر چلتے ہیں اور مقام فنا کے استغراق سے گزر کر مقام دوئی، کثرت، عبدیت اور شہریت پر واپس آتے ہیں۔ اس وقت وہ صفات الہی سے متصف ہونے کی وجہ سے نیابت اور خلافت الہیہ کے منصب جلیلہ سے سرفراز ہوتے ہیں اور خدمتِ خلق، ہدایتِ خلق وغیرہ کے فرائض انجام دینے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ مقام بقا باللہ اور عبدیت پر سب سے زیادہ مفصل اور معنی خیز شعر مرزا ابیدل کا ہے۔

ہم عمر با تو قدح زدیم و زلفت رنج خار ما  
چہ قیامتے کرنے سی ز کنار ما بکنار ما

اے محبوب ہم نے ساری عمر تیرے وصل کے پیمانے نوش کیے لیکن پھر بھی ہماری آتشِ عشق میں کمی نہیں آتی تو بھی عجب غضب ڈھا رہا ہے کہ میری آغوش سے میری آغوش میں نہیں آتا،  
**وصل میں ہجر** | یہ بھی شوق دیدار اور ذوق حضور ہے کہ وصل کے کسی مقام پر اس میں کمی نہیں آتی۔ بلند پایہ اولیاء اللہ کی یہی حالت ہوتی ہے کہ عین وصل میں ہجر محسوس کرتے ہیں۔ خواجہ غلام فرید فرماتے ہیں۔

جہاں خود قرب ہے دُوری اوتھاں کیا وصل و مہجوری

انانیت بھتی پوری ہے انسانوں تے رحمانوں

جہاں قرب بھی بعد بن چکا ہو وہاں ہجر و وصل بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس حالت میں کیا ہوتا ہے۔ عاشق کی طرف سے بھی اور معشوق کی طرف سے بھی انانیت کا زور ہوتا ہے،  
طرفین سے انانیت کے زور میں ہونے کا یہ مطلب ہے کہ سالک بیک وقت فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہوتا ہے اور فنا میں بھی استغراق اور سکرتی اور محویت کی بجائے نہ صرف ہوشیاری اور بیداری کا غلبہ رہتا ہے بلکہ آتشِ عشق اس طرح موجزن ہوتی ہے کہ سالک ہر آن اور ہر لحظہ **ہل من مزید** کے نعرے لگاتا رہتا ہے اس مقام کو حضرت خواجہ غلام فرید نے یوں بیان فرمایا ہے۔

توڑیں جو دریا نوشن ہن پڑ جو شش بھتی خاموش ہن

اسرار دے سرپوش ہن صامت رہن مارن نہ بک

اگرچہ عاشقان الہی شربتِ وصل کے پیمانے نہیں، صراحی نہیں، خم نہیں، دریا کے دریا نوش کر رہے ہوتے ہیں تاہم ان کا ظرف اس قدر بلند ہے کہ اس طوفان اور تلاطم کے عین وسط میں وہ خاموش اور پرسکون رہتے ہیں اور صلاح کی طرح انا الحق کے نعرے نہیں لگاتے،

## مقام عبدیت کا دوسرا راز

فنا فی اللہ اور قرب و وصل کے بلند مقامات سے نزول کر کے  
مقام عبدیت اور بشریت پر واپس آنے میں ایک راز تو قارئین

کو معلوم ہو گیا کہ مقررین بارگاہ کو محبوب ازلی اور مالک لم یزلی کے حضور میں ہجر و فراق اور عجز و نیاز اور بندگی زیادہ  
محبوب ہوتی ہے۔ اس میں دوسرا راز بھی ہے جو اسی طرح بہت اہم اور عمیق ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان حضرات  
کے قلوب میں آتش عشق اس قدر موجزن ہوتی ہے کہ قرب و وصال کی جتنی منازل طے کرتے ہیں اس  
سے وہ نہ مطمئن ہوتے ہیں نہ ان کے قلب کی آگ میں کوئی کمی آتی ہے بلکہ حسن ازلی اور جمال لم یزلی کے جلوے  
دیکھ دیکھ کر آتش عشق میں اور بھی اضافہ ہوتا ہے اور قرب کی اور منزل کی طرف پرواز کرتے ہیں جب وہاں  
پہنچتے ہیں تو اور منزل نظر آتی ہے جب وہاں پہنچتے ہیں تو اوپر اور منزل نظر آتی ہے۔ اب چونکہ ذات باری تعالیٰ  
بجز بیکراں کی طرح لا محدود ہے۔ منازل قرب بھی لا محدود ہیں۔ عشاق یہ منازل طے کرتے کرتے جان دے  
دیتے ہیں۔ لیکن نہایت کو نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ ذات حق کی نہایت ہی نہیں ہے۔ شیخ سعدیؒ نے اس حالت  
کو کس خوبی سے بیان کیا ہے۔

نہ حشیش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں  
بمیرد تشنہ مستقی و دریا ہچتاں باقی

حضرت مولانا نے رومؒ نے اس مضمون کو یوں ادا فرمایا ہے۔

دل آرام در بر دل آرام جو      ہچو مستقی تشنہ بر آب جوے  
نگویم کہ بر آب قادر نہ اند      کہ بر ساحل نیل مستقی اند

اس مقام کو سعدیؒ نے ایک اور شعر میں یوں بیان فرمایا ہے۔

عجب این نیست کہ من والہ و شیدا یم      عجب این است کہ من واصل و مجرم  
اسی مضمون کو خواجہ غلام فریدؒ نے ایک اور کافی میں یوں بیان فرمایا ہے۔

شدہ عکس در عکس این بن      کہفت بقا ہے بقا فنا

یعنی میری حالت میں دو دفعہ تغیر آیا ہے۔ ایک عکس یہ ہے کہ میری حالت فنا حالت بقا میں بدل گئی ہے،  
دوسرا تغیر یہ کہ حالت بقا، حالت فنا میں متبدل ہو گئی ہے۔

اب فنا کا بقا اور بقا کا فنا بن جانا ایسا مرحلہ ہے کہ غیر سا لکین کے لیے اس کا سمجھنا مشکل ہے۔ اول  
تو اچھے خاصے عالم و فاضل لوگ فنا کو نہیں سمجھ سکتے کہ کیا چیز ہے۔ پھر فنا کا بقا بن جانا اور بقا کا فنا بن جانا  
تو اور بھی مشکل پیدا کرتا ہے۔ بجز حال اس کا مختصر الفاظ میں مطلب یہ ہے کہ حالت فنا میں آتش عشق کا اس  
قدر غلبہ رہتا ہے کہ فنا، فنا نہیں رہتی بلکہ بقا یعنی عبدیت بن جاتی ہے جس کی وجہ سے قریب سے قریب تر

ہونے کے جذبات ہر وقت بھرے رہتے ہیں اور بقا کے فنا میں مبدل ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس طلب اور ذوق و شوق میں نہ صرف ہجر میں ہوتا ہے بلکہ وصال کی دولت سے بھی سرفراز رہتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے اس مقام کو جامعیت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جس میں بیک سالاک فنا فی اللہ بھی ہوتا ہے اور باقی باللہ بھی۔ واصل بھی ہوتا ہے اور ہجور بھی۔ قرب کے بھی مزے اڑاتا ہے اور آتش بعد اور ہجر میں جل کر رکھ بھی ہوتا رہتا ہے۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے ایک دفعہ اپنے شیخ حضرت باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت میں لکھا کہ اب میری حالت یہ ہے کہ قرب بھی بعد بن گیا ہے۔ یہ وہی مقام جامعیت ہے جہاں پہنچ کر سالاک واصل بھی ہوتا ہے اور ہجور بھی۔ کسی نے حضرت شیخ صدر الدین قزوینی سے اس رباعی کا مطلب دریافت کیا۔

صوفی چہ فغاں است من این الی این      بکس نکتہ عیاں است من العلم الی العین  
ما الحاصل فی البحر چہ پرسی سفرے کن      چوں نھنجر بچوے گوہر از مجمع بحرین

انہوں نے اس کے نیچے یہ لکھ دیا۔

تجدد نسبة جامعة بين الطرفين ظاهرة بالحكمين

قبل اس کے کہ میں اس رباعی کے معانی اور شعر کی عربی شرح کی شرح بیان کروں میں یہ واضح کر دوں کہ یہ رباعی اور اس کی عربی شرح میں نے حضرت خواجہ غلام فریدی کے مجموعہ ملفوظات موسوم بہ مقابیس المجالس میں دیکھی۔ چونکہ ان ملفوظات کا میں ترجمہ کر رہا تھا۔ میں نے رباعی کی شرح اور عربی شرح کی شرح کر تو دی۔ لیکن اطمینان قلب نہیں ہو رہا تھا۔ خیال تھا کہ ممکن ہے کوئی بندہ کامل اس سے بہتر مطالب بیان کر دے۔ اس غرض سے میں پاکستان بھر کے صوفیاء و مشائخ سے تبادلہ خیال کیا لیکن تشفی نہ ہوئی۔ کسی نے لاہور کے ایک مشہور صوفی بزرگ کا پتہ بتایا۔ ان کی خدمت میں عرض کیا تو انہوں نے ان اشعار کا لفظی ترجمہ تو بیان کر دیا۔ لیکن تشریح نہ فرمائی۔ جس سے میری تشفی نہ ہوئی۔ اسی سال حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی تو مدینہ منورہ میں ایک صوفی بزرگ سے ملاقات ہوئی جو برصغیر سے تعلق رکھتے تھے لیکن ستر اسی سال سے مدینہ منورہ میں مقیم تھے۔ جب ان کی خدمت میں رباعی پیش کی تو آپ نے اُسے غور سے پڑھا اور پڑھ کر فرمایا کہ۔

”یہ کسی صاحب حال کا کلام معلوم ہوتا ہے کوئی صاحب حال ہی اس کے معنی بتا سکے گا۔ مجھے اس کے معنی نہیں آتے۔“

اتنے بڑے شیخ سے یہ جواب سن کر میرے پاؤں کے نیچے سے زمین ٹکلتی ہوئی معلوم ہوئی اور حیرانگی کے عالم میں دل میں طرح طرح کے خیالات اور سوالات پیدا ہو رہے تھے۔ آخر میں میں نے عرض کیا کہ حضور ان اشعار کے اس اجتر نے بھی مطالب لکھے ہیں اگر اجازت ہو تو پیش کروں۔ فرمایا ہاں ہاں ضرور

بتائے۔ جب میں نے بیان کیا تو آپ بہت محفوظ ہوئے اور فرمایا کہ بہت اچھے معانی نکالے ہیں اس کے بعد آپ نے بھی مثنوی اور دیوان حافظ وغیرہ سے کچھ اشعار سنائے۔ میری جھجک بھی اتر گئی۔ میں نے بھی چیدہ چیدہ اشعار عرض کیے جس سے آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ "آج آپ نے مجھے جگا دیا ہے" اور فرمایا کہ آپ ضرور یہاں آیا کریں۔ اس سے تیسرے سال جب حج نصیب ہوا اور آپ کے دولت خانہ پر حاضری دی تو معلوم ہوا کہ آپ کا وصال ہو چکا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ بعد میں معلوم ہوا کہ انہوں نے روضۃ اطہر نبوی پر حاضری دینا اس لیے ترک کر دیا تھا کہ وہاں غیر مقلدوں کا تسلط ہے۔ اب ان اشعار کی شرح جو مقابلیں المجالس کے ترجمے میں لکھی گئی ہے اور جسے اُن بزرگ نے پسند فرمایا۔ قارئین کرام کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اب بھی گزارش ہے کہ اگر اس سے بہتر شرح کسی بندۂ مومن کے ذہن میں ہو تو اس سے اللہ آگاہ فرمادیں۔

صوفی چہ فغان است من این الی این

اس کا مطلب یہ ہے کہ اے صوفی تو جو یہ سوال کر رہا ہے کہ جب ذات حق پر جگہ موجود ہے تو سیر الی اللہ اور سیر من اللہ کا کیا مطلب ہوا۔ اور یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ فلاں حق تک پہنچ گیا۔ یہ سفر کہاں سے آیا۔ اس سوال کا جواب شاعر خود اگلے تین مصرعوں میں دیتا ہے:

"کیں نکتہ عیناں است من لعلم الی العین"

یعنی یہ سیر الی اللہ (اللہ تک پہنچنا) سفر مکانی نہیں بلکہ علمی اور عرفانی ہے۔ مطلب یہ کہ جب سالک علم الیقین سے بڑھ کر عین الیقین تک پہنچتا ہے یعنی اس کا ایمان صرف تقلیدی نہیں رہتا بلکہ تصدیقی اور تحقیقی ہو جاتا ہے اور اپنی آنکھوں سے ذات حق کا مشاہدہ کرتا ہے (آنکھوں سے مراد ستر کی آنکھیں ہیں نہ کہ سر کی)

ما الحاصل فی البحر پر سی سفرے کن چوں خضر بچوتے گوہر از مجمع بحرین

یعنی تو یہ کیوں پوچھتا ہے کہ سمندر کے سفر سے کیا حاصل ہوگا بلکہ عملاً سفر کر اور خضر کی طرح تمہیں بھی گوہر مقصود مجمع البحرین سے مل جائے گا۔ مجمع البحرین سے مراد دو بحر ہیں ایک سالک کی روح اور دوسری مالک کی روح۔ یعنی جب سالک کی روح کو ذات حق میں فنا حاصل ہوتی ہے تو گوہر مقصود خود بخود مل جاتا ہے اس مقام سے مراد مقام جامعیت ہے یعنی سالک بیک وقت فانی فی اللہ بھی ہوتا ہے اور باقی باللہ بھی۔ اس رباعی کی شرح میں حضرت شیخ صدر الدین قزوئی نے یہ فرمایا:

تجدد نسبة جامعیت بین الطرفين ظاهرة بالحکمین

یعنی نسبت جامعیت یا مقام جامعیت کا قائم کرنا مقصود ہے جس میں حکمین شامل ہوں یعنی حکم حقیقت بھی

اور حکم مجاز بھی حکم حقیقت کی رو سے بندہ فانی فی اللہ ہو جائے اور حکم مجاز کی رو سے مقام دوئی، کثرت اور شہادت پر واپس آکر باقی باللہ ہو جائے اور عین وصال میں ہجر کے مزے اڑائے۔

دیگر خصوصیات بقا باللہ

مقام بقا باللہ کی مندرجہ بالا خصوصیات کے علاوہ بہت اور خصوصیات ہیں۔ یہ اسی مقام کی خصوصیت ہے کہ سالک کا حقہ مرد مومن اور

انسان کامل کے لقب سے ملقب ہوتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں عاشق و معشوق، محب اور محبوب کے درمیان نہایت ہی دلچسپ اور پر کیفیت سلسلہ راز و نیاز شروع ہوتا ہے، یہ وہ مقام ہے کہ جہاں مومن کے ایمان کی آزمائش ہوتی ہے، جہاں اُس کی ہمت ایمان اور یقین پر رکھا جاتا ہے۔ یہاں پر اس پر گونا گوں اور بوقلموں انوار و تجلیات کی بارش ہوتی ہے۔ جہاں کبھی تو اس پر قوس ابرو سے تیرمتر گاں چلا کر اس کے قلب و جگر کو چھلنی بنایا جاتا ہے اور کبھی لب لعل کی شربت روح افزا سے اس پر نوازشات کی بارش کی جاتی ہے اس مقام پر کبھی عاشق کے لینے شمع پر روانہ اور گل و بلبل کی داستانیں دہرائی جاتی ہیں تو کبھی اُسے نظر عنایت سے نوازا جاتا ہے۔ کبھی پردہ چہرے سے اٹھا کر اُسے جن عالم سوز کے جلوؤں سے مشرف کیا جاتا ہے تو کبھی اُسے آتش ہجر و فراق میں ڈال کر خاکستر بنایا جاتا ہے۔ اسی مقام پر عابد، معبود اور عاشق و معشوق کے مابین ایسا سلسلہ کلام جاری ہوتا ہے جس میں ہزاروں لاکھوں حقائق و معارف بیان کیے جاتے ہیں اور کئی قسم کی تجلیات سے سالک کی تواضع کی جاتی ہے۔ لیلے اور مجنوں، شیریں اور فرہاد، ہیر اور رانجھا، سستی اور پنول، دامن اور غدر کی داستانیں کیا ہیں جن حقیقی اور عشق حقیقی کی مجازی مثالیں ہیں جن سے شاعروں کی شاعری نکتہ و رو کی سخن سنجی اور تمام فنون لطیفہ کی آفرینش کا آغاز ہوتا ہے۔

گر عشق نبودے و غم عشق نبودے چندیں سخن نگر کہ گفتے کہ شنیدے

یہ سب اسی مقام بقا باللہ کے کرشمے ہیں کہ جس سے شعر و سخن کے بلند و بالا حقائق سے دنیا مالا مال ہوتی ہے یہ اسی مقام کا نتیجہ ہے کہ راگ و رنگ وجود میں آیا ہے اور عشاق ازل کے محبوب حقیقی کے ساتھ گونا گوں اور بوقلموں اسرار و رموز کھل کر دنیا کے سامنے آتے اور جن ازل کی رعنائیوں اور دلنریبیوں سے خلق خدا آگاہ ہوتی یہ وہ مقام ہے جہاں انسان فنا کی سرستیوں سے نکل کر ہوش میں آتا ہے اور کام کا آدمی بنتا ہے۔ اللہ کے صفات مقدسہ سے متصف کیا جاتا ہے اور خلافتِ ارضی کا تاج اس کے سر پر رکھ کر تکوینی تعلیمی اور تادیبی امور کا اُسے منبع و مصدر بنایا جاتا ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں پر انسان صحیح معنوں میں اشرف المخلوقات کے زلیور سے مزین ہو کر کائنات پر حکومت کرتا ہے۔ اسی مقام پر انسان کو حقیقت الاشیاء آگاہ کیا جاتا ہے اور تمام علوم و فنون، فلسفہ اور سائنس کی راہیں اس پر کھلتی ہیں اور حقائق و معارف کے چشمے چھوٹتے تھے۔

بقابل اللہ وہ مقام ہے جہاں عشاق الہی کی آزمائش ہوتی ہے۔ ان کا ایمان پرکھا جاتا ہے۔ ان پر کبھی تو نوازشات کی بارش ہوتی ہے کبھی ناز و انداز کی بجلیاں گراتی جاتی ہیں۔ کبھی عشوے و غمغزے دکھا کر انہیں نیم جان کیا جاتا ہے اور تیر مژگان اور تیغ ابرو سے ان کی تواضع کی جاتی ہے اور کبھی چشم زکس لب شیریں سے ان کو شاد کام کیا جاتا ہے، کبھی جاہ و جلال کی بجلیاں گراتی جاتی ہیں تو کبھی حسن و جمال کے کشتوں سے سرشار کیا جاتا ہے۔ کبھی ہجر و فراق کے تیر برسائے جاتے ہیں تو کبھی شربت وصل سے سیراب کیا جاتا ہے۔ کبھی زلف سیاہ کے پھندوں میں گرفتار کیا جاتا ہے تو کبھی رخ انوری کی ضیا باریوں سے ان کے قلب و جان کو زندہ کیا جاتا ہے۔ کبھی بعد سے آزمایا جاتا ہے۔ کبھی قرب سے نوازا جاتا ہے۔ کبھی بیخودی، استغراق اور محویت میں مست کیا جاتا ہے تو کبھی خوف و ہیبت کی آگ میں جلایا جاتا ہے۔ کبھی بلب کی طرح رونے گل پر شمار ہونے کی دعوت دی جاتی ہے تو کبھی شمع حسن پر پروانہ دار جلایا جاتا ہے۔ رخصتیکہ محبوب حقیقی کے ناز و انداز عشوے و غمغزے بدلتے رہتے ہیں اور عاشق صادق ہر حال میں خوش و خرم رہتا ہے۔ اس لیے کہ دوست کا جلال اور جمال دونوں محبوب ہیں۔ قرب میں وہ صفت جلال کا مشاہدہ کرتے ہیں اور بعد میں جمال کا اور کبھی اس کے برعکس معاملہ ہوتا ہے۔ ان کی گریہ و زاری، ان کے غم و اندوہ، ان کے ہجر و فراق، ان کے وصل و نسیب، ان کے ذوق و شوق، ان کے شعر و سخن، ان کے وجد و حال، ان کے رقص و دھمال، ان کے علم و دانش، ان کی جدوجہد، ان کی کاوشوں، قربانیوں، جاں نثاریوں کا مرجع، ان کا منجا، ان کا لجا، ان کا مادی، ان کی جان، ان کی عزت، ان کی شان، ان کی آن، ان کی بان، ان کے دین، ان کے ایمان، ان کے دھرم، ان کے بھرم، ان کے شرم، ان کے زہد، ان کے تقویٰ، ان کے حج، ان کی زکوٰۃ، ان کے صوم، ان کی صلوٰۃ، ان کے جہاد، ان کی زندگی اور ان کی موت کا مقصد و مدعا، غرض و غایت محبوب حقیقی کی رضا ہوتی ہے۔ عراقی نے خوب کہا ہے۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغیت ہر دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی

امیر خسرو فرماتے ہیں۔

ہر دو عالم قیمت خود گفستہ زخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

نیز فرمایا۔

از دل و دین چہ آوردم ہدیہ رونمائے تو

ایکے بر شان دلبری تو وہاں فدائے تو

سعدی فرماتے ہیں۔

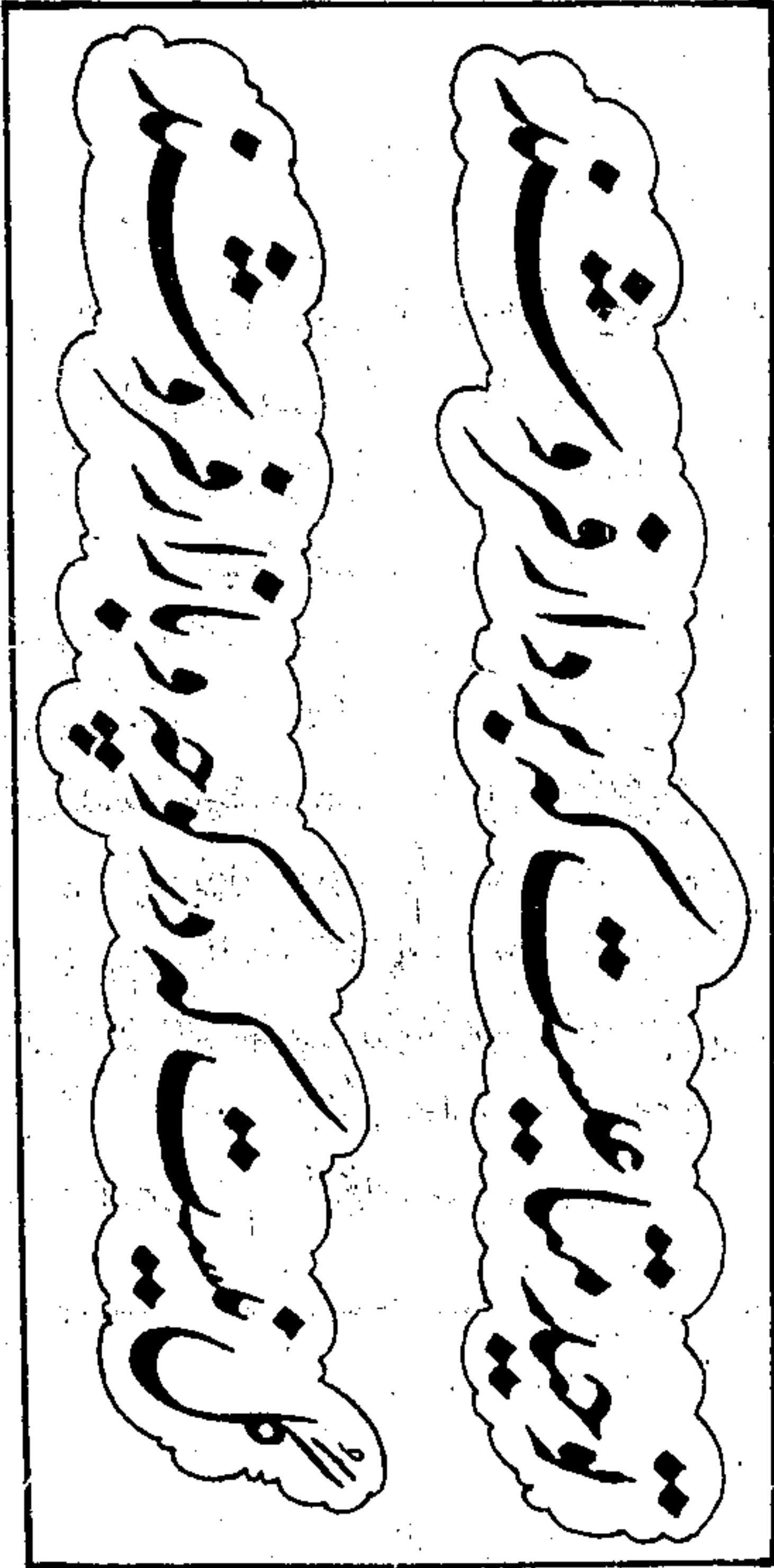
من چہ در پائے تو ریزم کہ سزائے تو بود۔ سرنہ چیزیت کے شائستہ پائے تو بود۔

ایک صاحب فرماتے ہیں :-  
 روزیکہ کہ مقدسان خاک کی مدفن      گردن باز سوار بر مرکب تن  
 آغشته بخون خویش، آلودہ کفن      از خاک میر کوئے تو خیزم من



خالص اسلامی تصوف کی مندرجہ بالا بیان کردہ حقیقت جان لینے کے بعد خواص تو کیا عام سطح کے لوگوں پر بھی یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ تصوف کے متعلق جو یہ الزامات لگائے جاتے ہیں کہ خلاف شرع ہے بعد کی اختراع ہے۔ اسلام کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہندو، عیسائی اور یونانی فلسفہ روحانیت کا مرہون منت ہے، جو دکھاتا ہے۔ سب کے سب سرسری بنیاد اور لغو نظر آتے ہیں۔ بلکہ جتنے یہ الزامات ہیں وہ اسلامی تصوف پر نہیں بلکہ عیسائی، ہندو، بدھ، یہودی اور یونانی تصوف MYSTICISM پر صادق آتے ہیں جو غیر ملکی حکمرانوں نے اسلام کو بدنام کرنے اور عیسائیت کی اسلام پر فوقیت ثابت کرنے کی خاطر یورپین مصنفین کے ذریعے اپنے سر سے اتار کر مسلمانوں کے سر پر پھینک دیئے ہیں۔ تاکہ مسلمانوں کے قلوب میں احساس کمتری پیدا ہو اور عیسائی اقوام کی برتری برقرار رہے اور مسلم اقوام پر ان کی حکومت قائم رہے۔ اگلے باب میں ہم ان الزامات کا مفصل جواب دیں گے اور غیر مسلم مصنفین کی ایسی قلم سے یہ بات ثابت کر کے دکھادیں گے کہ مسلمانوں نے ہندو اور عیسائی ارباب روحانیت کی نہیں بلکہ ہندو اور عیسائی ارباب روحانیت نے اولیائے اسلام کی خوش چینی کی ہے اور روحانیت کے میدان میں ان کو جو کچھ حاصل ہوا اسلام سے حاصل ہوا ہے اور صرفیا کرام اور مشائخ اسلام سے حاصل ہوا ہے۔







# تصوف

کائنات کے بنیاد الزامات اور ان کی حقیقت جو ابیات

انگلستان کے مشہور معرّفوں سکارلڈو ڈاکٹر ٹنگلسن اگرچہ اوائل عمر میں تصوف کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا تھے۔ تاہم بعد کی ریسرچ نے ان کو قائل کر دیا کہ تصوف قرآن اور سنت پر مبنی ہے۔ ان کے منہ سے اسی اوائل عمری کے ایام میں ایک بات نکل گئی جو پتے کی بات کہی جاسکتی ہے اور حقیقت پر مبنی ہے۔ مقدمہ دیوان شمس تبریزی میں وہ لکھتے ہیں۔

تصوف کے متعلق جس قدر مواد ہمارے ہاتھ آیا ہے وہ اس کا ماخذ معلوم کرنے کے لیے ناکافی ہے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ہمیں ناقابل تسخیر مشکلات کا سامنا ہے کیونکہ دو چیزوں میں باہمی مشابہت اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ ایک چیز دوسری کی پیداوار ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں چیزیں ایک ہی اصل سے پیدا ہو کر ایک دوسرے کے مشابہ ہوں۔ اگر ان دونوں چیزوں کا باہمی تعلق بھی ثابت ہو جائے تاہم یہ ثابت کرنا ناممکن ہے کہ ان میں کون مولد ہے اور کون مولود (یعنی کون باپ ہے اور کون بیٹا) ڈاکٹر ٹنگلسن کا یہ اہم قول تصوف کے خلاف عیسائی مصنفین کے ان بے بنیاد نظریات (THEORIES) پر کاری ضرب لگاتا ہے جو انہوں نے تصوف کی اصل (ماخذ) کے متعلق قائم کر رکھی ہیں۔ کیونکہ دنیا کے مختلف مذاہب کے روحانی نظاموں (MYSTICISMS) کے درمیان جو ناگزیر مشابہت پائی جاتی ہے اس کی بنا پر اہل مغرب نے ان کا باہمی تعلق تو دیکھا لیکن لاعلمی سے یا عیاری سے بیٹے کو باپ اور باپ کو بیٹا بنا دیا۔ لہذا ان یورپین مصنفین جن کو عرف عام میں مشرقین (ORIENTALISTS) کہا جاتا ہے بے پرکی اڑادی اور تصوف کے متعلق چار قسم کی قیاس آرائیاں قائم کر دیں۔ اول یہ کہ تصوف عیسائی فلسفہ روحانیت (MYSTICISM) کی پیداوار ہے۔ دوم یہ کہ ہندو فلسفہ روحانیت سے ماخوذ ہے۔ سوم یہ کہ تصوف بدھ فلسفہ روحانیت کی پیداوار ہے۔ چہارم یہ کہ تصوف یونانی اثرات یعنی (NEOPLATONISM) کا مہون منت ہے۔

## تضاد بیانی

اول تو یہ چاروں متضاد نظریات ایک دوسرے کی تردید کے لیے کافی ہیں کیوں کہ جن مصنف نے اپنی طرف سے پہلے نظریہ کو صحیح تصور کیا ہے اس کے نزدیک باقی تینوں نظریات غلط ہیں جس کے نزدیک دوسرا نظریہ صحیح ہے اس کے نزدیک پہلا تیسرا اور چوتھا نظریہ غلط ہے جس نے تیسرے نظریے کو صحیح قرار دیا ہے اس کے نزدیک پہلا دوسرا اور چوتھا نظریہ غلط ہے۔ علیٰ ہذا القیاس چاروں قسم کے مصنفین ان چاروں نظریات کو خود ہی غلط قرار دے کر ختم کر دیتے ہیں مستشرقین کے ان چار گروہوں کے علاوہ ایک اور گروہ بھی جو مندرجہ بالا چاروں نظریات کو غلط اور بے بنیاد قرار دیتا ہے اور تصوف کو قرآن اور سنت کی پیداوار ثابت کرتا ہے۔ اس گروہ کے سردار فرانس کے نامور سکالر ماسینیو (MASSIGNON) ہیں جو شیخ حسین ابن منصور حلاج پر یورپ میں اتھارٹی مانے جاتے ہیں اور انہوں نے سیکنڈ ہینڈ (SECOND HAND) تھرڈ ہینڈ (THIRD HAND) معلومات پر اکتفا کرتے ہوئے خود مسلم ممالک میں جا کر صوفیاء کرام سے ملاقاتیں کی ہیں اصل محظوظات دیکھے ہیں۔ اولیائے کرام کی زندگیوں کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ تصوف کا ماخذ قرآن اور سنت نبویؐ ہے۔ ان کی ریسرچ اس قدر مکمل اور ثبوت اس قدر قوی ہے کہ آج تک کسی یورپین سکالر کو انہیں چیلنج کرنے کی جرأت نہیں ہوئی بلکہ ماسینیو کے بعد باقی تمام مستشرقین کا رخ بھی بدل گیا ہے اور انہوں نے اب تصوف کو قرآن و حدیث کی پیداوار قرار دینا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ خود ڈاکٹر نکلسن جو اوائل عمر کی کتابوں میں تصوف پر عیسائی اور نوافسطونی (NEOPLATONIC) اثرات کے معتقد تھے اپنی آخر عمر کی کتاب آئیڈیا آف پرسنیلٹی آف گاڈ ان اسلام (Idea of Personality of God in Islam) میں تصوف کے متعلق یہ اعتراف کیا ہے:-

”علاوہ اس بات کے کہ تصوف کی ہر چیز کی جڑ قرآن اور سنت ہے اور تا وقتیکہ قرآن اور سنت کو نہ سمجھا جائے تصوف کو ہم نہیں سمجھ سکتے میں یہاں ایک اور بات کا اعتراف کرتا ہوں وہ بات جسے عام طور پر شک کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے یا اس کی تردید کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ محمدؐ خدا کے سچے پیغمبر ہیں اور ان کی وحی بالکل سچی ہے اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ اس حقیقت پر ساری اسلامی دنیا متفق ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس عقیدے کے

بغیر اسلام کی ساری تاریخ اس قدر شاندار نہ ہوتی جیسی کہ اب ہے۔“

اول تو اس بیان سے ڈاکٹر نکلسن مسلمان ہو گئے ہیں کیونکہ خدا کی ہستی کے تو پہلے ہی عیسائی لوگ

قائل ہیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق اور قرآن کو سچی وحی تسلیم کر کے ان کے ایمان میں شک و شبہ

کی گنجائش نہیں رہی۔ نیز آگے چل کر اسی کتاب میں وہ لکھتے ہیں :-

”لوگ خواہ کچھ کہیں قرآن میں بہت ایسی باتیں ہیں جو حقیقی معنوں میں تصوف کی بنیاد ہیں۔“

ہم مسلمانوں کو ان مستشرقین کی عقل و دانش اور تصوف کے خلاف مضحکہ خیز نظریات پر مبنی آتی ہے۔ حیرت

## ان الزامات کے خلاف مسلمانوں کا ردِ عمل

کی بات یہ ہے کہ تصوف کے متعلق ہندو اور عیسائی اربابِ روحانیت جو قدرے علم رکھتے ہیں تو کچھ نہ کہیں اور یہ نام نہاد مستشرقین خود ساختہ عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر ایک طرف فیصلے دیں کہ یہ بیرونی اثرات کی پیداوار ہے۔ حالانکہ روحانیت ایک باقاعدہ فن ہے جس کے متعلق راستے زنی کا حق سکالر لوگوں کو ہرگز نہیں پہنچتا، کیونکہ علمِ روحانیت ان کے علم، پیشہ اور قابلیت سے بالاتر ہے۔ سچ پوچھیں تو یہ لوگ مستشرقین

(ORIENTALISTS) کہلانے کا حق بھی نہیں رکھتے کیونکہ اس لفظ کے آخر میں جو حرف (IST) ہیں ان سے مراد ہے ماہرین فن ہیں اور یہ بات مانی منائی ہے کہ علمِ روحانیت کے ماہر سکالر نہیں بلکہ اربابِ

روحانیت ہوتے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ اسلامی تصوف تو بجائے خود مغربی تصوف Western Mysticism سے بھی یہ لوگ بے بہرہ ہیں کیونکہ اگر ان کو اپنے مذہب کے فلسفہ روحانیت کا ذرہ بھر بھی علم ہوتا تو تصوف کے متعلق ہرگز غلط فہمی کا شکار ہو کر یہ قلابازیاں نہ کھاتے۔ اربابِ روحانیت جانتے ہیں اور سکالر لوگ نہیں جانتے

کہ روحانی مشاہدات، باطنی ترقی اور اس کے تمام انوار و تجلیات، حقائق و معارف عارفین کی سالہا سال کی جدوجہد، عبادات، ریاضات اور مجاہداتِ شاقہ کا نتیجہ ہوتے ہیں اور گائے بکری یا گندم اور باجرہ کی طرح مارکیٹ سے حاصل نہیں کیے جاسکتے۔ یہ کہنا کہ روحانی ترقی دوسروں سے مستعار لی جاسکتی ہے۔ اتنا مضحکہ خیز ہے جتنا کوئی یہ کہنے کہ ایک پہلوان سے بات چیت کر کے اس سے جسمانی طاقت حاصل کی جاسکتی ہے یا علم طب کی کتابیں پڑھ کر آپ ڈاکٹر بن سکتے ہیں اور تیراکی کتابیں پڑھ کر آپ تیراک اور گھڑ سواری کی کتابیں پڑھ کر شہسوار بن سکتے ہیں۔

یہاں اگر مستشرقین تاریخ سے ثابت کر دیں کہ فلاں مسلمان صوفی نے فلاں عیسائی راہب کے سامنے زانو تیر کر کے علمِ روحانیت کی تربیت حاصل کی تو ہم ماننے کے لیے تیار ہیں۔ عیسائی مصنفین کا کہنا ہے ساری عیسائی دنیا میں کل ایک سو کے قریب اربابِ روحانیت Mystics ہو گزرے۔

ہیں جبکہ اسلامی دنیا میں ان کی تعداد لاکھوں سے بھی تجاوز کر گئی ہے۔ قیاس آرائیوں اور مفروضوں کی بجائے یہ نام نہاد مستشرقین یہ بات ثابت کرنے کی زحمت کیوں گوارا نہیں کرتے کہ فلاں مسلم صوفی نے فلاں

عیسائی راہب سے روحانی تربیت حاصل کی ہے۔ لیکن ان لوگوں کی تمام تصانیف استدلال اور حرج و تعدیل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تصوف پر عیسائی اور ہندو اثرات کی بجائے الٹا یہ بات ثابت ہوتی

ہے کہ ہندو اور عیسائی ارباب روحانیت اور فلسفہ روحانیت نے تصوفِ اسلام سے زبردست اثرات قبول کیے ہیں۔ ڈاکٹر نکلسن، آدبری، ماسینو، ولیم سٹوڈارڈ، اینیری شیل، وغیرہ جیسے منصف مزاج مصنفین نے اپنی ریسرچ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچادی ہے کہ تصوفِ قرآن و سنت پر مبنی ہے اور یہ کہ مغربی مصنفین نے یہ الزامات لگانے میں محض تعصب اور ثقافتی بددیانتی سے کام لیا ہے۔ لیکن ہم ان حضرات کے خلاف ایسے یہ الفاظ استعمال کرنے کی بجائے ان کے الزامات کو غلط فہمی پر محمول کرتے ہیں اور سطوٰ ذیل میں ہم ان غلط فہمیوں سے قارئین کو آگاہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ایک دوسرے کے خلاف شکوک و شبہات کی فضا ختم ہو جائے اور ہم سب مل کر الحاد اور لادینیت (Atheism) کے بڑھتے ہوئے طوفان کا مقابلہ کر سکیں۔

## تصوف کے متعلق غلط فہمیوں و جوہات

تصوف کے متعلق غلط فہمیوں کی پہلی وجہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق غلط فہمی ہے | اہل مغرب کی تصوف

کے خلاف پہلی غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ وہ عیسائی ہونے کے سبب سے اسلام کو خدا کا سچا مذہب اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا سچا نبی تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ لیکن ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جس مذہب کو وہ جھوٹا سمجھتے تھے اسی مذہب نے ایسے لاثانی ہیرے اور جواہرات پیدا کیے اور ایسے بے مثال اولیاءِ علماء، ہادی، مصلح، قانون دان، قانون ساز، تہذیب و تمدن کے علمبردار، فلاسفر، سائنسدان، مبلغ اور عہد ساز ارباب پیدا کیے جن کو دیکھ کر دنیا تنگ ہے اور دنیا کے تمام مورخین اور ارباب عقل و دانش اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ موجودہ علوم، فنون، تہذیب و تمدن اور سائنس کی بنیاد رکھنے والے اور اس کو پروان چڑھانے والے مسلمان ہی تھے۔ دراصل اسی عظیم الشان حقیقت کو چھپانے اور اسلام اور اکابرین اسلام کو بدنام کرنے میں ان کا مقصد یہ تھا کہ اسلام پر عیسائی مذہب کی برتری ثابت ہو اور اسلامی ممالک پر اقوامِ مغرب کی حکومت برقرار رہ سکے۔

مورخ ٹوائن بی کا اعتراف |

عضر حاضر کے مشہور و معروف مورخ پروفیسر ٹوائن بی TOYNBEE کہتے ہیں کہ چودھویں صدی عیسوی تک مسلمانوں کے عروج کا عالم تھا کہ سارے یورپ میں تناس کے کسی شعبہ میں مسلمانوں کے سوا کوئی پروفیسر نہیں ملتا تھا۔

## پروفیسر ہٹی کا اعتراف

عصر حاضر کے دوسرے مورخ پروفیسر فلپ ہٹی (HITTI)

لکھتے ہیں کہ جس زمانے میں مسلم سپین کے اندر شاندار محلات، عظیم الشان مساجد، باغات، کتب خانوں، پبلک حماموں اور سیرگاہوں سے شہر مزین تھے اور پکے کوچہ بازاروں اور سرکاری روشنی سے شہر جگمگا رہے تھے اس سے کئی صدیاں بعد لندن اور پیرس کی چاشت تھی کہ جب کوئی شخص اندھیری رات میں اپنے گھر کے دروازے سے باہر قدم رکھتا تو اپنے آپ کو گھٹنوں تک کیچڑ میں غرق پاتا تھا۔ فلسفہ کے میدان میں مسلمان فلاسفر اٹھے تو انہوں نے افلاطون اور ارسطو کو چیلنج کیا۔ اور اسلامی حقائق کی روشنی ان کی تصحیح کر کے دنیا کو حیران کیا کیونکہ اب تک اہل یونان کا منہ ساری دنیا مان چکی تھی اور کسی کو جرأت نہیں ہوتی کہ ان کی غلطی پکڑے اور مسلم فلاسفر پہلے لوگ ہیں جنہوں نے ان کے نظریات کو جھوٹا ثابت کیا۔ پروفیسر ہٹی لکھتے ہیں کہ :-

”مسلم ارباب دانش کی عظیم الشان کامیابی فلسفہ کے میدان میں تھی۔ انہوں نے نہ صرف یونانی فلسفہ کو باقی دنیا تک پہنچایا بلکہ انہوں نے اس سے بھی بڑا کام کیا۔ وہ یہ کہ انہوں نے مذہب اور عقل (Reason) کے مابین اور سائنس اور مذہب کے مابین صلح کرادی۔ مسلم سپین اور بغداد کے مسلم ارباب دانش کی یہ عظیم الشان فتح ہے کہ انہوں نے اپنے ان نئے ترقی پسندانہ نظریات سے اہل یورپ کو آگاہ کیا جس سے آگے چل کر سائنس اور فلسفہ کے میدان میں بڑے بڑے کارنامے رونما ہوتے اور یورپ پر جو دو تاریک DARK AGES صدیوں سے چھایا ہوا اس کا خاتمہ کر دیا۔“ مہٹری آف عرب میں آگے چل کر پروفیسر ہٹی لکھتے ہیں :-

”مسلم سپین میں بارہویں صدی سے زیادہ شاندار تھی، اس صدی کا آغاز ابو بکر باجہ سے ہوا جو AVEMPACE کے نام سے یورپ میں مشہور ہیں۔ ابو بکر باجہ بیک وقت فلاسفر بھی تھے سائنسدان بھی، طبیب بھی اور ماہر موسیقی بھی تھے اس کے ساتھ وہ ارسطو کے نقاد اور نکتہ چین بھی تھے۔ انہوں نے متعدد در سالہ جات میں پٹولی PTOLEMY کے نظریات کو چیلنج کیا ہے لیکن ان کی سب سے زیادہ اہم تصنیف بتدبیر المتوجد ہے جس میں انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ فلسفہ کا اصل نصب العین یہ ہے کہ انسان کی بتدریج تربیت سے اس کو ذات حق تک رسائی حاصل کر نیکی قابل بنایا جائے“

اس سے ظاہر ہے کہ اکابر اسلام نے کس طرح فلسفہ کو مسلمان کیا اور اسے حق تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ قرار دیا۔ چنانچہ اسلام کے تمام علوم و فنون کی غرض و غایت یہی ہے کہ خداوند عالم کی معرفت اور قرب حاصل ہو۔

## امام غزالی کی عظمت اہل مغرب کی نظر میں

امام غزالی کے متعلق پروفیسر ہٹی لکھتے ہیں:-

”ابوالحسن اشعری کے بعد امام غزالی آئے

جو بلاشبہ اسلام کے سب سے بڑے مبلغ اور مفکر تھے۔ غزالی نے زہد و تقویٰ سے زندگی

شروع کی اور جلد ہی تصوف تک پہنچ گئے۔ بارہ سال کی گوشہ نشینی میں ان کی شہرہ آفاق

تصنیف احیاء العلوم وجود میں اس کتاب کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اس میں

شریعت اور طریقت (تصوف) کی ہم آہنگی ثابت کی گئی ہے۔ اس کتاب سے یہودی اور عیسائی

علم الکلام (Scholasticism) زبردست طور پر متاثر ہوا اسی طرح ٹامس ایکوئی ناس

(Thomas Aquinas) اور پاسکل (Pascal) جن کا شمار اکابر عیسائی ارباب

علم روحانیت میں ہوتا ہے بھی بڑی حد تک متاثر ہوئے۔“

یاد رہے کہ ٹامس ایکوئی ناس یورپ کے مشہور و معروف روحانی پیشوا (MYSTIC) ہیں۔

ایک عیسائی مؤرخ کی اس تصدیق سے مستشرقین کے بے بنیاد نظریات سے نہ صرف یہ ثابت ہوتا

ہے کہ صوفیاء کرام پر عیسائی ارباب روحانیت کا کوئی اثر نہیں ہوا بلکہ الٹا یہ بات ثابت ہو جاتی ہے خود ٹامس

ایکوئی ناس جیسے نامور روحانی پیشوا نے مسلم صوفیاء کرام سے زبردست اثرات قبول کیے ہیں۔

پروفیسر ہٹی جیسے نامور مؤرخ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تصوف کی اصل قرآن و حدیث سے ہے۔ وہ

لکھتے ہیں:-

”اسلام کی دیگر تحریکات کی طرح تحریک تصوف بھی قرآن و حدیث پر مبنی ہے۔ مثلاً قرآن

کی آیات ۴: ۹۶-۹۷: ۹-۱۱۳: ۳۳-۴۷: ۳۳ جو حرص کی مذمت اور توکل علی اللہ کی تلقین میں

وارد ہوتی ہیں۔ صحیح معنوں میں تصوف کی حمایت کرتی ہیں اور ان سے انسان کا ہر وقت

حق تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہونا پاپا یا جاتا ہے۔ اسی طرح صوفیائے اسلام نے حدیث

نبوی کے باطنی معانی اور مفہوم کو بھی سمجھا۔“

پروفیسر آربری امام غزالی کو لوین خراج

تخصیص پیش کرتے ہیں:-

## امام غزالی کو پروفیسر آربری کا خراج تحسین

”الغزالی بڑے بلند پایہ صوفی اور ایک عظیم فلاسفر ہیں۔ اسی وجہ سے وہ حجة الاسلام

اور حلیہ الاسلام کے القاب سے ملقب ہوئے ہیں۔ اس قسم کے اکابرین اسلام

نے اسلامی فلسفہ اور اسلامی تصوف کی یورپ اور خاص طور پر ہسپانیہ میں بنیادیں مستحکم کیں۔

یہ امام غزالی کا کارنامہ ہے کہ انہوں نے اسلامی دنیا میں فلسفہ یونان پر ایک کاری ضرب

Executioner-in-Chief

لگائی اور فلاسفوں کے حق میں جلادِ اعظم

ثابت ہوئے۔ انہوں نے یہ حملہ اپنی کتاب تہافتہ الفلاسفہ کے ذریعے کیا

جس میں انہوں نے اپنے مخالفین کی بیس غلطیاں پکڑی ہیں۔

یورپ پر ابن عربی کے اثرات کے متعلق پروفیسر ہٹی لکھتے ہیں :-

"اسلامی تصوف (جس کے سب سے بڑے راہنما ابن عربی ہیں) کے اثرات نہ صرف

ایران اور ترکی میں اظہر من الشمس ہیں بلکہ سینٹ اگسٹائن

ST. AUGUSTINE کے متبعین مثل ڈن سکائس DUN SCOTUS اور روجر بیکن

ROGER BACON اور ریمانڈ لولی RAYMOUND LULLY بھی اس سے سخت متاثر ہوئے۔"

یاد رہے کہ عیسائی دنیا میں سینٹ اگسٹائن سب سے بڑے روحانی پیشوا مانے جاتے ہیں۔

جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ سینٹ اگسٹائن کے سلسلہ کے لوگوں پر ابن عربی

کے ذریعے اسلامی تصوف کے زبردست اثرات کا ایک عیسائی مؤرخ کی قلم سے ثابت ہونا بہت بڑی

بات ہے۔ قارئین کو یاد ہو گا کہ سطور بالا میں عیسائی دنیا کے دوسرے بڑے روحانی پیشوا سینٹ ایگونی ناس

پر بھی اسلامی تصوف سے متاثر ہونا تاریخ میں ثابت ہو چکا ہے۔

کتاب مذکورہ میں ہٹی نے بڑی تفصیل کے ساتھ ان واقعات کو درج کیا جن میں اسلامی تہذیب

تمدن سے اہل یورپ متاثر اور مرہون منت ہیں۔ اس تفصیل کی یہ کتاب حامل نہیں ہو سکتی۔ یہاں صرف

مختصر اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔

پروفیسر ہٹی لکھتے ہیں :-

"سپین پر اسلامی تسلط کی اوائل کی صدیوں میں اسلامی تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کا یہ عالم تھا

جیسا کہ علامہ مقری کے بیانات سے ظاہر ہے کہ اسلامی کلچر کا ایک طوفان مصر، عراق، شام،

ماورالنہر اور چین جسے اسلامی مراکز سے آگے کر اندلس کی سرزمین کو سیراب کر رہا تھا۔ مقری نے

ان تمام یورپی دانشوروں کی فہرست بنائی ہے جو ان ممالک میں جا کر اسلامی علوم و فنون کی تربیت حاصل

کر رہے تھے۔ یہ سیلاب اس قدر تیز تھا کہ اندلس کے بعد یورپ میں پہنچ گیا۔ یورپ میں اسلامی تمدن

کا سب سے بڑا مرکز تولادو Toledo تھا۔ یہی وہ مرکز تھا جہاں پراچہ بی شپ ریمانڈراول کے

اس کتاب کا انگریزی ترجمہ Incoherence of Philosophers کے نام سے پاکستان کی

انجمن فلاسفہ کی طرف سے چھپ چکا ہے جس میں فلسفہ یونان کی دھجیاں اڑادی گئی ہیں۔

ذریعے عربی علوم کے تراجم وجود میں آ رہے تھے۔ اور تمام یورپی ممالک سے دانشور کچھ کچھ کر وہاں پہنچ رہے تھے۔ جزائر برطانیہ سے یہ مشرف مائیکل سکاٹ MICHAEL SCOT اور رابرٹ چیسٹر ROBERT CHESTER کو حاصل ہوا جنہوں نے خوازمی کے الجبرا کا انگریزی میں سب سے پہلا ترجمہ کیا۔ اسلامی تہذیب و تمدن کے اثرات کی تفصیل پر وفسیر ہٹی سے کہیں زیادہ ہسٹورینز ہسٹری میں ملتی ہے۔ جو ضخیم پچیس جلدوں پر مشتمل ہے اور پاکستان کے بڑے بڑے کتب خانوں میں پائی جاتی ہے۔

اب جو حضرات صوفیائے اسلام پر یورپی اثرات کا مفروضہ پیش کرتے ہیں۔ ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ جب مغربی مورخین اور دانشور یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ اہل یورپ علم روحانیت اور دیگر علوم فنون اور سائنس کی موجودہ ترقی کے لیے اسلامی تہذیب و تمدن کے مرہونِ منت ہیں جو ایک عظیم دریا کی طرح یورپ کی طرف بہ رہا تھا۔ تو کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ اس دریا نے ایک دم اسی طرف بہنا شروع کر دیا تھا۔

دوسری بات جو معترضین بھول جاتے ہیں یہ ہے کہ مغربی مصنفین اور روحانی پیشواؤں کی زبردستی یہ بات تسلیم کرتی ہے کہ عیسائی نظام روحانیت Neo-Platonic اثرات کی پیداوار ہے۔ عیسائی دنیا میں سینٹ اگسٹائن سب سے بڑے روحانی پیشوا مانے جاتے ہیں۔ ان کے متعلق وارنن برک Vernon Bourke ان کی کتاب اعترافات CONFESSIONS کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:-

”سینٹ اگسٹائن سب سے بڑے روحانی پیشوا ہیں جو گناہ سے نکل کر روحانی عظمت تک اور کفر سے نکل کر ہدایت کی بلندیوں تک پہنچے۔ یہ وہ شخصیت ہے کہ جس نے اپنے زمانے کو روشن کرنے میں بہت بڑی شعل کا کام کیا اور آنے والی صدیوں کے لیے نہ صرف عیسائی مذہب بلکہ پورے مغربی تمدن کو زبردست تقویت پہنچائی۔“

اسی سینٹ اگسٹائن نے اپنی کتاب CONFESSIONS کے ساتویں باب میں اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ نیو افلاطونیت Neo-Platonism نے کس طرح ان کی پوری زندگی اور ذہنیت کو بدل ڈالا۔ ان کا کہنا ہے کہ:-

”اے میرے مولائے احسان ہے کہ تو نے مجھے پلوٹائس PLOTINUS کی تعلیمات سے آگاہ کیا۔“



یاد رہے کہ سکندریہ کے عظیم روحانی پیشوا پلوٹائس کی تعلیمات کو افلاطونیت  
NEO- PLATONISM کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اسی طرح برطانیہ کے ایک اور سکالر روفس جونز RUFUS JONES اپنی کتاب فلاورنگ  
آف مسٹی سیزم Flowering of Mysticism میں لکھتے ہیں:-

پلوٹائس حقیقی معنوں میں مغربی مسٹی سیزم کے پاپائے اعظم ہیں۔

اس کے علاوہ یورپ کے ایک اور نامور مصنف والٹر سٹیٹس Walter Stace اور کئی  
دیگر عیسائی سکالروں کا اعتراف ہے کہ عیسائی مذہب کا روحانیت سے کوئی تعلق  
Mysticism نہیں ہے۔

والٹر سٹیٹس لکھتے ہیں کہ:-

”ان وجوہات کی بنا پر ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ مسٹی سیزم کا عیسائی مذہب سے بنیادی  
طور پر کوئی تعلق نہیں۔ روحانی تعلیمات عیسائیت کا حصہ نہیں ہیں۔ مسٹی سیزم عیسائی مذہب  
میں بعد میں داخل ہوتی ہے اور نقصان دہ بھی ہے۔“

جب یہ بات ہے تو ہم تصوف کو عیسائی مسٹی سیزم کی پیداوار قرار دینے والے مستشرقین سے  
سوال کرتے ہیں کہ آیا منگتے سے بھی کوئی شخص بھیک مانگ سکتا ہے؟ کیا صوفیائے اسلام پر عیسائی  
مسٹی سیزم کے اثرات کے دعویٰ داروں کے بادبانوں میں اب بھی ہوا کا کوئی ذرہ باقی رہ جاتا ہے۔ کہ  
جس پر وہ اترتے پھریں۔ کیا عیسائی دانشوروں اور روحانی پیشواؤں کے ان بیانات سے تصوف پر  
بیرونی اثرات کی بے بنیاد عمارت دھڑام سے گر کر ریزہ ریزہ نہیں ہو جاتی۔ اندریں حالات جو لوگ  
صوفیاء کرام پر عیسائی روحانیت کی برتری کی بنا پر عیسائی مذہب کی اسلام پر برتری کی عمارت کھڑی کرنا چاہتے  
ہیں وہ عمارت بھی خود بخود ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔

اس پر طرفہ تماشا یہ کہ مغربی مصنفین عیسائی مسٹی سیزم کو جس نو افلاطونیت کی پیداوار قرار دیتے  
ہیں وہی نو افلاطونیت ان مصنفین کی نظر میں خود بیرونی یعنی ہندو اثرات کی پیداوار بتائی جاتی ہے۔

یک شد ووشد

والٹر سٹیٹس اپنی اسی کتاب میں لکھتے ہیں:-

پلوٹائس Plotinus کا اصل سرچشمہ ہندو مسٹی سیزم ہے لہذا وہ مغربی بھی ہے  
اور مشرقی بھی نو افلاطونیت نے تا حال نہ عیسائی مذہب اور عیسائی مسٹی سیزم کا رنگ قبول  
کیا ہے۔ اسلامی تصوف کا۔“

یہ بالکل صحیح ہے۔ نوافلاطونیت جیسا کہ ہم آگے چل کر تفصیل سے بیان کریں گے تصوف اور عیسائی مسیحی سزیم دونوں سے جداگانہ ہے۔ اس سے تصوف پر نوافلاطونی اثرات کی راجحی بھی خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان نام نہاد محققین کے نزدیک عیسائی مسیحی سزیم کی اصل نوافلاطونیت نہیں بلکہ ہندو مسیحی سزیم ٹھہری۔ ہم نے ان کو نام نہاد محققین اس لیے کہا ہے کہ ہندو مسیحی سزیم خود عیسائی روحانیت اور نوافلاطونیت سے بالکل مختلف چیز ہے اور جیسا کہ ہم آگے چل کر انکشاف کرنے والے ہیں ہندو مسیحی سزیم دراصل اسلامی تصوف کی مرہون منت ہے۔ ہندو مسیحی سزیم کی پوری بنیاد اس کا نظریہ تنازعہ (آداگون) ہے جس پر تصوف کا اعتقاد ہے نہ عیسائی مسیحی سزیم کا۔

ملاحظہ ہو والٹر سٹیس کا بیان :-

”اُنٹیشد کے علمبرداروں کا عقیدہ یہ ہے کہ جب ایک شخص کی روح برہمن میں فنا ہو کر قرار پکڑ لیتی ہے تو بار بار پیدا ہونے کے چکر سے چھوٹ جاتی ہے“

یہ ہندو مسیحی سزیم کا نظریہ تنازعہ ہے جو نہ نوافلاطونیت میں پایا جاتا ہے نہ عیسائیت میں اسلام میں

تصوف کے متعلق مستشرقین کی غلط فہمی کی دوسری وجہ وہ لفظی مشابہت ہے جو مختلف مذاہب کے

### تصوف کے متعلق غلط فہمی کی دوسری وجہ

روحانی پیشواؤں کے بیانات میں پائی جاتی ہے۔ پروفیسر آربری اس قسم کے الزامات کو یوں ختم کر دیتے ہیں

”قرآن متعدد مقامات پر اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ محمد پر جو وحی نازل ہوئی ہے

وہ گزشتہ انبیائے کی وحی کی تصدیق کرتی ہے۔ لہذا اگر اسلام اور عیسائیت کی تعلیمات

اور عقائد میں کوئی مشابہت نہ ہوتی تو قابل اعتراض بات یہی عدم مشابہت ہوتی (نہ

کہ مشابہت) اور حقیقت یہ ہے کہ دونوں مذاہب کے نظام اخلاقیات اور عبادات بے حد

یکساں ہیں۔ اگرچہ عبادت کے طریقے مختلف ہیں۔ حقیقت ایک ہے اور نہ قابل تقسیم ہے

لہذا دونوں مذاہب کے درمیان اصولی طور پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن افسوس ہے

کہ بہت سے مستشرقین نے اس حقیقت کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور اس بات کو ثابت

کرنے پر زور لگایا ہے کہ اسلام کے اندر جو بھی اچھی چیز وہ باہر سے آئی لہذا اس کا کوئی نہ

کوئی غیر اسلامی ماخذ تلاش کیا جائے۔ یہ دیکھنا ہرگز ثقافت نہیں ہے بلکہ بدترین مذہبی

تعصب ہے۔“

اس لفظی مشابہت کے متعلق حضرت شاہ شہید اللہ جو انگلستان کے معزز خاندان

سے تعلق رکھتے ہیں لوائس جامی کے ترجمہ و تفسیر WHINFIELD کی اشاعت ثانی

مطبوعہ المعارف لاہور کے مقدمہ میں لکھتے ہیں :-

”لوائح جامی کے مترجم نے مقدمہ کتاب میں سارا زور یہ بات ثابت کرنے پر صرف کیا ہے کہ صوفیائے کا نظریہ وحدت الوجود نو افلاطونیت کا مرہون منت ہے۔ نو افلاطونیت سے ان کی مراد پلوٹائمنس کی روحانی تعلیمات ہیں جو سکندریہ کا رہنے والا تھا اور تیسری صدی عیسوی میں ہو گزرا ہے۔ حالانکہ ہم پہلے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ صوفیاء کرام کا وحدت الوجود کسی منطقی استدلال کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ ان کے زبردست روحانی مشاہدات کا نتیجہ ہے جیسا کہ مترجم ڈاکٹر ولفیلڈ نے کہا ہے خود پلوٹائمنس Plotinus نے جب خداوند تعالیٰ تک رسائی کا طریقہ اہل مشرق سے سیکھا اُسے اس قسم کا مشاہدہ ہوا پلوٹائمنس نے اپنی کتابوں میں اپنے مشاہدات کو ایسے الفاظ میں بیان کیا ہے جو صوفیاء اسلام کے الفاظ سے مشابہت رکھتے ہیں نہ کہ بعینہ وہی الفاظ ہیں۔ اس قسم کی مشابہت تو ہندو نظریہ ویدانت اور چینی فتواز میں بھی پائی جاتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان حضرات کے الفاظ میں یہ مشابہت اس لیے پائی جاتی ہے کہ ان کے اندرونی یعنی باطنی واردات میں مشابہت ہوتی ہے۔ وہ واردات جن کو یہ حضرات انسانی زبان میں ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں لینے اور دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ذاتی باطنی مشاہدات ایسی چیز نہیں جو کسی سے استعاری جاتے۔ اس سے زیادہ لغوبات کوئی نہیں ہو سکتی۔ ہاں جو چیز استعاری جاسکتی ہے وہ ایسے الفاظ یا اصطلاحات ہیں جو یہ حضرات اپنی اندرونی واردات بیان کرنے کے لیے ایک دوسرے سے لیتے ہیں لیکن اس لینے دینے کے معاملہ میں بھی احتیاط کی ضرورت ہے بعض الفاظ ایسے ہیں جو ہر انسان فطرتاً استعمال کرنے پر مجبور ہوتا ہے خواہ کسی دوسرے سے سُننے یا نہ سُننے۔

مثلاً علم کے لیے روشنی اور جہل کے لیے تاریکی جیسے الفاظ ہر زمانے میں ہر شخص استعمال کرتا آیا ہے۔ یہ کہنا کہ سب سے پہلے ان الفاظ کو افلاطون نے بیان کیا اس لیے اس کے بعد جس شخص نے علم کو روشنی اور جہل کو تاریکی کہا وہ افلاطون کا مرہون منت ہے حد درجہ کی بیٹ دھرمی اور انسانی عقل کی تاریخ کی تکذیب ہے۔ کیونکہ یہ کہنا بے شکل ہے کہ آیا یہ الفاظ کسی سے استعاری لیے گئے ہیں یا کسی کی اپنی ذہنی قابلیت کی پیداوار ہیں۔ مجبور حقیقی کی محبت کو مجبوران مجازی کی محبت کے الفاظ میں اور ذات حق کو مجبور مجراں یا زو جانی محبت کو شراب کے نشہ سے تشبیہ دینا ہر انسان کا فطرتی تقاضا ہے اور

اس سے لینے دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

لہذا جب ایک صوفی دیکھتا ہے کہ پلوٹائٹس Plotinus یا ڈونسیس یوس DIONYSIUS یا اپنیٹس کے مصنف یا چینی طاؤ TAO نے اپنی کسی ایسی ٹھانی کیفیت کو چند الفاظ میں بیان کیا جو اس صوفی پر بھی طاری ہے۔ تو یہ بات اس کھلیے کوئی نئی چیز نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ اپنی کیفیت کو ان کے الفاظ میں بیان کرنا تو بہن سمجھتا ہے۔ بات یہ ہے کہ عربوں کی فتوحات کے زمانے میں یونانی تمدن کے مرکز مثلاً شام، ایشائے کوچک اور مصر پر ان کا قبضہ ہوا تو انہوں نے دیکھا وہاں کچھ فلسفہ کی اصطلاحات موجود تھیں۔ جب انہوں نے یونانی فلسفہ کی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا تو ان اصطلاحات کو انہوں نے اپنی مخصوص اسلامی فلسفہ کی تصانیف میں بھی استعمال کیا۔ ان تصانیف میں انہوں نے نہ صرف یونانی فلسفہ کو دہرایا بلکہ انہوں نے اسلامی عقائد و اصول پر مبنی فلسفہ کی اپنی ایک ایسی شاندار عمارت تعمیر کی جو گہرائی اور وسعت میں یونانی فلسفہ سے کئی درجے بڑھ چڑھ کر تھی۔ اس عمل سے یونانی فلسفہ کی کچھ اصطلاحات اسلامی علم الکلام کا جزو بن گئیں جو بعد میں آنے والے مسلم مصنفین اپنے نظریات اور مسائل بیان کرنے میں استعمال کرتے چلے آئے۔ اس کی ایک جیتی جاگتی مثال یہ ہے کہ میں نے اپنے ایک مضمون میں عیسائی علم الکلام کی اصطلاحات مثل IMMANENCE اور TRANSCENDENCE کو اسلامی تصور وحدت الوجود بیان کرنے کے لیے استعمال کیا ہے لیکن ان اصطلاحات کو استعمال کرنے سے میں عیسائی مذہب کا پیروکار نہیں بن جاتا اور نہ ہی عیسائی مذہب سے متاثر ہونے کا مجھ پر الزام عائد ہو سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان اصطلاحات سے میں وہ معانی بھی نہیں لے سکتا جو عیسائیوں نے لیے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ اصطلاحات میدان میں موجود ہیں اور عام فہم ہیں۔ نئی اصطلاحات بنانے کی بجائے ان مروجہ اصطلاحات کو استعمال کرنا زیادہ آسان ہے۔ کیونکہ قارئین ان اصطلاحات سے پہلے ہی سے آگاہ ہو سکتے ہیں اور ان کے ذہن آسانی سے ان کو قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے صاف طور پر بیان کر دیا ہے۔ روحانی دنیا کا ہر مشاہدہ اپنی نوعیت کا علیحدہ ہوتا ہے خواہ اسے کن الفاظ کا جامہ پہنایا جائے۔ لہذا مشابہت الفاظ کی بھی حد سے کچھ تان کی ضرورت نہیں ہے۔ اس بارے میں صوفیاء اسلام نے اپنے مشاہدات بیان کرنے میں جو بنیادی اصطلاحات استعمال کی ہیں وہ

قرآنی ہیں۔ مثلاً فنار، بقار، تجلی، احدیت، واحدیت، حق وغیرہ۔ سچ بات تو یہ ہے کہ روحانی مشاہدات کو انسانی زبان میں بیان کرنا ہی محال ہے۔  
ختم ہوا حضرت شاہ شہید اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان۔

غلط، فہمی کی تیسری وجہ

تصوف کے متعلق مستشرقین کی غلط فہمی کی تیسری وجہ بلکہ سب سے بڑی وجہ صوفیاء اسلام کا عقیدہ وحدت الوجود ہے۔ پروفیسر آربری نے نہایت فاضلانہ طور پر اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ صوفیوں کو سمجھنے کیلئے ایک ریسرچ سکالر کو خود بھی قدرے صوفی ہونا چاہیے۔ چونکہ وحدت الوجود کی حقیقت صوفی پر اس وقت منکشف ہوتی ہے جب اس کی فتانی اللہ جیسے بلند ترین مراتب تک رسائی ہوتی ہے اور فتانی اللہ کے بلند ترین مدارج تک اس وقت رسائی حاصل ہوتی ہے جب عبادات و ریاضات کے ذریعے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب حاصل ہوتا ہے۔ ظاہری علم والے ریسرچ سکالروں کے لیے اس کا سمجھنا ناممکن ہے۔ لیکن جب سکالر لوگ اس گھنڈ میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ وہ صوفیائے کرام کے حقائق و معارف کو سمجھ سکتے ہیں لیکن ان کو صوفیاء کرام کے ناقابل بیان روحانی مشاہدہ کا سامنا ہوتا ہے تو بے بس ہو کر وہ شکوک و شبہات، بے بنیاد مفروضہ جات اور غلط تخیلات کی ایسی بھول بھلیاں پیدا کر دیتے ہیں جس سے نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔

جب صوفیائے اسلام اپنے وحدت الوجود کے مشاہدات بیان کرتے ہیں تو مستشرقین فوراً ان پر حملہ کرنے کے انہیں خارج از اسلام کر دیتے ہیں اور یہ بے بنیاد دعوے کرنے لگ جاتے ہیں کہ یہ صوفی لوگ عیسائی ہو گئے تھے، ہندو ہو گئے تھے یا نوافلاطونیت NEOPATONISM کا شکار ہو گئے تھے۔ کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ صوفیوں کا نظریہ وحدت الوجود اسلام کے نظریہ توحید Monotheism کے خلاف ہے۔ لیکن ان کو معلوم نہیں کہ خالص اسلامی نظریہ وحدت الوجود اور خالص اسلامی نظریہ توحید کے مابین کوئی نزاع یا مخالفت نہیں ہے۔ جس قسم کا نظریہ وحدت الوجود اسلامی نظریہ توحید کے خلاف ہے وہ ہندوانہ ہمہ اوست اور عیسائیوں کا ہمہ اوست PANTHEISM ہے۔ اسلامی وحدت الوجود اور اسلامی توحید MONOTHEISM کے درمیان اختلاف نہیں ہے۔ ہندوانہ نظریہ ہمہ اوست یہ ہے کہ وہ ایک خدا کو بھی مانتے ہیں اور اس کے ساتھ سینکڑوں خداؤں کی پرستش روار کھتے ہیں اور رام اور کرشن کو بھی خدا سمجھتے ہیں عیسائیوں کا نظریہ ہمہ اوست Pantheism یہ ہے کہ وہ ایک خدا کے قابل ہوتے ہوئے تشلیث یعنی تین خداؤں کے بھی معتقد ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی خدا مانتے ہیں۔ لہذا اگر کوئی نظریہ وحدت الوجود اسلامی نظریہ توحید کے

خلاف ہے تو وہ ہندوؤں اور عیسائیوں کا نظریہ وحدت الوجود Pantheism ہے نہ کہ اسلامی نظریہ وحدت الوجود جو اسلامی نظریہ توحید کے عین مطابق ہے۔

اب ہم نے یہ دیکھا ہے کہ اسلامی نظریہ وحدت الوجود اسلامی نظریہ وحدت الوجود اور نظریہ توحید

کس طرح اسلامی نظریہ توحید MONOTHEISM

کے مطابق ہے۔ یہ درست ہے کہ اسلام ایک خدا کا قائل ہے لیکن اسلام کا ایک خدا عیسائیوں کے ایک خدا کی طرح نہیں جو کائنات کے کسی کو نے میں عرش پر بیٹھا ہوا ہے۔ علمی دنیا میں اس قسم کے عقیدے کو انسان نما خدائی نظریہ ANTHROPOMORPHISM کہتے ہیں۔ جس سے نظریہ تجسیم یعنی حق تعالیٰ کا جسم ہونا لازم آتا ہے جو اسلامی عقائد کی رو سے کفر ہے۔ اس عقیدے سے ذات باری تعالیٰ محدود ہو جاتی ہے اور حق تعالیٰ کو محدود سمجھنا کفر ہے۔ خدا تعالیٰ ذات و صفات دونوں میں لا محدود ہے معلوم ہوتا ہے کہ عرش پر مقیم ہونے کا شبہ آیت ذیل سے ہوا ہے۔ الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰی وَاللّٰهُ اَبْنٰهُ اسْمِ الرَّحْمٰنِ سے عرش پر مقیم ہے، لیکن عرش و کرسی کے متعلق دیگر آیات قرآنی میں جو وضاحت آتی ہے اس سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ مثلاً آیت الکرسی جیسی اہم اور مشہور آیت میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (اس کے عرش اور کرسی میں ساری کائنات شامل ہے) اب جبکہ حق تعالیٰ کا عرش ساری کائنات پر حاوی ہے اور ساری کائنات عرش میں شامل ہے تو پھر حق تعالیٰ تو کائنات کے چپے چپے اور ذرہ ذرہ میں موجود ہونا چاہیے نہ کہ اوپر کی جانب انسان کی طرح عرش پر بیٹھا ہوا۔ قرآن حکیم میں ایک جگہ حق تعالیٰ کے ہر جگہ موجود ہونے کا یوں ذکر آیا ہے اِنَّمَا تَوَلَّوْا فِئْتَةً وَجْهَ اللّٰهِ (جس طرف تم نگاہ اٹھاؤ ذات حق کا چہرہ ہے یعنی ذات موجود ہے) نیز فرمایا: وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ (وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو) اس سے ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ اوپر کی جانب عرش پر مقیم نہیں بلکہ ہر جگہ موجود ہے۔ جب حق تعالیٰ جہت اور سمت سے بالاتر ہے تو پھر اوپر کی جانب کیسے ہو سکتا ہے۔ نیز فرمایا: حَتّٰى اَقْرَبَ الْيَتِيْمَ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ہم انسان سے اس کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں) جب حق تعالیٰ انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہے تو پھر اس کا اوپر کی جانب عرش پر مقیم ہونا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

علم جغرافیہ اور وحدت الوجود

دوسری بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا اوپر کی جانب عرش پر مقیم ہونے کا نظریہ عام علم جغرافیہ کی رو سے بھی صحیح نہیں آتا۔ علم جغرافیہ یہ کہتا ہے کہ زمین گول ہے اور فضا میں معلق ہے۔ کرۃ ارض دو گروہوں میں مصروف ہے اس کی

ایک گردش اپنے محور کے گرد ہے جس سے دن اور رات پیدا ہوتے ہیں اور دوسری گردش سورج کے گرد ہے جس سے ماہ و سال وجود میں آتے ہیں۔ جغرافیہ ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ کرۂ ارض گول ہے۔ لفظ کرۂ کے معنی بھی گول چیز کے ہیں۔ اور بڑا عظیم ایشیا کرۂ ارض کی جس سمت پر واقع ہے بڑا عظیم امریکہ کی مخالفت سمت میں ہے۔ بالفاظ دیگر اگر ہم ایشیا کے باشندہ اپنے آپ کو اوپر کہیں تو امریکہ ہماری شمالی طرف کہلایا جاسکتا ہے۔ اگر امریکہ والے اپنے آپ کو اوپر والی سمت کہیں تو ہم ایشیا والے ان سے شمالی سمت میں ہوں گے۔ غرضیکہ اوپر اور نیچے کی سمت بھی اعتباری ہے۔ ایک لحاظ سے اوپر کی سمت نیچے کی سمت بن جاتی ہے اور دوسرے لحاظ سے نیچے کی سمت اوپر کی سمت ہو جاتی ہے۔ لہذا اگر ہم یہ کہیں کہ خداوند تعالیٰ اوپر کی جانب عرش پر مقیم ہے تو اہل امریکہ کے نزدیک وہ اوپر والی سمت ہمارے نزدیک نیچے والی سمت بن جائے گی اور یہ اوپر نیچ کرۂ ارض کے وجود میں آنے کے بعد واقع ہوتی ہے اگر کرۂ ارض کو ہٹالیا جائے تو نہ اوپر نیچ ہے نہ آیت الکرسی کی رو سے کرۂ ارض بھی عرش باری تعالیٰ میں شامل ہے بلکہ تمام آسمان، چاند، ستارے، سورج، فضا سب کائنات عرش میں شامل ہے اور حق تعالیٰ سے کوئی جگہ خالی نہیں ہے۔ اگر کسی جگہ کو حق تعالیٰ سے خالی مانا جائے تو یہ اس کی ذات و صفات پر حد بندی ہوگی جس سے اس کی لامحدود اور لامتناہیات محدود ہو کر رہ جاتی ہے جو عقائد اسلام کے خلاف ہے اور کفر ہے۔ یہ ہے اسلامی نظریہ توحید۔ اور اسلامی نظریہ وحدت الوجود بھی یہی کہتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ذات و صفات میں لامحدود ہے اور ہر جگہ موجود ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اسلامی نظریہ توحید اور اسلامی نظریہ وحدت الوجود کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ ہاں اگر اسلامی نظریہ توحید کے ساتھ اختلاف ہے تو ہندوؤں اور عیسائیوں کے نظریہ ہم ادست کا ہے جس کی رو سے ہر چیز خدا ہے اور ان کے پیغمبر بھی خدا ہیں۔ حالانکہ اسلامی نظریہ وحدت الوجود میں ہر چیز خدا نہیں لیکن خدا سے جدا بھی نہیں ہے۔ جہاں ہندو وانہ نظریہ وحدت الوجود میں ہر چیز خدا ہے اور بت پرستی بھی جائز ہے۔ اسلام میں نہ ہر چیز خدا ہے نہ بت پرستی جائز ہے کیونکہ اگرچہ بت کا وجود ذات حق سے جدا نہیں تاہم ذات حق اپنے جملہ اسماء و صفات کے ساتھ ایک ذرہ سے بت میں کیے سما سکتی ہے۔ ایک بت یا انسان کی کیا مجال ہے کہ جملہ اسماء و صفات الہی کا تحمل ہو سکے۔ اسلام میں بت پرستی اسی طرح مضحکہ خیز ہے جس طرح آپ زید سے کوئی کچھ رقم طلب کریں اور اس کے انکار پر آپ زید کے ہاتھ کو کہیں کہ زید کی جیب سے رقم نکال کر آپ کو دیدے۔ اب اگرچہ زید کا ہاتھ زید سے جدا نہیں ہے لیکن ہرگز زید نہیں بن سکتا۔ جزو کو کل کا درجہ نہیں دیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح بت جزو ہے، رام جزو ہے، کرشن جزو ہے، عزیر جزو ہے۔ ان کو کل یعنی خداوند عالم کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن یہ جو زید

کی مثال ہم نے دی ہے یہ صرف معاملہ سمجھانے کے لیے دی ہے لیکن ہے یہ ناقص مثال کیوں کہ حق تعالیٰ پر کوئی مثال صادق نہیں آسکتی ہے۔ ایسے کے مثلہ شیء کوئی چیز اللہ کی مانند نہیں ہے یہ صرف سمجھانے کی بات ہے۔ کیونکہ جہاں زید محمد ود ہے۔ ذات حق لا محمد ود ہے۔ جہاں زید اعضاء و جوارح میں تقسیم ہو سکتا ہے۔ ذات حق واحد غیر منقسم ہے۔

**لب لباب** اس تقریر کا لب لباب یہ ہے کہ اسلامی نظریہ توحید کے مطابق بھی حق تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔ اور کائنات کی ہر چیز ذات میں شامل ہے اور اسلامی نظریہ وحدت الوجود کی رو سے بھی ذات حق ہر جگہ موجود ہے اور کوئی چیز اس سے علیحدہ نہیں ہے۔ اس لیے نظریہ وحدت الوجود اور اسلامی نظریہ توحید کے مابین کوئی نزاع یا اختلاف نہیں ہے۔ اسلامی نظریہ توحید کے خلاف جو نظریہ وحدت الوجود ہے۔ وہ غلط قسم کا عیسائی اور ہندووانہ نظریہ وحدت الوجود ہے جس میں جزو کو بھی کل کا درجہ دے دیا گیا ہے اور قطرہ کو بھی سمندر بنا دیا گیا ہے حالانکہ قطرہ اگرچہ سمندر کا ایک ادنیٰ سا حصہ ہے۔ سمندر ہرگز نہیں کہلایا جاسکتا۔

**وحدت الوجود کے متعلق مولانا جامی کی تشریح** حضرت مولانا عبدالرحمن جامی کا شمار بھی اکابر صوفیائے اسلام میں ہوتا ہے۔ آپ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف لوائح جامی میں اسلامی نظریہ وحدت الوجود کو اسی طرح بیان فرمایا ہے:

آپ لکھتے ہیں کہ ذات حق کا خلق کے ساتھ تعلق نہ جزو اور کل کا سا ہے (یعنی حق تعالیٰ اجزاء اور اعضاء سے برتر اور منزہ ہے) اور نہ ہی یہ تعلق ظرف و مضمون کا سا ہے۔ (جس طرح برتن میں کوئی چیز رکھی جائے) یعنی کائنات ذات حق میں اس طرح نہیں جس طرح ایک برتن میں پانی رکھا جاتا ہے بلکہ ذات حق کا کائنات سے تعلق صفت و موصوف اور لازم و ملزوم کا ہے۔ یعنی کائنات حق تعالیٰ کی صفت تخلیق کا ظہور ہے اس لیے لازماً حق تعالیٰ سے علیحدہ اس کا وجود قرار نہیں دیا جاسکتا۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، امام غزالی، شیخ محمود شبستری، مولانا جلال الدین رومی وغیرہم نے ذات حق اور اشیائے کائنات کی مثال یوں دی ہے کہ ذات حق ایک بجر بیکراں کی مانند ہے اور اشیائے کائنات امواج، برف، جناب اور جھاگ کی طرح ہیں جو نہ سمندر کہلاتی جاسکتی ہے نہ سمندر کے وجود سے جدا ہیں بعض نے ذات حق کو مٹی کی مثال دی ہے اور اشیائے کائنات کو مٹی کے برتنوں کی مانند قرار دیا ہے۔ امید ہے قارئین کرام کو اسلامی نظریہ وحدت الوجود کی ایک جھلک نظر آگئی ہوگی۔ جھلک اس لیے کہا ہے کہ تزکیہ نفس اور مقام فنا فی اللہ اور لقا باللہ کے بغیر وحدت الوجود کی پوری حقیقت انسان پر منکشف نہیں ہو سکتی۔



لہذا مستشرقین کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ شیخ منصور حلاج نے چونکہ انا الحق کا نعرہ لگایا اور وحدت الوجود کا قائل تھا، اس لیے اسلام چھوڑ کر عیسائی بن چکا تھا۔ یہ ان کی بھول ہے یا خوش فہمی یا پھر چالاکی ہے جس سے وہ اسلام پر عیسائیت کی فوقیت ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ تمام اکابر صوفیاء کرام مثل امام غزالی، سید علی ہجویری، امام ابوالقاسم قشیری وغیرہم نے حلاج کی برات بیان کی ہے اور ان کے نعرہ انا الحق کا جواز ثابت کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب حلاج نے انا الحق کہا تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ میں (منصور) خدا ہوں بلکہ عین فنا فی اللہ اور سکر کی حالت میں ان کے اندر ذات حق بول رہی تھی کہ میں خدا ہوں، شیخ محمود شبستری اور حضرت مولانا نے روم نے انا الحق کی یہی توجیہ فرمائی ہے۔

چوں انا الحق رو باشد از درختے چہ راز و نہ بود ز نیک بختے

(جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے حق تعالیٰ نے درخت کی آواز میں فرمایا۔ ائی انا اللہ میں اللہ ہوں، تو وہ ایک نیک انسان کی آواز میں یہی بات کیوں نہیں کہہ سکتا۔)

جنید بغدادی جیسے عارف باللہ نے حلاج کے خلاف کیوں فتویٰ لکھا گیا | بعض لوگ

کہتے ہیں کہ حلاج کے خلاف جن لوگوں نے کفر کا فتویٰ لگایا ان میں ان کے شیخ حضرت جنید بغدادی بھی تھے ان کا کہنا ہے کہ علماء اگر انا الحق کی حقیقت کو نہیں سمجھتے تھے شیخ جنید جیسے عارف باللہ تو اچھی طرح جانتے تھے انہوں نے کیوں ان کے خلاف کفر کا فتویٰ لگایا۔ بات یہ ہے کہ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اسلام میں فنا فی اللہ آخری مقام نہیں ہے۔ بقا باللہ آخری مقام ہے۔ اکابر اولیاء اللہ کے نزدیک فنا فی اللہ میں مست ہو کر بے خود ہو جانا اور خلاف شرح الفاظ منہ سے نکالنا معیوب سمجھا جاتا ہے بلکہ ان کا دستور تو یہ ہے کہ ایک دو پیالے پی کر جو مست ہو جاتا ہے وہ صوفی ہی نہیں ہے۔ کمال تو یہ ہے، شراب معرقت کے دریا اور سمندر نوش کر جائے اور مست نہ ہو بلکہ من مزید (اور لاؤ) کے نعرے لگائے لہذا ایک وجہ تو یہ بھی کہ حلاج کے مست ہو جانے کو اکثر مشائخ نے کمزوری کی علامت سمجھا اور ان کے خلاف فتویٰ لگائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آنے والی نسلوں کو بھی یہ سبق دینا تھا کہ درمیانی منزل پر پہنچ کر بدست ہونے اور نعرے لگانے سے ترقی رُک جاتی ہے اس لیے مشائخ وقت نے ضروری سمجھا کہ حلاج کے خلاف فتویٰ لگایا جائے تاکہ آئندہ کے لیے نوجوان صوفی درمیانی منزل کو آخری منزل سمجھ کر راستے میں نہ رُک جائیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ تمام اولیاء اللہ کی یہ کوشش رہی ہے کہ خواہ کچھ ہو جائے اندرونی کیفیات اور جذبات اور استغراق پر پورا قابو پانا چاہیے اور اگر اس کے متعلق کچھ کہا یا لکھا جاتے تو ایسے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں جو شریعت کے عین مطابق ہوں ورنہ فتنہ کا اندیشہ تھا۔ اب چونکہ شیخ منصور حلاج کی زبان سے بے ساختہ ایسے الفاظ نکل گئے تھے جو خلاف شریعت نظر آتے

تھے۔ مشائخ وقت نے یہی مناسب سمجھا کہ اسے سزا دی جائے تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ تصوف اور شریعت کے درمیان اختلاف ہے۔ ان کی یہ بھی کوشش تھی کہ منصور کی طرح آنے والی نسلیں درمیانی منزل میں پھنس کر نہ رہ جائیں بلکہ سلوک الی اللہ کی آخری منازل پر پہنچ کر دم لیں۔ اس کے باوجود شیخ منصور کی پابندی شریعت کا یہ عالم تھا کہ قید خانہ میں بھی ہر رات پانچ سو رکعت نوافل ادا کرتے تھے۔ حالانکہ ان کا مواخذہ کرنے والے علمائے ظواہر فرائض اور سنن مؤکدہ سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ چنانچہ موت کے وقت بھی ان کو نماز یاد رہی ہے اور تختہ دار پر جانے سے چند لمحات پہلے انہوں نے اپنے دوست شبلیؒ سے جاتے نماز طلب کر کے شہادت کی موت پر دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی۔

یہ بھی یاد رہے کہ شیخ منصور چمن گنتی کے صوفیاء میں سے ایک تھے جو صوفیوں اور استغراق میں مبتلا ہوئے ایک اور صوفی بزرگ جنہوں نے غلبہ استغراق میں اگر غیر شرع الفاظ منہ سے نکالے حضرت بایزید بسطامیؒ ہیں۔ جنہوں نے ”سبحانی ما اعظم شانی“ کا نعرہ لگایا۔ لیکن جب ہوش میں آتے تھے اور آپ کے مریدین ان کو بتاتے تھے کہ آپ کے منہ سے یہ کلمات نکلے ہیں تو آپ ان کو حکم دیتے تھے کہ آئندہ جب میری زبان سے یہ الفاظ نکلیں تو مجھے چھڑیوں سے قتل کر دینا۔ لیکن جب آپ مغلوب الحال ہو جاتے اور منہ سے وہی الفاظ نکلتے تو مرید لوگ چھڑیاں لے کر ان کو مارنے کی کوشش کرتے تو چھڑیاں اُلٹی جاتی تھیں۔ اسلام کی تاریخ میں یہی چند صوفی تھے جو مغلوب الحال ہو گئے اور اکابر صوفیاء کے نزدیک یہ ایک کمزوری یا نقص ہے جو ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھا جاتا ہے لیکن صوفیاء کرام کی بہت بڑی اکثریت مغلوب الحال ہونے کی بجائے غالب الحال رہی بالفاظ دیگر ابن الحال ہونے کی بجائے ابوالحال رہی۔ فنا سے نکل کر بقا تک پہنچے اور قرب و معرفت الہی میں بلند ترین مقامات حاصل کیے۔ چنانچہ فرانس کے مائے ناز سکار ماسینیوں جو منصور علاج پر یورپ میں اتھارٹی مانے جاتے ہیں نے اپنی کتاب ”لائپیشازڈے الحلاج“ میں لکھا ہے کہ تصوف کی ہر چیز یہاں تک کہ شطیاتیات یعنی ان کا منعرہ ان الحق اور بایزید بسطامی کا نعرہ سبحانی ما اعظم شانی بھی قرآن و حدیث کے مطابق ہے۔ ماسینیوں نے علاج کی تصنیف ”کتاب الطواسین“ کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا جس کا انگریزی ترجمہ انگلستان کی نو مسلم خاتون عائشہ الترجمانہ نے کیا ہے۔ اس کا ایک اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے تاکہ قارئین کو معلوم ہو جائے کہ مستشرقین کے پروپیگنڈہ کے برعکس شیخ منصور کو اسلام اور شارع اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کس قدر محبت تھی۔ کتاب الطواسین میں علاج لکھتے ہیں:-

”محمد وہ چراغ ہے کہ جس کے آنے سے باقی تمام چراغ بجھ گئے۔ یعنی تمام انبیاء علیہم کی نبوت ختم ہو گئی۔ محمد ہی کے نور سے تمام انبیاء علیہم کے چراغ روشن ہوئے اور

محمدؐ کے چراغ کے سامنے تمام چراغ ماند پڑ گئے۔  
 ”آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر محمدؐ کی طرح صاحب جاہ و جلال، عزت و حرمت،  
 عقل و دانش، عادل و منصف، حسین و جمیل کوئی پیدا نہیں ہوا۔ مولا سے کائنات اس لقب  
 ہے۔ اس کا اسم گرامی احمد ہے اور محمدؐ اس کی صفت ہے۔ اس کا حکم واجب ہے،  
 اس کی روح عظیم ہے اور اس کی شان بلند ہے اور رسائی اعلیٰ ہے۔ سبحان اللہ! محمدؐ  
 سے زیادہ ثابت، ظاہر، شان والا، محبوب، ممتور اور متجلی کون ہے کہ جس کا وجود نور ہے  
 جس کا کلام وحی ہے، جس کا علم قدوسی ہے، جس کی زبان عربی ہے جس کی نسل اعلیٰ ہے  
 جس کا منصب نبوت ہے اور جس کا لقب اُمّی ہے۔“

”محمدؐ برحق ہے اور حق اس کے ساتھ ہے۔ وہ سب سے پہلے پیدا ہوا اور سب سے بعد  
 ظاہر ہوا، نہ کوئی فلسفی اس کی عقل و دانش تک پہنچا ہے نہ کسی عالم نے اس کے علم تک  
 رسائی حاصل کی ہے۔ خدا کا قرآن اس پر نازل ہوا۔ اس سے بھاگ کر اسے مریض تو کہاں  
 جائے گا۔ سارا کا سارا فلسفہ اس کے آگے ریت کا ڈھیر ہے۔“

یہ ہیں حضرت شیخ حسین ابن منصور الخلاج کے عقائد اور جذبات سرور کائنات فخر موجودات محمد مصطفیٰ  
 احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق۔ اب قارئین خود بتا سکتے ہیں کہ مستشرقین کے الزامات کیسے صحیح  
 ہو سکتے ہیں۔ شیخ منصور کا جرم فقط یہ تھا کہ ایک آدھ موقعہ پر انہوں نے ابلیس، فرعون اور حضرت عیسیٰ  
 علیہ السلام کی مدحت سرائی کی ہے۔ انہوں نے جوش میں آکر کہا ہے کہ ابلیس میرا دوست ہے، فرعون  
 میرا دوست اور عیسیٰ میرا دوست ہے۔ کیونکہ انہوں نے بھی جو کچھ کہا اس پر قائم رہے۔ میں نے بھی  
 جو کچھ کہا ہے اس پر قائم ہوں۔ اس سے یار لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ وہ تو اسلام چھوڑ کر عیسائی مذہب  
 اختیار کر چکے تھے۔ ان نادانوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ قرآن حکیم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمیت تمام انبیاء علیہم  
 کا ذکر آیا ہے اور مسلمان پر واجب ہے کہ ہر انبیاء علیہم السلام کو خدا کا سچا پیغمبر سمجھے۔

والٹر سٹاس WALTER STACE ایک عیسائی سکالر ہیں جن کا شمار منصف مزاج مستشرقین

میں ہوتا ہے۔ انہوں نے علاج کے نعرہ انا الحق کی خوب توجیہ کی ہے وہ لکھتے ہیں:-

”عام لوگوں کا خیال ہے کہ شیخ منصور کا نعرہ ”انا الحق“ بڑائی کا دعوے سے حالانکہ انا الحق  
 کی بجائے انا العبد کہنا بڑا دعوے ہے۔ کیونکہ جو شخص انا العبد (یعنی میں عبد ہوں)  
 کا دعوے کرتا ہے تو وہ دو ہستیوں کو تسلیم کرتا ہے ایک خدا کی ہستی دوسرے اس کی  
 اپنی ہستی۔ لیکن جو شخص انا الحق (میں حق ہوں) کا دعوے کرتا ہے وہ اپنے

آپ کو ٹھاپ چکا ہے اور صرف ذات حق باقی ہے۔ اس کے انا الحق کا مطلب یہ ہے کہ میں نہیں ہوں خدا ہے۔ اس لیے یہ تکبر کا دعویٰ نہیں ہے بلکہ عین عجز و انکسار ہے۔

شیخ محمد الدین ابن عربی اور شریعت وحدت الوجود کے سب بڑے علمبردار شیخ اکبر محمد الدین ابن عربی ہیں لیکن اس کے باوجود وہ شریعت کے

بھی بڑے علمبردار تھے۔ یاد رہے کہ ان کا تعلق فرقہ ظاہریہ سے تھا جو احکام شریعت کی پابندی میں بہت سخت گیر ہیں۔ یورپ کے مستشرقین نے ان کو بھی نہیں چھوڑا اور وحدت الوجود کی وجہ سے ان پر اسلام سے بغاوت جیسے قبیح الزامات لگائے ہیں۔ حالانکہ وہ حد درجہ کے محب شریعت تھے۔ احترام شریعت میں ان کے مندرجہ ذیل اقوال ملاحظہ ہوں:-

- ۱- "وہ حقیقت جو شریعت کے خلاف ہے زندقہ ہے"
- ۲- "خداوند تعالیٰ تک رسائی کا واحد ذریعہ شریعت ہے"
- ۳- جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ خدا تک رسائی کا شریعت کے علاوہ کوئی راستہ ہے وہ کذاب ہے، اس کی بات مت مانو۔
- ۴- جو شریعت ترک کرتا ہے خواہ ایک لمحہ کے لیے بھی ہو وہ برباد ہو جائے گا۔
- ۵- جو شخص وحدت الوجود کے اسرار و رموز سمجھنا چاہتا ہے اسے شریعت کو اپنا راہبر بنا لینا ہوگا۔
- ۶- کشف کو شریعت پر برتری نہیں ہے۔ جو کشف کو شریعت سے برتر سمجھتا ہے وہی نہیں ہے۔
- ۷- شریعت سے مراد میری مراد وہی دستور العمل ہے جو علماء کرام کے ہاتھوں میں ہے جو ولی شریعت کے خلاف کرتا ہے قابلِ مذمت ہے۔ ہاں جو شخص مغلوب الحال ہے قابلِ معافی ہے۔
- ۸- جادہ شریعت کو کسی حالت میں ترک نہ کرو۔
- ۹- اگر تمہارا کشف شریعت کے خلاف ہے تو کشف کو ترک کرو اور شریعت کو مضبوط پکڑو۔ کیوں کہ تمام صد فیصد کرام اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حلال و حرام پر کھنے کے لیے شریعت کے سوا اور کوئی گسوٹی نہیں ہے۔ لہذا کشف کی خرابیوں سے بچو میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔
- ۱۰- شریعت وہ جہاز ہے کہ اگر ڈوب جاتے تو سب ہلاک ہو جاتیں۔ تمہیں اس کا جواب دینا ہوگا۔

(ماخوذ از فتوحات مکیہ)

اس سے ظاہر ہے کہ وحدت الوجود کے سب سے بڑے علمبردار شیخ محی الدین ابن عربیؒ کو شریعت کا ادب کس قدر ملحوظ خاطر تھا اور اس کا کس قدر احترام کرتے تھے۔ یورپ کے مستشرقین کو معلوم ہونا چاہیے کہ نہ وحدت الوجود شریعت کے خلاف ہے اور نہ صوفیاء اسلام وحدت الوجود کی وجہ سے خارج از اسلام قرار دیئے جاسکتے ہیں۔

شریعت کی رو سے وحدت الوجود کا انکار ناممکن ہے

اگر کسی عالم شریعت کو مندرجہ بالا تصور باری تعالیٰ یعنی وحدت الوجود

پر اعتراض ہے تو سامنے آئیں اور وحدت الوجود کے سوا کوئی تصور ذات پیش کرے جو ذات و صفات الہی کی محدودیت اور دیگر لوازمات شرعی سے پاک ہو۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وحدت الوجود کے سوا کوئی ایسا تصور ذات باری تعالیٰ ممکن نہیں جو شریعت کے مطابق ہو۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ حقیقت اور مجاز کا لحاظ ضرور رکھا جائے گا۔ حقیقت میں وحدت الوجود ہے اور مجاز میں کثرت الوجود ہے۔ حضرت خواجہ غلام فرید جو عصر حاضر کے بہت بڑے ولی اللہ ہیں، نے بھی مقابیس المجالس کی ایک سطر میں اس قدر طویل بحث کو بند کر دیا ہے آپ فرماتے ہیں: کہ حقیقت میں وحدت الوجود ہے اور مجاز میں کثرت الوجود ہے۔

مسلکہ قدر و جبر

اسی طرح آپ نے قدر و جبر جیسے اہم اور نازک مسئلہ کو بھی ایک ہی سطر میں حل کر دیا ہے۔ مقابیس المجالس میں آپ نے فرمایا ہے کہ حقیقت میں جبر ہے

اور مجاز میں قدر ہے۔ لہذا جن متکلمین اسلام نے مسئلہ قدر و جبر کے متعلق لکھا ہے کہ "الامر بین الامرین" (حقیقت قضا و قدر کے درمیان ہے) اس میں انہوں نے حقیقت اور مجاز کو یکجا کر کے یہ بیان دیا ہے۔

وحدت الوجود کے متعلق ابن عربیؒ کے یہ اشعار بہت جامع اور واضح ہیں۔

لا ادم فی الكون ولا ابلیس لا ملک سلیمان ولا بلقیس

فالکل عبارة وانت المعنی یا من هو للقلوب مقناطیس

(دنیا میں نہ کوئی آدم ہے نہ ابلیس نہ سلیمان کی بادشاہی نہ ملکہ بلقیس یہ تمام نام ہیں،

جن کا معنی تو خود قلوب کے لیے مقناطیس کا اثر رکھتا ہے۔)

نیز فرمایا:

العبد عبد وان تقسح والرب رب وان تنزل

(عبد عبد ہے خواہ جتنا عروج کرے اور رب رب ہے خواہ جتنا نزول کرے)

عروج و نزول کی وضاحت و تنزیلات سلسلہ کے بیان میں پہلے ہو چکی ہے۔

شیخ ابن عربیؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ حدیث کان اللہ ولم یکن معہ شیئاً (اللہ تھا اور اس کے ساتھ کچھ نہ تھا) میں لفظ کان زمانہ ماضی اور حال دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً قرآن حکیم میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے كَانَ اللهُ غَفُورًا رَحِيمًا جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ غفور اور رحیم ہے نہ کہ غفور اور رحیم تھا۔ اسی طرح <sup>حدیث</sup> كَانَ اللهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْئًا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہے اور اس کے ساتھ اور کسی چیز کا وجود نہیں۔ آیہ ہوالاول والآخر والظاهر والباطن کا مطلب بھی یہی ہے کہ اول آخر ظاہر باطن جو کچھ ہے اللہ ہے۔ نیز حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا كَلَّ شَيْءٍ هَالِكًا اَوْجْهَةً (ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے ذاتِ حق کے) اب لفظ هَالِكًا اسمِ فاعل ہے جس کا مطلب ہے ہر چیز اب اور اس وقت فانی ہے نہ یہ کہ آئندہ فنا ہونے والی ہے۔ اسی طرح سورۃ الرحمن میں فرمایا ہے كَلَّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ (جو کچھ ہے سب فنا ہو رہا ہے، سوائے ذاتِ حق، صاحبِ عزت و جلال کے جس کو بقا حاصل ہے) یہاں لفظ فان بھی اسمِ فاعل ہے جس کے معنی مستقبل کے نہیں بلکہ حال کے ہیں۔ نیز فرمایا: اَيُّهَا تَوَلَّوْا قِوَامَ وَجْهِ اللهِ (جس طرف بھی منہ کر و ذاتِ حق ہے) اس سے بھی ظاہر ہے ہر جگہ ذاتِ حق ہے اور ذاتِ حق سے کوئی جگہ خالی نہیں ہے۔ اگر ذرہ بھر جگہ بھی ذاتِ حق سے خالی ہو تو ذاتِ پر محدودیت لازم آتی ہے جو کفر ہے۔ نیز فرمایا: اَلَا اِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ (اللہ ہر چیز پر محیط ہے) یعنی کوئی چیز اس کی ذات سے باہر نہیں۔ نیز فرمایا: اجْعَلِ الْاٰلِهَةَ الطَّاغُوتَ اَحْدَاثًا هٰذَا الشَّيْءُ عَجَابٌ (تم نے تم خداؤں کو ایک خدا بنا دیا ہے یہ کیسی عجیب بات ہے) کفار کہ اہل زبان تھے۔ اس آیتِ پاک کو انہوں نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ اس کی رو سے خدا کے سوا کوئی موجود نہیں۔

اسی طرح حدیث سے بھی وحدت الوجود ثابت ہے ایک حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیتِ پاک هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ کی شرح یوں فرمائی ہے هُوَ الْاَوَّلُ وَ مَا قَبْلَهُ شَيْءٌ هُوَ الْاٰخِرُ وَمَا بَعْدَهُ شَيْءٌ هُوَ الظَّاهِرُ وَمَا فَوْقَهُ شَيْءٌ هُوَ الْبَاطِنُ وَمَا دُونَهُ شَيْءٌ (وہ اول ہے اور اس سے پہلے کچھ نہیں، وہ آخر ہے اور اس کے بعد کوئی چیز نہیں، وہ ظاہر ہے اور اس سے زیادہ ظاہر کچھ نہیں، وہ باطن ہے اور اس کے سوا کچھ موجود نہیں ہے) ایک اور حدیث میں رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر تم رسی کو زمین کے آخری سرے تک بھی دراز کرو تو اللہ پر جا کر رُکے گی۔ اس سے بھی حق تعالیٰ کا وجود ہر جگہ پر طاری و ساری ثابت ہوتا ہے

## صفت موصوف کی اصل ایک ہے

لیکن ہر چیز میں خدا ہے گا ہرگز مطلب یہ نہیں  
کہ اگر زمین کو کھودا جائے یا درخت کو چیرا جائے

تو اندر سے خدا نکل آئے گا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے چونکہ ہر چیز حق تعالیٰ کی صفت خلق کا مظہر ہے اس لیے اس کا وجود خدا سے جدا نہیں کیونکہ صفت موصوف سے جدا نہیں ہو سکتی جس طرح ایک مصنف جب کتاب لکھتا ہے تو وہ کتاب اس کی صفت علم کا ظہور ہے۔ لہذا مصنف سے علیحدہ وجود نہیں رکھتی یا ایک شاعر کا کلام اس سے جدا نہیں کہا جاسکتا ہے۔ لیکن ایک لحاظ سے یعنی ظاہری مجازی لحاظ سے کتاب مصنف سے جدا بھی ہے۔ صفات ایک لحاظ سے یعنی حقیقت کے لحاظ سے موصوف کا جز اور دوسرے لحاظ سے یعنی مجاز کے لحاظ سے موصوف سے جدا بھی ہے اس لیے عرفاء کا قول ہے کہ صفات اللہ ہی **لَا عَيْنِيهِ وَلَا غَيْرِهِ** اللہ کی صفات نہ اللہ کی عین ہیں نہ غیر، اور ایک لحاظ سے عین بھی ہیں اور غیر بھی۔ حقیقت کے اعتبار سے عین اور مجاز کے اعتبار سے غیر۔ جس طرح زید کا عکس آئینہ میں اس کا عین بھی ہے اور غیر بھی۔ عین اس لیے کہ اگر زید سامنے سے ہٹ جائے تو عکس بھی جاتا رہتا ہے۔ غیر اس لیے ہے کہ جب آئینہ ٹوٹ جاتا ہے تو عکس ٹوٹ جاتا ہے لیکن زید کا چہرہ نہیں ٹوٹتا۔ چنانچہ محتاط قسم کے اولیاء کرام نے وحدت الوجود بیان کرنے میں ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جن سے عقائد شریعت کی نفی نہ ہو خاص طور پر حضرت مجدد الف ثانیؒ نے لفظ عین کو استعمال کرنے سے اجتناب فرمایا ہے کیونکہ اس لفظ سے یہ شبہ ہو سکتا ہے زید کا ہاتھ عین زید ہے یا بت بھی خدا کا عین ہے اس لیے قابل پریشانی ہے علاوہ ازیں انہوں نے اپنے مکتوبات میں اکثر مقامات پر فرمایا کہ کائنات میں ذات حق کے سوا کسی کا وجود نہیں ہے جو کچھ موجود ہے حق کا وجود ہے لیکن کوئی چیز اس کا عین نہیں ہے یعنی کوئی چیز عین خدا نہیں ہے اور جن حضرات نے عین کا لفظ استعمال کیا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ وجود حق کے سوا کسی چیز کا وجود نہیں ہے۔ بات وہی ایک ہے لیکن الفاظ کا فرق اس لیے خود حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات میں فرمایا ہے کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں نزاع لفظی ہے حقیقی نہیں ہے۔ نیز آپ نے مکتوبات میں یہ بھی فرمایا کہ میرے والد ماجد حضرت شیخ عبد الاحدؒ وحدت الوجود کا عقیدہ رکھتے تھے۔ آپ نے مکتوبات میں یہ بھی فرمایا کہ شیخ حضرت خواجہ باقی باللہؒ ساری عمر وحدت الوجود پر قائم رہے۔ وصال سے صرف کئی دن پہلے وحدت الشہود کے قابل ہوئے۔ اب غور کا مقام ہے کہ اگر وحدت الوجود کفر ہوتا تو اتنے بڑے اولیاء اللہ کس طرح ساری عمر کفر پر قائم رہ سکتے تھے۔

ت حضرت مجد کا وحد الشہودین الیقین اور ابن عربی کا وحد الوجود علم الیقین پر مبنی ہے

وحد الوجود کے اثبات

میں حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی نے سب سے زیادہ اہم اور دلچسپ یہ بات کہی ہے کہ ہمارا وحدت الشہود عین الیقین کا نتیجہ ہے اور وحدت الوجود علم الیقین کا نتیجہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت مجدد وحدت ذات باری تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر کے قائل ہوتے ہیں اور جو لوگ وحدت الوجود کے قائل ہیں وہ علمی یا منطقی دلائل سے قائل ہوتے ہیں۔ اب چونکہ علم الیقین سے عین الیقین زیادہ قوی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کا ثبوت وحدت وجود کے بارے میں زیادہ قوی ہے کیونکہ یہ چشم دید واقعہ ہے اور ان کے بقول ابن عربی کا وحدت وجود علمی یا منطقی استدلال کا نتیجہ ہے۔ چشم دید نہیں ہے کسی نے خوب کہا ہے۔

شنیدہ کے بود مانند دیدہ ترا دیدہ و یوسف شنیدہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے رسالہ وحدت الوجود موسوم بہ مکتوب مدینتہ میں بھی وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے مابین اختلاف کو نزاع لفظی نہ کہ نزاع حقیقی قرار دیا ہے۔

شیخ آفندی اسماعیل بن عبد اللہ رومی کے سوال کے جواب میں سب سے پہلے یہ لکھتے ہیں کہ حقیقت واحدہ یا ذات واحدہ کو دو اعتبارات یا اصطلاحات سے ظاہر کیا جاسکتا ہے۔ ایک اصطلاح وحدت الوجود ہے دوسری وحدت الشہود۔ آپ رسالہ کے صفحہ ۶ پر تحریر فرماتے ہیں کہ ”کچھ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ عالم جو اعراض مختلفہ کا ہدف و نشانہ ہے اس کی تہ میں ایک ہی حقیقت جاری و ساری ہے۔ جیسے موم انسان، گھوڑے اور گدھے کی صورتیں بناتی جاتیں۔ یہ سب اگرچہ رنگ و روپ میں مختلف ہونگی مگر اصل میں ایک ہی قرار دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ موم ان سب میں مشترک ہے اور بنیاد کے طور پر پائی جاتی۔ ان صورتوں کے جب نام علیحدہ رکھے جاتے ہیں تو موم کا نام باقی نہیں رہتا۔ بلکہ اس کو انہی ناموں سے پکارا جاتا ہے لیکن دراصل ان صورتوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے اصل ہستی موم ہے۔ دوسرا اگر وہ حادث (موجودات) اور قدیم ذات حق کے مابین ربط و تعلق کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ یہ عالم دراصل اسما و صفات (الہیہ) کے ان عکوس (جمع عکس) و ظلال (جمع ظل) بمعنی سایہ) کے ہیں کہ اعدام متقابلہ آئینوں میں ارتسام پذیر ہوتے ہیں۔ مثلاً قدرت کا اعدام عجز ہے۔ لہذا قدرت کی ضرورتا بنیاں عجز کے آئینے میں ہوں گی تو اس سے قدرت ممکنہ ظہور میں آجائے گی۔ جب موجودات (اشیائے عالم) کی یہ توجیہ کی جاتی ہے تو تمام صفات وجود کو اس پر قیاس



کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ پہلا نقطہ سنگاہ وحدت الوجود کہلاتا ہے اور دوسرا نقطہ سنگاہ وحدت الشہود کے نام سے موسوم ہے۔۔۔ ہمارے خیال میں کشف پر مبنی یہ دونوں نتائج صحیح ہیں۔ ممکن ہے کہ بعض حضرات یہ کہیں کہ وحدت الشہود کی یہ تائید شیخ ابن عربی کے اقوال سے نہیں ہو پاتی۔ ہم کہیں گے کہ یہ سراسر سہو (غلط) ہے۔ شیخ ابن عربی ان کے تمام اتباع تلامذہ (شاگرد) اور حکماء اس کے قائل ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ آگے چل کر صفحہ ۱۱ پر وحدت الوجود کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ”ہماری رائے میں یہ بات عقل اور کشف دونوں کی رو سے صحیح ہے۔ مثلاً تم میدان جنگ

پر نظر ڈال کر دیکھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ اس کی ساری رونق اور نگامہ آرائی ”جسم“ یعنی مادہ کی بدولت ہے۔ وہی قاتل ہے وہی مقتول (یعنی جسم انسانی کی ایک شکل ذریعہ قاتل ہے اور دیگر مقتول ہے اور وہی آلہ قتل (تلوار جو مادہ سے بنی ہوئی) ہے۔ اسی طرح وہی راکب (سوار) اور وہی گھوڑا ہے اور وہی سیف و سنان ہے اور وہی حملہ کرنے والا اور وہی حملے کا نشانہ ہے۔“

اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: ”پھر یہی بات اگر جسم کے حق میں صحیح ہے تو وجود کے حق میں بھی بطریق اولیٰ صحیح ہونا چاہیے۔ صوفیا جب یہ کہتے ہیں کہ العالم عین الحق ”یہ جہان حق تعالیٰ کا عین ہے“ تو اس سے ان کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ ان موجودات یا تعینات (اشیاء) کی نفی کی جائے بلکہ صرف وہ یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اس آب و گل میں ظہور فرمایا۔“

حضرت مجدد الف ثانیؒ بھی عالم میں حق کے سوا کسی اور شے کا وجود نہیں سمجھتے۔ ہر چیز کو وجود حق میں شامل سمجھتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ آپ کسی چیز کو حق کا عین نہیں کہتے اس وجہ سے کہ عین کہنے سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ بت بھی عین خدا ہے اس لیے واجب عبادت ہے۔ یعنی وہ بت کو خدا کا عین سمجھتے ہیں۔ غیر کیونکہ آپ غیر خدا کا وجود ہی تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے کہنے کا مطلب یہ بھی ہے کہ وحدت الوجود کے قائل صوفیاء کائنات کو عین خدا کہتے ہیں تو ان کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے یہ سب حق تعالیٰ کا ظہور ہے۔ کسی چیز کو عین خدا سمجھ کر وہ ہرگز ہرگز قابل عبادت نہیں سمجھتے جس طرح کہ ہندو یا عیسائی اپنے اکابر کو خدا سمجھ کر پرستش کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کو وحدت الوجود سے کوئی عذر نہیں بلکہ لفظ عین کے استعمال سے عذر ہے کیونکہ اس سے غلط معنی لینے کا امکان ہے۔

آگے چل کر صفحہ ۲۳ پر حضرت شاہ صاحب شیخ ابن عربیؒ اور جناب مجدد الف ثانیؒ کے درمیان لفظی فرق کی یوں تطبیق فرماتے ہیں:-

”یہ کہنا کہ حقائق ممکنات (موجودات عالم) دراصل عکوس و ظلال ہیں جو اعدام متقابلہ میں ارتسام پذیر ہوتے ہیں کسی طرح بھی شیخ ابن عربیؒ کی تصریحات کے خلاف نہیں۔۔۔۔۔

نیز حقائق ممکنات کو ان معنوں میں اسما و صفات (الہیہ) کے عین مترادف قرار دینا کہ وجود خارجی میں ان کے عکوس و ظلال پائے جاتے ہیں جنہیں اعیان ممکنات کہا جاتا ہے

کسی انداز سے بھی شیخ مجددؒ کی تصریحات کے منافی نہیں۔۔۔۔۔ ہم اگر چاہیں تو دونوں بزرگوں کے اقوال کو بکثرت اس سلسلے میں پیش کر سکتے ہیں۔“

اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہؒ کے پوتے شاہ اسماعیل شہید بھی اپنی کتاب عبقات میں حضرت شیخ ابن عربیؒ اور حضرت شیخ احمد سرمندیؒ کے اقوال اور موقف میں تطبیق دیتے ہوئے جگہ نمبر ۱۲ میں فرماتے ہیں:-

”لیکن یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس اختلاف کی واقعی نوعیت کیا ہے۔ آیا یہ صرف نزاع لفظی ہے یا تعبیری۔ اختلاف ہے یا حقیقت اور واقعہ کا اختلاف ہے“

اس کے جواب میں متاخرین کا ایک گروہ جس نے زبردستی اپنے آپ کو صوفیوں

کی جماعت میں داخل کر لیا ہے اور اصطلاحاً جن کو متصوف (بناوٹی صوفی) کہتے ہیں

ان لوگوں نے اختلاف کو حقیقی قرار دیتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی

ہے کہ۔۔۔۔۔ ان دونوں فرقوں میں اختلاف ہے۔ اس کو دیکھ کر ایک عامی باور

کرنے لگتا ہے کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کا اختلاف واقعی اختلاف ہے

بات یہ ہے کہ۔۔۔۔۔ کہ شیخ اکبرؒ (ابن عربیؒ) جن کی طرف نظریہ وحدت الوجود منسوب

کیا جاتا ہے اور باور کرایا جاتا ہے کہ وہ خالق اور مخلوق کے درمیان اتحادی رشتے

کے قائل ہیں انہی کی عبارتوں کا ایک ذخیرہ پیش کیا جاسکتا ہے جس میں انہوں نے

خالق اور مخلوق کی مفائیرت کو واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اسی طرح امام ربانیؒ

الف ثانیؒ جن کو وحدت الشہود کے نظریہ کا علمبردار سمجھا جاتا ہے۔ ان کے کلام میں

بکثرت ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں جن میں مخلوق اور خالق کے اتحاد کی تصریح کی گئی ہے

آگے چل کر حضرت شاہ اسماعیل فرماتے ہیں:-

”بہر حال عارف جامی اور شیخ صدر الدین قرظی کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ یہ حضرات شیخ  
محمی الدین ابن عربی کے نظریہ وحدت الوجود کے بڑے حامی ہیں لیکن اس وحدت  
الوجود کا واقعی مطلب جو ان حضرات نے خود بیان کیا ہے اور مجدوالف ثانی جو کچھ فرماتے  
ہیں انصاف سے بتاؤ کہ ان میں کیا اختلاف ہے۔ دونوں کے مسکوں میں کیا فرق  
ہے۔۔۔ بہر کیف خالق و مخلوقیت میں قیومیت کے تعلق کو مان لینے کے بعد دونوں  
درست ہو جاتے ہیں۔ یعنی یہ کہ خالق و مخلوق میں اتحاد بھی ہے اور یہ بھی کہ مستوطن و محل و  
مقام نیز ماہیت کے لحاظ سے دونوں میں مغایرت بھی پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے  
ہر ایک دوسرے کا غیر بھی ہے۔ واقعہ یہی ہے جس کے دو پہلو ہیں۔ اور ہر ایک فریق  
ان دو پہلوؤں میں سے کسی ایک کی طرف زیادہ جھک گیا ہے۔“

در اصل جو لوگ وحدت الوجود کا انکار کرتے ہیں ان کا تعلق عوام سے ہے۔ ان کو یہ بات سمجھ  
میں نہیں آتی کہ ذات حق جو خالص ذور ہے کس طرح مادی اشیاء مثل زمین آسمان، پہاڑ وغیرہ  
کی شکل میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ لیکن آجکل کے سائنس کے زمانے میں اس بات کا سمجھنا آسان ہو  
گیا ہے۔ ہم روزانہ دیکھ رہے ہیں کہ ماہرین فن گیس کو مٹھوس اشیاء میں تبدیل کر رہے ہیں مثلاً یورپ  
میں قدرتی گیس سے پارچاٹ اور برتن بناتے جاتے ہیں۔ یہ انسان کا کمال ہے اب خداوند عالم  
کے کمالات کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں جو حضرت انسان کا خالق ہے اور انسان سے کر ڈر اور رول  
زیادہ حکیم اور قدرت والا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آج کل ماہرین طبیعیات PHYSICS نے  
جو اس علم کی جدید شاخ نکالی ہے اور جس کو وہ طبیعیات جدید NEW PHYSICS کے نام سے موسوم کرتے  
ہیں ان کا کہنا ہے کہ روشنی جو مٹھوس چیز نہیں ہے ان کے تجربوں میں بعض اوقات لہروں کی شکل  
اختیار کرتی ہے اور بعض اوقات ذرات کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ جب روشنی میں بھی یہ صفت جو  
ہے کہ مادی ذرات کی شکل اختیار کر لے تو نور ذرات حق کے لیے کیا شکل ہے کہ مادی اشیاء کی شکل میں  
اس کا ظہور ہو۔

عالم مولانا عبدالرحمن جامی بھی حضرت مجدد کی طرح سلسلہ عالیہ نقشبندیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور شدت سے وحدت  
الوجود کے حامی ہیں۔ آپ کی کتاب ”لوح جامی کا مضمون ہی وحدت الوجود ہے جو تمام سلاسل طریقت کے نزدیک  
ایک درسی کتاب سمجھی جاتی ہے اور بیشتر مشائخ نے لوح جامی کے ایک بار نہیں چار چار پانچ پانچ بار درس حاصل کیے  
ہیں اور درس دینے ہیں۔“

آج کل علم جدید طبیعیات NEW PHYSICS کے ذریعے سے ایسے حقائق کا انکشاف ہو رہا ہے کہ جن سے تصوف کے حقائق کا ثبوت مل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ، امریکہ اور روس میں علم روحانیت پر تحقیقات کا سلسلہ جاری ہے اور ماہرین فن روحانیت (صوفیاء کرام) کے اقوال اور روحانی مقامات کی تصدیق ہو رہی ہے جس سے ان لوگوں پر اسلام کی حقانیت کا پتہ چل رہا ہے۔

**تصوف کے متعلق غلط فہمی کی چوتھی وجہ** | تصوف کے متعلق معترضین کو جو غلط فہمی ہوتی ہے اس کی چوتھی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ لفظ تصوف رسول خدا

صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں مروج نہیں تھا۔ اس کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے کہ صرف علم تصوف نہیں بلکہ تمام اسلامی علوم مثل تفسیر، حدیث، فقہ، بیان، کلام صرف و نحو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں وجود میں نہیں آئے۔ لیکن معنوی طور پر تمام صحابہ کرام ان سے آگاہ تھے تمام علوم بعد میں آئے۔ تصوف کے متعلق غلط فہمی کی پانچویں وجہ یہ ہے کہ بقول مستشرقین اسلام

**غلط فہمی کی پانچویں وجہ** | کے اوائل میں زہد و تقویٰ پر زور دیا جاتا ہے لیکن صوفی لوگوں نے عیسائی اور ہندو مذاہب سے عشق کا مسلک سیکھ کر زہد و تقویٰ ARTHODOXY کو ترک کر دیا اور عشق بازی میں مشغول ہو گئے۔ یہ بھی صوفیاء کرام کے خلاف سراسر بہتان اور غلط الزام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ صوفیاء اسلام نے زہد و تقویٰ ترک کیا اور نہ اسلام میں عشق کوئی اجنبی چیز ہے بلکہ مذہب اسلام کی بنیاد ہی عشق ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **كُنْتُ كُنْزًا مَّخْفِيًّا فَاجْبَبْتُ أَنْ أَعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ** (میں ایک مخفی خزانہ کمالات تھا مجھے اس بات کی محبت ہوتی کہ میرا مشاہدہ ہو اس لیے خلق کو پیدا کیا) نیز قرآن میں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ **وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ** (جو ایماندار ہیں شدت کے ساتھ اللہ سے محبت کرتے ہیں) شدت محبت کا نام عشق ہے جو اسلام کا خاصہ ہے۔ نیز فرمایا: **إِنَّكُمْ كُنْتُمْ مَحْبُورًا لِلَّهِ** **فَاتَّبَعُونِي يَحْبِبْكُمْ اللَّهُ** (اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا یعنی تم محبوب خدا بن جاؤ گے) غرضیکہ قرآن میں عشق الہی کی آیات بے شمار ہیں اسی طرح حدیث میں بھی عشق الہی پر زور دیا گیا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبات میں یہ حدیث بار بار دہراتے تھے۔ **أَلَا إِيْمَانٌ لَّهُ مَنْ لَا مَحَبَّةَ لَهُ** (خبردار جس کے دل میں محبت نہیں وہ مسلمان نہیں)

لہذا صوفیاء کرام نے جب عشق و محبت الہی پر زور دیا تو یہ عین اسلام اور قرآن کا تقاضا ہے اسی طرح زہد و تقویٰ اور پابندی شریعت میں بھی صوفیاء ضرب المثل رہے ہیں۔ بلکہ یہ جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات عبادت میں کھڑے رہتے تھے جس سے آپ کے پاؤں مبارک پر درم آجاتا ہے۔ اس سنت پر جس طرح صوفیاء نے عمل کیا ہے۔ علماء ظواہر اس کا عشر عشر بھی نہیں کرنے پائے۔ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی ہے اسی طرح حضرت غوث الاعظمؒ سیدنا عبد القادر جیلانیؒ نے بھی پچاس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی ہے۔ نیز حضرت غوث الاعظمؒ نے تیس برس تک ہر رات ایک قرآن ختم کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب مجھ پر نیند کا غلبہ ہوتا تھا تو دیوار میں کیل گاڑھ کر اسے پکڑ لیتا تھا اور ایک ٹانگ پر کھڑا ہو جاتا تھا۔ مستشرقین کو شاید یہ معلوم نہیں کہ صوفیاء کرام پر بعض اہل ظاہر نے جو آج کل اپنے آپ کو مزاج شناس رسول کہتے ہیں انہی الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے اسلام کے مختصر سے عبادت کے پروگرام کو کس قدر طویل اور مشکل بنا دیا ہے کہ ساری رات جاگتے ہیں، سارا دن روزہ رکھتے ہیں، گوشہ نشینی اختیار کرتے ہیں، نفس کشی کرتے ہیں۔ اسلام میں اہل ظاہر کہتے ہیں کہ یہ کہاں جائز ہے یہ تو اپنے آپ کو سزا دینا ہے۔ ان صاحبان نے شاید قرآن مجید کی آیت نہیں پڑھی تَتَجَافَى جُنُوبَهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (رات کو اپنے پہلوؤں کو بستروں سے جدا رکھتے ہیں) نیز فرمایا کہ يُبَيِّتُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ (رات بھر اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں) شاید انہوں نے سورہ مزمل کی شروع کی آیات بھی نہیں دیکھی ہیں جس میں حکم آیا ہے کہ قِمِ الْبَيْتَ الْأَقْلِيلَ لِذِكْرِ اللَّهِ (رات کو عبادت کرو نصف شب یا اس سے زیادہ یا کم) معلوم ہوتا ہے کہ ان علماء کرام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ بھی نہیں کیا کہ آپ کس طرح مسلسل طے کے روزے رکھتے تھے۔ ساری رات عبادت میں کھڑے گزار دیتے تھے۔ جب کھانا تناول فرماتے تھے تو نہایت سادہ اور اکثر نان جو میں پر مشتمل ہوتا تھا۔ خواب راحت فرماتے تو بویا ممنون راحت ہوتا جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ہے۔

بویا ممنون خواب راحتش تاج کسری زیر پائے امتش  
 آپ کا بچھونا ٹاٹ تھا حالانکہ قیصر و کسری کے تاج آپ کی امت پاؤں کے نیچے روندے جا رہے تھے  
 آنحضرت کی راحت گاہ ایک چھوٹا سا مٹی کا بنا ہوا حجرہ تھا جس کی نہ چھت تھی نہ دروازہ، چھت کی بجائے کھجور کے پتے اور بکری کے بالوں کے بوریا ڈالے گئے تھے۔ جب حضرت عمرؓ کو حضور اقدس صلعم کے خانہ مبارک کے اندر جانے کا شرف حاصل ہوا تو کیا دیکھتے ہیں کہ آپ چٹائی پر سو کر اٹھے

ہیں اور جسم مبارک پر لال نشان پڑے ہوئے ہیں یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ پر گریہ طاری ہو گیا ہے اور عرض پر داز ہوئے کہ حضور قیصر و کسریٰ تو آرام سے زندگی بسر کریں اور آپ کا یہ حال ہے کہ جسم سے خون بہہ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے عمر میں چاہتا ہوں کہ دنیا میں مشقت برداشت کروں تاکہ آخرت بہتر ہو سکے۔

خود حضرت عمرؓ کی اپنی مجاہدانہ زندگی کا یہ عالم تھا کہ اونی لباس زیب تن کرتے تھے اور جو کی روٹی کھاتے تھے اور ہر نوالے کے بعد پانی کا گھونٹ لیتے تھے تاکہ نوالہ حلق سے نیچے اتر سکے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آج کل کے علماء خود تو رسول خدا صلعم اور صحابہ کرام کے سے مجاہدات نہیں کر سکتے۔ کولڑائی و می، اور فرج کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ اور جو صوفیاء کرام سنت پر عمل کرتے ہیں تو ان کے خلاف طرح طرح کے اعتراض کرنے اور الزام لگانے کی جرات کرتے ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ خود کو مزاج شناس رسول کا لقب دے کر جس حدیث کو چاہیں صحیح کہہ دیتے ہیں اور جس کو چاہیں غلط قرار دیتے ہیں خواہ محدثین کے نزدیک وہ احادیث کس قدر معتبر اور قوی کیوں نہ ہوں۔

دوسری بات یہ ہے کہ صوفیاء اور علماء اسلام کے مابین اگر کچھ اختلاف

### عیسائی اربابِ روحانیت اور علماء کے مابین اختلاف

رہا بھی ہے تو وہ فروعات پر تھا نہ کہ اصول پر۔ اسلام کے بنیادی عقائد میں کسی صوفی کو علمائے شریعت سے کوئی اختلاف نہیں رہا۔ تاریخ اسلام شاہد ہے۔

اس کے برعکس عیسائی اربابِ روحانیت اور عیسائی علماء کے مابین فروعات پر نہیں اصولی باتوں پر شدید اختلافات رہے ہیں۔ لیکن اپنے اختلافات پر پردہ ڈال کر انہوں نے صوفیاء اور علمائے شریعت کے معمولی سے اختلاف کو اس لیے بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے کہ ان کو خارج از اسلام ظاہر کر کے بیرونی اثرات کا گرویدہ ظاہر کیا جائے اور اسلام پر عیسائی مذہب کی نام نہاد برتری ثابت ہو سکے۔ اب ہم عیسائی مصنفین کی تحریرات سے ثابت کریں گے کہ جہاں مسلم صوفیاء اور علماء کے مابین کوئی اختلاف تھا اگر تھا تو محض معمولی فروغی اختلاف تھا لیکن عیسائی علماء اور اربابِ روحانیت کے درمیان اصولی عقائد پر شدید اختلافات رہے ہیں اور اب بھی موجود ہیں۔

”عیسائی علماء کا ایک فرقہ جن میں پرنسپل فارسیٹھ Forsyth اور پروفیسر اومان Oman جیسے علماء بھی شامل ہیں شدت سے اس تحریک کے علمبردار ہیں کہ روحانیت Mysticism کا عیسائیت سے کوئی تعلق نہیں ہے اور شدت سے اس کا مقابلہ کیا جائے تاکہ عیسائی مذہب کو کمزور ہونے سے بچایا جاسکے۔ لیکن اس فرقے کی مخالفت میں ایک اور فرقہ کھڑا ہو گیا ہے جس میں ڈاکٹر انگ (ING) ڈاکٹر گواٹکن (GWATKIN) اور کینن مابرلی CANON MOBERLY اور اچھرتے ہوئے نوجوان شامل ہیں۔ یہ لوگ شدت سے اس بات پر قائم ہیں کہ مسیحی سزم عیسائی مذہب کا بنیادی عنصر ہے اور علماء کو ہر طریقے سے اس کی طرف لوٹانا چاہیے۔“

اول الذکر گروہ کا خیال یہ ہے کہ عیسائی مسیحی سزم میں بنیادی خامی یہ ہے کہ اس سے رہبانیت کو فروغ حاصل ہوتا ہے جس کے متعلق مصنف مذکور لکھتے ہیں کہ:-

”عیسائی مذہب کے اکابر پیشوا نے ایسی زندگی پسند کی ہے کہ جس میں عوام کی خوشی اور غمی میں شریک ہونا گناہ سمجھتے ہیں اور لوگوں کے گناہوں اور غلط کاریوں سے سخت ایسے تعلق برتتے ہیں۔ سب سے بڑے عیسائی روحانی پیشوا سینٹ آگسٹائن کا قول ہے کہ خدا نے محبت کو دنیاوی جوگی میں آئے کر دیا ایک اور روحانی پیشوا کا کہنا ہے کہ خدا کے لیے خدا کو ترک کر دو۔“

اس کے بعد مصنف مذکور بعض جرائم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”سب سے پہلی بات یہ ہے قرون وسطیٰ کے اکثر روحانی پیشواؤں

کا تعلق پادریوں کی اس جماعت کے ساتھ تھا جو (Inquisitional Clergy)

کے نام سے مشہور تھی یعنی وہ پادری جنہوں نے ترقی پسند دانشوروں کو چن چن کر چرچ کی عداوتوں میں سزا دیں اور موت کے گھاٹ اتارے یہ وہ لوگ تھے جو چرچ برادری سے ان گناہوں کی پاداش میں نکالے گئے تھے جن گناہوں کی وجہ دوسروں کو سزا دینا چاہتے تھے۔“

ان میں سے سب سے زیادہ بدنام جان ڈے برن John De Brun تھا

جس کی غلط کاریاں خود اس کو اور اس کی جماعت کو زیادہ بدنام کرتی ہیں۔ نسبت

اس کے ان لوگوں کے کہ جن کو بدنام کرنے کی وہ کوشش کر رہے تھے۔ اس فرقے کی بدنامی

Antinomianism روحانی پیشواؤں کی بدعتوں میں سے کہیں زیادہ ہیں

سٹر کوٹ COAT روحانی پیشواؤں پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ وہ اپنے خیال سے اس قدر خدار سیدہ ہو چکے ہیں کہ بیچارے گناہ گاروں کو گناہ کی دلدل میں پھنسا کر ڈرا بھرتس نہیں کرتے۔

عصر حاضر کے ایک اور مصنف والٹر سٹیٹس WALTER STACE اپنی کتاب Teachings of Mysticism میں لکھتے ہیں کہ:-

”بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ مسٹی سزم عیسائی مذہب کا جھنڈا ہے لیکن یہ خیال غلط ہے۔۔۔۔۔ مسٹی سزم کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد فراق اور ذمہ داریوں سے راہ فرار ہے۔ روحانی پیشواؤں پر یہ الزام لگاتے جاتے ہیں کہ وہ اپنی روحانی کیفیت میں مست ہو کر نہ صرف اپنے غموں کو بھول جاتے ہیں بلکہ اپنے بھائیوں کی ضروریات اور مصائب کو بھی بھول جاتے ہیں۔ غرضیکہ ان کی زندگی بنیادی طور پر خود غرضانہ ہے۔“

اس کے برعکس علمائے اسلام نے صوفیاء پر جو اعتراضات وارد کیے ہیں وہ یہ نہیں کہ صوفی لوگ زہد و تقویٰ سے گریز کرتے ہیں۔ نہ ہی ان کے خلاف کوئی یہ شکایت کرتا ہے کہ عوام کے دکھ درد میں شریک نہیں ہوتے کیونکہ وہ سب سے زیادہ حق تعالیٰ اور اس کی مخلوق سے محبت کرنے والے ہیں۔ البتہ ابتدائی چند برسوں کے لیے وہ اپنے فن (فن روحانیت) میں کمال حاصل کرنے کے لیے گوشہ نشینی اختیار کر لیتے ہیں جیسا کہ دنیا کے ہر فن میں کمال کے حصول کے لیے عزت کی ضرورت پڑتی ہے لیکن جب وہ سلوک تمام کر لیتے ہیں تو خدمت خلق میں سب سے زیادہ کمر بستہ وہی نظر آتے ہیں کیونکہ تزکیہ نفس کی وجہ سے ان کی خدمت بے لوث ہوتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ صوفیاء کرام اور مشائخ عظام نے امر اور زور و سار اور حکمرانوں کی دشمنی مول لے کر ہمیشہ غریب، فقرا اور بے کسوں کی امداد کی ہے۔ اور نہ ہی صوفیاء کرام پر تاریخ اسلام میں کسی نے یہ الزام لگایا ہے کہ وہ جزائتم میں مبتلا تھے۔ کیونکہ وہ سب سے زیادہ خوف خدار کھنے والے اور خلق خدا سے محبت کرنے والے تھے۔ یہاں تک کہ ہر دور میں عوام اور خواص کو ان حضرات سے والہانہ محبت رہی ہے۔ کسی ولی اللہ کا نام لیتے ہی لوگوں کے دلوں میں ادب و احترام کے جذبات بھر جاتے ہیں۔ اسلامی دنیا میں اولیاء کرام کی عزت اور عظمت کا یہ عالم ہے کہ جب کوئی شخص ان کا نام لیتا ہے یا لکھتا ہے تو ان کے لیے ”حضرت شیخ“ ”فلاں رحمت اللہ علیہ“ جیسے الفاظ لازماً استعمال کرتا ہے اگر دنیا سے اسلام میں کسی صوفی کی مذمت کی گئی ہے تو نام نہاد، گندم نما جو فروش صوفی ہیں۔



جن کا مکاری پیشہ ہوتا ہے، عیاری جن کی عادت ہے اور سادہ لوح مسلمانوں کی کھال اُتارنا ان کا شیوہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ ہرگز صوفی کہلانے کے مستحق نہیں ہیں اور نہ ہی کوئی شخص ان کی قدر و منزلت کرتا ہے۔ یہ لوگ اسلام کے دشمن ہیں اور مسلک تصوف کے بدنام کرنے والے ہیں۔ تصوف اور صوفیاء کرام سے ان کو دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔

غرضیکہ تصوف اور شریعت کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جن لوگوں کو شریعت سے اختلاف رہا ہے یا جن کا عمل شریعت کے خلاف رہا ہے وہ صوفی نہیں بلکہ مکار اور دھوکا باز راہزن ہیں جو صوفیائے کرام کا لبادہ اوڑھ کر شکار کرنے کے عادی ہیں۔

ہم اس بات کے بھی معترف ہیں کہ بعض علمائے شریعت نے شروع میں تصوف سے اختلاف کیا ہے لیکن بعد میں اندرونی بصیرت کے آتے ہی انہوں نے اپنا رویہ بدل دیا اور تصوف کی حمایت میں کمر بستہ ہو گئے۔ ان حضرات میں امام غزالی، امام احمد بن حنبل، حافظ ابن قیم، قاضی شوکانی، یمنی اور امام جوزی شامل ہیں۔

امام غزالی کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے ابتدائی زمانے میں تصوف کی مخالفت کے باوجود آپ نے عمر کے آخری دور میں تصوف پر احیاءِ علوم جیسی بے نظیر کتاب لکھی جس میں انہوں نے تصوف کو عین اسلام اور جان شریعت قرار دیا ہے۔ اسی طرح امام احمد بن حنبل شروع میں تصوف کے خلاف تھے لیکن بعد میں انہوں نے حضرت بشر حافی جیسے صوفیائے کرام سے روحانی فیض حاصل کیا۔

حافظ ابن قیم نے جو امام تیمیہ کے شاگرد ہیں بعد میں صوفی مشرب اختیار کیا اور کتاب السروح تصنیف کی جو روحانیت سے لبریز ہے۔ نیز انہوں نے مشہور صوفی بزرگ شیخ الاسلام حضرت شیخ عبد اللہ انصاری ہروی کی کتاب مسبد السالکین کی عارفانہ انداز میں بشرح لکھی ہے جو حقائق تصوف سے لبریز ہے۔ اسی طرح امام شوکانی یمنی جو امام ابن تیمیہ کے مسلک پر تھے بعد میں تصوف کے حامی ہوئے یہاں تک کہ ابن عربی کے مسلک وحدت الوجود کے بھی قائل ہو گئے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

تصوف کے متعلق مستشرقین کی غلط فہمی کی چھٹی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے نہ اسلام کو اور نہ پیغمبر اسلام کے مشن کو سمجھا ہے۔ وہ لوگ اسلام

کو عیسائی مذہب کے معیار پر اور پیغمبر اسلام کے مشن کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشن کے معیار پر قیاس کرتے ہیں حالانکہ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر کل تینتیس برس تھی۔ آپ کو تیس سال کی عمر میں نبوت ملی اور آپ کی نبوت کی مدت کل تین سال ہے۔ اب آپ خود قیاس فرما سکتے ہیں کہ ان تین سالوں میں آپ کیا کچھ کر سکتے تھے۔ حق بات یہ ہے کہ جو کچھ جزوی

طور پر ہر ایک نبی علیہ السلام کے سپرد تھا اس کو پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منصب میں اجتماعی طور پر شامل کر دیا گیا۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

حسن یوسف دم عیسیٰ پید بیضاداری آنچه خوباں ہمہ دارند تو تہاداری  
ہر نبی علیہ السلام میں جو خوبی انفرادی طور پر موجود تھی وہ تمام خوبیاں بیک وقت محمد مصطفیٰ احمد  
مجتبیٰ علیہ السلام کی ذاتِ بابرکات میں مجتمع کر دی گئی ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خدا کے آخری نبی ہیں خداوند تعالیٰ  
نے آپ کے ذریعے انسانی زندگی کے لیے مکمل ضابطہ حیات نازل

### مکمل ضابطہ حیات

فرمایا ہے جو تمام دنیاوی اور روحانی ضروریات زندگی کے قواعد و ضوابط پر مشتمل ہے۔ چونکہ جہانِ مادی اور جہانِ نبانی کے تمام قوانین انسانی زندگی کا جزوِ اعظم ہیں۔ سیاست سے لے کر اقتصادیات، اخلاقیات اور معاشرت تمام امور زندگی کے لیے شریعت اسلامیہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ جب خدائی قانون کے مطابق بت پرستی، زنا، جوا، شراب خوری، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے جیسے قبیح اور بھیانک جرائم حرام قرار دیئے گئے تو ظاہر ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کی شدید مخالفت ہوئی جس کا لازمی نتیجہ تصادم تھا اور تصادم ہو کر رہا۔ راہِ خدا میں برائی کو مٹانے کے لیے جو تصادم پیش آیا قرآن حکیم نے اسے جہاد فی سبیل اللہ کا نام دیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جرائم کا قلع قمع کرنے اور امن و امان بحال کرنے کی خاطر حملہ آوروں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور کسی معرکے پیش آئے جن میں فتح اسلام کو ہوئی۔ لیکن دشمنان اسلام نے جب اسلام اور پیغمبر اسلام کے اس مشن کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشن پر رکھنے کی کوشش کی تو ان کو زمین و آسمان کا فرق نظر آیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مسلک ترک تھا۔

آپ نے نہ شادی کی نہ اولاد بھی، نہ آپ کا کوئی گھر تھا نہ گھاٹ۔ جہاں رات ہو جاتی تھی آرام فرما لیتے تھے۔ نہ آپ کے مشن میں جہاد تھا نہ آپ نے جہاد کیا۔ آپ کی تعلیمات کا انحصار صرف پسند و نصیحت پر تھا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس راہبانہ زندگی کے مقابلے میں جب عیسائی لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجاہدانہ زندگی کا موازنہ کیا تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے خلاف طرح طرح کے الزام لگانا شروع کیے۔ مثلاً ایک عیسائی مؤرخ لکھتا ہے کہ:

Muhammad would have been a superman had he not

scum to lust for power.

اگر محمد کو ملک گیری کی ہوس نہ ہوتی تو وہ انسان سے بھی برتر ہوتی ہوتے۔

ان نادانوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملک گیری کی ہوس ہوتی تو وہ بغیر جہاد کیسے پہلے دن ہی پوری ہو چکی ہوتی۔ کیونکہ قریش مکہ نے آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرنے کی پیش کش کی تھی۔ قریش نے کہا کہ اگر آپ ہمارے بتوں کو بڑا کہنا چھوڑ دیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتے ہیں۔ آپ ہم سے جس قدر دولت چاہیں لے سکتے ہیں اور جس عورت کو آپ پسند کریں ہم دینے کو تیار ہیں۔ لیکن آپ نے وہی جواب دیا جو ایک جلیل القدر پیغمبر دے سکتا ہے۔ آپ نے اس پیش کش کو ان الفاظ میں ٹھکرا دیا:-

”اگر تم لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دو تو پھر بھی میں اپنے رب کا پیغام دینے سے باز نہیں آؤں گا۔“

**غلط فہمی کی ساتویں وجہ** | تصوف کے متعلق مستشرقین کی غلط فہمی کی ساتویں وجہ صوفیاء کرام کا مسلک اخفا ہے۔ سلاطین بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانے میں

تو مشائخ طریقت نے اس لیے اخفا سے کام لیا اور اپنی تمام کارروائیوں کو پوشیدہ رکھا کہ بادشاہ لوگ ان کے گرد لوگوں کے ہجوم اور بیعت وغیرہ کو دیکھ کر ان سے بدظن ہو جاتے تھے اور بغاوت کے خیال سے اس قسم کے اجتماعات کو کچل دیتے تھے۔ اس لیے یہ حضرات اپنے مسلک اور حرکات و سکنات کو مخفی رکھتے تھے لہذا مسلک طریقت کا زیادہ چرچا نہ ہوا۔ مشائخ کی جانب سے اخفا کی دوسری وجہ ان کا روحانیت کے میدان میں کمال عروج تھا۔ چونکہ مشائخ کی زبردست اکثریت ایسے کاملین و صلیب اور مقربین کی تھی جو کشف و کرامات کو بازیچہ اطفال سمجھ کر خود بھی اس سے باز رہتے تھے اور اپنے حلقہ کے لوگوں کو بھی باز رکھتے تھے، انہوں نے کم ظرفی اور اظہار کشف و کرامات کو پاس نہ پھینکنے دیا اور کمال اخفا سے کام لیا جس کی وجہ سے ان کا مسلک اور ان کے عظیم الشان کارنامے لوگوں کی نگاہوں سے اکثر و بیشتر مخفی رہے اور دشمنان اسلام نے سمجھا کہ ان کے پاس کچھ بھی نہیں ہے اور جن صوفیاء سے کشف و کرامات بے ساختہ سرزد ہوتے انہوں نے ان کو حقیقی صوفی سمجھا لیکن ان پر یہ الزام بھی لگا دیا کہ چونکہ اسلام کی سرزمین روحانیت سے خالی اور بالکل بنجر تھی ان لوگوں نے عیسائی اور ہندو ارباب روحانیت کی خورشید چینی کی ہے۔ ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ جن حضرات نے کشف و کرامات کو چھپایا وہ تو روحانیت کے بلند ترین مقام یعنی لقا باللہ پر فائز تھے اور جان بوجھ کر کشف و اظہار سے پرہیز کرتے تھے اور یہی وہ چیز ہے جو پیغمبر اسلام علیہ السلام اور صحابہ کرام کی خاص شان تھی اور یہی خصوصیت کو اکابر مشائخ اسلام نے قائم رکھا۔

ان حضرات کے کمال اخفا کی دوسری وجہ یہ تھی بندہ اور مولا کے درمیان یا بالفاظ دیگر عاشق و معشوق اور محب اور محبوب کے درمیان جو رشتہ ہوتا وہ نہایت نازک اور پوشیدہ رکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ یہ ان کا ذاتی تجربہ تھا کہ جب بھی کسی بزرگ کی طرف سے عشق و محبت کا راز و نیاز ظاہر کیا گیا حق تعالیٰ کی طرف سے ان پر عتاب نازل ہوتا تھا اور مراتب سلب کر لیے جاتے تھے اولیاء کرام کا مقولہ ہے کہ ایک نبی کو حکم ہوتا ہے کہ اپنی نبوت کا اعلان کرے اور ولی کو حکم ہوتا ہے کہ اپنی ولایت کو چھپائے رکھے۔ اکابر اولیاء کا ظرف اس قدر بلند تھا کہ انہوں نے کبھی بھی مغلوب الحال ہو کر اپنے باطنی حال و مقام کو لوگوں پر ظاہر نہ ہونے دیا بلکہ شراب و صل کے جس قدر پیالے پیتے تھے ہل من مزید کے نعرے لگاتے جاتے تھے۔ اور یہی پیغمبر اسلام علیہ السلام کی خصوصیت ہے۔ آپ کو بقا باللہ یعنی عبدیت میں کمال تھا۔ اس لیے نہ مغلوب الحال ہونے نہ آپلے سے باہر آتے۔ آپ کی سنت میں اکابر اولیاء کا بھی یہی دستور رہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب رسول خدا صلعم صحابہ کرام اور تابعین، تبع تابعین حضرات کے کمال اخفا کی وجہ سے دشمنان اسلام کو کشف و کرامات اور غلبہ حال کی کوئی مثالیں نظر نہ آئیں تو انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اسلام روحانیت سے خالی ہے اور جو کچھ صوفیوں کو ملا ہے باہر سے ملا ہے۔ یہ جہالت کی انتہا ہے۔

غلط فہمی کی آٹھویں وجہ

تصوف کے متعلق غلط فہمی کی آٹھویں وجہ یہ ہے کہ صوفی شعرا نے جب اپنی بلند روحانی واردات یعنی مشاہدات، تجلیات، حقائق معارف و اسرار و رموز کو انسانی زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے عشق حقیقی کی داستانوں کیلئے وہی الفاظ استعمال کیے جو عشق مجازی کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثلاً محبوب حقیقی کو انہوں نے بت اور صنم کے ناموں سے ظاہر کیا۔ قرب حق میں جوستی، محویت اور استغراق ہوتا ہے اس کو انہوں نے شراب کا نام دے کر ظاہر کیا، اسی طرح محبوب حقیقی کی طرف سے بے اعتنائی اور شدت کو انہوں نے تیغ اور تیور کا نام دیا اور تجلیات حسن حقیقی کو انہوں نے معشوق کے خد و خال اور لب لعل کا نام دیا کیونکہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔ غالب نے اسی مشکل کو ظاہر کرتے ہوئے کہا ہے۔

ہر چند کہ ہو مشاہدہ حق میں گفتگو بنتی نہیں ہے بادہ و سناغر کے بغیر

دوست کے رخ انور کو صوفی شعرا نے اسلام کا نام دیا اور اس کی تعینات کو زلفوں سے تشبہ دے کر انہوں نے اسے کفر سے تعبیر کیا۔ کیونکہ تعینات (اشیاء عالم) کی آڑ

میں خالقِ عالم نے اپنے آپ کو چھپا رکھا ہے۔ انہوں نے زلفوں یا تعینات میں مشغول ہونے کو کفر قرار دیا۔ چونکہ محققین صوفیاء کرام کے نزدیک وحدت الوجود حق ہے اور چونکہ مجاز کی دنیا میں انہوں نے شریعت کی پابندی لازمی سمجھ کر جو عبادت کی اس کو انہوں نے کفر کہا، کفر اس لیے کہا کہ حقیقت میں چونکہ وجود ایک ہے جو خدا کا وجود ہے اور حقیقت کی دنیا میں نہ کوئی ساجد ہے نہ معبود، نہ عابد ہے نہ معبود۔ لیکن جب عروج سے نزول اور فنا سے بقا کی طرف یہ حضرات لڑتے تھے تو حقیقت کو یعنی وحدت وجود کو ترک کر کے کثرت وجود میں آتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں تو وہ لوگ اپنے اس فعل کو کفر کا نام دیتے ہیں۔ کفر کے معنی بھی چھپانے کے ہیں چونکہ وہ حقیقت وحدت کو چھپا کر مجاز اور اعتباری کثرت میں آتے ہی اس لیے اپنے آپ کو کافر کہتے ہیں تاکہ لوگ ان کو ملامت کریں اور ان کا راز چھپا رہے۔ اب یہ وہ چیز ہے کہ جس سے بڑے بڑے عقل مندوں کے وضو ٹوٹ جاتے ہیں اور حیران ہو کر یہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ فی الواقع یہ صوفی لوگ کافر ہو گئے۔ چنانچہ ایک صاحب کا شعر ہے۔

کافر نشدی لذتِ ایماں پر شناسی خود را نہ پرستی عرفاں پر شناسی

امروزہ نہ دیدی تو اگر روئے صنم را فردا بقیامت رخ جاناں پر شناسی

ظاہر ہے کہ اس کفر سے مراد کفر حقیقی ہے یعنی جب تک تو مقام فنا فی اللہ اور وحدت الوجود کو ترک کر کے عبادتِ الہی میں مشغول نہیں ہوگا ایمان کی لذت نہیں پاسکتا۔ یہاں مقام فنا اور وحدت الوجود کے ترک کو کفر کہا گیا ہے اور خدا کی پرستش کو اپنی پرستش کہا گیا ہے کیونکہ مقام فنا میں وہ ذات حق کے ساتھ ایک ہو چکا تھا۔

غرضیکہ صوفیاء کرام کے اس قسم کے بے ساختہ زیادتہ محیر العقول اقوال سطحی نظر کے لوگ ہرگز نہیں سمجھ سکتے۔ اور طرح طرح کے شکوک و شبہات کا شکار ہو کر غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

# خصوصی الزامات اور جوابات

اب ہم مستشرقین کے خصوصی الزامات کا جائزہ لے کر قارئین کرام کے سامنے ان الزامات کے وہ جوابات پیش کرتے ہیں جو خود منصف مزاج اور اعتدال پسند مستشرقین نے دیئے ہیں۔

نے اپنی کتاب

RICHARD HERTMANN

AL QUSHAIRIS DASTELLUNG

ریچارڈ ہارٹ مین کے عائد کردہ الزام

DES SUFILMUS میں لکھا ہے۔

چونکہ ابوعلی سندی مشہور صوفی بزرگ بایزید بسطامی کا استاد تھا اس سے قطعی اور یقین طور پر ثابت ہوا کہ تصوف کی اصل ہندو مذہب ہے۔

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنا بڑا عالم فاضل اور اس قسم کا بودا استدلال کہ چونکہ شیخ بایزید کا استاد ابوعلی سندی تھا اس لیے تصوف ہندو مذہب کی پیداوار ہے۔ کیا تمام مسلمان جو برصغیر ہندو پاکستان میں رہے ہیں یا رہتے ہیں ہندو مذہب کے مرہون منت ہیں۔ اگر ہارٹ مین صاحب نے تاریخ اسلام کے ورق اٹھانے کی زحمت گوارا کی ہوتی تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ برصغیر کے علماء مشائخ نے ہندوؤں کے ساتھ کفر و اسلام کی کتنی جنگیں لڑی ہیں خاص طور پر برصغیر کے صوفیاء کرام نے ہندو جوگیوں اور روحانی پیشواؤں کو نچا دکھا کر ہزاروں لاکھوں ہندوؤں کو نور اسلام سے مشرف کیا۔ لیکن ساری تاریخ اسلام پر پانی پھیر کر ہارٹ مین صاحب کو صرف یہی بکوز ترین شہادت کا سہارا ملا ہے کہ چونکہ ابوعلی سندھ کے باشندہ تھے اس لیے ساری اسلامی دنیا یعنی عرب، ترکستان، افریقہ، چین، ہر جگہ کے صوفیاء پر صرف ایک صوفی بایزید بسطامی چھا گئے اور سب پر ابوعلی سندھی کا مسلک مسلط کر دیا۔ کیا ہم فاضل مصنف سے پوچھ سکتے ہیں کہ بایزید بسطامی سے پہلے جو صوفیاء کرام ہو گزرے ہیں ان پر ابوعلی سندھی اور بایزید بسطامی کے اثرات کیسے چھا گئے اور انہوں نے کس طرح تصوف کا مسلک اختیار کر لیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسلامی دنیا اور اسلامی تاریخ میں کہیں حضرت بایزید بسطامی کے شیخ ابوعلی

سندھی کا نام نہیں ملتا۔ معلوم نہیں جرمنی کے ہارٹ مین صاحب نے یہ بات کہاں سے حاصل کی۔ تاریخ اسلام تو یہ کہتی ہے کہ حضرت بایزید بسطامی کو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی روحانیت سے فیض حاصل ہوا ہے۔

انگلستان کے نامور مصنف اور مستشرق اعتدال پسند پروفیسر آربری نے بھی اسی بات پر ہارٹ مین کو چیلنج کیا ہے اور اپنی کتاب مقدمہ تاریخ تصوف میں لکھا ہے :-

”معلوم نہیں کس وجہ سے ہارٹ مین نے یہ سمجھ لیا کہ ”نسبتِ سندی“ کا مرجع ہندوستان کا صوبہ سندھ ہے۔ اس سے زیادہ قرین قیاس تو یہ بات ہے کہ سدا ایک بستی کا نام نہ ہو بلکہ بساتم کے قریب ہے اور ابجد سے زیادہ دور نہیں ہے جیسا کہ ”ریاقتِ تاجم البلدان“ کی جلد پانچ ص ۱۵۲ میں درج ہے۔ چونکہ سدا اور بساتم دونوں گاؤں ایک دوسرے کے قریب صوبہ خراسان میں واقع ہیں یہ ہو سکتا ہے کہ بائزید ساکن بساتم نے ابوعلی ساکن سدا سے سبق حاصل کیے ہوں۔“

ہارٹ مین کے دیگر الزامات

ہارٹ مین نے تصوف کے خلاف دیگر الزامات یہ لگائے ہیں کہ تصوف کی اصل زرتشت ہے۔ یہودی قبائل عیسائی منسٹی سزم ہے اور نوافلاطونیت ہے۔ دیکھیے ایک ہی سانس میں انہوں نے تصوف کے کتنے باپ گزادیتے ہیں۔ کیا یہ تضاد بیانی نہیں ہے اور کیا ان کا ایک نظریہ THEORY دوسرے نظریات کو خود بخود ختم نہیں کر دیتا۔ افسوس ہے کہ اپنی تضاد بیانی SELF CONTRADICTION کو فاضل مصنف نے محسوس نہ کیا۔

ہارٹ مین کے اس الزام کے متعلق پروفیسر آربری کتاب مذکور میں لکھتے ہیں کہ :-

یہ دیکھ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اول تو یہ تمام نظریات ایک دوسرے کی نفی کرنے والے یعنی

HETEROGENEOUS ہیں۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ ان متضاد نظریات کو کیسے یکجا کیا جاسکتا ہے اور کیسے اس چوں چوں کے مرتبے کو تصوف

کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اس سوال کا جواب ہارٹ مین یہ دیتے ہیں کہ اس کام کے

زمردار جنید بغدادی ہیں۔ لہذا ہارٹ کا مقصد یہ ہے کہ اب ان تمام شواہد کو جمع کر کے

تجزیہ کیا جائے۔ ممکن ہے کہ شاید ہمیں تصوف کی اصل کا کوئی ثبوت مہیا ہو سکے۔

البتہ کمال ہے ہارٹ مین کی منطق کا۔ ایک طرف تو وہ ”قطعی اور بین طور“ پر ثابت کر چکے ہیں کہ تصوف کی اصل ہندومت ہے۔ دوسری طرف یہ بات کھڑی کر دی کہ تصوف کی اصل یہودی قبائل ہے اور

زرتشت ہے اور عیسائی منسٹی سزم اور نوافلاطونیت NEOPLATONISM ہے۔ اب

تیسری بات کہہ کر انہوں نے اپنی تمام باتوں پر پانی پھیر دیا ہے یعنی اب وہ یہ کہتے ہیں کہ اب ہم تمام لوہے

سکالروں کو مل کر اس بات کا کھوج لگانا چاہیے کہ تصوف کی اصل کیا ہے۔ سبحان اللہ! کیسی منطق ہے

اور کیسا استدلال ہے ایک طرف تو قطعی اور بین طور پر فیصلہ صادر کر دیتے ہیں کہ تصوف کی اصل ہندو ازم ہے اس کے بعد پھر شک میں پڑ جاتے ہیں اور یہودی قبائل، زرتشت، عیسائی مسیحی سنزم اور نوافلاطونیت کو تصوف کا ماخذ قرار دیتے ہیں اور آخر میں یہ قلابازی کھاتے ہیں کہ ان تمام نظریات کو جمع کر کے تجزیہ کرنے اور تصوف کی اصل معلوم کرنے کی ضرورت بھی باقی ہے۔ فاضل مصنف کی یہ منطق تو ہمارے ایشیائی دماغ ہرگز قبول نہیں کر سکتے اور نہ ہی ڈاکٹر آربری جیسے یورپی دماغ نے قبول کی ہے۔

سٹراٹھین کو تاریخ تصوف میں یہ دیکھنے کی ضرورت بھی نہ محسوس ہوئی کہ جنید بغدادی جن کو وہ دنیا کی تمام روحانی تحریکوں یعنی زرتشت، یہودی قبائل، عیسائی مسیحی سنزم اور نوافلاطونیت کا ماہون منت قرار دیتے ہیں کون تھے اور ان کا سلسلہ طریقت کیا ہے۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ جنید بغدادی عرب تھے اور ان کی رگوں میں ایرانی خون کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا۔ وہ اپنے ماموں حضرت شیخ سری سقطی کے مرید و خلیفہ تھے، جو حضرت شیخ معروف کرخی کے مرید و خلیفہ تھے، وہ داؤد طائی کے، وہ حبیب عجمی کے، وہ خواجہ حسن بصری کے اور آپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اور آپ سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت شیخ جنید بغدادی شریعت اسلامیہ کے اس سختی سے پابند تھے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ساری عمر میں مجھ سے شریعت کی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی ترک نہ ہوئی۔ ایک دفعہ ان کے ایک رشتہ دار نے جو سرکاری ملازم تھے۔ آپ کی خدمت میں کچھ کھانا بھیجا جو آپ نے اس لیے تناول نہ فرمایا کہ یہ سرکاری خزانے کا مال ہے اور اس کی حلت یا حرمت مشتبہ ہے۔ اس لیے انہوں نے وہ کھانا دریا میں پھینک دیا اور پھر ساری عمر اس دریا کی مچھلی نہ کھائی۔ اس خیال سے کہ دریا کی مچھلیوں نے وہ مشکوک غذا کھائی ہوگی۔ اسی طرح بایزید بسطامی کی پابندی شریعت کا یہ حال تھا کہ انہوں نے ساری عمر خر بوزہ نہ کھایا کیونکہ ان کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خر بوزہ کس طرح کھا اور کس طرح کھایا ہوگا اور ممکن ہے کہ کسی دوسرے طریقے سے خر بوزہ کھانے سے وہ خلاف سنت عمل کر بیٹھیں۔ پھر بھی اس قدر متباعان اسلام اور مجاہد شریعت پر اہل مغرب یہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے دوسرے مذاہب کے کافرانہ اور مشرکانہ نظریات کو اپنایا۔ کس قدر ظلم، اندھیر اور غضب، جہالت اور تعصب ہے۔

ولیم جونز WILLIAM JONES ایک اور مستشرق ہیں جو تصوف کو ہندو ویدانت کا ماہون منت قرار دیتے ہیں اس وجہ سے کہ دونوں میں مشابہت بہت ہے۔ پروفیسر آربری اس اعتراض کا یوں جواب دیتے ہیں۔

ولیم جونز کے الزامات



”لیکن ولیم جونز کی قیاس آرائی کی بنیاد ایرانی شعراء کا کلام ہے۔ ان کو اصل عربی دستاویزوں کے مطالعہ کا موقع ہی نہیں ملا جن کے تجزیہ کی اشد ضرورت ہے تاکہ تصوف کی اصل پر مزید روشنی پڑ سکے۔“

جان میکلم کے الزامات (JOHN MALCOLM) کا شماران مستشرقین میں ہوتا ہے جو ہندو ازم کو تصوف کا ماخذ قرار دیتے ہیں۔ ان کے متعلق پروفیسر آبروی لکھتے ہیں:-

”سر جان میکلم نے اپنی کتاب تاریخ فارس HISTORY OF PERSIA میں تصوف کے بنیادی اصولوں پر طویل بحث کی ہے جو طویل غلط فہمیوں کا پلندہ ہے۔ میکلم کی ریسرچ کا ماخذ کیپٹن گراہم (GRAHAM) کا وہ لیکچر ہے جو انہوں نے ۱۸۱۱ء میں بمبئی کی ادبی سوسائٹی میں دیا۔ جہاں تک خود گراہم کی معلومات (ماخذ) کا تعلق ہے وہ ایسی کم مایہ اور کم پایہ ہیں کہ ان کی طرف ذرہ بھر التفات نہیں کیا جاسکتا ہے۔ نیز میکلم نے جو صوفیاء کے سلاسل کی فہرست اور ان کے تمام اعداد و شمار دیئے ہیں وہ بھی بہت بے تکے ہیں۔ تصوف پر ایرانی اثرات کے برعکس پروفیسر آبروی کتاب مذکور میں یہ ثابت کرتے ہیں ایران کے صوفی شعراء کے عارفانہ کلام کا یورپ پر گہرا اثر ہوا۔ وہ لکھتے ہیں:-

”ایران کا عارفانہ کلام کافی مدت سے جرمنی پر اثر انداز ہو رہا تھا اور جرمنی کے نامور شاعر گوٹے (GOETHE) اس سے بڑی حد تک متاثر ہوئے ہیں۔ فرانس میں وہاں کے مایہ ناز بزرگ سیلو سٹر ڈے سیکی (SILVESTER DE SACY) پر بھی تصوف کو بڑا اثر ہوا جس کی وجہ سے انہوں نے ۱۸۱۹ء میں شیخ فرید الدین عطار کے پند نامہ کا متن اور ترجمہ شائع کیا۔“

تھالاک کے الزامات (THOLUCK) تھالاک کے متعلق پروفیسر آبروی لکھتے ہیں کہ:-

”میکلم کی تاریخ فارس کے بعد یورپ میں تصوف کے متعلق سب سے بڑی تصنیف ایف۔ آر۔ ڈی۔ تھالاک کی صوفیہ (SUFIMUS) ہے جو پھر حاضر کے صحافت کے معیار کی رو سے ایک معمولی چیز ہے۔۔۔ تھالاک اپنے قارئین پر اپنی عظیم ریسرچ اور لسانی قابلیت کا رعب جانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اس کام میں وہ ناکامی کا شکار ہو جاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنا نظریہ ثابت کرنے کے لیے ان کو جو مواد حاصل ہوا وہ بالکل ناکافی تھا۔ ان کے مواد کا زیادہ تر ذخیرہ ایران سے لیا گیا



ہیں انہوں نے عالمانہ اور محققانہ انداز میں ثابت کیا ہے کہ تصوف کا فارسی شاعری پر کتنا بڑا اثر ہوا ہے۔

آخر میں آربری اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ:-

”تصوف کی تاریخ مرتب کرنے کے قابل صرف وہ لوگ ہیں جو تصوف کی تعلیمات کو خلوص اور محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔“

انگلستان کے شہر پادری۔ ڈی۔ بی۔  
میکڈانلڈ (D. B. MACDONALD)

عیسائی پادری میکڈانلڈ کا اعتراض اور اعتراف

بہت بڑے عیسائی مبلغ (MISSIONARY) ہیں جو عرصہ دراز تک مصر وغیرہ میں عیسائیت کی تبلیغ میں مشغول رہے اور تصوف کا گہرا مطالعہ کیا۔ اپنی اوائل عمر کی تصنیف "RELIGIOUS ATTITUDES AND RESEARCH IN ISLAM" میں وہ تصوف کو عیسائی مسی سزم اور نوافسطونیت (NEOPLATONISM) کا ممنون منت قرار دیتے ہیں لیکن بعد کی ریسرچ کے نتیجے میں اپنا یہ نظریہ ترک کر کے اپنی کتاب ASPECTS OF ISLAM میں لکھتے ہیں:-

”اب مجھے تصوف کی اصل کے مطابق کچھ کہنا ہے۔ اسلام کی ہر بات کی طرح تصوف کا تخم محمدؐ کے دل میں تھا۔ میرے نزدیک محمدؐ کی عظمت کا ثبوت اسلام کی عظمت ہے۔ قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر تصوف کی ہر چیز موجود ہے۔ قرآن میں ایسی عبارات بھی موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ محمدؐ کے صوفی تھے۔ جو حقیقت کے بھربے کران میں بغیر کسی ظاہری راہ دکھانے والے اور نشان دہی کرنے کے آسانی سے سفر کر رہے تھے۔ قرآن میں ایسے الفاظ بھی موجود ہیں کہ جن سے وحدت الوجود کی تائید ہوتی ہے۔“

میکس ہوٹن (MAX HORTEN) کا شمار مستشرقین

میکس ہوٹن کے الزامات

میں ہوتا ہے جو نظریہ ہندو اثرات کے قائل ہیں۔ لیکن

پروفیسر آربری جیسے سخت گیر ریسرچ سکالران کی یوں خبر لیتے ہیں:-

”ہوٹن سے زیادہ کسی سکالرنے تصوف پر ہندو اثرات کا نظریہ ثابت کرنے میں زور

نہیں لگایا۔ لیکن ان کے استدلال اور ایک طرف فیصلوں کو کسی نے قبول نہیں کیا۔

جب میکس ہوٹن لکھتے ہیں کہ منصور صلاح برہمن انداز فکر کا مالک تھا ہمیں حیرت ہوتی ہے

کہ انہوں نے صلاح کے متعلق پروفیسر ماسینون (MASSIGNON) اور ڈاکٹر

نکلسن کی رائے کا بھی کبھی مطالعہ کیا جنہوں نے ثابت کیا ہے کہ علاج ایک سچا موحد تھا۔ سچ تو یہ ہے ہوڑٹن کی تصانیف کا مقصد کھلا اکابر اسلام پر کچھ اچھا لنے کے سوا کچھ نہیں۔“

(MIGUL ASIN PLACIOS) مائیکل آسن پلے سیوس

## آسن پلے سیوس کے الزامات

سپین (انڈلس) کے ایک مشہور مصنف ہیں جن کا خیال یہ

ہے کہ تصوف عیسائیت کا ممنون منت ہے۔ انہوں نے قرآن مجید کی پینتالیس ایسی آیات جمع کی ہیں جن کا مطلب انجیل کی پینتالیس عبارتوں سے ملتا جلتا ہے اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ خود قرآن انجیل سے ماخوذ ہے۔ پروفیسر آربری نے اپنی کتاب مذکور میں اس کی یوں تردید کی ہے۔

”قرآن خود صاف طور پر بیان کرتا ہے کہ جو وحی محمد پر نازل ہوئی وہ تصدیق کرتی ہے

اس وحی کی جو آپ سے پہلے انبیاء پر نازل ہوئی (۲: ۸۵-۳۱: ۹۱-۸۰ وغیرہ) اس لیے

اگر اسلامی تعلیمات اور عیسائی تعلیمات میں کوئی مشابہت نہ ہوتی تو الٹا یہ حیرانی کی بات

ہوتی اور حقیقت یہ ہے کہ دونوں مذاہب کے قوانین اور روحانی اصولوں میں کافی

یکسانیت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حقیقت ایک اور غیر منقسم ہے۔ لہذا بلند روحانی

مقامات پر یکسانیت کا ہونا ناگزیر تھا۔ انصاف کی بات کرنا علم ادب کا بہترین اصول ہے

لیکن مجھے افسوس کہنا پڑتا ہے کہ ایک بھی غیر مسلم سکالر نے اس پر عمل نہیں کیا اور ہر شخص نے

یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام میں جو بھی اچھائی ہے وہ دوسرے مذاہب

سے حاصل کی گئی ہے۔ یہ دیا ندرانہ ثقافت نہیں ہے بلکہ بدترین قسم کا مذہبی تعصب

ہے۔ ہر چیز کی اچھائی ثابت کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اسے منطق کی کسوٹی پر پرکھا

جائے۔ آئیے ہم پلے سیوس کے بیانات کی اسی انداز سے تنقید کرتے ہیں۔“

اس کے بعد پروفیسر آربری ایک طویل بحث کے ذریعے پلے سیوس کے الزامات کا جواب

دیتے ہیں جن کی یہاں گنجائش نہیں۔ اس کتاب میں آربری نے یہ بھی لکھا ہے کہ پلے سیوس نے ایک

کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے اسلام اینڈ ڈیوائن کامیڈی اس کتاب میں انہوں

نے تین دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اٹلی کے مایہ ناز شاعر ڈانٹے (DANTE) کی مشہور

تصنیف کامیڈیا ڈیوائنا (COMEDIA DEVINA) میں سپین کے صوتی

بزرگ ابن عربی کی کتاب فتوحات مکئیہ کی نقل لگائی گئی ہے۔ اس سے اگرچہ اٹلی کے ادبی حلقوں میں کافی

شور و غل برپا ہوا لیکن کسی سے اس کی تردید نہیں ہو سکی۔ اس پر آربری کہتے ہیں کہ یہ کتاب لکھ کر آسن پلے

سیوس نے اپنی آپ تردید کر دی ہے کیونکہ ایک طرف تو ان کا خیال یہ ہے کہ صرف ایسے اسلام  
عیسائیوں سے متاثر ہوئے اور کتاب مذکور میں ثابت یہ کرتے ہیں کہ عیسائی ارباب روحانیت نے مسلم  
صوفیاء سے بہت بڑی حد تک اثرات قبول کیے ہیں۔ آری کے اپنے الفاظ یہ ہیں :-

”لیکن اپنی کتاب ڈیوائن کامیڈی میں پلے سیوس اپنے آپ کو الٹ  
گیر (REVERSE GEAR) میں ڈال کر ثابت یہ کر بیٹھے کہ ابن عربی جیسے

مسلم صوفیاء کا ڈانٹے پر گہرا اثر ہوا۔۔۔ یہ کہنے سننے کے بعد جو حقیقت باقی رہ جاتی  
ہے وہ یہ ہے کہ ابن عربی جیسے بلند ترین اسلامی جوہر پر ہماری ریسرچ تا حال الف  
باتک محدود ہے۔ ابن عربی کی مثال ایک عظیم الشان پہاڑ کی ہے کہ جس کی چوٹی  
اب تک کسی سے سسر نہیں ہو سکی۔ حتیٰ کہ یہ بھی کسی کو معلوم نہیں ہو سکا کہ اس چوٹی  
کے گرد کا علاقہ کیسا ہے اور وہاں تک رسائی کا راستہ کیا ہے۔ ہمیں تو آج تک  
یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ ابن عربی کے علوم، حقائق و معارف کے چشمے کہاں پھوٹتے  
ہیں کہ جن سے ایک عظیم الشان دریا نے نکل کر اسلامی اور عیسائی سرزمین کو برابر سرسبز  
شاداب کر دیا۔۔۔ اس سے ظاہر ہے کہ مستشرقین کی تصانیف میں جو فیصلے  
کیے گئے ہیں ان سے کوئی مفید مطلب نہیں نکل سکتا۔“

اسن پلے سیوس کی کتاب اسلام اینڈ ڈیوائن کامیڈی کے متعلق  
آری نے مزید کہا ہے کہ :-

”فاضل مصنف اسن پلے سیوس نے اپنی کتاب اسلام اینڈ ڈیوائن کامیڈی  
میں عظیم الشان ثرا سے ثابت کیا ہے کہ ڈانٹے اسلامی اصطلاحات سے بخوبی واقف  
تھے اور انہوں نے اپنی طویل نظم میں اگلے جہان کا جو نقشہ کھینچا ہے اس کے لیے وہ  
ہسپانیہ کے عظیم صوفی ابن عربی کا مہر ہون منت ہے۔ یہ ایک منفرد مثال ہے،  
اسلامی دنیا کے اس عظیم الشان تہذیب و تمدن کے دریا کی جو یورپ کی طرف بہ رہا تھا۔  
مثلاً سین کے روحانی شاعر (MYSTIC) سینٹ جان آف دی کراس کا کلام پڑھنے  
کے بعد ممکن ہی نہیں کہ ہم اس نتیجے پر نہ پہنچیں کہ یہ سب سین کے مسلم صوفیاء کا اثر ہے۔“

جہاں تک کٹلان ریماڈ لولی (CATALAN REMOND LULLY) کا تعلق

ہے اس بات میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں کہ انہوں نے مسلم صوفیاء سے  
گہرے اثرات قبول کیے کیونکہ وہ عربی زبان اچھی طرح جانتے تھے اور انہوں نے

روم میں علوم اسلامیہ کی ایک درس گاہ قائم کر رکھی تھی۔

ڈاکٹر نکلسن کا اعتراف

اسلامی اثرات کے موضوع پر ڈاکٹر نکلسن NICHOLSON لکھتے ہیں

”روحانی سائیکالوجی اور روحانی بلندیوں کے متعلق اب بھی اہل مغرب اسلام سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ عیسائی یورپ نے تہذیب و تمدن کے میدان میں اسلام سے کتنا بڑا قرض حاصل کیا اس کی تفصیل معلوم کرنے میں ہم تاحال قاصر رہے ہیں۔ البتہ اتنا کہا جاسکتا ہے کہ یہ قرض بہت بڑا تھا۔ ہم لوگ یہ خیال بھی نہیں کر سکتے کہ ہمارے اکابر مثل ٹامس ایکوئی ناس (THOMAS ACQUINAS) ایگھارٹ ECKHART اور ڈانٹے DANTE اسلامی اثرات سے محروم رہے ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روحانیت وہ علاقہ ہے کہ جہاں اسلامی تصوف اور عیسائی روحانیت کا گہرا میللاپ ہوا اگرچہ ہماری ریسرچ اب تک نامکمل ہے۔ پھر بھی یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اسلام کی فتاویٰ تحریک کا قرون وسطیٰ میں یورپ کی گلدستہ تحریک پر گہرا اثر ہوا۔“

آگے چل کر نکلسن اپنی کتاب Idea of Personality of God میں لکھتے ہیں:-

”یہ بات تو ثابت ہو چکی ہے کہ تصوف کی اصل قرآن اور سنت ہے اور جب تک ہم اسے اس کے اصلی ماخذ (قرآن و سنت) کی روشنی میں نہ دیکھیں اسے سمجھنے سے قاصر ہیں اب میں ایک اور بات کہتا ہوں وہ بات جس کی بعض نے تردید کی ہے یا شک و شبہ سے دیکھا ہے۔ وہ یہ کہ محمد خدا کے سچے پیغمبر ہیں اور ان کی وحی خدا کی سچی وحی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ساری اسلامی دنیا کا اس بات پر اتفاق ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس حقیقت کے بغیر اسلامی تاریخ ہرگز اس قدر شاندار نہیں ہو سکتی تھی۔ لوگ خواہ کچھ کہیں قرآن میں بے شمار ایسی باتیں ہیں جو تصوف کی بنیاد ہیں۔“

اپنے شاگرد آربری کے خط کے جواب میں ڈاکٹر نکلسن نے حدیث نبوی اور تصوف کی شان

میں جن جذبات کا اظہار کیا اس کا خلاصہ یہ ہے:-

”سید عبداللہ سہروردی نے انڈیا اور انگلینڈ میں علمی و ادبی کارناموں کے ذریعے اسلامی زندگی اور اسلامی تہذیب و تمدن کو جس طرح زندہ کیا ہے اس سے مغربی دنیا میں صدیوں سے جو علمی اور تعصب چلا آ رہا تھا اب وہ دور ہو رہا ہے اور اسلام کی عظمت کا مہذب دنیا میں صحیح اندازہ ہونے لگا ہے خاص طور پر ان کا ترجمہ حدیث نبوی ہے جس کا نہ صرف

روس کے ادیب ٹالسٹاے (TOLSTOY) پر گہرا اثر ہوا ہے بلکہ میرے اپنے وطن  
مفکرین کو بھی پیغمبر اسلام کی ان روحانی اور عملی زندگی کی بے بہا حکمتوں سے آگاہ کیا ہے  
جو رسول عربی کے متبعین کا مایہ ناز ورثہ ہے جو انہوں نے بطریق احسن جمع کیا اور باقی دنیا  
تک پہنچایا اور یہ ان حضرات کی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ آج یہ ورثہ نبوی ساری دنیا کا مشترکہ  
سرمایہ بن گیا ہے۔ صوفیاء کی زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت مجھ پر بھی منکشف ہو  
چکی ہے کہ قرآن و حدیث کی دوہری بنیاد TWIN FOUNDATION کے بغیر تصوف  
کی یہ خوبصورت اور عالی شان عمارت تعمیر ہو سکتی تھی نہ قائم رہ سکتی تھی جس فقر کو پیغمبر اسلام  
نے اپنا فخر قرار دیا وہ دراصل روحانی فقر تھا جس کی وجہ سے آپ خدا کے سوا سب کچھ ترک  
کر سکتے تھے۔ اس فقر کا ظاہری نشان یہ تھا کہ آپ کو مادی دنیا سے کوئی رغبت نہ تھی۔  
ڈاکٹر ٹنگسن آگے چل کر لکھتے ہیں:-

بعض مصنفین نے تاریخ تصوف لکھنے کی ناکام کوشش کی ہے لیکن کوئی اطمینان بخش  
نتیجہ نہیں نکلا۔ اس کی وجہ معلوم کرنا مشکل نہیں۔ اب میں ایک قطعی بات کہتا ہوں۔ وہ یہ  
کہ اس وقت تصوف کے متعلق ہم جزوی طور پر بھی کچھ نہیں لکھ سکتے کیونکہ بد قسمتی سے تصوف  
کی بنیادی کتب میں تا حال غیر مطبوعہ نسخوں کی صورت میں پڑی ہیں جن کے بغیر تصوف کا  
تصفیہ جازہ ناممکن ہے ماسینیوں (MASSIGNON) کی کتاب لاپشیاں ڈے الحلاج  
(LA PASSION DE ALHALLAJ) کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ جن دستاویز پر ان کا انحصار  
رہا ہے وہ اب تک غیر مطبوعہ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی سکالر کے لیے اس وقت  
تصوف کے متعلق کوئی فیصلہ دینا ناممکن ہے۔ اس لحاظ سے ماسینیوں کا یہ کارنامہ ہمارے  
لیے ایک ٹیسٹ کیس (TEST CASE) ہے۔

لوتی ماسینیوں کا اعتراف | فرانس کے فاضل مصنف ڈاکٹر لوتی ماسینیوں (LUIS  
MASSIGNON) یورپ میں شیخ منصور حلاج پر سند

(AUTHORITY) ماننے جاتے ہیں۔ ماسینیوں نے جان بوجھ کر حلاج کو اپنی ریسرچ کا مضمون اس  
لیے بنایا ہے کہ حلاج ایک اختلافی (CONTROVERSIAL) شخصیت ہیں اور اکثر مستشرقین نے  
انکی طرف حسرت لگا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وحدت الوجود کی وجہ سے وہ عیسائی مذہب کی  
طرف راغب ہو گئے تھے اور اسلام ترک کر دیا تھا اسلامی وحدت الوجود اور حلاج کی اسلام اور پیغمبر اسلام صلعم  
سے محبت کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ حالانکہ غلبہ استغراق میں بھی وہ قید خانہ کے اندر ہر رات پانچ سو رکعت نفل

ادا کرتے رہے جب کہ ان کو گرفتار کرنے والے خود کم سے کم فرائض اور سنن موکدہ پر اکتفا کرتے تھے۔  
 ماسینیوں کی دیانت اور محققانہ کاوشوں کے متعلق پروفیسر آربری لکھتے ہیں :-  
 ”مستشرقین کے لیے یہ کہہ کر خاموش ہو جانا کافی نہیں کہ علاج تے نظریہ فناء ہندوؤں کے  
 فلسفہ ”دھیان“ اور ”پنجتلی“ سے اخذ کیا۔ یہ نظریہ قبول کرنے سے پہلے چند امور کا  
 ثابت کرنا ضروری ہے ان میں سے زیادہ اہم یہ اصول ہے کہ آیا اس زمانے میں اسلام  
 اور ہندو مذہب کے درمیان تبادلہ خیالات ممکن بھی تھا۔ ماسینیوں کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے  
 اس اصول کے مطابق تصوف کی اصل کے متعلق تمام نظریات (THEORIES) پر  
 ریسرچ کی ہے مثلاً تصوف پر ہندو اثرات کا نظریہ، عیسائی اثرات کا نظریہ، ایرانی اثرات  
 نو افلاطینیت کا نظریہ اور مجوسی اثرات کا نظریہ۔ اس تنقید قطع و برید اور تعدیل کے بعد ماسینیوں  
 اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ :-

”تصوف اسلامی کی ابتدا قرآن ہے جو ہمیشہ پڑھا جاتا ہے جس پر ہمیشہ غور و خوض کیا جاتا ہے  
 اور جس پر ہمیشہ مسلمانوں کا عمل رہا ہے قرآن سے تصوف کا نشوونما ہوا اور قرآن ہی تصوف  
 کے تمام مقامات و منازل کا سرچشمہ ہے۔ یہاں تک کہ مشط حیات (بظاہر غیر شرعی) قوال  
 مثل انا الحق وغیرہ، بھی قرآن سے ثابت کیے جاسکتے ہیں کہ جب صوفی ذات حق میں فنا ہو  
 کر اپنی انا اور ذات حق کی انا میں فرق محسوس نہیں کرتا۔ اور صیغہ واحد متکلم استعمال کرتا ہے“

مارگریٹ سمسٹھ کا شمار بھی یورپ کے اہم سکالروں میں ہوتا ہے۔  
**مارگریٹ سمسٹھ کا اعتراف** یورپ میں وہ حادثہ محاسبی پر اتھاریٹی سمجھی جاتی ہیں۔ انہوں نے

امام غزالی پر بھی ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام الغزالی ہے۔ اس کتاب کے تیرہویں باب میں انہوں  
 نے مسلم اور غیر مسلم ارباب روحانیت پر امام غزالی کے اثرات اور احسانات کا ذکر کیا۔ یہاں ہم صرف ان بڑے  
 بڑے غیر مسلم روحانی پیشواؤں کا ذکر کرتے ہیں جو مارگریٹ سمسٹھ کی تحقیق کے مطابق امام موصوف سے فضا  
 ہوتے ہیں۔ کتاب مذکور کے صفحہ ۲۱۹ پر مارگریٹ سمسٹھ لکھتی ہیں :-

”قرون وسطیٰ کے یہودی فکر و فلسفہ پر بھی غزالی کا بہت بڑا اثر ہوا۔ کیونکہ ان کی اخلاقی تعلیمات  
 اپنے معیار میں یہودی فکر و نظر کے بہت مشابہ تھیں۔ چنانچہ ان کی تصانیف سے یہودی  
 حلقہ ہائے علم و ادب بہت متاثر ہوئے اور غزالی کی نہ صرف روحانی تعلیمات سے انہوں  
 نے استفادہ کیا بلکہ ان کے فلسفیانہ نظریات کا بھی ان پر گہرا اثر ہوا جیسا کہ میمونائیڈس  
 (MAIMONIDES) وغیرہ نے اپنے حداثات قبول کیے۔ غزالی کی موت



کے ایک سو سال کے اندر اندر غزالی کی تصانیف کے عبرانی اور لاطینی تراجم وجود میں آ گئے

مثلاً مشہور یہودی فاضل ابن داؤد (AVENDEATH) جو ٹولڈو (TOLEDO)

کا باشندہ تھا اور ۱۰۹۰ء سے ۱۱۶۵ء تک حین حیات میں رہا غزالی کی تعلیمات سے

اس قدر متاثر ہوا کہ اسلام قبول کر کے ڈومینک گنڈی سلوس (DOMINIC

(ARCHDEACAN OF SEGOVIA) اور آرچ ڈیکن آف سیگوویہ (GINDISALVUS)

کی معیت میں ان کی فلسفہ کی تصانیف کے لاطینی زبان میں تراجم کیے اسی طرح یہودی

سکا لرا براہیم بن حسدانی (ABRAHAM IBN HASADI) ساکن بارسلونہ

(BARCELONA) نے تیرہویں صدی عیسوی میں غزالی کی کتاب میزان العجل

کا عبرانی زبان میں ترجمہ کیا۔ غزالی کی کتاب مشکوٰۃ الانوار بھی یہودی حلقوں میں بہت

مقبول ہوئی اور اسحاق الفاسی نے اس کا ترجمہ کیا جس کے اقتباسات سولہویں صدی کے

ایک یہودی سکا لرموسے بن حبیب (MOSES IBN HABIB) ساکن لیبین

نے اپنی تصانیف میں پیش کیے ہیں موسے بن حبیب خود بھی شاعر، ادیب اور فلسفی تھا۔

آگے چل کر مارگریٹ سمیٹھ نے لکھا ہے کہ یہودی فلسفہ روحانیت قبالہ کے دس نکات

غزالی کی کتاب المعارف العقلیہ میں موجود ہیں اور قبالہ کے تین مقامات عالم ناسوت

عالم مثال اور عالم علوی غزالی کے عالم ملکوت، عالم جبروت اور عالم شہادت کی

گوچ ہیں نیز یہودی روحانی کتاب زوہار بھی غزالی کے فلسفہ روحانیت سے بہت مشابہ ہے

اور زوہار کی اصطلاحات "NEPHESH" - "RUAH" اور "NESHAMA"

اور غزالی کی اصطلاحات "روح" "نفس" اور "نسمہ" مندرجہ رسالہ لدنیہ سے متعلق ہیں۔

آگے چل کر ص ۲۱۹ پر مارگریٹ سمیٹھ امام غزالی کی

ان تعلیمات کا ذکر کرتی ہیں جن سے عیسائی

## عیسائی ارباب روحانیت پر غزالی کے اثرات

روحانی پیشوا متاثر ہوئے ہیں۔ وہ لکھتی ہیں :-

"قرون وسطیٰ کے عیسائی ارباب روحانیت پر بھی غزالی کا گہرا اثر ہوا اور سب سے پہلے

عیسائی فاضل یوحنا ابو الفرج بار حبرائیس (YUHANNA ABULFARRAJ BARHEBRAEUS)

المعروف گرگوریس (GREGORIOUS) ساکن ایشیا کوچک نے تاریخ پیدائش

(۱۲۲۶) غزالی کی کتابوں کا گہرا مطالعہ کیا اور مسلم صوفیاء سے تربیت حاصل کرنے کے طر ابلس

میں سکونت اختیار کی۔ وہ عربی کے علاوہ قدیم شامی زبان (SYRIAC) اور فارسی بھی

جانتا تھا اور بغداد میں رہنے کی وجہ سے غزالی کی تصانیف سے استفادہ کیا۔ بعد میں وہ  
یکے بعد دیگرے گیوبا (GUBA) لکابہ (LAKABA) اور حلب (ALLEPO) کا  
بشپ ہوا۔ انہوں نے علم روحانیت پر دو کتابیں لکھیں۔ ایک کا نام  
(THE BOOK OF DOVE) ہے اور دوسری کا نام (ETHIKON) ہے اور دونوں غزالی کی تعلیمات سے  
برز ہیں۔ اس کی تصانیف سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے غزالی کی کتب میزان العمل  
”احیاء علوم“ اور کیمیائے سعادت سے بھی گہرا اثر قبول کیا۔“

”لیکن غزالی کا اثر صرف مشرقی عیسائیت پر نہیں ہوا بلکہ مغربی ممالک اٹلی اسپین کے ارباب  
روحانیت (MYSTICS) بھی بہت متاثر ہوئے اور بارہویں صدی سے عربوں کے  
اثرات زیادہ تر صلیبی جنگوں کے ذریعے مغربی دنیا میں پھیلنے شروع ہو گئے تھے تیرہویں  
صدی عیسوی میں شاہ فریڈرک ثانی نے نیپلز (NEPLES) میں ایک یونیورسٹی قائم  
کی جہاں عربی علوم کی تعلیم دی جاتی تھی اور اس کے اثرات پالرمو (PALERMO) اور  
سالرمو (SALERMO) تک پھیل گئے۔ یہاں تک کے جب ایک سو تیس سال کے  
بعد سسلی میں اسلامی دور حکومت کے بعد عیسائی تسلط ہو گیا تب بھی عیسائی ارباب  
روحانیت اسلامی کتابوں سے استفادہ کرتے رہے۔“

اگرچہ ٹالوڈو پر ۱۰۸۵ء میں پھر عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا پھر بھی یہ شہر اسلامی علوم کا مرکز رہا اور وہاں  
مشہور بشپ ریمانڈ RAYMOND نے عربی کتب کو اطالوی زبان میں تراجم کرانے کا ایک  
مرکز قائم کیا۔ اس کے علاوہ ٹالوڈو میں علوم اسلامیہ کا ایک اور مرکز بھی قائم ہو گیا۔ جس کے  
اثرات جنوبی یورپ سے گزر کر شمالی یورپ تک پھیل گئے تھے۔ ان تمام مراکز میں غزالی  
کی تعلیمات پیش پیش تھیں اور اب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ عیسائی علم الکلام  
اور عیسائی مسی سٹم کو اسلامی تعلیمات سے جو کچھ حاصل ہوا اس میں غزالی کا بہت بڑا حصہ ہے۔  
آگے چل کر مارگریٹ سمیٹھ نے لکھا ہے کہ:-

”غزالی کا سب سے زیادہ اثر یورپ کے روحانی پیشوا سینٹ ایگونی ناس (THOMAS  
ACQUIUNAS) پر ہوا جو ۱۲۲۵ء سے ۱۲۷۴ء تک زندہ رہے۔ جنہوں نے اپنی کتاب

سومہ تھیول (SUMMA THEOL) میں مسلم ارباب روحانیت سے تفصیلاً

ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ جن میں غزالی بھی شامل ہیں۔ سینٹ ایگونی ناس کی اس کتاب  
میں جا بجا غزالی کی کتب احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت کے حوالہ جات ملتے ہیں۔“

سینٹ ایگوتی ناس نظر معرفت اور مشاہدہ حق میں سب سے زیادہ فنیاب  
صوفیائے اسلام اور بالخصوص غزالی سے ہوتے ہیں جن کے علو لدنیہ کا ان پر گہرا اثر  
ہوا۔۔۔ اپنی کتاب سمر تھیول میں سینٹ ایگوتی ناس جن مقام مشاہدہ اور فنا کا ذکر کرتے  
ہیں وہ لفظ بلفظ غزالی کا نظریہ ہے۔

آگے چل کر ص ۲۲۳ پر مارگریٹ سمٹھ لکھتی ہیں کہ:-

”عیسائی ارباب روحانیت میں سے ریمانڈ مارٹن پر بھی غزالی کا گہرا اثر ہوا ہے جس نے اپنی  
تصانیف میں غزالی کی کتب مقاصد الفلاسف، احیاء العلوم اور میزان العمل کا ذکر کیا ہے۔“  
کتاب مذکورہ میں مارگریٹ سمٹھ نے لکھا ہے کہ:-

”قرون وسطی کے ایک اور روحانی پیشوا ڈانٹے الیگوری (DANTE ALIGEIERI)

ہیں جن کی تصانیف میں نہ صرف غزالی کے اثرات نمایاں ہیں بلکہ انہوں نے غزالی اور دیگر  
سلم ارباب روحانیت کے احسانات کا بھی اعتراف کیا ہے۔“

”ان کی نظم (PARADISO) میں جو مراحل عروج پائے جاتے ہیں وہ پیغمبر

اسلام کے واقعہ معراج کے مطابق ہیں۔“

کتاب کے ص ۲۲۵ پر مارگریٹ سمٹھ لکھتی ہیں کہ:-

”مذاہر قریب میں جس عظیم شخصیت نے غزالی سے اثرات قبول کیے وہ فرانس کے مشہور  
روحانی پیشوا (BLASE PASCAL) بلاتی پاسکل (۱۶۲۳-۱۶۶۲) ہیں جن کو

ریمانڈ مارٹن کی کتاب پوگی فیڈی (POGI FIDIE) کے ذریعے غزالی کی تعلیمات حاصل

ہوئیں۔۔۔ ذات باری تعالیٰ کے ثبوت میں بھی پاسکل نے امام غزالی کی دلائل

پیش کی ہیں۔“

مارگریٹ سمٹھ نے اپنی مشہور تصنیف ”الحارث الحاسبی“ میں ثابت کیا ہے کہ تصوف کا منبع و مصدر

قرآن و حدیث نبوی ہے اور تصوف کے تمام ارکان مثل زہد، عبادت، ورع، قناعت، صبر و شکر، فنا  
اور بقا وغیرہ کو قرآن و حدیث سے ثابت کیا ہے۔ اس کتاب میں ایک مقام پر وہ لکھتی ہیں کہ:-

”حارث حاسبی کے تصوف کا پہلا منبع قرآن ہے اور دوسرا سنت نبوی ہے جس کا نام شریعت ہے۔“

ولیم سٹوڈارڈ (WILLIAM STODARD) کا شمار نصف مزاج

اور اعتدال پسند مصنفین میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب

صوفی ازم (SUFISM) میں لکھا ہے کہ:-

”اسلام کے بغیر کوئی تصوف نہیں ہے۔ تصوف اسلام کی رُوح اور جان کی حیثیت رکھتا ہے روحانیت ہر مذہب کی جان اور بطون ہے۔ جسم کو جان سے جدا کرنا ایسا ظلم ہے کہ جس سے وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ ماضی قریب میں اسلامی تصوف کو مغربی دنیا میں جس قدر اس ظلم سے نقصان پہنچا ہے کسی اور چیز کو نہیں پہنچا۔ آج بعض لوگ کہتے ہیں کہ تصوف کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ گویا وہ لوگ ہمیں یہ باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ انسان رُوح کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہے۔ ہم یہ تصور ہی نہیں کر سکتے کہ ایک عیسائی مسطک (MYSTIC) عیسائی مذہب کے بغیر یا ایک صوفی اسلام کے بغیر وجود میں آسکتا ہے۔ اسلام کے بغیر تصوف ہرگز وجود میں نہیں آسکتا۔“  
وہ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:-

”اسلام مجموعہ ہے ظاہر و باطن کا۔ ظاہر اور باطن کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ اس تعلق کو ایک مثال سے ظاہر کیا جاسکتا ہے۔ اسلام کے ظاہری حصے یعنی شریعت کو ایک دائرہ کے محیط اور اس کی حقیقت یا بطون کو اس دائرہ کے مرکز سے تشبیہ دی جاسکتی ہے اور دائرہ کا قطر وہ راستہ ہے کہ جس کے ذریعے محیط یعنی شریعت سے ہو کر انسان مرکز یعنی حقیقت تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ یعنی عمل سے یقین تک اور یقین سے مشاہدہ تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ اس لیے شریعت یعنی اسلام کے ظاہری جسم کے بغیر حقیقت تک رسائی حاصل کرنا محال ہے۔“

آہنچل کے مستشرقین کے احساس برتری SUPERIORITY COMPLEX پر ضرب لگاتے ہوئے ولیم سٹوڈارڈ لکھتے ہیں:-

ایک متوسط یورپین جو دورِ حاضر کی پیداوار اور ذہنی شکنجے میں گرفتار ہے دوسرے مذہب کے مقابلہ میں ایک گونا گونا فخر یا احساس برتری میں مبتلا ہے۔ بعض لوگ شعوری یا لاشعوری طور پر اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ تہذیبِ حاضر عیسائی مذہب کا ظہور ہے اس لیے وہ اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ عیسائی مذہب باقی مذاہب پر فوقیت رکھتا ہے۔ تقابل ادیان کے میدان میں اس سے بڑھ کر کوئی غلطی ممکن نہیں۔“

شریعت اور حقیقت کے باہمی تعلق کے متعلق ولیم سٹوڈارڈ مزید کہتے ہیں کہ:-  
”در اصل شریعت ظہور ہے حقیقت کا۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیاء ہمیشہ شریعت کی حمایت میں کمر بستہ رہے ہیں۔“

یہی وجہ ہے کہ بایزید بسطامیؒ نے ساری عمر خربوزہ اس خوف سے نہ کھایا کہ ممکن ہے رسول خدا ﷺ نے کسی اور طرح سے اسے کانا اور تناول فرمایا ہو اور میں سنت رسولؐ کی عدم پیروی کا مرتکب ہو جاؤں۔

شریعت اور تصوف کی ہم آہنگی کے متعلق ولیم سٹوڈارڈ مزید لکھتے ہیں کہ:-  
 "مختصر الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ تصوف شریعت سے کوئی الگ چیز نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے جیسا کہ لونی ماسینوں اور دوسرے دانشوروں نے ثابت کیا ہے تصوف کی ہر چیز اور صوفیاء کا ہر فعل قرآن پر مبنی ہے اور قرآن ہی پر شریعت کا مدار ہے۔ اس سے ان تمام الزامات کی تردید ہوتی ہے کہ تصوف بیرون اثرات کا ممنون ہے مثلاً نوافل طو عیسائیت یا ہندو مذہب کا"

ولیم سٹوڈارڈ اس الزام کی بھی پر زور تردید کرتے ہیں کہ تصوف کے اندر ابن عربی کا وحدت الوجود عیسائی اور نوافل طوئی اثرات کا نتیجہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:-

"تصوف کا بنیادی اصول وحدت الوجود ہے جس سے مراد وجودِ حق ہے حالانکہ وحدت الوجود کی اصل شہادہ (یا شاہدہ) ہے جو لا الہ الا اللہ کا مفہوم ہے کیونکہ لا الہ الا اللہ کا مطلب صرف یہ نہیں کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں بلکہ یہ بھی ہے کہ خدا کے سوا کوئی وجود حقیقی نہیں ہے۔ یاد رہے کہ خدائے تعالیٰ کے اسمائے گرامی میں سے ایک نام حق بھی ہے جس کا مطلب ہے حقیقت یا سچائی (REALITY OR TRUTH) صوفیاء کا عقیدہ ہے کہ اضافی یا اعتباری وجود (وجود کائنات) کا عدم ہے اور جزو (FINITE) کا بغیر کل (INFINITE) کوئی وجود نہیں۔ اسلام میں انسان صرف قرآن کے ذریعے جو خدا کا کلام ہے یا پھر پیغمبر اسلام کے ذریعے حق تعالیٰ تک رسائی حاصل کر سکتا ہے قرآن کا خلاصہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے اس شہادت کے ذریعے انسان ایک تو خدا کی وحدانیت دوسرے نبی کی نبوت میں سے حصہ لے سکتا ہے۔"

ایچ۔ سی۔ ہاپولڈ (HAPPOLD) کا شمار مستشرقین میں نہیں بلکہ روحانی لوگوں میں ہوتا ہے۔ وہ اپنی کتاب مسٹی سنزم

ایچ۔ سی۔ ہاپولڈ کا اعتراف

میں لکھتے ہیں کہ:-  
 "اسلام جیسے سب سے زیادہ تنزیہی (TRANSCENDENTAL) مذہب کے اندر شاندار روحانی عروج کو دیکھ کر تعجب ہوتی ہے۔ اگرچہ صوفیائے اسلام کے مشاہدات عام طور پر وہی ہیں جو دوسرے مذاہب کے ارباب روحانیت کے

ہوتے ہیں لیکن صوفیاء میں چند ایسے خاص عناصر ہیں جو روحانیت کے طالب علم کے لیے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ صوفی کے لیے ترک دنیا ضروری ہے لیکن صوفی کا ترک اور قسم کا ہے۔ صوفی طالب مولا ہوتا ہے اور طلب مولا میں صوفی کے لیے ضروری ہے کہ دنیا کو ترک کر کے پس پشت نہ ڈال دے بلکہ دنیا کے اندر گھس کر اس کی حقیقت اور ماہیت کو پالے۔ یہ بات باقی ارباب روحانیت میں نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ صوفی کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ دنیا کے اندر گھس کر اس کی حقیقت معلوم کرے اور اس بات کے لیے اسے تزکیہ نفس کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ تکبر سے بالاتر ہو کر راستے قائم کرے اور نفسانیت سے بالاتر ہو کر لوگوں سے معاملہ کرے اور اپنے جذبات اور خواہشات پر قابو پاسکے۔ اور یہ بات دنیا میں رہ کر حاصل ہو سکتی ہے۔ خدا تک پہنچنے کا یہی اور صرف یہی راستہ ہے جس کے بعد وہ ذاتِ حق کے ساتھ ایک ہو کر حقیقتِ اشیا کو سمجھتا ہے اور سورج اور ستاروں کی حرکات کو اسی نور سے دیکھتا ہے۔ چونکہ صوفی ذاتِ حق میں گم ہو جاتا ہے وہ دنیا کی حقیقت کو بہتر سمجھ سکتا ہے اور کائنات کو ایسے دیکھتا ہے جیسے خدا یعنی خدا کی بصیرت سے دیکھتا ہے۔ (حدیث میں بھی بی یَسْمَعُ اور بی یَبْصُرُ آیا ہے) اس کے بعد دنیا اس کو کچھ اور نظر آتی ہے۔ اس کو دنیا کی قباحت کے نیچے حسن اور نقائص کے نیچے کمال نظر آتا ہے۔ وہ ہر چیز میں نیاراگ سنتا ہے، ہر شے میں نیارنگ دیکھتا ہے اور ہر جگہ اس کو نئی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ یہاں پر دونوں قسم کے مشاہدات جمع ہو جاتے ہیں۔ مشاہدہ حق اور مشاہدہ کائنات۔۔۔۔۔ بعض صوفیاء کے منہ سے بے ساختہ غیر شرعی کلمات نکل گئے۔ لیکن غزالی جیسے اکابر صوفیاء نے میدان میں آکر تصوف اور شریعت کو ایک ثابت کیا اور فانی اللہ جیسے مشکل مقامات کو ایسے الفاظ میں بیان کیا جو شریعت سے متصادم نہیں ہوتے۔

کیسے سنہری الفاظ میں مصنف نے اسلامی تصوف اور دیگر مذاہب کے فلسفہ روحانیت میں فرق بیان کیا ہے۔ چونکہ ہاپولڈ خود ایک روحانی پیشوا ہیں انہوں نے تصوف کی وہ خصوصیات بتائی ہیں جو تصوف کے حقائق سے ناواقف آدمی نہیں بتا سکتا خواہ ظاہری عالم دین کیوں نہ ہو۔ یہ ہماری بد قسمتی ہے کہ تزکیہ نفس کیسے بغیر لوگ تصوف کے متعلق رائے زنی شروع کر دیتے ہیں۔ اگر تزکیہ نفس جس کا وہ دعوہ کرتے ہیں صحیح معنوں میں ہوتا تو کبھی انکار نہ کرتے۔

## میکڈانڈ پر صوفی مجالس کا اثر

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ ڈی۔ بی میکڈانڈ ایک بہت بڑے عیسائی مشنری تھے جو مصر میں تبلیغ عیسائیت پر مامور تھے اگرچہ

انہوں نے بھی اوائل عمر میں صوفیا پر اعتراض کیے ہیں تاہم وہ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ جب وہ صوفیا کی مجالس میں شریک ہوتے تھے تو ان پر ان کا بڑا روحانی اثر ہوتا تھا۔ ایک دفعہ وہ مسلمانوں کے شکار کو نکلے تو ان کو محسوس ہوا کہ وہ خود شکار ہو رہے ہیں۔ وہ اپنی اس حالت کو اپنی کتاب میں یوں بیان کرتے ہیں:-

(ASPECTS OF ISLAM)

”جہاں تک زندہ اولیاء کا تعلق ہے ہماری مغربی دنیا میں ان کا بہت فقدان ہے اس لیے میں اکثر متوفی اولیاء کی تلاش میں رہتا تھا جن کی اسلامی دنیا میں کوئی کمی نہیں ان کے مزارات پر میں احترام سے جاتا تھا اور فاتحہ پڑھتا تھا۔ معلوم نہیں قبر والوں کو اس سے فائدہ ہوتا ہے یا نہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ جو لوگ وہاں جاتے ہیں ان کو بھی کوئی فائدہ ہوتا ہے یا نہیں۔ البتہ مجھے یہ معلوم ہے کہ مجھے اس سے بہت فائدہ ہوا اور میں نے وہاں (یعنی مزارات پر) جا کر خدا کا قرب محسوس کیا۔ دیکھتے ایک غیر مسلم ماہری کو بھی مزارات سے فیض حاصل ہوا اور اس کو محسوس بھی ہوا کہ مجھے فیضان (INSPIRATION) ملا ہے۔“ ایک دفعہ انہوں نے مجلس ذکر میں شمولیت کی اور بیان کے تاثرات ہیں:-

”میں یہ نہیں کہتا کہ وہاں مجھ پر کوئی اثر ہوا۔ بلکہ میں پر زور الفاظ میں کہتا ہوں کہ مجھ پر بہت اثر ہوا۔ مجھے یہ محسوس ہوا کہ غیبت سے میرے سمیت تمام حاضرین پر ایسی روحانیت چھا رہی تھی جو اور کسی جگہ نہیں ملتی۔“

یہ ہیں مجالس ذکر کے فیوض و برکات جو ایک عیسائی کو بھی محسوس ہو رہے تھے۔ کاش کہ ہمارے مسلمان اس قدر تزکیہ نفس کر لیتے۔ میکڈانڈ نے بیان کیا ہے وہ ایک صوفی کو عیسائی بنانے میں کامیاب تو ہو گئے لیکن وہ ہمیشہ محروم رہتا تھا اور اپنے لیے یہ کچھتا رہا۔ میکڈانڈ کے الفاظ یہ ہیں:-

”در اصل مجھے یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ آدمی اپنی سابقہ مذہبی زندگی پر نظر ڈال کر کچھتا تھا کہ اب مجھ پر وہ حالت طاری نہیں ہوتی جو اسلامی زندگی میں ہوتی تھی۔ کیونکہ اسلامی زندگی میں درویشی کی حالت میں اس پر کشف بھی ہوتا تھا جس سے اسے یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ کہیں دور کے فاصلے پر کیا ہو رہا ہے اور دور کی آوازیں سن بھی سکتا تھا۔ لیکن مجھے محسوس ہوتا تھا کہ وہ آدمی اب افسوس کر رہا ہے اب وہ ان نعمتوں سے محروم ہو گیا ہے۔ اگرچہ وہ یہ بات زیادہ واضح طور پر نہیں کہتا تھا۔ لیکن وہ اس چیز کی کمی بہت محسوس کرتا تھا۔“

## سپنسر ٹرننگھم کا اعتراف

(SPENCER TRINGHAM) نے سلاسل طریقت پر ریسرچ کی  
SPIRITUAL ORDERS

ہے اور اپنی کتاب موسومہ میں اس نتیجے پر

پہنچے ہیں کہ تمام سلسلے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر جا کر ختم ہو جاتے ہیں اور تمام سلاسل طریقت کا منبع اور مرکز پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ یہ بہت اہم تصنیف ہے جس کی عدم موجودگی میں مستشرقین غلط فہمی میں مبتلا ہو کر تصوف کا منبع اور مصدر دیگر مذاہب میں تلاش کرتے پھرتے تھے۔ بلکہ فاضل مصنف نے خود مستشرقین کی اس غفلت اور غلط فہمی کی شکایت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

”جہاں اسلامی تصوف کی طرف مستشرقین نے زبردست کوشش محسوس کی ہے انہوں نے تصوف کے تنظیمی پہلو یعنی سلاسل طریقت کو بری طرح نظر انداز کر رکھا ہے“

یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جا بجا ٹھوکریں کھائی ہیں اگر وہ سلاسل طریقت کی بے مثال تنظیم کا پتہ

لگاتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ اسلامی دنیا میں مشائخ نے اس پر کس قدر کاوش اور جانفشانی سے کام کیا ہے اور اپنے اپنے روحانی شجرہ نسب کو کس طرح محفوظ رکھا ہے۔ علاوہ ازیں پچارے مستشرقین کو یہ بھی معلوم نہیں کہ جب کسی بزرگ کو مجاہدات اور ریاضات کے بعد تکمیل کا شرف حاصل ہوتا ہے تو اس کو خلافت تو اپنے شیخ سے ملتی ہے لیکن منظوری اور پرکے مشائخ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دی جاتی ہے۔ اور ان چودہ صدیوں میں اسلامی دنیا میں ہر جگہ اسی اصول پر خلافتیں ملتی رہی ہیں اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ خالق ہی نظام اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ بعض جگہوں پر نام نہاد پیروں نے اپنے مریدین کو نام نہاد خلافتیں عطا کی ہیں لیکن چند ایک کالی بھیلوں کی وجہ سے سارا ریورٹ کالا نہیں بن سکتا۔ ہر مذہب و ملت میں گناہ گار و سب کا افراد کا وجود پایا جاتا ہے لیکن اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ مذہب و ملت خراب ہے۔ کتاب مذکور میں فاضل مصنف لکھتے ہیں کہ:-

”جس حسن و خوبی سے اسلامی تصوف کی تحریک نے عوام اور خواص کی ہدایت کی اس

کی مثال عیسائی دنیا میں نہیں ملتی جہاں اب تمدن جدید نے مزید تباہی مچا دی ہے“

سپنسر ٹرننگھم بھی تصوف پر بیرونی اثرات کی تردید کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:-

”صوفی ازم (تصوف) اسلام کی اپنی چیز ہے جو بیرونی اثرات سے بالکل متاثر نہیں ہوئی

یا دہلی کی بدولت صوفیاء کو اندرونی بصیرت حاصل ہوئی جس سے ان کی زندگیاں منور ہوئیں“





## انیمیری شیمیل کا اعتراف

جرمنی کی مشہور سکالر اور مستشرق (ANNEMARIE SCHIMMEL)

نے تصوف کا سب سے زیادہ گہرا مطالعہ کیا ہے۔ انہوں نے

سیکندہ طہیندہ مستعار اطلاعات پر انحصار نہ کرتے ہوئے خود اسلامی ممالک میں ریسرچ کا فریضہ ادا کیا ہے

علماء و مشائخ اسلام سے تبادلہ خیال کیا ہے۔ راقم الحروف سے بھی ان کی ملاقات ہوئی اور مسائل تصوف

زیر بحث آئے۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے ذلی خلوص اور محبت سے تصوف کا

مطالعہ کیا ہے اور جہاں بھی اکابر صوفیاء کا ذکر کرتی ہیں۔ ادب و احترام کو ملحوظ خاطر رکھتی ہیں اس کے عکس

بعض مستشرقین نے اکابر اسلام کے حق میں سخت گستاخانہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ انہوں نے مولانا رومؒ

غالبؒ اقبالؒ شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ اور خواجہ میر دردؒ کے صوفیانہ کلام کا بغور مطالعہ کیا ہے اور رادویؒ

انہوں نے اس عمیق ریسرچ کے نتیجے میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے (MYSTICAL

DIMENSIONS OF ISLAM) سب سے پہلے انہوں نے پروفیسر آریبری کی طرح

یہ اعتراف کیا ہے کہ صوفیاء کا کلام سمجھنا ناممکن کے برابر ہے۔ وہ لکھتی ہیں کہ:-

”روحانی مشاہدات کا تجزیہ ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے کیونکہ حقیقت کو الفاظ میں نہیں

بیان کیا جاسکتا۔“

دیگر منصف مزاج اور اعتدال پسند مستشرقین کی طرح انیمیری شیمیل بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتی

ہیں کہ اٹا تصوف سے عیسائی ارباب روحانیت نے اثرات قبول کیے ہیں وہ لکھتی ہیں کہ:-

”یورپ پر سب سے پہلے تصوف کا اثر ریمانڈ لول (REMOND LULL) پر ہوا جن کا

سن انتقال ۱۳۱۶ء ہے اس سے ایک صدی بعد ولیم جونز (WILLIAM JONES)

نے فارسی شاعری کا مطالعہ کیا اور بالآخر خواجہ حافظ کے دیوان کا ترجمہ کیا۔ خواجہ حافظ

کا انگریزی مستشرقین پر بڑا اثر ہوا لیکن بعض انیسویں صدی کے مصنفین نے ان کی شاعری

سے غلط معنی لیے اور غلط فہمی کا شکار ہوئے۔ ان لوگوں نے خواجہ حافظ کے کلام

کے ظاہری معنی لیے اس لیے تصوف کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہوئے۔“

آگے چل کر وہ لکھتی ہیں کہ:-

”انیسویں صدی میں تصوف کے متعلق اس قدر مواد جمع ہو گیا کہ اہل قلم اس کے متعلق

صحیح رائے قائم کرنے لگے۔ ہاں بعض کتابیں ایسی بھی لکھی گئیں جن میں متقدمین صوفیاء

کے تذکرے نہیں ملتے جس کی وجہ سے ان کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ اسلام کی سر زمین سحر

اور روحانیت سے خالی ہے لیکن حقیقت یہ ہے اسلام کے متعلق نہ ان لوگوں کو علم تھا

اور نہ سمجھ سکتے تھے۔۔۔۔۔ جرمنی کے فاضل پروفیسر زہبیات تھا لاک نے ۱۸۲۱ میں تصوف پر پہلی تفصیلی کتاب لکھی۔ حیرت کی بات ہے کہ پروفیسر تھا لاک اگرچہ کٹر پروٹسٹنٹ ہیں جو روحانیت کے حامی نہیں ہوتے تاہم انہوں نے یہ اعتراف کیا ہے کہ تصوف محمدؐ کی اپنی روحانیت کی پیداوار ہے اور اسی سے اُسے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ پروفیسر شیمیل کتاب مذکور میں تصوف پر ہندو اثرات کی یوں تردید کرتی ہیں :-

”میکس ہارٹن سمیت بہت سکالروں نے تصوف پر ہندو اثرات کا نظریہ پیش کیا ہے لیکن اس کے متعلق کوئی واضح ثبوت نہیں لاسکے۔“

تصوف کے متعلق پروفیسر شیمیل کی اپنی رائے یہ ہے :-

”تصوف کا منبع پیغمبر اسلام ہیں اور تصوف کا سرچشمہ وحی الہی ہے جو پیغمبر اسلام کے ذریعے قرآن کی صورت میں نازل ہوئی۔ قرآن مسلمانوں کے نزدیک غیر مخلوق ہے اور سب کے لیے خاص کر صوفیاء کے لیے رشد و ہدایت کا مینار نور رہا ہے۔ قرآنی علوم اور حقائق کے بیان کرنے میں صوفیاء اسلام نے سب سے زیادہ حصہ لیا ہے اور قرآن کے الفاظ نے ان کے لیے مشعل ہدایت کا کام دیا ہے۔ مزید برآں یہ قرآن ہی ہے جس سے صوفیاء کو روحانی احوال و مقامات حاصل ہوتے اور کشف و کرامات اور استغراقی کیفیات نمودار ہوتی ہیں۔ صوفی ازم کی اصل محمدؐ ہیں اور محمدؐ ہی سلسلہ روحانیت کی پہلی کڑی ہیں اور محمدؐ سے علوم و ولایت ان کے چچا زاد بھائی علی ابن ابی طالب کو حاصل ہوئے۔“

آگے چل کر انیمیری شیمیل لکھتی ہیں :-

”اہل مغرب اصحاب قلم کے سامنے محمدؐ کی وہ تصویر رہتی ہے جو صدیوں کی نفرت و عداوت سے پیدا ہوئی۔ ان کے نزدیک وہ محض ایک ہوشیار سیاستدان تھے یا زیادہ سے زیادہ ایک جھوٹے مذہب کے بانی تھے جنہوں نے تورات و انجیل کی نقل لگائی۔ لیکن آپ کے روحانی کمالات کا علم کسی کو نہیں ہے۔“

اس کے بعد وہ ان صحابہ کرام کا ذکر کرتی ہیں جن کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی فیض حاصل ہوا اور ان کا ذکر جن کو صحابہ کرام سے فیض حاصل ہوا غرضیکہ انہوں نے فیضان نبوی کا ایک مسلسل شجرہ بنا کر پیش کیا جن کو سلسلہ طریقت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ وہ لکھتی ہیں کہ :-

”اس سلسلہ طریقت میں وہ اصحاب رسول شامل ہیں جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ ان کے علاوہ اصحاب صفہ، ابوذر غفاری، سلمان فارسی اور اویس قرنی ہیں جن کا مسلک آنے والے صوفیاء

نے اختیار کیا اور جو اسلام، ایمان و احسان پر مبنی ہے۔ ایک حدیث میں احسان کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ خدا کی اس طرح عبادت کرو کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اگر دیکھ نہیں سکتے تو یہ کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔

تصوف پر مجوسی اور عیسائی اثرات کی پر زور نفی کرتے ہوئے وہ لکھتی ہیں:-

»صوفیاء نے مجوسی دوتی دو خدا یعنی یزدان و اہرمن، اور عیسائی تثلیث (تین خدا) کے عقائد کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ کیونکہ یہ ان کے نزدیک شرک تھا۔

اس سلسلے میں پروفیسر شیمیل ایک اور مستشرق پیری نیویا (PERE NWYA) کا مندرجہ ذیل اقتباس پیش کرتی ہیں:-

»پیغمبر اسلام کے اہل بیت میں امام جعفر صادق تصوف کے سب سے بڑے معلم ہیں۔

امام صاحب کی تفسیر جو سلیبی کی تفسیر میں محفوظ ہو چکی ہے حقائق تصوف کا بہترین خزانہ ہے

امام جعفر صادق کے نزدیک قرآن کے چار مطالب ہیں۔ قرآن کا ظاہر عوام کیلئے

ہے۔ اشارات خواص کے لیے لطائف اولیاء کے لیے اور حقائق انبیاء کیلئے

کاش کہ ہمارے علمائے ظواہر قرآن کے متعلق مندرجہ بالا حقائق سے آگاہ ہوتے۔ اگر ہوتے تو

آج یہ تفرقہ بازی نہ ہوتی۔

پروفیسر شیمیل نے ایڈ وارڈ براؤن اور نکلسن جیسے اکابر کی بھی تردید سے دریغ

نہیں کیا۔ وہ لکھتی ہیں:-

»ہمیں براؤن کے اس قول سے اتفاق نہیں کہ ذوالنون پہلا شخص ہے جس نے نظریہ وحد

الوجود پیش کیا اور نہ ہی ہم نکلسن کے اس قول سے متفق ہیں کہ تصوف کی اصل فلسفہ یونان ہے۔

کیونکہ حدیث قدسی بی یسمع اور بی بیصو میں کوئی فلسفیانہ بات نہیں ہے اور نہ ہی

ذوالنون مصری کے اس قول میں کوئی فلسفہ کی بات ہے کہ میں نے خدا کو خدا سے جانا۔

اسی طرح شیمیل نے اپنے ہم وطن سکالر روڈالف آلو (RUDOLF OTTO) کی بھی تردید کی

ہے۔ نیز انہوں نے پروفیسر ٹیٹ ریٹر (HELMUT RITTER) اور آر سی زہنر (ZAEHNER) کے

اس قول کی تردید بھی کی ہے کہ البوزید بسطامی کے تصوف کی اصل ہندو مذہب ہے۔ انہوں نے یورپ

کے ان مصنفین کی بھی تردید کی ہے جنہوں نے علاج پر الزام تراشی کی ہے مثلاً ایڈ وارڈ پیکاک، کریمر ہارٹن

میکڈالڈ وغیرہ۔ اور نکلسن اور ماسینوں کے اس قول کی تائید کی ہے کہ علاج کا تصوف قرآن و حدیث پر مبنی

تھا۔ یہ کتاب دیکھنے کے قابل ہے۔

اہل یورپ پر تصوف کے اثرات بیان کرتے ہوئے پروفیسر شیمیل لکھتی ہیں :-  
 پیغمبر اسلام نے کہا ہے کہ مَوْتُوا قَبْلَ اَنْتَ مَوْتُوا (مر جاؤ مرنے سے پہلے) فارسی شاعری  
 کے ذریعے یہ تیشیل یورپ میں جا پہنچی جس کے نتیجے میں گوٹے نے اپنی مشہور نظم  
 (SELIGE SCHNSUTCHT) میں موت قبل از موت کا ذکر کیا ہے۔ نیز گوٹے کی نظم  
 (STUB WERDE) بھی پیغمبر اسلام کی اسی حدیث کا ترجمہ ہے۔ اور یہی علاج اور دیگر  
 صوفیاء کے تصوف کا سنگ بنیاد ہے۔

دیکھتے کس قدر پُر مغز لیسرچ ہے۔ ان حقائق کو غور میں لایا جائے تو تمام اختلافات مٹ سکتے ہیں۔  
 کتاب مذکور میں پروفیسر شیمیل نے لکھا ہے کہ علاج کی موت کے بعد صوفیاء نے جو کتابیں لکھی ہیں انہوں نے  
 اس بات کی پُر زور حمایت کی ہے کہ تصوف اور شریعت اسلامیہ کے مابین کوئی نزاع نہیں ہے مثلاً  
 ابن نصر سراج کی کتاب اللّٰمَعُ قلاً آبادی کی کتاب تعرف ابوطالب مکی کی کتاب قوت القلوب  
 سلیمی کی کتاب طبقات الصوفیہ نعیمی کی کتاب حلیۃ الاولیاء، امام ابوالقاسم کا  
 رسالہ سید علی ہجویری کی کتاب کشف المحجوب اور امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم  
 ان تمام کتابوں میں تصوف اور شریعت کی ہم آہنگی ثابت کی گئی ہے۔

فاضل مصنف نے آگے چل کر لکھا ہے کہ تصوف کے تینوں اصول شریعت، طریقت اور حقیقت  
 پیغمبر اسلام کی اس حدیث میں موجود ہیں :-

الشَّرِيعَةُ اَقْوَالِي وَالطَّرِيقَةُ اَفْعَالِي وَالْحَقِيقَةُ اَحْوَالِي

اس کے بعد وہ تصوف کے تمام حقائق و مسائل کو قرآنی آیات سے ثابت کرتی ہیں۔ انہوں نے  
 توبہ، ورع، خلوص، زہد، توکل، فقر، فنا، صبر، شکر، خوف، رجا، ادب، قبض، بسط، محبت، معرفت،  
 انس، ہیبت، قرب، شوق، عشق، وغیرہ کو قرآن و حدیث سے ثابت کیا ہے۔

آگے چل کر وہ بعض لوگوں کے اس الزام کی بھی نفی کرتی ہیں کہ فنا سے حلول و اتحاد لازم آتا ہے  
 فنا کی جو تعریف فاضل مصنفہ کرتی ہیں وہ صوفیاء کی تعریف کے عین مطابق ہے :-  
 ”فنا کیا ہے سالک کا ذاتِ حق میں گم ہو جانا اور اپنی نفی کرنا ہے۔“

ظاہر ہے کہ اس سے نہ حلول لازم آتا ہے نہ اتحاد۔ حلول و اتحاد کا عقیدہ یہ ہے کہ ذاتِ حق رام  
 اور کرشن میں اُتر آئی اور وہ خدا بن گئے۔ لیکن اسلام کے عقیدہ فنا میں یہ دونوں چیزیں نہیں ہیں۔

ایک جرمن ماہر روحانیات رُوڈلف اوٹو (RUDOLF OTTO)

نے ایک کتاب میں ذاتِ حق کی دو صفات جمال اور جلال کا

رُوڈلف اوٹو کی نکتہ چینی

تقابل کیا ہے۔ اس کے متعلق ڈاکٹر شمیم لکھتی ہیں کہ:-

”اس سے ایک ہزار سال سے زائد عرصہ پہلے مسلم صوفی ذوالنون مصری نے حق تعالیٰ کی صفت جمال، صفت جلال کو بیان کر کے تیسری صفت کمال سے یکجا کر دیا ہے۔ اس ظاہر ہے جو چیز رؤف و لطف اور لطف نے بیان کی ہے صوفیائے اسلام کو کئی صدیاں پہلے اس کا علم تھا۔“

لیکن وحدت الوجود سمجھنے میں ڈاکٹر شمیم کو بھی دیگر مستشرقین کی طرح کچھ غلط فہمی ہوئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وحدت الوجود

### ڈاکٹر شمیم اور وحدت الوجود

کا تعلق مشاہدہ سے ہے جو منطقی استدلال سے بالاتر ہے۔ اس کتاب میں ڈاکٹر شمیم کو بھی سطحی نظر کے لوگوں کی طرح یہ مغالطہ ہوا ہے کہ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ وحدت الشہود کو صحیح اور وحدت الوجود کو غلط سمجھتے تھے۔ وہ لکھتی ہیں کہ:-

”عام طور پر شیخ احمد سرہندی کے نظریہ وحدت الشہود کو لوگ وحدت الوجود کی نسبت زیادہ شریعت کے مطابق سمجھتے ہیں بلکہ علمائے ظاہر تو وحدت الوجود کو بالکل اسلام کے خلاف سمجھتے ہیں لیکن اس سطحی قسم کے استدلال ایسے ادق مسائل کہاں حل ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہارین مول (MARIJAN MOLE) نے شیخ احمد سرہندی کے نظریات کو خوب سمجھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ توحید شہودی عین الیقین کا نتیجہ ہے یعنی اپنی آنکھوں سے وحدت وجود کو دیکھ کر یقین کرنا اور وحدت الوجود منطقی استدلال یعنی علم الیقین کا نتیجہ ہے۔ توحید شہودی میں سالک اپنی آنکھوں سے وحدت کا مشاہدہ کرتا ہے اور وحدت الوجود صرف ایک علمی نظریہ ہے۔ بعد میں سالک کو حق الیقین کے ذریعے معلوم ہو جاتا ہے کہ دونوں الگ نظر آتے ہیں اور روحانی انداز میں ایک ہو جاتے ہیں۔ اس طرح شیخ سرہندی اور عظیم کبرائی شیخ علاء الدولہ سمنانی باہم متفق ہو جاتے ہیں کیونکہ مؤخر الذکر نے بھی ابن عربی کی مخالفت کی ہے۔“

اس اقتباس میں ڈاکٹر شمیم کو دو باتوں میں مغالطہ ہوا ہے۔ ایک یہ ہے کہ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں کوئی تعرض نہیں ہے۔ خود شیخ احمد سرہندی نے اپنے مکتوبات میں فرمایا ہے کہ دونوں نظریات کے مابین نزاع لفظی ہے نہ کہ حقیقی۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ ڈاکٹر شمیم کو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ شیخ علاء الدولہ نے اگرچہ ادب میں ابن عربی کی معمولی بات پر مخالفت کی تھی لیکن بعد میں

انہوں نے ابن عربی کو حق پر سمجھا اور اپنے آپ کو غلط فہمی کا شکار قرار دیا اور پچھتاے۔  
 نیز ماریجن مول نے جو یہ بات کہی ہے کہ وحدت الشہود نتیجہ ہے عین الیقین کا اور وحدت  
 الوجود علم الیقین پر مبنی ہے یہ بھی کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ حضرت شیخ احمد سرہندی نے یہ استدلال اپنے  
 مکتوبات میں خود پیش کیا۔ اگرچہ حضرت شیخ احمد کے نزدیک وحدت الشہود عین الیقین یعنی عینی شہاد  
 پر مبنی ہے اور وحدت الوجود بقول آپ کے صرف منطقی استدلال کا نتیجہ ہے پھر بھی اس منطقی استدلال  
 کی خود بخود عینی شہادت کے ذریعے تصدیق ہو جاتی ہے اور منطقی استدلال پر مبنی نظریہ وحدت الوجود  
 ایک مسلمہ حقیقت بن جاتا ہے۔ یہ تو تھا ڈاکٹر شمیم کا جرمن سکالر ماریجن مول کے بیانات پر تبصرہ۔ لیکن  
 وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے متعلق ڈاکٹر شمیم کا اپنا خیال حقیقت سے زیادہ قریب ہے۔  
 کیونکہ وہ لکھتی ہیں کہ:-

”ماریجن مول کے نزدیک وحدت الوجود منطقی استدلال کا نتیجہ ہے اور وحدت الشہود  
 عینی شہادت کا لیکن بعد میں سالک کو حق الیقین سے معلوم ہو جاتا ہے کہ بظاہر دونوں  
 الگ نظر آتے ہیں لیکن روحانی انداز میں ایک ہو جاتے ہیں۔“

اور یہ حقیقت ہے کہ حضرت شیخ احمد سرہندی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ اسماعیل شہید کا بھی  
 یہی خیال ہے کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی حقیقت ایک ہے اور ان کے مابین جو اختلاف  
 بظاہر نظر آتا ہے۔ نزاع لفظی ہے نہ کہ نزاع حقیقی۔ لیکن افسوس ہے کہ سطح بین حضرات نہ حضرت شیخ  
 احمد کے مکتوبات شریف کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ شاہ ولی اللہ اور شاہ اسماعیل شہید جیسے  
 نقشبندی مجددی اکابرین کے اقوال کی پرواہ کرتے ہیں اور وحدت الوجود کو خلاف شرع اور وحدت  
 الشہود کو مطابق شرع بتانے کی رٹ لگائے جاتے ہیں اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اس قسم کے  
 ناقدین کی اکثریت ان لوگوں پر مشتمل ہے جو تحقیق سے معرا اور تدقیق سے مبرا ہیں اور اکثر بے ریشی  
 کے مراحل طے کر رہے ہوتے ہیں اور سکولوں میں ٹیچری کے فرائض انجام دیتے ہیں۔۔۔ حالانکہ  
 وحدت الوجود اور وحدت الشہود جیسے ادق حقائق کا سمجھنا سفید ریش اور سفید سر سے پہلے ہرگز ممکن نہیں  
 آسکتا۔ اور وہ بھی عمر بھر کے مجاہدات، ریاضات، عبادات، مکاشفات اور مشاہدات اور مقامات فنا و  
 بقا پر عبور کے بعد۔ اور حیرت پر حیرت یہ کہ اس قسم کے چھٹ بھینے وحدت الوجود کے جوڑ میں بڑے  
 بڑے اکابر اولیاء اللہ کو نہایت گستاخانہ انداز میں داغے اور روندے چلے جاتے ہیں اور بھی معلوم

کرنے کی کوشش نہیں کرتے کہ وحدت الوجود کے قائل تمام مشائخ عظام اور اولیاء کرام کے ساتھ حضرت شیخ مجدد الف ثانی قدس سرہ کے اپنے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد چشتی اور آپ کے دوا شیخ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی چشتی ہیں۔ کس قدر اندھیر ہے۔

انگلستان کے مشہور سکالر ٹامس آرنالڈ (THOMAS ARNOLD) کی کتاب اسلامی تعلیمات (PREACHING OF ISLAM) کا اعتراف

کا موضوع بھی یہی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اپنی بے پناہ روحانی قوت اور صداقت کی بنا پر پھیلا ہے۔ انہوں نے دنیا کے ان تمام ممالک کا جائزہ لیا ہے جہاں مسلمانوں نے حکومت کی ہے یا تاجراور مبلغ اسلام بن کر گئے ہیں اور نہایت تفصیل کے ساتھ صوفیاء کرام اور دیگر علماء و صلحا کی تبلیغی مساعی اور کامیابیوں کو بیان کیا ہے۔ یہ کتاب کافی ضخیم ہے اور پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ بطور ذیل میں صرف برصغیر کے متعلق فاضل مصنف کے بیانات نقل کیے جاتے ہیں کیونکہ مستشرقین کو اکثر تصوف اور ہندو فلسفہ روحانیت کے درمیان مشابہت سے دھوکہ ہوا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ:-

بنگال میں اسلامی اثرات کی واضح دلیل صوفیاء و مشائخ کے مزارات ہیں جن پر آج بھی لوگوں کے ہجوم رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک شیخ جلال الدین تبریزی ہیں جو شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے اور جن کا ۱۲۴۴ء میں انتقال ہوا۔ تبلیغ اسلام کے سلسلے میں وہ کئی ممالک کا دورہ کرتے ہوئے بنگال پہنچے۔ جہاں ان کا مزار ہے اور اوقاف کی جائیداد منسلک ہے۔ آپ کی بہت کراہات مشہور ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے ایک ہی نگاہ سے ایک ہندو گھوسی کو مسلمان بنا دیا۔

اس کے بعد فاضل مصنف نے ہندوستان کے دوسرے حصوں میں صوفیاء کرام کی تبلیغی کوششوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک شیخ اسماعیل ہیں جن کا شمار بنگال کے سادات میں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر آرنالڈ لکھتے ہیں کہ:-

شیخ اسماعیل ظاہری و باطنی علوم سے آراستہ تھے جو سب سے پہلے ۱۱۰۰ء میں لاہور آکر تبلیغ اسلام میں مشغول ہوئے۔ ان کی مجالس پند و نصیحت میں ہزاروں لوگ شمار ہوتے تھے اور اسلام قبول کرتے تھے اور نو مسلموں کی تعداد میں بے حد اضافہ ہوا۔ ان کے متعلق بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جو شخص بھی ان کو ملنے آتا مسلمان ہو کر جاتا تھا۔

آگے چل کر ٹامس آرنالڈ لکھتے ہیں کہ:-

”مغربی پنجاب کی ہندو اقوام شیخ بہاؤ الدین ذکریا ملتانی اور بابا فرید الدین گنج شکر کی تعلیمات

سے مسلمان ہوئیں جو تیرھویں اور چودھویں صدی عیسوی کے بزرگ ہیں۔ جواہر فریدی کے مصنف اصغر علی نے لکھا ہے کہ بابا فرید الدین کی تبلیغی مساعی سے پنجاب کی سولہ ٹری قوموں نے اسلام قبول کیا۔ آگے چل کر ٹامس آرنلڈ لکھتے ہیں کہ:-

(PIONEER)

”ہندوستان میں سب سے زیادہ مشہور اور اسلامی تبلیغ کی شاہراہ تعمیر کرنے والے بزرگ شیخ خواجہ معین الدین چشتی ہیں جنہوں نے ہندوستان کی راجدھانی اجیر میں سکونت اختیار کی۔ آپ سجستان کے رہنے والے تھے جو فارس کے مشرق میں واقع ہے۔ ہندوستان میں جا کر تبلیغ اسلام کرنے کا حکم آپ کو پیغمبر اسلام سے اس وقت ہوا جب وہ حج کے موقع پر مدینہ کی زیارت کو گئے۔ ان کو پیغمبر اسلام نے فرمایا:-

کہ ”خداوند عالم نے ہند کا ملک تجھے دیا ہے۔ وہاں جاؤ اور اجیر میں مقیم ہو جاؤ۔ خداوند تعالیٰ کی مہربانی سے اور تمہاری اور تمہارے مریدین کی برکت سے اسلام اُس ملک میں پھیل کر رہے گا۔“

آپ نے حکم کی تعمیل کی اور ہندوستان کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب دہلی پہنچے تو وہاں سات سو ہندو آپ سے مل کر مسلمان ہوئے۔ اجیر پہنچ کر دیکھا کہ وہ بت پرستی کا گڑھ ہے۔ آپ کی تبلیغ کی بدولت ہندو لوگ رفت رفته اسلام قبول کرنے لگے۔ آخر وہاں کے راجا کاگور و مقابلہ کے لیے نکلا اور وہ بھی مسلمان ہو گیا۔“

آگے چل کر ڈاکٹر آرنلڈ لکھتے ہیں کہ:-

”صوفیاء میں سے ایک بخارا سے آئے ہوئے سید تھے جن کا نام سید جلال الدین بخاری تھا۔ آپ ۱۱۹۹ء میں پیدا ہوئے اور ۱۲۴۴ء میں ریاست بہاولپور کے قصبہ اوچ میں آکر سکونت اختیار کی۔ آپ نے گردونواح کی ہندو اقوام کو مسلمان کیا اور ۱۲۹۱ء میں رحلت کی۔ آپ کے خاندان میں بہت اولیاء اللہ پیدا ہوئے ہیں جو ہمیشہ تبلیغ اسلام میں مصروف رہے اور آج تک ان کی تبلیغ کے مراکز موجود ہیں۔ آپ کے خاندان میں سید جلال الدین ثانی اور سید احمد کبیر بھی بڑے مشائخ ہوئے ہیں جنہوں نے پنجاب کی بہت قوموں کو مسلمان بنایا۔ اوچ سے ایک میل مشرق میں ایک اور بزرگ حسن کبیر الدین کا مزار ہے۔ جن کے والد کا نام سید صدر الدین ہے۔ جو سید جلال الدین کے معاصر تھے۔ باپ اور بیٹے نے بھی کثیر تعداد میں کفار کو مسلمان بنایا۔ حسن کبیر الدین کے اندر اس قدر روحانی قوت تھی کہ جس ہندو پر ان کی نظر پڑتی تھی مسلمان ہو جاتا تھا۔ بحوالہ پنجاب سٹیٹس گزٹ



آگے چل کر آرنالڈ لکھتے ہیں کہ :-  
 "اُسی صدی میں ایرانی عراق سے ایک اور بزرگ ہندوستان آئے جن کا نام ابو علی قلند  
 تھا۔ انہوں نے ہندوستان آکر پانی پت میں سکونت اختیار کی جہاں ایک سو سال کی عمر  
 میں انہوں نے ۱۳۲۲ء میں وفات پائی۔ وہاں کے راجہ امر سنگھ نے آپ کی روحانی تعلیمات  
 کے ذریعے اسلام قبول کیا اور اب ان کی مسلم زاجرت اولاد شہر میں آباد ہے آپ کا مزار  
 زیارت گاہ خاص و عام ہے۔"

اس سے آگے آرنالڈ لکھتے ہیں کہ :-  
 "ایران سے ایک اور صوفی بزرگ چودھویں صدی میں آئے اور آسام کے شہر سلہٹ میں آباد  
 ہوئے ان کا نام بھی شیخ جلال الدین تھا۔ ان کو بھی تبلیغ اسلام میں نمایاں کامیابی حاصل  
 ہوئی اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے۔"

پانس آرنالڈ کی مذکورہ بالا کتاب میں صوفیاء اور علمائے اسلام کی تبلیغی مساعی اور شاندار کامیابیوں  
 کو اس قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اس محدود کتاب میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ اس  
 کثیر تعداد کی غیر مسلم مصنفین کی حقیقت آمیز اور حقیقت آموز ریسرچ کے بعد اب بھی اگر مخالفین تصوف  
 مخالفت پر ڈٹے رہیں اور اس کو غیر اسلامی اور بیرونی اثرات کی پیداوار قرار دیں تو ظاہر ہے کہ یہ مخالفت  
 برائے مخالفت ہوگی جس کا علمی دنیا میں کوئی جواز نہیں۔ یہ اسلام کی خدمت نہ ہوگی بلکہ اسلام کے شیرازہ کو  
 بکھرنے کی مذموم کوشش ہوگی۔ لیکن عصر حاضر کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ دشمنان اسلام کے چاروں  
 طرف حملوں کے پیش نظر مسلمان اختلافات چھوڑ کر ایک ہو جائیں۔ یاد رہے کہ مسلمانوں کے مابین اختلافات  
 کی خلیج غیر ملکی یورپین حکمرانوں کی پیدا کردہ ہے اب جبکہ وہ رخصت ہو گئے ہیں۔ ان کے پیدا کردہ اختلافات  
 بھی رخصت ہو جانا چاہئیں اور مذہبی اختلافات کو روزی کا ذریعہ بنانے کی مذموم حرکت کو ختم کرنا چاہیے۔  
 روزی خداوند عالم کے ہاتھ میں ہے جو رب العالمین ہے۔



## عصر حاضر میں اہل یورپ اور اہل ہند پر تصوف کے اثرات

گزشتہ صفحات میں یورپین مصنفین کی اپنی ریسرچ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ یورپ کے قدیم مایہ ناز روحانی پیشوا مثل ڈائٹے، گوٹے، سینٹ ایگوتی ناس، سینٹ ایکہارٹ، سینٹ جان آف دی کراس اور سینٹ آگسٹائن کے سلسلے کے لوگ تصوف اور صوفیائے اسلام کے کس قدر ممنون منت ہیں۔ اب ہم قارئین کو یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ عصر حاضر میں کس طرح اہل مغرب کے بعض لوگوں نے اسلامی تصوف سے زبردست اثرات قبول کیے اور بعض نے اسلام قبول کر کے صوفی مسلک اختیار کیا اور بلند روحانی مراتب حاصل کیے۔

ادریس شاہ نے اپنی کتاب صوفیاء (THE SUFIS) میں یورپ کے جن لوگوں نے تصوف سے زبردست اثرات قبول کیے ان کی تفصیل بیان کی ہے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اٹھارہویں صدی کے آخر میں جب نپولین نے مصر پر حملہ کیا تو اسلام اور خاص طور پر تصوف سے اس قدر متاثر ہوا کہ واپسی پر اپنے ساتھ صوفیاء کی ایک جماعت فرانس میں لے گیا تاکہ وہاں ادارہ تصوف قائم کیا جائے۔ اس جماعت کو صوفین (SUPHEENS) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد انہوں نے اپنی ناکامی کا اقرار کیا اور یہ کہہ کر ادارہ بند کر دیا کہ تصوف بغیر شیخ کامل نہیں چل سکتا۔

ادریس شاہ نے کتاب مذکور میں لکھا ہے کہ:-

ریچرڈ برون

”اسلامی تصوف کی سب سے زیادہ دلچسپ پیدوار انگلینڈ کے ریچرڈ برون (RICHARD BURTON) ہیں جنہوں نے ایک صدی پہلے ایک قصیدہ لکھا جو ان کے حج بیت اللہ کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے قصیدے کے مقدمہ میں اپنے آپ کو مترجم اور قصیدہ کے مصنف حاجی عبدل یزدی کو اپنا شیخ بتایا ہے۔ قصیدہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے ضرور اپنے شیخ کے تحت تصوف کا روحانی کورس طے کیا تھا اور اب تصوف کو یورپ میں پھیلانے کی کوشش کر رہے تھے۔“

اسی طرح فیرفیکس (FAIR FAX) نے اپنے شیخ حاجی ابراہیم سے تصوف سیکھا اور تصوف کے مضمون پر ایک نہایت اچھی نظم لکھی جس کا نام بہارستان تصوف ہے۔

فیرفیکس

(SUFİ ROSE GARDEN)

## کرنل ولبر فورس کلارک

انگلینڈ کے ایک اور صوفی منش سکالر کرنل ولبر فورس کلارک  
(WILBERFORCE CLARK) ہیں جنہوں نے

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی تعلیمات سے متاثر ہو کر ان کی کتاب عوارف المعارف کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ انہوں نے خواجہ حافظ کے دیوان اور نظامی کی کتاب سکندر نامہ کا بھی ترجمہ کیا ہے۔ آپ مشہور صوفی منش سکالر ریماڈیل کے مکتب سکول سے تعلق رکھتے ہیں۔ کرنل کلارک نے تصوف کے متعلق سب سے زیادہ اہم بات یہ کہی ہے کہ جہاں دوسرے مذاہب میں غلبہ حال (ECSTASY) آخری منزل قرار دیا جاتا ہے، اسلامی تصوف کی رو سے صرف ابتدا ہے اور انتہائی مقام قرب حق یا مقام عبودیت ہے جو دوسرے مذاہب میں نہیں ملتا بلکہ نشیات کے ذریعے مخموری اور غلبہ حال پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

حال عارضی کیفیت کا نام ہے اور جب یہ کیفیت پختہ ہو جاتی ہے تو مقام کہلاتی ہے

غلبہ حال (ECSTASY) منزل مقصود نہیں ہے بلکہ مقام تک پہنچانے کا ذریعہ ہے

کرنل کلارک کی یہ بات اکابر صوفیاء کے مسلک کے عین مطابق ہے کیونکہ جہاں دیگر مذاہب میں غلبہ حال کو منزل مقصود قرار دیا جاتا ہے اسلامی تصوف میں غلبہ حال (مغلوبیت) منزل مقصود نہیں بلکہ درمیانی منزل ہے اور نقص سمجھی جاتی ہے۔

ڈاکٹر عبدالعزیز دراصل پشاور کے ایک ہندو خاندان سے تعلق رکھتے

ہیں جو انگلینڈ میں ڈاکٹری پاس کرنے کی خاطر گئے، عیسائی مذہب

## صوفی عبدالعزیز

اختیار کر لیا اور وہیں کے ہو رہے۔ اور پھر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی روحانیت کے ذریعے مسلمان ہوئے اور مسلک تصوف اختیار کر کے بلند مراتب تک پہنچے۔

واقعہ یوں ہے کہ ایک دفعہ پشاور کا ایک ہندو گھرانہ اجمیر شریف کے نواح میں ایک مندر

پیشہ کی پوجا کے لیے اجمیر پہنچا اور رات وہاں بسر کی۔ ان کے ساتھ ایک چھ سال کا چھوٹا بچہ

بھی تھا جس کا نام بدن ڈاس تھا۔ کھانا کھانے کے بعد جب رات کو بدن ڈاس کے والدین خواجہ معین الدین

اجمیری کے مزار کی زیارت کے لیے جانے لگے تو چھوٹا بچہ مچل گیا۔ اس نے کہا میں بھی خواجہ کی زیارت

کرنا چاہتا ہوں۔ والدین اس خیال سے کہ بچہ وہاں نیند آجائے گی اور اٹھانا مشکل ہو جائے گا اس کو

روتا ہوا چھوڑ کر چلے گئے۔ بچہ کو روتے ہوئے نیند آگئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک سفید ریش

بزرگ آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم مجھے ملنا چاہتے تھے لیکن تمہارے والدین نے نہ آنے دیا۔ اس لیے

میں خود تمہیں ملنے آیا ہوں۔ یہ بھی کہا کہ فکر نہ کرو میں تم کو بلا لوں گا۔

پشکر کی زیارت کے بعد وہ لوگ واپس پشاور چلے گئے۔ بچہ بڑھتا رہا۔ جوان ہوا تو بی اسے پاس کیا اور چونکہ امیر گھرانے سے تعلق رکھتا تھا پشاور چھاؤنی میں انگریز فوجی افسروں کے ٹینس کلب کا ممبر ہو گیا اور وہاں روزانہ شام کو ٹینس کھیلنے جایا کرتا تھا۔ وہاں کلب میں ایک فوجی میجر کی لڑکی بھی ٹینس کھیلنے آیا کرتی تھی جس کے ساتھ اس کا محبت کا رابطہ قائم ہو گیا اور لڑکی اس کے ساتھ شادی کرنے پر آمادہ ہو گئی۔ اب چونکہ اس زمانے میں انگریز قوم دیسی لوگوں کو لڑکی دینا معیوب سمجھتے تھے۔ انہوں نے چھپا چھپانے کی خاطر لڑکے کو ڈاکٹری سکھنے کے لیے انگلینڈ بھجوا دیا۔ دن داس ہونہار لڑکا تھا اس نے ڈاکٹری پاس کی اور انگریزوں کے ایما پروہیں پرائیویٹ پریکٹس میں مشغول ہو گیا۔ اور عیسائی مذہب بھی قبول کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد وہ انگریز میجر بھی نیشن پا کر انگلینڈ چلا گیا۔ جب لڑکی اور لڑکے کو ایک دوسرے کا علم ہوا تو خط و کتابت اور عشق و محبت کا راستہ پھر سے کھل گیا۔ اب چونکہ وہ برٹش نیشنل بن چکا تھا اور عیسائی مذہب بھی اختیار کر چکا تھا۔ لڑکی کے باپ نے تنگ آ کر اس کے ساتھ شادی کر دی اور بچے بھی پیدا ہوئے اور وہ پریکٹس کرتا رہا۔

ایک رات اس نے خواب میں دیکھا کہ وہی بزرگ جن کے ساتھ خواب میں اجیر شریف میں ملاقات ہوئی تھی آئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ تم ہمارے پاس آ جاؤ۔ لیکن اس نے اس خواب کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ دوسری رات پھر وہی خواب دیکھا اور اس بزرگ نے زیادہ پُزور طریقے سے کہا کہ تم ضرور آ جاؤ۔ لیکن اس نے پھر بھی پرواہ نہ کی۔ تیسری مرتبہ پھر وہی خواب دیکھا اور بزرگ نے کہا کہ تم نہیں آتے تو ہم تمہیں زبردستی بلا لیں گے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد اس کے بچے یکے بعد دیگرے بیمار ہوئے اور فوت ہو گئے۔ بیوی بیمار ہوئی اور فوت ہو گئی۔ اس کے بعد وہ خود بیمار ہو گیا اور ڈاکٹروں نے جتنا زور لگایا اچھا نہ ہوا۔ آخر تنگ آ کر سب ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ تبدیلی آب و ہوا کے لیے اُسے وطن جانا چاہیے۔ چنانچہ اس کو اسی بیماری کی حالت میں سوار کرایا گیا اور بمبئی کی بندرگاہ پر آ کر اترا۔ چونکہ اب وہ عیسائی ہو چکا تھا اس نے ایک عیسائی گرجا میں سکونت اختیار کی اور چند یوم میں صحت یاب ہو گیا۔ گرجا کے لوگوں نے اُسے مشنری سروس کے لیے ملازم رکھ لیا اور وہ گاہے بگاہے دورے کر کے عیسائیت کی تبلیغ کرنے لگا۔ ایک دفعہ دورہ کرتے ہوئے وہ اجیر شریف پہنچا۔ خیال آیا کہ مزار پر جاؤں۔ جو وہی اندر داخل ہوا تو اس قدر شش محسوس ہوئی کہ گویا ایک بجلی کی کرنٹ جسم میں دوڑ گئی ہے اس سے ان کو اس قدر مزہ آیا کہ درگاہ میں کمرہ لے کر بٹھہر گئے اور حضرت خواجہ کی طرف روز بروز زیادہ سے زیادہ توجہ و محبت اور شش ہونے لگی۔ بالآخر اسلام قبول کر کے حضرت خواجہ صاحب کا منک تصوف اختیار کیا، اور ڈاکٹر عبدالعزیز نام سے پرائیویٹ پریکٹس میں مصروف ہو گئے اس کے ساتھ تصوف کی تعلیمات بھی حاصل کرتے رہے اور بلند مقامات تک پہنچ گئے۔ ہمارے شیخ حضرت مولانا سید محمد ذوقی شاہ قدس سرہ، اس زمانے میں اجیر شریف میں قیام پذیر تھے۔ ان کے ساتھ اکثر ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں اور مجالس معرفت گرم رہتی تھیں۔

## صوفی حبیب اللہ لوگروو

انگلستان کے ایک اور درویش جو مسلمان ہو کر تصوف کی تعلیم میں مشغول ہوئے صوفی حبیب اللہ لوگروو (LOVEGROVE)

تھے۔ آپ حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کے روحانی فیض سے مسلمان ہوئے۔ پہلے آپ کو مولانا رومؒ نے خواب میں زیارتیں کرائیں اور اسلام کی طرف راغب کیا۔ جب اسلام لاپچھے تو حالت بیداری میں بھی مولانا علیہ رحمہ کی روحانیت کا مشاہدہ کرتے تھے اور گفتگو ہوتی تھی۔ جب ہمارے شیخ حضرت مولانا سید محمد ذوقیؒ کا انگریزی مضمون صوفی ازم لندن کے ایک جریدہ اسلامک ریویو (ISLAMIC REVIEW) میں شائع ہوا تو حبیب اللہ لوگروو نے حضرت شاہ صاحب علیہ رحمہ کو کئی خطوط لکھے اور خط و کتابت کے ذریعے تصوف کی تعلیم حاصل کرتے رہے ان کے پہلے خط کا اقتباس درج ذیل ہے:

میرے اسلامی بھائی سید محمد ذوقی۔

اسلام علیکم۔ میں نے آپ کا مضمون صوفی ازم جو اسلامک ریویو میں چھپا پڑے شوق سے پڑھا۔ عرضہ ہوا میں نے غیبی اشاروں کی بدولت اسلام قبول کیا۔ مجھے آپ سے روحانی امداد اور ہدایت حاصل کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ میرے غیبی روحانی دوست نے سب سے پہلے مجھے تصوف سے روشناس کرایا اور پھر مسجد میں جا کر اسلام قبول کرنے کی ہدایت کی۔ چنانچہ سال ۱۹۱۶ء میں میں نے اسلام قبول کر لیا۔ اسی وقت سے مجھے اسلام کی ہر چیز سے بہت محبت ہو گئی ہے۔ میں نے اسلام

کیا ہے (WHAT IS ISLAM) کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی ہے

جو بہت پسند کی گئی ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے بہت کام لینا ہے اور میں علم کا پیاسا ہوں۔ میں روحانی طور پر سفر کر کے بیماروں کا علاج بھی کرتا ہوں۔ لوگوں نے مجھے بارہا ایک خاص صورت میں مریضوں کے سرہانے بیٹھے دیکھا ہے۔ میں نے اپنے روحانی دوست کا فوٹو بھی اتارا ہے اور ہندوستان کے ایک دوست نے کہا ہے کہ یہ مولانا رومؒ ہیں۔ ہندوستان کے ایک بزرگ جن کا نام عثمان تھا خاص طور پر اتنا طویل سفر طے کر کے مجھے یہ بات بتانے آئے تھے۔ میں اپنے روحانی شاہد

میں دیکھتا ہوں کہ اسلام کے لیے بہت کام کر رہا ہوں۔

اس خط کے جواب میں حضرت مولانا سید محمد ذوقیؒ شاہ کے خط کا مختصر اقتباس حسب ذیل ہے:

مولانا جلال الدین رومیؒ کا انا اور آپ کو ہدایت دینا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ راہِ راست پر ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کے باطنی نظام ہدایت میں مولانا رومؒ کے سپرد اہل مغرب کی ہدایت

ہے۔ وہ مناسب شاگرد چن کر ان کی ہدایت کرتے ہیں اس لیے جو کچھ ان کی طرف سے آتا ہے بالکل صحیح ہے۔

حبیب اللہ لوگر ورنے ایک اور خط میں لکھا:

”میرے روحانی دوست اس وقت میرے پاس بیٹھے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ سید محمد ذوقی بہت اچھے دوست ہیں اور ان کے ساتھ خط و کتابت جاری رکھو۔ انہوں نے مجھے کوئی غلط بات نہیں بتائی۔ گزشتہ سووار کے دن جب میں ایک ٹینک میں گیا تو میرے دوست جلال الدین رومی میرے ساتھ تھے۔ ان کو ایک یہودی عورت سنر کلینڈ نے جو میرے دفتر میں کام کرتی ہیں بھی دیکھا اس کا خط شامل ہذا ہے مہربانی کر کے جلدی واپس کرنا۔“

ایک اور خط میں حبیب اللہ لوگر ورنے لکھا ہے کہ ایک دفعہ جب میں ایک مجلس میں تقرر کیا گیا تھا تو کئی لوگوں نے دیکھا کہ دو فرشتے اور مولانا رومی شاندار لباس میں میرے پیچھے کھڑے ہیں۔ میں سنر کلینڈ نے بھی دیکھا حبیب اللہ لوگر ورنے مذہبی سوسائٹیوں کے ممبر اور ایک دو سوسائٹیوں کے صدر تھے۔ لیکن حضرت مولانا ذوقی نے ان کو مشورہ دیا کہ فی الحال یہ کام چھوڑ کر پورے انہماک کے ساتھ خداوند تعالیٰ کے ساتھ پیوستہ ہو جائیں کیونکہ اس سے ان کی روحانی ترقی میں رکاوٹ ہو رہی تھی۔

صوفی عبداللہ مالٹکے (MOLTKE) کا تعلق جرمنی کے ایک مشہور فوجی خاندان مالٹکے سے ہے۔ اس خاندان میں دو بڑے

نامور جرنیل پیدا ہوئے ہیں۔ جن میں سے ایک پہلی جنگ عظیم میں جرمن فوج کا کمانڈر انچیف تھا۔ اسلام سے پہلے مالٹکے ایک بحری جہاز کے کپتان تھے جو ہندوستان اور انگلستان کے درمیان چلتا تھا۔ جب حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی انگریزوں کے خلاف سال ۱۸۵۷ء کے جہاد میں ناکام ہو کر مکہ معظمہ روانہ ہوئے تو کراچی سے اس جہاز میں سوار ہو گئے۔ لیکن آپ کے پاس ٹکٹ خریدنے کیلئے رقم بھی نہیں تھی۔ جہاز کے عملے کے ساتھ کافی بے دے کے بعد جہاز کا کپتان آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ یا رقم نکالو یا جہاز سے اتر جاؤ۔ آپ نے اپنی جیب سے استیج کے چند ڈھیلے نکال کر اس کے ہاتھ میں دیئے۔ جب اس نے دیکھا تو وہ سونے کی ڈلیاں تھیں۔ یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ اس نے کہا کہ میں سنتا تھا کہ مسلمان بزرگوں سے کرامات ظاہر ہوتی ہیں لیکن آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے اس کے بعد وہ حضرت امداد اللہ کو اپنے کیمپ میں لے گیا اور خدمت کرتا رہا۔ جب جہاز جدہ پہنچا تو انہوں نے استغنیٰ لکھ کر اپنے نائب کے حوالہ کر دیا اور خود اتر کر حضرت حاجی صاحب کے ساتھ مکہ معظمہ چلا گیا۔ اسلام

قبول کیا اور تصوف کی تعلیم حاصل کر کے بلند روحانی مراتب حاصل کیے۔ ہمارے حضرت دادا پیر حضرت مولانا وارث حسن کوڑہ جہاں آبادی علیہ رحمۃ جن کو حضرت حاجی ابد اللہ مہاجر مکیؒ سے شرف بیعت حاصل تھا فرماتے ہیں کہ میں نے معظم میں شیخ عبداللہ مالکے کی زیارت کی تھی۔ انہوں نے ایک مشک خریدی ہوئی تھی اور لوگوں کا پانی بھرتے تھے۔ جب دو آنے کی رقم جمع ہو جاتی تھی تو ایک ہفتہ گوشہ نشینی کر کے یاد خدا میں منہمک ہوجاتے۔

مدن موہن ہندوستان کے ایک فلم ایکٹر تھے جو بہت اچھا گاتے تھے۔

ایک دفعہ جب اجمیر شریف جانا ہوا تو حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی درگاہ میں چلے گئے۔ اندر جا کر دہلیز کو چوما تو جسم میں ایک بجلی کی سی کرنٹ محسوس ہوئی اور بے خود ہو کر رہ گئے۔ چند روز وہاں رہنے کے بعد ہمارے شیخ حضرت مولانا شاہ سید محمد ذوقیؒ سے ملاقات کا سلسلہ جاری ہوا اور مسلمان ہو کر شرف بیعت حاصل کیا اور سلوک الی اللہ کی تعلیم و تربیت میں سرگرم ہو گئے۔ پاکستان بننے پر وہ حضرت اقدس کے ساتھ کراچی آئے اور کچھ عرصہ بعد انگلستان چلے گئے جہاں انہوں نے بہت لوگوں کو تصوف کی تعلیمات سے آگاہ کیا۔ اس کے بعد وہ ہندوستان چلے گئے اور وہاں زیادہ تر ہندوؤں میں تبلیغ اسلام کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کو حضرت اقدس سے خلافت بھی ملی تھی اور آخر لکھنؤ میں بیمار ہو کر داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

صوفی عبید السلام

مٹریس ہوپ (LESHOPE) ایک اور عیسائی ہیں جو تصوف سے متاثر ہو کر حضرت مولانا شاہ سید محمد ذوقی علیہ رحمۃ کے زیر تربیت رہے۔

مٹریس ہوپ

حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ ان کی خط و کتابت رہی۔ ایک خط میں حضرت اقدس فرماتے ہیں :-

مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ کو روحانی ترقی ہو رہی ہے اور عقائد بھی صحیح ہو رہے

ہیں۔ روحانی ترقی کی کوئی حد نہیں ہے۔ آدمی جتنی ترقی کرے اس سے اوپر اور منازل

نظر آتی ہیں۔ اس راستے میں سب سے زیادہ ضروری بات استقلال اور ہمت ہے۔ اگر

تھوڑا کام باقاعدگی سے کیا جائے تو اس بہت کام سے بہتر ہے جو بے قاعدگی سے

کیا جائے۔ تمہیں چاہیے کہ جس طرح جسمانی خوراک کا بندوبست کرتے ہو روح کو بھی اس

کی غذا پہنچاتے رہو۔ میں یہ باتیں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ مجھے معلوم ہے کہ تمہارے اندر

استعداد موجود ہے اور ترقی یقینی ہے بشرطیکہ کام کرتے رہو۔ تمہارے مستقبل کا دار و مدار

تعلق باللہ پر ہے۔ تعلق باللہ جس قدر زیادہ ہو گا زیادہ ترقی حاصل ہوگی۔۔۔۔۔ جسم آلہ

ہے روح کا اور روح آلہ ہے انا کا جو انسان کے اندر ہے اور جو اناتے حقیقی کی صدا

بازگشت (ECHO) ہے۔ اناتے حقیقی نہ انسان کے اندر ہے نہ باہر، اس کا کوئی مقام

نہیں اور ہر جگہ موجود ہے وہی وجود حقیقی ہے جس کے سامنے کسی وجود کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ہر چیز اس کے سامنے کی طرح بلکہ سایہ بھی نہیں کہلائی جاسکتی۔ تمہارا کام اپنے آپ کو پہچاننا ہے اس کے بعد یہ معلوم کرنا ہے کہ ذاتِ حق کے ساتھ آپ کو کیا تعلق ہے جب اس حقیقت سے آگاہی ہو جائے گی تو تمہارا جسم، روح اور ہر چیز منور ہو جائے گی۔ تعلق باللہ کے بغیر کوئی چیز کام نہیں آتی حتیٰ کہ ہوا میں اُڑنا اور پانی پر چلنا بھی بے کار ہے۔“

**مدن راؤ مادھوراؤ** مدن راؤ مادھوراؤ ایک اور ہندو ہے جس نے تصوف سے متاثر ہو کر حضرت مولانا سید محمد ذوقی شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی تربیت حاصل کی۔

ایک خط میں حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:-

”اپنے اندر جھانک کر معلوم کرو کہ تم کیا ہو اور تمہارے اندر کس چیز کی طلب ہے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ بظاہر اگرچہ تم ایک سرکاری ملازم ہو، ایک خاوند ہو۔ ایک باپ ہو لیکن درحقیقت تم ایک درویش، سادھویا فقیر کا قلب رکھتے ہو۔ لہذا تمہیں اپنا نقطہ نگاہ بدلنا ہو گا۔ تمہارا مقصد زندگی خدا ہونا چاہیے۔ باقی ہر چیز اس کے نیچے ہونا چاہیے اس کام میں جس چیز سے مدد ملے تمہارے لیے بہتر ہے۔“

**ڈاکٹر رولو** (ROLO) ایک اور عیسائی تھے جنہوں نے حضرت مولانا سید محمد ذوقی شاہ علیہ رحمۃ سے روحانی تربیت حاصل کی۔ حضرت شاہ صاحب ایک خط میں لکھتے ہیں:

”جس دم کے کئی طریقے ہیں۔ لیکن یہ سب موسم سرما میں یا سرد ممالک میں کیے جاتے ہیں۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ غلوت میں بیٹھ کر آنکھیں بند کر لو اور مرعبہ بیٹھ کر اس طرح کرو کہ جب سانس باہر آئے تو یہ خیال کرو کہ تمہارے تمام خیالات، تعلقات، خواہشات جو ماسویٰ کے ساتھ وابستہ ہیں سب دل سے باہر جا رہے ہیں اور جب سانس اندر جائے تو یہ خیال کرو۔ نہ صرف خیال کرو بلکہ پختہ یقین کرو کہ حق تعالیٰ میرے اندر داخل ہو رہے ہیں۔ سانس اندر جانے اور باہر آنے میں فی الحال وقفہ برابر رکھو اور رفتہ رفتہ بڑھاتے جاؤ۔“

**شیخ احمد مراد** تصوف سے متاثر ہونے والے ایک امریکن دانشور شیخ مراد ہیں جو حضرت شیخ عنایت کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ شیخ عنایت ہندوستان کے ایک بزرگ تھے جنہوں نے یورپ جا کر وہاں کے لوگوں کو تصوف سے آگاہ کیا۔ ان کی تبلیغی مساعی کا مرکز زیادہ ہالینڈ، برازیل، ان کے ہزاروں مرید پائے جاتے ہیں۔



## متفرق نو مسلمین

مندرجہ بالا نو مسلمین کے علاوہ یورپ اور امریکہ سے بے شمار نو مسلم پاکستان آئے ہوئے ہیں جو تلاش شیخ اور روحانی تربیت کے شوق میں اکثر عرسوں اور مزارات پر دیکھے جاتے ہیں۔ ان میں سے کئی حضرات راقم الحروف کے غریب خانہ پر آکر رہتے ہیں۔ حقیقت و معرفت کی باتیں ہوتی ہیں۔ بہت ہی مخلص، باہمت اور مستقل مزاج لوگ ہیں۔ گھربار وطن، دولت، آرام و آسائش سب ترک کر کے وطن سے دور یہاں پر ان کو جس قدر مشکلات و مصائب کا سامنا ہوتا ہے۔ سب بخوشی برداشت کرتے ہیں حتیٰ کہ کئی دن کے فاقوں سے بھی نہیں گھبراتے ایک دفعہ ہم نے بہاول پور میں اپنے مکان پر ایک فرانسیسی نو مسلم، نوجوان اور ایک سوئٹزر لینڈ کی نو مسلم لڑکی کی شادی رچائی تھی۔ اب وہ دونوں پاکستان سے چلے گئے ہیں۔ اسی طرح مراکش کے صوفی بزرگ حضرت شیخ محمد ابن حبیب کے ہاتھ پر یورپ اور امریکہ کے بے شمار لوگوں نے حال میں اسلام قبول کیا ہے اور تصوف کی تعلیمات حاصل کی ہیں شیخ عبدالقادر الصوفی جو برطانیہ کے باشندہ ہیں ان مریدین میں سب سے زیادہ مشہور ہیں۔

شیخ عبدالقادر الصوفی اور ان کے خلفاء کے نو مسلم مریدین بھی اکثر اوقات راقم الحروف کے غریب خانہ پر آکر حلقہ ہائے ذکر اور مجالس مذاکرہ میں شامل ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک خاتون سبع سموات نامی ہیں جن کو روحانیت کا بے حد شوق ہے اور اس ذوق و شوق میں ہمارے غریب خانہ واقع الہ آباد میں بھی آئی تھیں اور ان کی خواہش کے مطابق ہم لوگ اپنے بیوی بچوں سمیت ان کو اوج ٹریفک کے مزارات پر لے گئے جہاں ان کو بہت زیادہ روحانی فیوض حاصل ہوئے اور بہت خوش ہو کر واپس گئیں۔

ان نو مسلمین میں سے ایک محمد نعیم حبیب اللہ ہیں جو روحانی طور پر حضرت بابا فرید الدین گنجشکر سے بہت وابستہ ہیں اور اکثر پاکستان سٹریٹ میں رہتے ہیں۔ غریب خانہ پر آیا کرتے ہیں۔ بہت باہمت اور صاحب ذوق انسان ہیں۔ ایک دفعہ وہ ایک سوئیلر رگیستان و بیابان کے سفر کے بعد ایک بزرگ کے مزار پر پیدل گئے۔ جب راقم الحروف نے پوچھا کہ کتنا سفر تھا تو کہنے لگے کہ صرف ایک سوئیلر۔ ایک دفعہ افغانستان اور فلسطین میں جنگ کی وجہ سے مجھے پریشان ہوتا دیکھ کر وہ کہتے لگے کہ: ”آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ خدا کی قدرت کو نہیں دیکھتے کہ جہاں اسلامی ممالک کی سرحدوں پر دشمنان اسلام نے توپیں نصب کر رکھی ہیں ان کے اپنے گھروں کے اندر ہم جیسے جان نثار اسلامی سپاہی پیدا ہو رہے ہیں۔“

ان میں سے ایک صاحب احمد اکبر ہیں جو بے حد جوشیلے صوفی ہیں اور جب سے انگریزوں سے آئے ہیں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ رحمۃ کے اس قدر

احمد اکبر

گرویدہ ہیں کہ ہر وقت مزار پر رہتے ہیں۔ کبھی کبھی حضرت بابا علیہ رحمۃ کے عرس پر پاکستان شریف بھی آتے ہیں اور حضرت داتا گنج بخش علیہ رحمۃ کے مزار پر بھی حاضری دیتے ہیں۔ لیکن ان کی رہائش وہی حضرت خواجہ قطب الدین علیہ رحمۃ کا آستانہ ہے۔ حضرت خواجہ کے باطنی اشارہ کے مطابق انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے قدم مبارک کی زیارت بھی کی ہے جو سری لنکا میں ایک پہاڑ پر ہے۔ وہاں جاتے ہوئے انہوں نے حضرت خواجہ قطب علیہ رحمۃ کے اشارہ کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کے مزارات کی زیارت بھی کی جو جنوبی ہندوستان کے ایک شہر شاید رامیشور میں واقع ہیں۔ بہت لمبی قبریں ہیں۔ ہندو لوگ وہاں کے مجاور ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے بزرگوں کی قبریں ہیں۔ وہ بھی سچ کہتے ہیں کیونکہ آدم علیہ السلام اور ان کے بیٹے سب کے باپ اور بزرگ ہیں۔

نو مسلم حضرات میں سے ایک صاحب عبدالرحمن بن جوٹلی کے باشندہ ہیں  
عبدالرحمن اٹالوی

ایک دفعہ جب وہ غریب خانہ پر بہاول پور آئے تو میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کس طرح مسلمان ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے فرانس کے مشہور مصنف ماسینوں (MASSIGNON) کے ایک فلاں شاگرد دجن کا نام میرے ذہن سے اتر گیا ہے۔ انے کہا کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ چونکہ وہ بڑے عالم و فاضل اور دیندار آدمی تھے میں نے ان کا کہنا مان لیا اور مسلمان ہو گیا۔ راقم الحروف نے پوچھا کہ کیا وہ مسلمان ہو چکے تھے۔ انہوں نے کہا نہیں۔ میں نے کہا کہ پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک عیسائی دوسرے عیسائی کو مسلمان ہونے کی تلقین کرے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بات میری سمجھ میں بھی نہیں آتی۔ میں نے کہا کہ پھر تو ان کے استاد ماسینوں کے متعلق یہ خبر صحیح معلوم ہوتی ہے کہ وہ تصوف پر ریسرچ کے بعد درپردہ اسلام قبول کر چکے تھے اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کے وہ شاگرد جنہوں نے آپ کو اسلام قبول کرنے کی تلقین کی وہ بھی درپردہ مسلمان تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں یہی ہو سکتا ہے۔

عطاء اللہ چشتی | آپ بھی امریکہ کے نو مسلم ہیں جو حضرت شیخ احمد مراد کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے

اور بیعت ہو کر تبلیغ اسلام میں مشغول رہے۔ آپ پاکستان میں بھی آئے۔ اور لاہور کی معروف خاتون ڈاکٹر خاور چشتی سے شادی کی۔ جو آجکل لاہور میں ایک کالج کی پرنسپل ہیں۔ اپنے شیخ کے وصال کے بعد جناب عطاء اللہ چشتی نے صوفی برکت علی صاحب (سالار والا) سے اخذ فیض کیا۔ اور ۱۹۷۲ء میں واصل باللہ ہو کر سالار والا ہی میں دفن ہوئے۔ ان کا پہلا نام GEORGE ENDREW LEAR JUNIOR تھا آپ کو شیخ احمد مراد صاحب سے خلافت بھی حاصل ہوئی۔

محمد مارون صاحب آپ جرمنی کے نو مسلم ہیں۔ جو حضرت شاہ شہید اللہ فریدی سے بیعت ہوتے۔ اور اب کراچی میں مقیم ہیں۔

حاجی مختار صاحب آپ آسٹریلیا کے نو مسلم ہیں جو حضرت شاہ شہید اللہ فریدی کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے۔ کراچی میں اسلامک سنٹر میں تعلیم حاصل کر کے اب ملیشیا میں مقیم ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ملیشیا میں ہر سال دس ہزار لوگ اسلام قبول کر رہے ہیں۔

نعمت اللہ صاحب آپ ارجنٹائن (جنوبی امریکہ) کے نو مسلم ہیں۔ اور حضرت شاہ شہید اللہ فریدی کے جانشین حضرت شاہ سراج علی صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہو کر سلوک الی اللہ طے کر رہے۔

مصطفیٰ سہیل صاحب آپ بھی ارجنٹائن کے نو مسلم ہیں جو اسلام آباد کے ایک مدرسہ میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

محمد ناصر صاحب آپ بھی ارجنٹائن کے نو مسلم ہیں جو سندھ میں ایک نقشبندی شیخ سے بیعت ہو کر سلوک الی اللہ طے کر رہے ہیں۔

داؤد ابوالفتح صاحب آپ آسٹریلیا کے نو مسلم ہیں جو احقر راقم الحروف سے بیعت ہو کر سلوک طے کر رہے ہیں۔ آپ ملیشیا میں سائنس یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔

سیف الاسلام صاحب آپ کا تعلق ملیشیا کی چنی آبادی سے ہے جو اسلام قبول کرنے کے بعد راقم الحروف سے بیعت ہوئے اور سلوک الی اللہ میں مشغول ہیں۔

محمد غوث صاحب آپ ملیشیا کے نو مسلم ہیں جو پہلے وہاں کی ہندو آبادی سے تعلق رکھتے تھے۔ قبول اسلام کے بعد احقر راقم الحروف کے تحت سلوک طے کر رہے ہیں۔

عاشق علی صاحب آپ فرانس کے نو مسلم ہیں جو بیوی بچوں سمیت ہوئے اور اب کراچی میں اسلامی تعلیم و تربیت حاصل کر رہے ہیں۔

عبد السلام صاحب آپ بھی فرانس کے نو مسلم ہیں جو پاکستان میں کافی عرصہ رہ کر اب الجزائر چلے گئے ہیں۔

منہ مریم کعلی | آپ فرانس کی نومسلمہ ہیں جو اب ریاض میں مقیم ہیں اور اسلامی تعلیم و  
 تربیت حاصل کر رہی ہیں۔ عرصہ دو سال سے احقر راقم الحروف سے خط و کتابت کا سلسلہ  
 جاری ہے۔

غرضیکہ نومسلم حضرات کی تعداد اس قدر کثیر ہے کہ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔



## ہندو روحانی پیشواؤں پر صوفیائے اسلام کے عظیم احسانات

مشہور ہندو مورخ پروفیسر ڈاکٹر تارا چند نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے۔  
**INFLUENCE OF ISLAM ON INDIAN CULTURE** ڈاکٹر تارا چند کی یہ وہ قابل تحسین  
 ریسرچ اور سچی بیانی ہے کہ جس سے تصوف پر ہندو اثرات کے الزام لگانے والوں کی مکر لٹ گئی ہے۔  
 جس طرح یورپ پر صوفیائے اسلام کے احسانات کو مستشرقین یورپ نے قلابازیاں لگا کر اٹھا صوفیا کرام  
 پر عیسائیت کے اثرات کا ڈھونگ رچایا اسی طرح صوفیائے اسلام کے جو اثرات اور احسانات ہندو زبان  
 روحانیت پر ہوتے ان کو بھی یورپ کے مستشرقین نے اٹھا رنگ دے کر تصوف پر ہندو اثرات کی رام کہانی  
 بنا کر دنیا کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ یہاں بھی ڈاکٹر نکلسن کا وہی قول صادق آتا ہے  
 کہ "یار لوگوں نے غلط بیانی کر کے باپ کو بیٹا بنا دیا ہے اور بیٹے کو باپ کا مقام دے دیا ہے۔"

ویسے تو اولیاء اور صوفیائے اسلام جنہوں نے ہندوستان میں آ کر ہزاروں لاکھوں کفار کو نور اسلام  
 سے منور کیا ان کی سوانح حیات اور تاریخ اسلام میں کثرت سے ایسے واقعات ملتے ہیں کہ جہاں بھی ہندو  
 جوگیوں کا مشائخ اسلام سے مقابلہ ہوا جوگیوں نے منہ کی کھائی اور عاجز آ کر مشائخ کے قدموں میں گر کر اسلام اختیار کیا  
 ڈاکٹر تارا چند کے حیرت انگیز انکشافات و اعترافات | لیکن جہاں تک غیر اسلامی  
 شواہد کا تعلق ہے اس سلسلے

میں نامور مورخ و محقق ڈاکٹر تارا چند کی کتاب انقلوٹنس آف اسلام آت انڈین  
 کلچر (INFLUENCE OF ISLAM ON INDIAN CULTURE) پکار پکار کر کہہ رہی ہے،

کہ صوفیاء اسلام ہندو فلسفہ حیات کے ممنون ہیں بلکہ ہندو زبان و ادب روحانیت اسلامی تصوف اور صوفیائے  
 اسلام کے ممنون منت ہیں۔ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ اقوام مغرب کے نوآبادیاتی نظام  
**COLONIALISM** اور **(IMPERIALISM)** کے ایجنٹوں نے محکوم مسلم اقوام پر غیر ملکی حکومت  
 برقرار رکھنے کی خاطر اسلام اور اکابر اسلام کو بدنام کرنے اور مسلمانوں کے دلوں میں احساس کمتری پیدا کرنے  
 کے لیے کتنے بڑے سفید جھوٹ ایجاد کیے کہ حقیقت کو الٹ دیا، ممنون کو محسن اور محسن کو ممنون بنا کر دکھایا  
 اور باب کو بیٹا اور بیٹے کو باپ بنا دیا۔ حالانکہ ڈاکٹر تارا چند جیسے محقق اور منصف مزاج مورخ نے تاریخ سے  
 ثابت کر دیا ہے کہ شکر اچاریہ، رانا نوجا، رانا نندا، بھگت کبیر اور ان کے تمام پیلیے اور پیلیوں کے پیلیے  
 صوفیاء کرام اور اولیائے اسلام سے تصوف کی تعلیم و تربیت حاصل کر کے بلند روحانی مراتب کو پہنچے۔ لیکن  
 یار لوگوں نے یہ ڈھونگ رچا رکھا ہے کہ تصوف شکر اچاریہ اور رانا نوجا کی تعلیمات کا مرہون منت ہے کس  
 قدر اندھیر، ظلم اور غضب اور جھوٹ ہے۔

ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں کہ شمالی ہند میں مسلمانوں کی آمد فتوحات اور حکومت سے بہت پہلے جنوبی ہند میں عرب نوآبادیوں کے ذریعے ہندو ارباب روحانیت نے مسلمانوں سے تصوف کے میدان میں اثرات قبول کرنا شروع کر دیئے تھے۔ اس تاریخی حقیقت سے اس بات کی بھی نفی ہوتی ہے کہ مسلمانوں نے بزرگ شری غیر مسلموں کو مسلمان بنایا۔ ڈاکٹر تارا چند کے الفاظ یہ ہیں:-

”جنوبی ہند میں شکر آچاریہ اور ان کے شاگردوں کی روحانی تعلیمات اور اسلامی تصوف کی تعلیمات میں حیرت انگیز مشابہت ہے۔۔۔ شکر کی پیدائش

**شکر آچاریہ**

کے وقت تک اسلامی نظریہ توحید (MONOTHEISM) جنوبی ہند میں جڑ پکڑ چکا تھا۔ اس لحاظ سے شکر آچاریہ اپنے عہد کی پیداوار تھے۔ اور ایک نئے مذہب یعنی مذہب توحید کے بانی تھے۔ جو برہمنوں کی بت پرستی کے برعکس تھا۔ شکر کے اس نظریہ توحید کو اسلام کے سخت توحید پسند مذہب سے بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ شکر اس وقت پیدا ہوئے جب مسلمانوں نے جنوبی ہند میں قدم جما کر وہاں کے ایک راجا کو مسلمان کر لیا تھا اور اپنی تبلیغی کوششوں میں مصروف ہو چکے تھے۔ ان کی جائے پیدائش بھی وہ جگہ تھی جہاں عربستان اور ایران سے جہاز آ کر ٹھہرتے تھے۔ لہذا اگر شکر کا نیا نظریہ توحید اسلامی توحید کی ایک گونج قرار دیا جائے تو کوئی نئی اور حیرت کی بات نہ ہوگی۔ چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے اثرات ہندو ازم میں پوری قوت سے داخل ہوئے اور اس پر اسلامی رنگ چڑھا دیا۔“

آگے چل کر ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں:-

”راما نوجا کے وقت میں مسلمان کار و منڈل ساحل پر آباد ہو چکے تھے۔ اس

**راما نوجا**

زمانے میں مسلم اولیاء مثل ناصروی وغیرہ اسلام کی تبلیغ میں مصروف تھے اور ہندوؤں اور ان کے حکمرانوں مثل راجا کنپوریا وغیرہ کو مسلمان بنا رہے تھے اور ان سے مساجد کیلئے زمینیں حاصل کر رہے تھے۔ ہندو مذہب پر اسلام کا اتنا اثر ہوا کہ شکر آچاریہ اور راما نوجا کے وقت میں قدیم ہندو ذات پات کی رسم، عقیدہ، تاسخ اور بت پرستی وغیرہ کا خاتمہ ہو گیا۔۔۔۔۔ راما نوجا کے فلسفہ کے مطابق خداوند عالم صفات حسنہ کا مالک سمجھا جانے لگا اور انہوں نے خدا سے واحد کی عبارت میں ذوق عمل اور حسن عقیدت کو شامل کر دیا۔ انہوں نے مذہب کے وہ دروازے ان قوموں کے لیے بھی کھول دیئے جن کو اب تک برہمنوں نے بند کر رکھا تھا۔ عابد و معبود کے باہمی تعلق میں عشق کو بڑا دخل حاصل ہوا بلکہ انسان بھائی کی محبت بھی جزو ایمان بن گئی لیکن اس معاملہ میں پیش رفت ذرا کم تھی۔ اور وشنو سوامی، نمبارکا اور مہادیو کے بحث و مباحثے وہ شکل اختیار کر گئے جو نظام، اشعری، اور غزالی کے مابین ہوا کرتے تھے۔“

آگے چل کر ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں:-

”ناویں صدی کے جنوبی ہند کے دیگر عقائد پر بھی اسلام کی چھاپ نمایاں نظر آتی ہے  
مثلاً خدائے واحد لاشریک کی عبادت، عبادت الہی میں عشق و محبت کا زور تزکیہ نفس،  
گورو یا پیر و مرشد کا احترام۔ ذات پات کا ترک وغیرہ۔“

ڈاکٹر تارا چند ان اصلاحات کو اسلام اور صرف اسلام کی پیداوار قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-  
چنانچہ رمانو جانے شوروں کو مندروں میں داخل ہونے کی اجازت دے رکھی تھی  
ان اصلاحات کو صین مت اور بدھ مت سے ہرگز منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ ان  
مذہب میں بھی ذات پات اور بت پرستی کی لعنت گھس چکی تھی۔ بھگتی یعنی محبت اور  
پارہی (اطاعت) کا عنصر خالص اسلامی اثرات کا نتیجہ ہے۔  
ڈاکٹر تارا چند مزید لکھتے ہیں کہ:-

”مصنف بھمدار کار کا خیال ہے کہ ہندو ازم پر یہ اثرات عیسائی مذہب کا نتیجہ ہیں۔  
لیکن زیادہ یقینی بات یہ ہے کہ یہ اثرات اسلامی ہیں۔ کیونکہ محبت اور اطاعت دونوں  
اسلام کا جزو اعظم ہیں۔ لفظ اسلام کے معنی بھی فرمانبرداری یعنی اطاعت کے ہیں اور ایک  
مسلمان سچا پارہتا (مطیع) ہوتا ہے۔ خداوند تعالیٰ کی رضا کے آگے سر جھکا دینا اسلام  
کا بنیادی عقیدہ ہے۔ تاریخ کی رو سے بھی یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ رمانو جانے  
نے یہ عقائد اسلام سے حاصل کیے۔ امام دگوروں کے ذریعے حق تعالیٰ کی عبادت میں  
منہمک ہو جانا بھی اسلام کے اہم عقائد میں سے ہے۔ احترام شیخ کا یہ اصول قرون وسطیٰ  
کے ہندو ازم کے اندر صوفیاء اسلام کے ذریعے داخل ہوا شکر کا نظریہ انانند اگیری  
یعنی شوا میں فنا ہو جانا اور الورا اور اچارو کاوشنوں میں فنا ہونا اور انا پاتھی  
کا گورو وادایہ تمام نظریات صوفیانہ ہیں اور صوفیاء کے ذریعے سارے ہندوستان  
میں پھیل گئے۔ چنانچہ عصر حاضر کا ایک ہندو سکالر لکھتا ہے کہ ہندو مذہب میں یہ جو استاد  
کو اتنا اونچا مقام دیا گیا ہے میرے نزدیک یہ اسلام کا اثر ہے۔ رمانو جانے اور آرتھاپنیکا  
کا عقیدہ اچار یہ بھیما بھی اسلام سے ماخوذ ہے نہ کہ عیسائیت سے یہ تمام اثرات  
جنوبی ہند میں ظاہر ہو رہے تھے نہ کہ شمالی ہند میں جہاں ابھی تک اسلام نہیں پہنچا تھا۔“

ہندو فرقے لنگا (جگناتس) اور سدھار پر صوفی اثرات | ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں کہ:-

جنوبی ہند کا ذکر چھپڑنے سے پہلے دو اور ہندو فرقوں کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت

ہے کیونکہ ان فرقوں پر اسلامی اثرات سب مذکورہ بالا فرقوں سے زیادہ ہوتے ہیں ان فرقوں کے نام لنگایت (جگناماس) اور سدھارا ہیں۔

ہندومت کے ان دونوں فرقوں کی عادات و خصائل، عقائد و اعمال برہمنوں سے اس قدر مختلف اور اسلام سے اس قدر مشابہ ہیں کہ ہندو اور یورپین مورخ اسلامی اثرات کی ہرگز نفی نہیں کر سکتے۔

ڈاکٹر تارا چند مزید وضاحت کرتے ہوئے اسلامی تصوف کے مندرجہ ذیل اثرات بیان کرتے ہیں "لنگایت فرقہ کے لوگ خالصتاً واحد لاشریک کی پرستش کرتے ہیں جسے وہ پاراشوا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ وہ بلند ترین تجلیات، اور کمالات کا مرکز، وہ تمام خوشیوں کا منبع، وہ لازوال ہستی، جو ہر مادی تغیرات سے پاک ہے وہ ایک عالمگیر مادی ہے جسے وہ لوگ علامہ پرچھو کہہ کر پکارتے ہیں۔ انسان کی شکل میں جو مادی آیا وہ اس ستارہ غفار کا نائب ہے جسے وہ اپنی زبان میں جساوا کہتے ہیں۔ ان نائب ہادیوں کے نام ان کی زبان میں یہ ہیں۔ دیوان، مارول، اکوواما اور پینڈت پروفیسر راؤ کا خیال ہے کہ یہ مسلمانوں کے چار پیر ہیں جو روحانی تربیت پر مامور ہیں۔ اور جن کی مرید بنانے کی رسومات اس قوم کے چار پیشوا بعینہ لگنام (چیلہ)، بناتے وقت ادا کرتے ہیں۔ ان کے چیلہ بنانے کے قواعد بھی وہی ہیں جو مسلم صوفیاء کے ہیں۔"

آگے چل کر ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں کہ ان کے حسب ذیل عقائد بھی مسلمانوں جیسے ہیں:-  
"ان میں کوئی ذات پات کا امتیاز نہیں ہے۔ جب ایک پار یا غلام، ان کے سلسلے میں داخل ہوتا ہے تو وہ برہمن سے کسی حالت میں کم نہیں سمجھا جاتا اور نہ ہی ان کے ہاں امیر و غریب یا مرد و عورت کا فرق ہے تمام لوگ اپنے اعمال کے مطابق معزز سمجھے جاتے ہیں۔"

آگے چل کر ڈاکٹر تارا چند ان کے رسوم و رواج اور معاشرتی اصول بیان کرتے ہیں۔ جو خالص اسلامی ہیں:-

"ان کے ہاں شادی اختیاری چیز ہے اور دلہن کی رضامندی ضروری سمجھی جاتی ہے بچپن کی شادی کو وہ غلط سمجھتے ہیں۔ ان کے ہاں طلاق جائز ہے۔ وہ لوگ بیواؤں کی عزت کرتے ہیں اور ان کو دوبارہ شادی کی عام آزادی ہے۔ وہ لوگ مردوں کو جلاتے نہیں دفن کرتے ہیں اور مردہ کو غسل دیا جاتا ہے۔ ان کے ہاں برہمنوں کی طرح موت کی



رسومات نہیں ہیں۔ وہ تماشخ (آواگون) کے قائل نہیں ہیں۔ وہ سب مل کر کھانا کھاتے ہیں، باہم شادی بیاہ کرتے ہیں اور اتفاق سے رہتے ہیں۔ وہ بہت مخلص اور متقی و پرہیزگار ہوتے ہیں اور مجاہدانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ ٹیلیگراف علاقے میں رہتے ہیں۔ جہاں بلگام، بیجاپور اور دھارواڑ کے ضلعوں میں ان کی ۳۵ فیصد اور میسور اور کلہا پور میں دس فیصد آبادی ہے۔

قارئین غور فرمادیں کہ یہ تمام اصول اور عقائد اسلامی ہیں اور ہندو مذہب کے بالکل خلاف ہیں۔ آگے چل کر ڈاکٹر تارا چند یہ سوال کرتے ہیں کہ یہ عقائد انہوں نے کہاں سے اپناتے ہیں اور پھر خود ہی پروفیسر براؤن کی تردید کرتے ہوئے جواب دیتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کا اثر ہے جن کی نوآبادیاں ساحل سمندر کے ساتھ پھیلی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر تارا چند کہتے ہیں کہ مورخ نائرن (NAIRN) کا بھی یہی خیال ہے اس کے بعد ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں :-

”اس نظریہ کو رد کرنا مشکل ہے کہ لتگائیت فرقہ اسلامی اثرات کی پیداوار ہے۔ اس کے سوا اور کوئی نظریہ قائم نہیں کیا جاسکتا کہ جس سے ان کی عادات و عقائد میں اس قدر انقلاب واقع ہو سکے۔ کیونکہ تماشخ جیسے مضبوط ہندو عقیدہ، مردہ جلائے جیسی قدیم ہندو روایت، ذات پات جیسی پرانی رسم، شادی بیاہ جیسی اہم رسومات کا ترک اور ان لوگوں کی سخت مجاہدانہ اور دلیرانہ زندگی جو انہوں نے اپنے ہادی غلامتہ سے سیکھی صاف گہری دے رہے ہیں کہ یہ اسلام کا فیض ہے۔“

اس کے بعد ڈاکٹر تارا چند اس قوم کے اسلامی عقائد تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں جن میں چند باتیں یہاں نقل کی جاتی ہیں :-

”اے انسان اگر تو نے گناہ کا ارتکاب کر لیا ہے تو تو ایک دفعہ کہہ دے کہ میں ایمان لایا پس تمام گناہ ختم ہو جائیں گے۔“

غیر اسلامی رسومات چھڑانے کے لیے ان کے راہنمایہ دعوت دیتے ہیں :-

”گھوڑوں کی قربانی بند کر دو۔ اجاپنا ہنتوا کی بیعت چھوڑ دو۔ آگ کی پوجا چھوڑ دو۔ گیا تری جاؤ کی رغبت ترک کر دو۔ لوگوں پر جادو مت کرو۔ خدا کی پرستش کرو اور ذات پات کا چکر چھوڑ دو۔ کیونکہ سب سے اعلیٰ ذات اس کی ذات ہے جو خدا کا بندہ ہے۔“

یہ تمام اسلامی عقائد ہیں اور آخری عقیدہ تو قرآن مجید کی اس آیت کا ترجمہ ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقى (تم میں سے سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے)۔

مندرجہ ذیل عبارت تو بعینہ صوفیاء کرام کے مقام قناتی اللہ کا بیان ہے:-  
 ”آہ! میں وہ لذت کیسے بیان کروں کہ جب میرا وجود برف کی طرح گھل کر پانی کے ساتھ  
 یک جان ہو جاتا ہے جیسے آگ کے اندر لاکھ کی مورتی۔ آہ! میں کیسے کہوں کہ میں خدا  
 سنگ نام ڈیرا کے ساتھ ایک ہو جاتا ہوں۔ جب آسمان، زمین سب کچھ گم ہو جاتا  
 ہے۔ ساری کائنات خدا کے وجود کے اندر برف کے ٹکڑے کی طرح ہے میں ایسے  
 سمندر میں پہنچ چکا ہوں جہاں لذت ہی لذت ہے اور دونی کا نام نہیں۔“  
 اس قوم کے بزرگوں کی یہ عبارت قابل غور ہے:-

”خدا وہ نور ہے جو نہ آسمانوں میں سما سکتا ہے نہ زمین میں۔ وہ میرا بادشاہ ہے جو بادشاہوں کا  
 بادشاہ ہے۔“ یہ عبارت حدیث ذیل کا عین ترجمہ ہے:-

”لَا يَسْتَعْنِي اَرْضِي وَ كَمَا سَمَائِي وَ لَيْسَعْنِي قَلْبُ عَبْدِي الْمُؤْمِنِ“  
 اور لفظ بادشاہوں کا بادشاہ ترجمہ ہے قرآن الفاطا حکم الحاکمین کا۔

صوفیاء کرام ذات حق کو ذات وری الوری کہتے ہیں۔ فرقہ لنگایت کے الفاظ ذیل بھی بعینہ  
 وہی ہیں۔۔۔۔۔

”خدا کی ذات منترہ ہے اور پردوں کے پیچھے دور دور ہے اور ہر چیز سے دور ہے۔  
 اور پھر ہمارے اندر بھی ہے (جیسے قرآن کہتا ہے) وَ فِي اَنْفُسِكُمْ اَوْ اَنْ حُنْ  
 اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ جَبَلِ الْوَرِيْدِ)  
 آگے چل کر ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں کہ:-

”وہ ایک خدا یعنی ست گرو کو مانتے ہیں اور بار بار جنم لینے کے ہندو عقیدہ کی تردید کرتے  
 ہیں اور نہ ہی وہ ہندو مقدس کتابوں کو مانتے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جو لوگ چار ڈیول  
 چھ شاستروں اور ذات پات اور ایک سے زیادہ خداؤں میں یقین رکھتے ہیں وہ دوزخ  
 کی آگ میں جھونکے جائیں گے۔ ان کے عقائد غالباً اسلامی ہیں۔“  
 ذات پات اور چھوت چھات کی تردید میں وہ لوگ کہتے ہیں:-

”ارے برہمن! میری بات سنو اور اگر بن پڑے تو جواب دو۔ کیا بارش اور ہوا بھی اونچی  
 ذات کے لیے آتی ہے اور نیچی ذات کو چھوڑ دیتی ہے؟ کیا جب شوردر لوگ زمین  
 پر چلتے ہیں تو زمین ان کی نفرت میں پھٹ جاتی ہے؟ کیا سورج کی کرنیں نیچی ذات  
 پر نہیں چمکتیں۔ خدایا! کب یہ ذات پات ختم ہوگی اور بنی نوع انسان ایک ہو جائیگی۔“

ان عقائد کے اسلامی ہونے کے متعلق ڈاکٹر تارا چند مزید لکھتے ہیں :-  
 "ان تمام اقتباسات سے ظاہر ہے کہ سدھارا قوم کے لوگ خدائے واحد لاشریک  
 میں اعتقاد رکھتے تھے۔ ویدوں اور شاستروں کو نہیں مانتے تھے، بت پرستی کے  
 مخالف تھے۔ تناسخ میں یقین نہیں رکھتے تھے۔ ان کے گیتوں میں اسلامی عقائد کی سختی  
 جھلک رہی ہے۔ ان کا تصور ذات باری تعالیٰ اور ذات حق میں فنا کا نظریہ صوفیاء  
 اسلام کا نظریہ ہے۔ کیونکہ دونوں ذات حق کو نور کہتے ہیں اور دونوں کے نزدیک عشق  
 کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ لوگ بلاشبہ مسلمانوں کے شاگرد ہیں"  
 آخر میں ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں :-

"مختصر یہ کہ جنوبی ہند کے مذہبی عقائد سے یہ بات واضح ہے کہ اسلامی عقائد ہندو مذہب  
 کے اندر گھسن گئے تھے۔۔۔ لہذا اگر ان کے حق میں کوئی فیصلہ دیا جاسکتا ہے۔ تو یہ  
 ہے کہ وارسیدا اور سدھارا قومیں اسلامی اثرات سے گہرے طور پر متاثر ہوئیں"

اس کے بعد پروفیسر تارا چند شمالی ہند میں اسلامی اثرات بیان کرتے  
 ہوئے رامانند اور بھگت کبیر جیسے نامور روحانی پیشواؤں کی مثال پیش

کرتے ہیں جو تصوف سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ :-

"رامانند جنوبی اور شمالی ہند کے درمیان بھگتی تحریک کا پیل (واسطہ) ہے بھندکار  
 اور گرلسن (GRIE SON) جیسے سکالروں کا خیال ہے کہ رامانند رانا نوج سے

چوتھی پشت پر ہے۔ میکن لیف (MACANLIFE) کہتا ہے کہ وہ ۱۲۹۹ء میں پریاگ

(الہ آباد) کے ایک گھرانے میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک آزاد ذہنیت کے مالک تھے اور

اپنے علم کو بڑھانے کے لیے انہوں نے سارے ملک کا سفر اختیار کیا۔ میکن لیف کہتے

ہیں کہ اس سفر کے دوران وہ مسلم علماء و صوفیاء سے ملتے رہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے

اپنے پرانے مذہب کے خیالات ترک کر دیئے۔ رامانند کے بارہ چیلوں کے نام

یہ ہیں: اننتانند، کبیر، پیپا، بھجاوانند، سوکا، سرسورا، پدماوتی، زہاری، رائیداس،

دھانا، سینا اور سرسورا کی بیوی، کبیر ۱۳۹۸ء میں پیدا ہوئے۔ وہ ہندو مسلم اتحاد کے بڑے

حامی تھے۔ ان کو اپنے استاد رامانند کی زیادہ صحبت نہیں ملی تھی۔ وہ اکثر پھرتے رہتے

تھے اور نیک لوگوں سے ملتے تھے۔ وہ زیادہ تر مسلم صوفیاء کی صحبت میں رہے جس کا

ذکر وہ اپنی نظم رامانسی میں بھی کرتے ہیں۔ ان کی رہائش مانک پور میں تھی جہاں وہ مدت

بہک شیخ تقی کی صحبت میں رہے۔ اسی طرح بھگت کبیر نے جام پور اور جھانسی کے علاقے میں مسلم پیروں سے تصوف کی تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اس علاقے میں بیک وقت ۲۱ پیر رہتے تھے جو مساجد میں خطبات بھی دیا کرتے تھے۔ بھگت کا ایک بیٹا تھا۔ اس کا نام باپ کی طرح اسلامی نام تھا۔ بیٹے کا نام کمال اور بیٹی کا نام کمالی تھا۔

یاد رہے کہ رامانند اور کبیر ہندوؤں کے پیران پیر ہیں جنہوں نے مسلم صوفیاء کرام سے تصوف کی تعلیمات حاصل کیں۔ ان تینوں باپ بیٹے اور بیٹی کے اسلامی نام تھے اور اس قدر اسلامی زندگی بسر کرتے تھے کہ جب کبیر کا انتقال ہوا تو مسلمان ان کو دفن کرنے اور ہندو جلانے کے لیے جنازہ پر پہنچ گئے لیکن جب دیکھا تو پھولوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔

بھگت کبیر کے عقائد کے متعلق ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں کہ:

### بھگت کبیر کے اسلامی عقائد

کبیر کا مذہب کیا تھا۔ نابھاجی کہتے ہیں کہ کبیر

ذات پات کے منکر تھے اور نہ ہی ہندومت کے چھ مکاتب فکر کو مانتے تھے۔ اور نہ برہمنوں کے بنائے ہوئے زندگی کے چار حصوں میں یقین کرتے تھے۔ ان کا مذہب بھگتی (محبیت) تھا۔ جو صوفیاء سے اخذ کیا کبیر کی تعلیمات وہی تھیں جو صوفیاء کی تھیں۔ ہندو دھرم میں ان کا کوئی پیشوا نہیں تھا۔ مسلم صوفیاء ہی ان کے پیشوا تھے۔ ان کی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے شیخ فرید الدین عطار کا پند نامہ بھی پڑھا تھا اور جلال الدین رومی اور سعدی کے کلام سے بھی آشنا تھے۔ مثلاً کبیر کہتے ہیں کہ جب تم دنیا میں آتے تو لوگ ہنستے تھے اور تم رورہے تھے۔ تم دنیا میں اس طرح گزارو کہ تمہاری موت پر لوگ روئیں اور تم ہنسو۔

یہ شیخ سعدی کی رباعی کا لفظ بہ لفظ ترجمہ ہے۔

ڈاکٹر تارا چند کہتے ہیں کبیر نے انسان اور خدا کے باہمی تعلق کو شیخ عبدالکریم جیلی اور دوسرے صوفیاء کی طرح بیان کیا ہے مثلاً ایک جگہ پر کبیر کہتے ہیں:-

”یہ زندگی ایک بھریے کنار میں ایک جناب کی مانند ہے جس کا وجود سمندر سے علیحدہ نہیں۔ نہ جاتے ماندن نہ پائے زلفتن۔ کبیر عبدالکریم جیلی اور دیگر صوفیاء کی طرح ذات حق کو سمندر اور انسان کو سمندر کی لہر کی مثال دیتے ہیں اور اکثر بادہ و ساغر، عاشق و معشوق محبت اور محبوب کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ نیز وہ گل و بلبل اور حال و مقام جیسے صوفیاء الفاظ بھی اکثر استعمال کرتے ہیں یہ تمام چیزیں دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت بڑی حد تک

صوفیاء کے احسان مند ہیں۔ احمد شاہ نے کبیر کے کلام کا ترجمہ کیا ہے جس میں دوسو سے زائد عربی اور فارسی کے الفاظ ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تصوف کا ان پرکٹناگرا اثر تھا۔ کبیر پر صوفیاء کرام کے اثرات کا سب سے بڑا ثبوت ان کی تعلیمات ہیں۔ مثلاً وہ خدا کو ان ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ اللہ، بے چوں، خدا، سائیں، گوندا وغیرہ۔ سب سے زیادہ پیارا خدا کا نام ان کے نزدیک صاحب ہے جو ہر وقت وہ استعمال کرتے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ ذاتِ حق وری الوری ہے۔ وہ پاک ذات ہے وہ کہتے ہیں خدا کا وجود خود ہے۔ اور یہ گہرا صوفی اثر ہے۔ کبیر کہتا ہے ذاتِ حق ایک نور ہے جو ساری کائنات کو سمونے ہوتے ہے۔ سونو بھائی سادھو حقیقی ہادی خالص نور ہے۔ یہ شیخ عبدالکریم جیلی اور بدر الدین شیخ کے الفاظ کی گونج ہے۔

ایک عجیب بات جو کبیر کی صوفیانہ تعلیمات کے اندر دیکھنے میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ مسلم صوفیاء کی طرح مقامِ فنا فی اللہ کا تو اکثر ذکر کرتے ہیں لیکن بقا باللہ کا کہیں نام نہیں لیتے جو صوفیاء کرام کے نزدیک سب سے اونچا اور آخری مقام ہے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے شاید ان کو صرف فنا کا مقام حاصل ہو سکا اور ظاہری طور پر مہندوبن کر رہنے کی وجہ سے ان پر بقا باللہ کا دروازہ نہ کھل سکا۔ یاد رہے کہ بقا باللہ اسلام کا خاصہ ہے اور آخری منزل ہے اور جب تک خدا کے آخری نبی کی پوری متابعت نہ کی جائے آخری مقام حاصل نہیں ہوتا۔ ہر زمانے کے نبی کی متابعت ضروری ہوتی ہے ورنہ فیضانِ الہی کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور خاص لوگوں پر صرف قطرات کی صورت میں فیضان کا ترشح ہوتا رہتا ہے۔ لیکن بعض لوگوں کی عادت ہے کہ سب سے پرانے مذہب کو پرانی شراب کی طرح بہترین سمجھتے ہیں اور اپنے قدیم ترین مذہب پر فخر کرتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ سب سے پرانا مذہب پرانے شراب کی طرح سب سے زیادہ بگڑا ہوا ہو گا۔ پرانی شراب بھی ایسی لیے پسند کی جاتی ہے کہ سب سے زیادہ بگڑی ہوئی ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ دماغ کو بے ہوش کر دیتی ہے۔ اس پر فخر کی کون سی بات ہے۔

ڈاکٹر تارا چند آگے چل کر کبیر کی صوفیانہ کیفیات بیان کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ:-  
 "کبیر اپنی روحانی کیفیات کو "حال" کا نام دیتے ہیں (صوفیاء کی طرح) کبیر غم کو دکھ کا نام دیتے ہیں۔ امید کو آشا کہتے ہیں۔ خوف کو ڈراسا، خوبصورتی کو جمال، رعب کو جلال، مہربانی کو مہر، جدائی کو قزبا، حیرانگی کو حیرت، اتحاد کو میلان، غیر حاضری کو غیب اور موجودگی کو حضور کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ وہ روحانی سفر کو منصور حلاج

کی طرح اپنے اندر کا سفر کہتے ہیں۔ وہ علاج کی طرح ناسوت کو تاریکی، ملکوت کو فرشتہ پن، جبروت کو نورِ جلال، لاهوت کو نورِ جمال اور ہاھوت کو ذاتِ محض کا نام دیتے ہیں۔

ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں کہ کبیر اپنے دس مقام ریختہ میں محمد کا پورا سفر معراج بیان کرتے ہیں۔ کبیر اپنے ہندو بھائیوں کو یہ تلقین کرتے ہیں :-

”برہمانہ رسومات ترک کر دو۔ بتوں پر قربانیاں چھوڑ دو۔ جادوگری چھوڑ دو۔ بت پرستی چھوڑ دو۔ زبانی عبادت چھوڑ دو۔ برہمن راج ختم کرو۔ ذات پات اور چھوت چھات بند کرو۔ اوثا کا عقیدہ غلط ہے۔ روح (جیوارا) مہمان ہے جو دوسری بار نہیں آئے گا۔“

دوسرے الفاظ میں کبیر ہندوؤں کو اسلام کی دعوت دے رہے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ان کو اپنا پیشوا ماننے والے ہندو صاحبان ان کی دعوت کو کیوں نہیں قبول کرتے۔

**گورونانک** ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں کہ گورونانک جو سکھ مذہب کے بانی ہیں ۱۴۶۹ء میں پیدا ہوئے ان کی ہمشیرہ کے خاوند کا نام بے رام تھا جو نواب دولت خان لودھی کا ملازم تھا۔ نواب دولت خان سلطان بہلول لودھی کا رشتہ دار تھا۔ ہمشیرہ نے نانک کو بلا کر نواب دولت خان کے ہاں مالِ زکوٰۃ کا منشی تعینات کرایا۔ تیس سال کی عمر میں انہوں نے ملازمت چھوڑ دی اور گھر بار چھوڑ کر فقیری اختیار کر لی۔ گورونانک نے ہندوستان، لنکا، ایران اور عرب کے چار سفر کیے اور چالیس سال تک ان ملکوں میں مقدس مقامات کی زیارت میں مشغول رہے۔ شیخ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی کے پاس وہ ایک مدت تک رہے۔ علاوہ ازیں وہ مشائخ ملتان کی صحبت میں بھی رہے اور بابا فرید کے خاندان میں شیخ بہرام (ابراہیم، فرید حشتی سے بھی فیض حاصل کیا۔ نانک کا شن ہندو اور مسلمانوں کو ایک کرنا تھا۔ صوفیائے اسلام کی صحبت میں رہ کر انہوں نے ہندو عقائد مثل بت پرستی، اوتار وغیرہ عقائد ترک کر دیئے انہوں نے اعلان کیا کہ: ”خدا ایک ہے اور اس کا خلیفہ نانک سچ بولتا ہے۔“

ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں کہ :-

”اس سے صاف ظاہر ہے کہ گورونانک پیغمبر اسلام کو اپنا راہبر سمجھتے تھے اور ان کی تعلیمات پر بھی یہی اسلامی رنگ ہے۔ پیغمبر اسلام کی طرح نانک بھی اپنے پیروکاروں سے خدائے واحد کی اطاعت کا مطالبہ کرتے تھے۔۔۔۔۔۔ صوفیوں کی طرح نانک بھی گورونانک کی متابعت ضروری سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک روحانی سفر کے چار مراحل تھے سرن کھنڈ، انان کھنڈ، کرم کھنڈ اور سچ کھنڈ۔ کتاب نانک پرکاش کے

مصنف لکھتے ہیں کہ گورونانک کے یہ چار مراحل صوفیات کے چار مقامات: بشریت، طریقت، معرفت اور حقیقت پر مبنی ہیں۔ اسلام کا گورونانک پر کتنا گہرا اثر ہوا یہ بات خود بخود ظاہر ہی بیان کرنے کی ضرورت نہیں اور ان کے اقوال اور افعال اس کی شہادت دے رہے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ صوفی رنگ میں پوری طرح رنگے جا چکے تھے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ آیا انہوں نے ہندوازم سے بھی کوئی فائدہ حاصل کیا۔ ختم ہوا ڈاکٹر تارا چند کا بیان۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت شیخ ابراہیم فریدی چشتی جو حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ سے بارہویں پشت پر تھے کی تعلیم و تربیت سے وہ مقام فنا فی اللہ میں تو پہنچ گئے لیکن ان پر مقام بقا پر لوٹنے کی بجائے شاہ ابو علی قلندر کا قلندری رنگ چھا گیا اور دائمی استغراق میں رہنے لگے جس کی وجہ سے آپ کو نہ حجامت بنوانے کا ہوش تھا اور نہ دنیا کے دیگر کاموں کا۔ وہ بادۂ توحید اور فنا میں مست ہو چکے تھے۔ نماز روزہ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ جیسا کہ سکھ حضرات مانتے ہیں وہ حج بیت اللہ کے لیے مکہ معظمہ بھی تشریف لے گئے سنا ہے امرتسر کے مندر میں آپ کے تبرکات میں سے ایک آپ کا کرتہ ہے جس پر کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا ہے۔

سکھ حضرات سے یہ بھی سنا ہے کہ ایک دفعہ مکہ معظمہ میں حج کے دوران آپ کعبہ شریف کی طرف ٹانگیں رکھ کر سوتے ہوئے تھے کسی نے کہا کہ کعبہ کی طرف ٹانگیں مت کرو تو آپ نے فرمایا کہ اچھا میری ٹانگیں اس طرف کر لو جہر خدانہ ہو۔ جب اس نے آپ کی ٹانگیں دوسری طرف کیں تو کعبہ بھی اسی طرح مڑ گیا۔ یہ کہانی سکھ حضرات بیان کرتے ہیں۔ لیکن سنت پر ہیں۔

گورونانک کے کلام کے مجموعے کا نام گرنٹھ صاحب ہے جو حضرت شیخ ابراہیم فریدی کی شاعری سے لبرزیہ ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ حضرت بابا فرید کا کلام ہے جس کے ہر شعر کے آخر میں فرید تخلص استعمال کیا گیا ہے۔ چونکہ آپ کمال استغراق کی وجہ سے نماز روزہ کی پابندی نہیں کر سکتے تھے اور نہ ہی حجامت بنا سکتے تھے۔ ان کے پیروکاروں نے ان کی سنت پر عمل کرتے ہوئے نماز روزہ کی پابندی کو ضروری نہ سمجھا اس لیے ایک نئے مذہب کی بنیاد پڑ گئی اور مغل بادشاہوں اور سکھوں کے درمیان سیاسی جنگوں کی وجہ سے دونوں مذاہب کے درمیان کی خلیج اور بھی وسیع ہو گئی۔

صفحات ذیل پر حضرت بابا گورونانک کے پیر و مرشد حضرت شیخ ابراہیم فرید ثانیؒ کے جد امجد حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے چند اشعار جو گرنٹھ صاحب میں سے ماخوذ کیے گئے ہیں درج کیے جاتے ہیں۔ ویسے تو پوری گرنٹھ صاحب حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ سے مرہ کے اشعار سے لبرزیہ ہے اور کتاب کے

ہر بند کے آخر میں حضرت شیخ کا تخلص فرید گونج رہا ہے۔ لیکن اختصار کی خاطر ان چند اشعار پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ان اشعار کی شرح فارسی زبان میں پائی جاتی ہے جو اس زمانے کے مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں سب کی مشترکہ علمی و ادبی زبان تھی۔

نوٹ:- بعض کا خیال ہے کہ گرنہ صاحب میں فرید تخلص کے ساتھ جتنے اشعار ہیں وہ حضرت بابا فرید الدین گنجشکر قدس سرہ کے نہیں ہیں بلکہ آپ کے خلیفہ جانشین حضرت شیخ ابراہیم فرید رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں جو حضرت بابا گورو نانک کے پیرو مرشد تھے اور حضرت بابا فرید گنجشکر قدس سرہ سے بارہویں پشت پر تھے۔ لیکن صفحات ہذا میں شارح گلوت سنگھ جیت سنگھ نے ان اشعار کو حضرت بابا فرید الدین گنجشکر قدس سرہ سے منسوب کیا ہے جو صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ان سبکھ حضرات کے اپنے الفاظ یہ ہیں:-

حضرت شیخ فرید الدین گنجشکر کی از معروف ترین صوفیائے سلسلہ چشت است کہ نامش در تمام ہندوستان بہ عزت و

حضرت شیخ فرید الدین گنجشکر

احترام می برند۔ در واقع شیخ یک نابغہ عظیم روحانی بود کہ زہد و ریاضت، فقر و درویشی، علم و انکسار و عشق حقیقی و شعور و سخن در ذات و شخصیت او تجسیم تام یافتہ۔

پدرش جمال الدین کہ خواہر زادہ سلطان غزنوی بود در عہد شہاب الدین غوری از کابل بہ لاہور وارد شد۔ چندے بہ قصور اقامت گزید و بعد بہ ملتان رسید۔ بنا بر گفتہ مفتی غلام سرور لاہوری شیخ فرید الدین: ۵۸۵ھ تولد یافت و ۶۷۰ھ واصل بحق شد۔

شیخ فرید بدست خواجہ قطب الدین بختیار کاکی بیعت نمود و بہ سلسلہ چشتیہ پیوست۔ فطرتاً شیخ فرید بہ زہد و ریاضت رغبت داشت و اکثر در مجاہدت و عبادت مشغول ماند۔ استغراق فرید بہ زہد و عبادت بحدے بود کہ می گویند صنعت و تقاہت بر دستوی گردید و چون سر خمیل اولیائے ہند

خواجہ معین الدین ہوتس سلسلہ چشتیہ برید خویش یعنی خواجہ بختیار کاکی بیاد۔ شیخ برائے احترام خواجہ بزرگوار نتوانست بر قاست و اشک از چشمش جاری گشت کہ حالت درونی را ظہار کرد و خواجہ بزرگوار آثار بزرگی در ناصیہ شیخ فرید ملاحظہ کرد و فرمود بابا بختیار! شہباز عظیم البقید آوردہ ای کہ بجز سدرۃ المنتہی اشیائے نگیرد۔ شخصیت شیخ فرید مکمل ترین مظہر تصوف است و می توان گفت کہ ابیات زیبا و اشعار دلاویز کہ بزبان پنجابی از قلمش تراوش یافتہ مکمل ترین نمونہ شعور و سخن است کہ مشون بہ جلالت و عذوبت است کہ خوانندہ را سرشار و مجذوب و مسحور می سازد۔ فصاحت و بلاغت در کلام الہام التیام شیخ بحدیست کہ کسے بہ پایہ اولی رسید۔

نوٹ:- یہ نسبت صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ سلطان محمد غزنوی کا زمانہ بہت پہلے کا زمانہ ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ سلطان غزنی سے مراد اسل زمانے کا شاہ غزنی ہو۔



ناگفتہ نمائند کہ شیخ فرید در اشعار افکار عالیہ را مجسم ساخته و اہمیت بردباری و تحمل و مروت و شرف نگاہی و عشق الہی را بروز داده۔ شیخ کے ازہدایان اخلاق فاضلہ است کہ تلقین بہ حسن اندیشہ و حسن عمل و حسن معاشرت می کند۔ از ہمیں بہت است کہ کلامش در کتاب مقدس مذہب سکھان شمول یافتہ۔ می توان گفت کہ شاید حضرت گنج شکر صوفی بے نظیر است کہ ذات و کلامش مقبول و محبوب بگروہ عوام است و محدود بہ فرقہ مخصوص نیست۔ الحق شیخ کے از پیغام گزاران عشق و محبت است و تمام بنی نوع انسان را بہ یک رشتہ وحدت نسلیک می سازد۔

اشعارے کہ شیخ بزرگوار بزبان پنجابی سرودہ شعلہ جاوید است کہ انوار اقدار عالیہ منتشر می سازد و ظلمات اودام و ظنون۔ از دودہ قلب و ضمیر را محلی و مرکزی می کند۔ در تارخ لغتوف و شعرا افکار عمیق کہ شیخ فرید بہ طور خصوصی آورده عبارت است از عشق و عقل و عمل کہ اہمیت جاودانی دارد برائے بنی نوع انسان کہ میائے سعادت است۔ این شعرسانی بخت او صادق و احسن است۔

ہم لفظ او قوتِ جانست و بس بر شعر او فضل را کیمیاست

گلوت سنگھ، جیت سنگھ سیتل

فرید اے توں عقل لطیف

کالے لکھ نہ لیکھ

آپٹے گریوان میہ

سر نیواں کر ویکھ

اے فرید! تو کہ عقل لطیف داری

نامہ اعمال خویش سیاہ مکن

روپ گریبان کشیدہ

دم درکش و بنگر

کہ چہ ہستی و چہ می کنی،

فرید! خاک نہ بندی اے

خاکو جیٹ نہ کوہ

چیونڈیاں پیراں تلے

موتیاں اپر ہور

اے فرید! خاک را زبوں شمار  
 چیزے نیست کہ با خاک برابری تواند کرد  
 نازندہ بمانیم خاک در زیر پائے مائی باشد  
 چوں بمیریم این خاک است کہ مرامی پوشد  
 فریدا بے نواج کتیا  
 ایہ نہ بھلی ریت  
 کب ہی چل نہ آتیا  
 پنجے و کھت مسیت

اے فرید! کسیکے از ادائے نماز غافل و قاصر است  
 مانند سگ پلید و مذموم است  
 غفلت بہ نمازگذاری روشنی ستودہ و خوب نیست  
 حیفت است حیفت بر تو  
 کہ برای ادای نماز پنجگانہ بہ مسجد نیای  
 فریدا جوتے مارے مکیاں  
 تنہاں نہ مارے گھم  
 اپنڑے گھر جائیکے  
 پیر تنہاں دے چم

اے فرید! آنانکہ ترمی رنجانند  
 تو ایشاں را میا زار  
 بل بخانہ شاں رفتہ  
 عزت و احترام شاں بجا آر  
 اٹھ فریدا اضو ساج  
 صبح نواج گزار  
 جو سر سائیں نہ نوے  
 سوسر کپ آثار

اے فرید! برخیز و وضو بساز  
 و نماز صبح گاہی بگذار  
 ہر کہ بجنور خداوندی و ظیفہ نیاز بجا نیارد  
 سرش بسباید برید  
 فرید! صاحب دی کر چاکری  
 دل دی لاه بھرانند  
 درویشاں نو لوڑی اے  
 رکھاں دی جیہرانند

اے فرید! بجنور خدائے خویش نیاز بندگی برساں  
 و اوہام و ظنون را از دل برون بکن  
 ہچنانکہ درختان بلند و سرسبز شدت آفتاب را تحمل می نمایند  
 درویشاں صافی را ہم بسباید  
 کہ سختی کردار تا ہنجار زمانہ را تحمل نموده  
 اظہار لطف و مروت بنمایند  
 فرید! کنھ مصلے صوف گل  
 دل کاتی گڑ و است  
 باہر دے چاننا  
 دل اندھیاری راست

اے فرید! مصلے بر دوش گزارا شتہ ای  
 ویشینہ سیاہ کہ جامہ مخصوص صوفیاں است پوشیدہ ای  
 حرف شیریں بہ زباں گرفتہ ای  
 الا بہ درون دل سخن بریا نہاں کردہ ای  
 ظاہراً نور پاکیزگی و طہارت می نمائی  
 و لے درون دل ظلمت شبنوں می داری

سولہویں صدی کے ہندو فقیر | اس کتاب کے اس باب میں ڈاکٹر تارا چند رامانند اور کبیر کے پیروکاروں کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ وہ لکھتے

ہیں کہ رامانند کے مندرجہ ذیل چیلے تھے:-

۱- دھنناں۔ جو جاٹ قوم سے تعلق رکھتے تھے اور راجپوتانہ کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے وہ بنارس گئے اور رامانند کے شاگرد ہوئے۔ وہ بھی خدائے واحد لاشریک کی تعلیم دیتے تھے۔

۲- پدپیا۔ جو ریاست گراؤں گڑھ کے راجا تھے۔ وہ بھی صوفیوں کی طرح ذاتِ حق کو ہر چیز کی اصل سمجھتے اور گورو کے ذریعہ خدائے تک رسائی کے قابل تھے۔

۳- سادتیں۔ ایک حجام تھے جو راجا بھنڈار گڑھ کے دربار میں رہتے تھے اس جگہ کو آج کل دیوا کہتے ہیں۔ بعد میں وہ راجا کے روحانی پیشوا ہوئے۔

۴- رائیداس۔ کا تعلق شودر قوم سے تھا اور چمڑے کا کام کرتے تھے۔ ان کی جائے پیدائش بنارس ہے ان کے اصول وہی ہیں جو کبیر کے تھے اور ان کی طرح وہ بھی ریختہ کلام کہتے تھے۔ بلکہ ان کے کلام میں اکثر فارسی اور صوفیانہ اصطلاحات پائی جاتی ہیں۔

کبیر کے بے شمار چیلے تھے جن کے ذریعے ان کی تعلیمات شمالی ہند اور دکن میں پھیل گئیں۔ ان کے روحانی سلسلے میں بارہ شاخیں تھیں اور ہر شاخ کا علیحدہ

کبیر کے چیلے

سربراہ تھا۔ کبیر کے مندرجہ ذیل چیلے (خلفاء) تھے۔

۱- سرت گوپال داس جن کا مرکز بنارس تھا۔

۲- مگھر۔

۳- جگن ناتھ۔

۴- دوار کا۔

۵- بھگوداس جنہوں نے کبیر کی نظم بیچک کو مرتب کیا۔

۶- دھرناداس جن کی نظموں میں کبیر ان کے سوالات کا جواب دیتے ہیں۔

۷- جیون داس جو ست نام فرقہ کے بانی ہیں۔

۸- کمال ابن کبیر کے مریدین زیادہ تر مغربی ہند میں رہتے تھے۔

۹- دادو دیال جو کبیر کے خلفاء میں سے سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ وہ علاج (رونی دھننا) کا کام کرتے

تھے۔ ان کا وطن زیادہ (ماٹرواٹ) ہے۔ ان کا کلام پانچ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ وہ فارسی میں بھی شاعری

کرتے تھے۔ ان کے چند فارسی اشعار یہ ہیں:-

بے مہر گمراہ غافل گشت خوردنی      بے دل بدکار عالم حیات مردنی  
 کل عالم یکے دیدم ارواح اخلاص      بدعمل بدکار دوئی پاک یاراں پاس  
 موجود خیر، معبود خیر، ارواح خیر      وجود مقام چہ چیز است دانی سجود  
 نوٹ: فارسی سے انگریزی اور انگریزی سے اردو ترجمے میں اشعار کی حالت بگڑ گئی ہے اور مفہوم کم فہم ہو گیا ہے۔

داود دیال کے مندرجہ ذیل اقوال بالکل صوفیانہ رنگ میں رنگے ہوئے ہیں:-  
 ”جب نفس غالب آجاتا ہے تو تکبر، غصہ، خودی، دوئی، جھوٹ، حرص، اصد، ابھرتے  
 ہیں اور نیکی ختم ہو جاتی ہے ارواح کا مقام یہ ہے کہ جب محبت، عبادت، اطاعت،  
 وحدت، تزکیہ، رحم، مہر، سچی اور نیکو خوئی جمع ہو جاتے ہیں تو آدمی راہ راست پر آجاتا ہے۔  
 یہ صوفیاء کرام کی اصطلاحات تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے سوا اور کیا ہے۔ ایک جگہ پر تو وہ صاف  
 صوفیانہ انداز میں کہتے ہیں کہ:-

”میں نے صاف بتا دیا کہ مجھے کیا مقام حاصل ہے۔ ”پیر“ کے ذریعے ”مرید“ کو ”محبوب“  
 کا راستہ ملتا ہے۔“

ایک مقام پر وہ کہتے ہیں کہ:-

”دوست کی طلب داد و کے قلب میں ہے اور وضو کر کے وہ ”اللہ پاک“ کے سامنے  
 نماز پڑھتا ہے۔ ”داد و کا جسم“ مسجد ہے جہاں وہ ”جماعت“ کے ساتھ نماز ادا کرتا  
 ہے۔ امام کے پیچھے وہ خدا جس کی تعریف الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتی کے سامنے ہے  
 اور داد و ”رکوع و سجود“ کرتا ہے۔ داد و کا پورا جسم تسبیح ہے جس پر  
 وہ ”کریم کریم“ پکارتا ہے۔ وہ اکیلا ہے اور اس کے سوا کسی چیز کا وجود نہیں۔ کلمہ خود  
 آپ ہے۔ ”داد و مکمل توجہ کی بدولت اللہ کی طرف پرواز کرتا ہے جس کے  
 لیے ”مکمل توجہ“ کی ضرورت ہے۔ پھر وہ عرش سے بھی اوپر چلا جاتا ہے  
 وہ عرش جہاں ”رحمن“ رہتا ہے یہ قرآن کی آیت الرحمن علی العرش استوی کا لفظ بلفظ  
 ترجمہ ہے، خط کشیدہ الفاظ داد و کے اپنے ہیں۔

نوٹ: اس عبارت سے ظاہر ہے کہ وہ وضو بھی کرتے تھے اور نماز بھی پڑھتے تھے۔

آگے چل کر ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں:-

”اپنے بزرگوں کی نسبت داود دیال کو تصوف کا زیادہ علم حاصل تھا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے

کہ وہ کبیر کے فرزند کمال کے مرید تھے جن کے تمام تر اقوال و افعال صوفیانہ تھے۔ کمال

مغربی ہندوستان یعنی اجیر احمد آباد کے صوفیاء کا گہرا اثر ہوا۔  
ایک نظم میں دادو دیال کہتے ہیں:-

"یا الہی تم رحمن بھی ہو رحیم بھی اور کرم بھی" خط کشیدہ الفاظ اس کے  
اپنے ہیں۔

ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں کہ:-

"دادو تناسخ کے خلاف تھے وہ کہتے ہیں کہ زندگی کا مکمل چکر ایک ہی جنم میں طے ہوتا ہے۔"

ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں کہ:-

گلہا اور ملک داس  
"دادو دیال کا چیلہ (خلیفہ) گلہا تھا اور گلہا کا خلیفہ ملک داس تھا۔ انہوں  
نے بھی دادو کا مسلک اختیار کیا۔ ایک مقام پر ملک داس لکھتے ہیں کہ:-

"وہ شخص جو پانچ عناصر کی حد سے باہر نکل جاتا ہے خدا کا محبوب بن جاتا ہے۔ وہ شخص جو پیسے  
کو پانی پلاتا ہے اس کا یہ کام محمد کے نزدیک بڑی عبادت ہے۔"

دادو دیال کے ایک اور نائب سندر داس ہیں۔ آپ سال ۱۵۹۶ء  
میں بے پور کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے فتح پور

سندر داس

سیکری میں اقامت اختیار کی اور صوفی شاعر نواب الف خاں اور ان کے بیٹے دولت خان اور صاحب خان  
کے ساتھ بہت گہرے تعلقات تھے۔ ان کا انتقال ۱۶۸۹ء میں ہوا۔ وہ سنسکرت کے بڑے سکالر  
تھے اور فارسی بھی جانتے تھے۔ ان کا مسلک بھی کبیر کا مسلک تھا۔

دادو دیال کے معاصر ایک فقیر ویر بھان تھے جو سادھو اور ستنامی فرقے کے بانی ہیں  
وہ رائے داس کے شاگرد تھے اور ان کا مسلک بھی تصوف تھا۔ وہ گورو (مرشد) کو بہت

ویر بھان

اہمیت دیتے ہیں اور اس کو "مالک کا حکم" قرار دیتے ہیں۔ ان کی تعلیمات کا مجموعہ ایک کتاب ہے جس  
کا نام دیو ہتی ہے جو روزانہ جملہ گار (جماعت) کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ ان کی تعلیمات کا علاقہ دہلی،  
رہتک، آگرہ، فرخ آباد، مرزا پور اور بے پور تک پھیلا ہوا ہے۔ ڈاکٹر تارا چند نے اپنی کتاب میں ان کے  
دس حکموں کی تفصیل لکھی ہے جو اسلام اور تصوف کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں کہ یہ دو فقیر سترہویں صدی عیسوی میں شہر ہوتے  
لال داس اور بابا لال  
لال داس کا مرکز الود تھا جو میر قوم کا علاقہ ہے۔ اس کی تعلیمات یہی

ہیں جو کبیر کی تھیں۔

بابا لال جہانگیر کے عہد حکومت میں مالوہ کے علاقے میں پیدا ہوئے۔ وہ اپنے گورو چیتن داس

کے ہمراہ لاہور گئے اور سرہند کے قریب دھیان پور میں مقیم ہو گئے۔ داراشکوہ بابالال کی بہت عزت کرتے تھے۔ اس کی صحبت سے متاثر ہو کر داراشکوہ نے ایک کتاب لکھی جس کا نام فادرالنکات ہے جب داراشکوہ نے بابالال سے پوچھا کہ آپ کا مذہب کیا ہے تو انہوں نے خواجہ حافظ شیرازی کا ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ ہے:-

”تمام مذاہب کا مقصد ایک ہے۔ سب ایک ہی محبوب کے طالب ہیں۔ ساری دنیا عاشقوں سے بھر لو رہے کیا مسجد کیا مندر“

آگے چل کر ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں کہ لال داس اور بابالال کے علاوہ اور درویش بھی پیدا ہوئے جن کا مقصد ہندو مسلم اتحاد تھا۔ انہوں نے تمام ہندو اہل عقائد ترک کر دیئے تھے اور دن میں پانچ وقت نماز ادا کرتے تھے۔ خدا اور محمدؐ کا نام ان کی زبان پر رہتا تھا اور وہ اکثر جبرائیل، میکائیل، عزرائیلؑ کے ناموں کا ورد رکھتے تھے۔ وہ مردوں کو جلانے کی بجائے دفن کرتے تھے اور اپنے آپ کو درویش کہتے تھے۔ وہ اکثر بھیک مانگتے تھے اور جو کچھ جمع کرتے غربا اور مساکین میں تقسیم کرتے تھے۔

ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں کہ سترہویں صدی عیسوی کے آخر میں دھرنا دھڑا اور پران ناتھ آئے۔ ان کے سلسلے کے لوگ آج تک

دھڑا داس اور پران ناتھ

سارے ہندوستان میں پائے جاتے ہیں۔ ان کی تعلیمات کے چند اصول یہ ہیں:-

”چراغ انسان کے جسم میں ہے جو نہ بتی کا محتاج ہے نہ تیل کا“

یہ قرآنی آیت اللہ نور السموات والارض کا ترجمہ ہے جس میں آگے چل کر یہ لکھا ہے کہ انسان کے اندر ایک طاق ہے اس طاق کے اندر ایک شیشہ ہے جس میں چراغ ہے جو مشرقی ہے نہ مغربی ہے جس کو نہ تیل کی ضرورت ہے نہ بتی کی۔ ڈاکٹر تارا چند نے اس فرقے کا ایک اور قول یہ نقل کیا ہے:-

”اے دھنی! جسم تخت ہے اور اس پر سلطان بیٹھا ہے“

یہ بھی مندرجہ ذیل حدیث کا لفظ بلفظ ترجمہ ہے۔

قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ اللَّهِ تَعَالَى (مومن کا قلب اللہ تعالیٰ کا عرش ہے)

ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں کہ:-

پران ناتھ

پران ناتھ دھرنی فرقہ کے بانی ہیں۔ ان کا مسلک بھی وہی تھا جو کبیر کا تھا۔ وہ علوم اسلامیہ سے بخوبی واقف تھے۔ انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ”قلزم سروپ“ ہے اس کتاب میں وہ قرآنی آیات اور وید نقل کرتے ہیں۔ ان کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے۔ بت پرستی بند کرو۔ ذات پات ختم کرو۔ برہمنوں کی پیروی چھوڑ دو۔ انہوں نے ایک اور کتاب بھی لکھی جس کا نام ہے قیاناہ

وہ کہتے ہیں :-

”اُمت کے پاس جا کر کہو کہ قیامت قائم ہو چکی ہے۔ میں یہ قرآن کی خبر دے رہا ہوں۔“

وہ کہتے ہیں کہ :-

”پہلے عیسیٰ علیہ السلام آئے۔ ان کے بعد محمد آئے اور محمد کے بعد امام ہیں۔“

”دونوں جہانوں میں تہلکہ مچ گیا۔ اور کاسملہ کنڈہ اور شریعت کا قانون مسلط

ہو گیا جس میں حقیقت اور معرفت کا راستہ ظاہر ہوا۔“ (ذریعہ الفاظ ان کے اپنے ہیں)

ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں کہ اٹھارویں صدی عیسوی میں مندرجہ

ذیل فقیر ہو گزرے ہیں :-

**اٹھارویں صدی کے فقیر**

جگ جیون، بلا صاحب، کیسارا، چندر داس، سہجوبانی، دیابانی، غریب داس، شوتراسن اور

رام صاحبی۔

جگ جیون کا قول ہے :-

”فکر چھوڑ کر ذکر میں مشغول ہو جاؤ۔“ (خط کشیدہ الفاظ ان کے اپنے ہیں)

یہ ایک حدیث نبوی کا لفظ بلفظ ترجمہ ہے۔

ان کا اصلی نام بلائی رام ہے۔ وہ یاری صاحب کے شاگرد ہیں جو

مسلمان ولی اللہ تھے۔

**بلا صاحب**

چندر داس میوات میں ۱۷۰۳ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیمات وہی ہیں

جو کبیر کی ہیں۔

**چندر داس**

غریب داس ۱۷۱۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۷۷ء میں فوت ہوئے۔ وہ رہتک

کے رہنے والے تھے وہ بھی کبیر کے مسلک پر تھے اور قوم کے جاٹ تھے۔

**غریب داس**

غریب داس کا ایک قول یہ ہے :-

”اے صاحب امیری دعا کو اپنے عرش پر سنو۔ آپ میرے پدران ہیں اور

میری مادر ہیں۔ آپ کریم ہیں مجھے اپنا دیدار کراؤ۔“ (خط کشیدہ الفاظ

اس کے اپنے ہیں)

رام چرن : رام چرن ایک فرقے کے بانی ہیں۔ جس کا نام راہ سانیچی ہے۔ آپ بے پور کے

قریب ۱۷۱۸ء میں پیدا ہوئے۔ ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں کہ ان لوگوں کی عبادت کے طریقے مسلمانوں کی طرح

کے تھے اور دن میں پانچ وقت نماز ادا کرتے تھے۔



انیسویں صدی کے فقیر  
ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں کہ انیسویں صدی میں یہ فقیر آئے۔  
سوها جانتا، دولندا اس، گلال، بھیکا اور پالتو داس

یہ سب کبیر کا مسک رکھتے تھے۔

آگے چل کر ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں۔

اس سے ظاہر ہے ہندو ازم نے کس قدر اسلامی اثرات قبول کیے اور کس طرح اسلام کے اثر سے ہندو دھرم میں بت پرستی، ذات پات کا خاتمہ ہوا اور عبادت میں خلوص پیدا ہوا، استاد (مرشد) کو اہمیت حاصل ہوئی۔ مشکلات کا ازالہ ہوا۔ یہاں تک کہ تلسی داس اور سوردا اس جو رامانند کے پیروکار تھے، کی تعلیمات میں اسلامی اثر سب سے زیادہ نظر آتا ہے۔ ایک ہندو فقیر تمکارام کا قول یہ ہے: "اے دوست! اللہ کا ذکر کرو۔ سب سے بڑا نام اللہ ہے۔ اسے مت بھولنا۔" (خط کشیدہ الفاظ ان کے اپنے ہیں۔)

ایک جگر پر تمکارام کہتے ہیں: "اللہ ایک ہے نبی ایک ہے۔ بھول نہ جانا۔"

نوٹ:- اوپر کی عبارت میں ڈاکٹر تارا چند نے بھیکا کو بھی ہندو فقیر ظاہر کیا ہے۔ لکن وہ مان جن کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔ ان کا نام شاہ میراں بھیک ہے اور بھیکا تخلص ہے۔ آپ مشہور چشتی بزرگ شاہ ابوالعالی کے مرید اور خلیفہ تھے لیکن آپ کا کلام خالص ہندی زبان میں ہے جس کے مجموعہ کا نام گیان لہن ہے۔ جب ڈاکٹر تارا چند بھیکا کا سمیت تمام فقروں کو ہندو ظاہر کرتے ہیں تو کیا عجیب ہے کہ بھیکا کی طرح باقی فقیر بھی مسلمان ہوں اور ایک ہندو مورخ نے ان کو ہندو ظاہر کیا ہو۔ وہ تمام بت پرستی، ذات پات، چھوت چھات، مردہ جلانا، تناسخ کا عقیدہ وغیرہ ترک کر کے مسلمانوں کی طرح دن میں پانچ وقت نماز ادا کرتے تھے۔ کیا عجیب ہے کہ ان کی پنجگانہ نماز کو ڈاکٹر تارا چند نے (PRAYER) لکھ دیا ہو۔ کیونکہ ہم مسلمان بھی نماز کا انگریزی ترجمہ (PRAYER) کرتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ڈاکٹر چند کی اس کتاب کے اصلی مآخذ تلاش کیے جائیں۔ یہ کام انشاء اللہ مکمل ہو جائے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان مشوروں نے مسلم صوفیاء کرام اور مشائخ عظام کی تعلیمات سے فیضیاب ہو کر قلندرانہ مشرب اختیار کر لیا تھا لیکن بااثر ہندو اکثریت کے خوف سے اپنے اسلام کو ظاہر نہ کیا بلکہ ہندو عقائد ترک کر کے اسلامی عقائد اپنا لیے اور اسلامی عبادت بھی کرتے رہے۔ لیکن ان کے ہندو پیروکاروں نے ان کے بعد ان کو ہندو کہنا شروع کر دیا۔ اکثر کتابوں میں یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ کبیر جن کو ہندو لوگ بھگت کبیر کے نام سے یاد کرتے ہیں کا نام کبیر الدین تھا۔ ان کے بیٹے کا نام کمال الدین تھا۔ اور ان کی بیٹی کا نام کمالی تھا۔ ان کی وفات کے وقت بھی ہندو اور مسلمانوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ مسلمان ان کو مسلمان سمجھتے تھے اور ہندو

ان کو ہندو مانتے تھے۔ بھیکا تو تاریخ بتا رہی ہے کہ مسلمان تھے اور شاہ ابوالمعالی کے خلیفہ تھے بلا صاحب، غریب داس اور صاحب داس ناموں سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مسلمان ہو گئے تھے لیکن چونکہ ان کا مشرب قلندرانہ تھا۔ اپنی شاعری میں وہی باتیں کرتے تھے جو مسلمان قلندر کہتے آئے ہیں۔ مثلاً شاہ شرف الدین بوعلی قلندر فرماتے ہیں:-

اگر بینم شبے ناگاہ من آن سلطان خواب را  
سرا ندر پائے وے آدم قد سازم دل و جان را  
روم در بت کدہ شینم بہ پیش بت کتم سجده  
اگر یاجم خریدارے فروشم دین و ایمان را

اگرچہ صوفیاء کرام کی بت سے مراد محبوب حقیقی ہے اور بت کدہ سے مراد پیر و مرشد کی خالقہ ہے جہاں ان کو دیدار دوست نصیب ہوا۔ لیکن عالم حقیقت کی کوئی زبان ہی نہیں ہے۔ حقائق مثل زلفانی اللہ اور وصول الی اللہ اور دیدار محبوب کو وہ مجاز کے الفاظ میں بیان کرتے آئے ہیں۔ اور یہی حال ان ہندو درویشوں اور فیروں کا ہے جو اسلامی عقائد یعنی توحید اور نبوت، قیامت، حشر، نشر پر ایمان لاکر اندرونی طور پر مسلمان تو ہو چکے تھے لیکن اپنی مادری زبان میں اسی قسم کے اشعار کہتے رہے جو مسلم قلندر لوگ اور مغلوب الحال صوفی بزرگ کہتے تھے۔ بعض مسلمان اولیاء اللہ کا یہ بھی دستور رہا ہے کہ ہندو کا روپ دھار کر ہندو مندروں اور ریاضت گاہوں میں بیٹھ جاتے تھے۔ ہندی زبان میں کھنگو کرتے تھے اور چھپ کر نماز پڑھتے تھے لیکن دراصل وہ اسلامی عقائد کی تبلیغ کرتے تھے اگر وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر دیتے تو ہندو لوگ ان کی بات نہ سنتے اور بھاگ جاتے۔ تذکرہ غوثیہ میں اس قسم کے بہت سے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

کتاب اگلے باب میں ڈاکٹر تارا چند بنگال اور مہاراشٹر میں اسلامی تصوف کے اثرات کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ اس ریسرچ میں ڈاکٹر تارا چند کا انحصار مشہور بنگالی سکالر دانش چندرا سین کی کتاب "ہسٹری آف بنگالی زبان و کلچر ہے" اس کے علاوہ وہ بنائی کمار سوکار کی کتاب (FOLK ELEMENT IN HINDU CULTURE) کے حوالہ جات بھی پیش کرتے ہیں۔ نیز وہ جادو ناتھ سرکار اور جادو بھٹہ چاریہ جیسے ادیبوں کے حوالہ جات دے کر ہندو بنگال پر مسلم اثرات کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔



## ہزار شطر میں صوتی اثرات

جہاں تک ہزار شطر میں صوفیاء کرام کے اثرات کا تعلق ہے ڈاکٹر  
نارا چند (RANADE) رانا ڈے کی کتاب

(RISE OF MARATHA POWER) کے حوالہ جات پیش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ مشہور  
سکار ہینڈار کار کی کتابوں کے حوالہ جات بھی دیتے ہیں اور ہندو دور و لیشوں اور فیروں کے  
صوفیانہ کلام کے اقتباسات بھی پیش کرتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ طوالت کے خوف سے اس  
کی تفصیلات یہاں درج نہیں کی جاسکتیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ اسلامی تصوف اور صوفیاء کرام پر بیرونی اثرات کی کہانی بالکل من گھڑت ہے بنیاد  
اور لغو ہے بلکہ خود غیر مسلم ریسرچ سکالروں کی اپنی تحقیقات سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ ہندو اور عیسائی  
ارباب روحانیت کس قدر اسلامی تصوف اور صوفیائے اسلام کے ممنون منت اور مرہون احسان ہیں۔  
بھلا یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ جہاں تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کے ہر میدان میں مسلمانوں نے راہنمائی  
کر کے یورپ کو عہد تاریک کی دلدل سے نکال باہر کیا ہو وہ صرف روحانیت کے میدان میں بیرونی  
قیادت کے محتاج تھے۔ اسی گنگا کسی کے بہانے سے نہیں بہ سکتی۔

## مختلف روحانی تعلیمات کا اسلام سے مقابلہ

یہ آسان بات نہیں ہے کہ ہر شخص تصوف پر الزام  
لگا کر چھوٹ جائے۔ بلکہ یہاں تو تحقیق کے  
میدان میں جو بات کہی جاتی ہے اسے ثابت بھی کیا

جاتا ہے۔ علم روحانیت یعنی معرفت و حقیقت اسما (صفات الہی اور تعلق باللہ) کی حقیقت سے ناواقف لوگ  
خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم بھلا یہ کیسے سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام میں عبادات ریاضات اور اذکار کی کثرت سے کاملین  
و صلیب اور مقربین کو جو بلند مراتب حاصل ہوتے ہیں ان کا عشر عشر بھی غیر مسلم ارباب روحانیت کو حاصل  
نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بات تصوف اور دیگر مذاہب کی روحانی تعلیمات کے باہمی مقابلے سے صاف  
ظاہر ہے کہ جہاں دیگر مذاہب کی روحانی تعلیمات میں کفر و شرک کی آمیزش کے علاوہ ان کے طور  
طریقے اور روحانی مشقیں بالکل ناقص، مختصر اور معمولی نوعیت کی ہیں اسلام میں علم روحانیت کو ایک باقاعدہ  
فن (سائنس) کے طور پر مرتب کیا گیا ہے اور جہاں دیگر مذاہب میں کفر و شرک کی آمیزش سے شیطان  
کو گمراہ کرنے کے خوب مواقع ملتے ہیں اسلام کی روحانی تعلیمات میں کفر و شرک کے ذرائع سے شائبہ کو بھی  
نکال باہر پھینکا جاتا ہے جس سے حق تعالیٰ کی جانب سے بے حد مدد ملتی ہے اور روحانی ترقی کی  
رفتار تیز سے تیز تر ہوتی جاتی ہے۔



اب ہم مختلف مذاہب کی روحانی تعلیمات کا ایک مختصر جائزہ لیتے ہیں تاکہ قارئین پر اسلامی تعلیمات کی فوقیت اظہر من الشمس ہو جائے۔ یاد رہے کہ تصوف کے خلاف ان چار مذاہب کی خوشہ چینی کے الزام عائد کیے گئے ہیں۔ عیسائیت ہندو دھرم، بدھ مت اور نوافلاطونیت۔

اب ہم علیحدہ علیحدہ اسلامی روحانی تعلیمات (تصوف) اور ان مذاہب کی روحانی تعلیمات (مسیحی سیرم) کا مقابلہ کریں گے۔

اس مضمون کی تفصیل تو بہت طویل ہے جس سے عام قاری حضرات کو زیادہ دلچسپی نہ ہوگی اس لیے صرف دونوں مذاہب کی موٹی موٹی

### تصوف اور عیسائی مسیحی سیرم

باتوں کو زیر غور لایا جائے گا۔ یاد رہے کہ جہاں عیسائی مسیحی سیرم میں فنا فی اللہ آخری مقام سمجھا جاتا ہے اور عیسائی لوگ دنیا سے کنارہ کشی کر کے ہمیشہ کے لیے خلق خدا سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ اسلام میں فنا فی اللہ آخری مقام نہیں ہے بلکہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ آخری مقام ہے جس کا دوسرا نام نزول اور عبودیت ہے۔ عیسائی دنیا میں ارباب روحانیت کو اسلئے ملامت کی جاتی ہے کہ وہ دنیا سے کنارہ کشی کر کے خلق خدا کے دکھ درد میں شریک نہیں ہوتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ عیسائی لوگوں کی فنا بھی مکمل نہیں ہوتی۔ فنا کے بے شمار مدارج اور منازل ہیں۔ چونکہ ذات حق کی کوئی انتہا نہیں۔ فنا کے مراتب کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ مثلاً سمندر اندر فنا ہونے والا سطح آب سے ایک گز نیچے بھی فنا فی البحر کہلاتے گا۔ اور ایک میل، دو میل، دس میل، بیس میل کی گہرائی تک جانے والا بھی فنا فی البحر کہلاتے گا۔ اب دیگر مذاہب میں فنا کی ذرا سی بڑائی ہے یا ایک آدھ اپنچ پانی میں جاتے ہیں تو بہت خوش ہوتے ہیں اور شور مچا دیتے ہیں کہ فنا حاصل ہو گئی۔ بلکہ اکثر و بیشتر تو فنا سے پہلے معمولی قسم کے کشف و کرامات یا سچے خواب دیکھ کر پھوسے نہیں سماتے کہ ہم منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ لیکن منزل مقصود تو کیا اس کی ہوا تک بھی ابھی نہیں لگی ہوتی۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ فنا سے پہلے کی فضا دیکھ کر یا فنا کی ابتدائی منزل کو دیکھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس صوفیاء کرام سالہا سال تک بحر فنا میں غوطے لگا لگا کر اس قدر گہرے جاتے ہیں کہ ان لوگوں کے وہم و گمان میں بھی وہ مقامات قرب نہیں آسکتے۔ لیکن اس پر بھی اکتفا نہیں کرتے اور ناپ مین مزید کے غرے لگاتے ہوئے منازل پر منازل طے کرتے جاتے۔ ان کا نصب العین یہ ہوتا ہے

صوفی آنکہ فوق الوصل جوید

(صوفی وہ ہے جو وصل سے بھی اوپر کے مقام کا طلب گار ہوتا ہے)

لیکن جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے دیگر مذاہب میں جہاں روحانی سفر صرف ایک مرحلہ پر مشتمل

ہے۔ اسلام میں اس کے دو مراحل ہیں ایک فنا فی اللہ، دوسرا بقا باللہ۔ فنا کے بلند ترین مدارج پر پہنچ کر مشائخ عظام سالک کو واپس مقام دوئی پر لے آتے ہیں جہاں وہ حالت تلوین یعنی محویت اور استغراق سے نکل کر ہوشیاری میں آتا ہے اور چونکہ فنا کے انتہائی مدارج پر وہ حدیثِ پی لیسٹم اور بی بیخبر کے بمصداق حق تعالیٰ کی ذات و صفات سے متصف ہو جاتا ہے۔ اس کے سر پر خلافت اور نیابت الہیہ کا تاج رکھا جاتا ہے اور اس کو دنیا کے تکوینی امور نیز رشد و ہدایت کے منصب پر فائز کیا جاتا ہے اور یہ چیز عیسائی مسیحی سزم میں پائی جاتی ہے نہ ہندو میں نہ بدھ میں نہ یونان کی نوافلاطونیت میں۔ کیونکہ جہاں پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت پر دیگر انبیاء علیہم السلام کے مذاہب منسوخ ہو گئے۔ ان مذاہب کے اربابِ روحانیت کو خلافت الہیہ کا ملنا بھی بند ہو گیا اور صرف نبی آخر الزماں کی امت کے اربابِ حقیقت کے لیے خلافت باقی رہ گئی۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں دیگر مذاہب کے اربابِ روحانیت ہمیشہ کے لیے گوشہ نشینی اختیار کر کے خلق خدا اور دنیاوی امور سے منقطع ہو جاتے ہیں اولیائے اسلام کو حکماً دنیاوی امور میں حصہ لینا اور اصلاحِ خلق کا فریضہ ادا کرنا پڑتا ہے اسی وجہ سے اولیائے اسلام کی زبردست اکثریت بقا باللہ کے منصبِ جلیلہ پر فائز ہو کر دنیاوی امور میں حصہ لیتی رہی ہے اور ساری امت میں صرف چند گنتی کے لوگوں نے قلندرانہ روش اختیار کر کے جذبِ وستی میں زندگی بسر کی ہے۔

یونانی مسیحی سزم نوافلاطونیت کا بھی یہی حال ہے۔

نوافلاطونیت یونان کے حکیم پلاٹانس (PLOTINUS)

کے نام سے منسوب ہے۔ آپ تیسری صدی عیسوی میں سکندریہ

میں رہتے تھے اور بڑے عارف باللہ تھے۔ آپ کی کتاب اینڈس (ENNEADS) آپ کی روحانی

تعلیمات کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تعلیمات میں آخری مقام

فنا ہے۔ یہاں آپ کی کتاب میں سے صرف ایک فقرہ نقل کیا جاتا ہے جس سے آپ کی پوری تعلیمات

سمجھ میں آجاتی ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ۔

(RETURN SUMS UP THE ENTIRE DUTY OF MAN)

(ذاتِ حق کی طرف واپس لوٹنا یعنی مقام فنا انسان کی زندگی کا حاصل ہے)

اس کا ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک آخری منزل فنا ہے۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ فنا کے لاتعداد

منازل میں سے کس منزل تک آپ کو رسائی حاصل تھی۔ خواہ کچھ ہو۔ بقا باللہ اور عبودیت کا آپ کی

تعلیمات میں کوئی مقام نہیں ہے۔

اور پلاٹائٹس کی تعلیمات ہی عیسائی مسیحی سزم کی بنیاد ہیں کیونکہ عیسائیت کے سب سے بڑے روحانی پیشوا سینٹ آگسٹائن SAINT AUGUSTINE کے قول سے جو پہلے اس کتاب میں نقل ہو چکا ہے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سب کچھ نوافلاطونیت (NEOPLATONISM) سے حاصل کیا اور سینٹ آگسٹائن ہی عیسائی مسیحی سزم کے باپ یا پاپائے اعظم ہیں۔

ہندو مسیحی سزم میں بھی وہی ایک مرحلہ والا (SINGLE PHASE)

اسلام اور ہندو مسیحی سزم

روحانی سفر ہے۔ بقا باللہ کا نام تک نظر نہیں آتا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو

ہو چکا ہے۔ اگرچہ ہندو مذہب کے سب سے بڑے روحانی پیشوا شکر اچاریہ، رامانوجا، رامانندا، کبیر، دادو دیال، رائے داس، بابالال وغیرہ سب کے سب نے صوفیاء کرام سے روحانی تعلیمات حاصل کیں تاہم اس کی کتابوں میں صرف فنا ہی فنا کا ذکر آیا ہے بقا باللہ کا کوئی پتہ نہیں چلتا ہے۔ داراشکوہ نے اپنی تصانیف میں اسلامی روحانیت اور ہندو مسیحی سزم میں مشابہت ثابت کرنے کی بہت کوشش کی ہے لیکن انہوں نے بھی ہندو اور باب روحانیت کی زندگیوں میں بقا باللہ کی کہیں نشاندہی نہیں کی۔

اسلام اور یہودی قبائل سزم  
یہودی قبائل سزم میں آخری مقام فنا بتایا گیا ہے یہودی مذہب میں سبکل ایک اور روحانی سزم پر زور دیا جا رہا ہے جو (HESIDISM)

کے نام سے مشہور ہے اس کی آخر حد بھی وحدت الوجود اور فنا بتائی جاتی ہے بقا باللہ کا نام و نشان نہیں

اسلام کے جامعیت  
یہ صرف اسلام کی خصوصیت ہے کہ اس میں مقام فنا فی اللہ اور اس کے بھی بلندا ترین مقامات پر پہنچ کر سالکین کو نزول کر کے اپنے نقطہ آغاز پر واپس آنا ہوتا ہے

جہاں وہ فنا کے مسکرا اور استغراق سے نکل کر عالم صحوا اور ہوشیاری میں آتے ہیں۔ خلافت ارضی کا ان کے

سر پر تاج رکھا جاتا ہے اور ہدایت خلق اور دنیا کے تکوینی امور اس کے سپرد کیے جاتے ہیں۔ اس مقام

بقا باللہ یا عبودیت کو جامعیت کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ جامعیت اس لیے کہ اس مقام پر

سالکین بیک فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہوتے ہیں اور بیک محبوب حقیقی کے حسن و جمال اور قرب و وصال

کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں اور درجہ و فراق کی لذت بھی حاصل کرتے ہیں۔ بلکہ وہ وصال سے مہجوری کو زیادہ

پسند کرتے ہیں کیونکہ اس سے حق تعالیٰ کے حضور میں ان کو عجز اور نیاز اور بندہ عبد ہو کر ہنار زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے

من لذت درد تو بردر ماں نفرد شتم کفر سز زلف تو بہ ایمان نفس و شتم

اور وصل اور مہجوری کی حالت میں وہ ہر وقت قرب کی بلند سے بلند منازل طے کرتے جاتے ہیں۔

لیکن ان کی آتش عشق سے کسی مقام وصل پر مطمئن نہیں ہونے دیتی اور ہر وقت ہل من مزیں

کے نعرے لگاتے رہتے ہیں۔ ان کا مطلق نظریہ ہوتا ہے۔

ہم عمر با تو قدح زدیم و زلفت رنج خمار ما  
چہ قیامتے کہ نئے رسی ز کنار ما بخت ارا

اور یہ آہ و فغاں درود داغ اور نالہ و فریاد داتی ہوتا ہے۔ وہ ساری زندگی اسی پرواز الی اللہ میں بسر کرتے ہیں اور مرتے کے بعد عالم ارواح میں بھی اسی پرواز میں رہتے ہیں اور بہشت میں بھی ان کی یہی ترقی اور یہی پرواز الی اللہ جاری رہے گی۔ کیونکہ ذات حق اور قرب و وصال حق کی کوئی انتہا نہیں۔

### تقابلی مطالعہ کا نتیجہ

اس تقابلی مطالعہ سے ظاہر ہے کہ اسلامی روحانی تعلیمات کے مقابلے میں باقی مذاہب کی روحانی تعلیمات کچھ حیثیت نہیں رکھتیں اور یہ جو ہم نے اوپر دیگر مذاہب میں فنا کے مقامات کا ذکر کیا ہے یہ بھی عہد ماضی کی بات ہے۔ اب تو وہ چیز بھی نہیں رہی۔ اب وہ لوگ روحانی علم حاصل کرنے کی بہت کوشش کرتے ہیں لیکن کچھ حاصل نہیں ہوتا اس لیے تو وہ اسلامی روحانیت کی طرف راغب ہو رہے ہیں اور امام غزالی اور ابن عربی جیسے اکابر صوفیاء کی تصانیف کی چھان بین میں لگے ہوئے ہیں۔

ان مذاہب کی روحانی تعلیمات میں دوسری کمی راہبری کی ہے جو اسلامی دنیا میں کثرت سے مشائخ اولیاء اور پیرو مرشد کے ناموں سے موجود ہیں۔ نیز جہاں دوسرے مذاہب میں روحانی نصاب کا فقدان ہے اسلام میں مشائخ عظام نے علم روحانیت کو بطور ایک مستقل فن (SCIENCE) کے مرتب کر لیا ہے جس سے طریقت اب ایک عظیم شاہراہ کی صورت اختیار کر چکی ہے جس پر مختلف منازل و مقامات کے سنگ میل علامات اور نشانات سب موجود ہیں۔ علاوہ ازیں جہاں اسلام میں متعلقہ پیرو مرشد کے علاوہ سلسلے کے تمام مشائخ حتیٰ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر سالک پر توجہ نظر عنایت اور فیض کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ دیگر مذاہب کے ارباب روحانیت اس فیض سے محروم ہیں۔ یہی وجہ ہے ان مذاہب میں ہر شخص اپنا آپ استاد بھی ہے اور اپنا آپ شاگرد بھی ہے۔ اس کے لیے نہ کوئی راستہ مقرر ہے نہ منازل متعین ہیں۔ نہ ان کو پیر کامل کی راہبری حاصل ہے نہ اس کے لیے کوئی نصاب عمل موجود ہے جو مسلم طالبین کے لیے عبادات، اذکار، مشاغل، اوراد، وظائف، تلاوت قرآن اور نوافل کی صورت میں حاصل ہے۔ ان مذاہب میں ہر طالب اپنا راستہ آپ بناتا ہے جس میں نہ اسے شیطان سے امان ملتی ہے نہ اپنے نفس کی تباہی سے۔ وہ سنگلاخ وادیوں اور خاردار جنگلوں میں منازل طے کرتا ہے۔ جہاں نہ اسے نشیب و فراز راہ کا علم ہوتا ہے نہ راہزن اور ڈاکو کا۔

نیز مغربی طالب روحانیت (MYSTIC) کے لیے زکوٰۃ عقائد کی کتاب سامنے ہے نہ وہ عقائد کی روشنی میں سفر کرنے کو سمجھ سکتا ہے۔ اُس کے مفسد عقائد، مشکوک وظنون، کفر اور شرک سے اُلٹا راستہ بند ہوتا ہے نہ کہ کھلتا ہے۔ عبادات کی بجائے وہ زیادہ تر وہ گیان دھیان اور مراقبات پر بھروسہ کرتا ہے اور جب قوتِ تخیل WILL POWER میں ذرا سی ترقی ہوتی ہے وہ اُسے دنیاوی مقاصد کے حصول میں صرف کرنے سے دریغ نہیں کرتا جس سے وہ اعلیٰ کو ادنیٰ پر قربان کر دینے میں ذرا بھر غم محسوس نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں شیطان کی حرکت سے بسا اوقات وہ ذہنی امراض کا شکار ہوتا ہے اور (MENTAL CASE) بن کر سائیک آرٹسٹ (PSYCHARTRISTS) کی طرف رجوع کرتا ہے۔ مردوں کے ساتھ تعلق پیدا کرنے میں اُسے خاص دلچسپی ہوتی ہے لیکن مردوں کی رُوحوں اور شیاطین کے فتنوں میں وہ فرق نہیں کر سکتا ہے اس لیے گمراہ ہو جاتا ہے۔

لیکن صوفی اس سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ سب سے پہلے صوفی اسلامی عقائد اور حلال و حرام اور کفر و شرک کے مسائل سے آگاہ ہوتا ہے۔ شیطان مردود کے شر کو پہچانتا ہے۔ نفس کی خباثت سے آگاہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں تلاوتِ قرآن، نماز روزہ، حج، زکوٰۃ، اوراد، وظائف، اذکار، شب بیداری سے اُسے بڑی مدد ملتی ہے۔ اس کے ساتھ اس کو اپنے شیخِ کامل کی ہدایت نصیب ہوتی ہے جو اس راہ سے گزر چکے ہوتے ہیں اور نشیب و فراز راہ اور نفس و شیطان کے شر سے بخوبی آگاہ ہوتے ہوتے مریدین کی حفاظت کرتے ہیں۔ مزید برآں مشائخِ گزشتہ اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توجیہات بھی ان کے شامل حال ہوتی ہیں اور خداوند تعالیٰ کے ساتھ صحیح عقائد اور صحیح عبادت کی وجہ سے اس کو انشراحِ قلب نصیب ہوتا ہے اور حق تعالیٰ اس کے لیے اپنے قرب و وصال کے راستے کھول دیتا ہے۔

غرضیکہ اسلامی تصوف اور دیگر مذاہب کی روحانی تعلیمات کا کوئی مقابلہ ہی نہیں اور جو لوگ روحانی تعلیمات کی باریکیوں اور حقائق سے آگاہ نہیں وہ اس بات کا خیال بھی نہیں کر سکتے کہ صوفیائے اسلام کو کبھی دیگر مذاہب کی ادنیٰ تعلیمات کی طرف ذرہ بھر رجوع کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی اور نہ وہ ان کی کافرانہ اور شرکانہ تعلیمات کو صحیح سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے یہ ڈھونگ اقوامِ مغرب نے صرف مسلم ممالک پر اپنا سیاسی اقتدار برقرار رکھنے کے لیے رچایا ہے اور بس۔



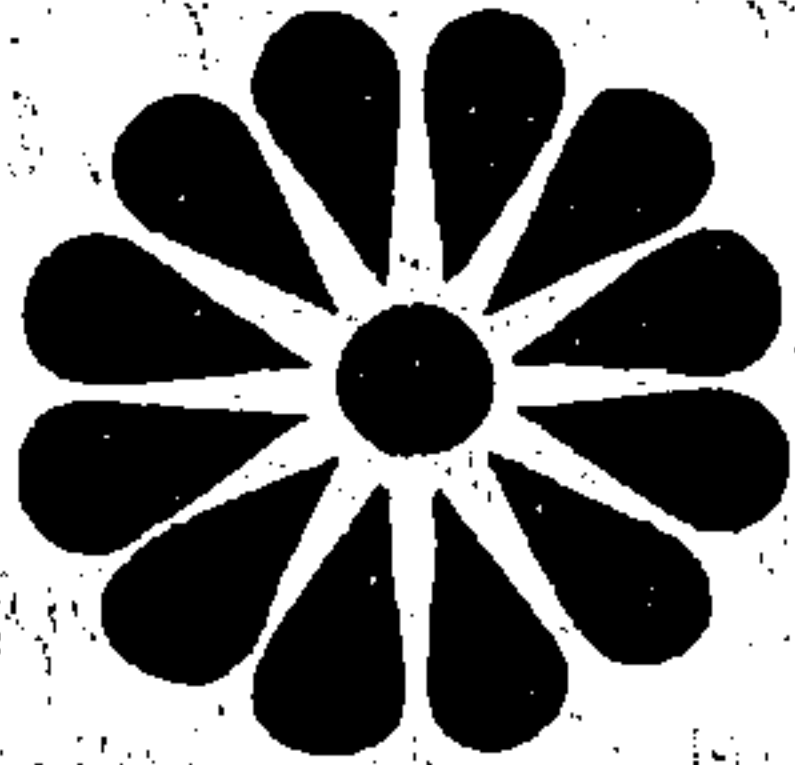


## ایک سوال

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہندو قوم کے ان محبوب پیشواؤں کے اُجکل کچھ پیروکاروں کو کیا کرنا چاہیے۔ آیا ان محبوب روحانی پیشواؤں کا خلافت کرنا ان کے لیے بہتر ہوگا یا ان کی متابعت بہتر ہوگی۔ یہ ایک اہم سوال ہے جس کا جواب ان کی زبان نہ دے تو نہ دے ان کا ضمیر اور دنیا کا ضمیر ضرور دے گا۔ اور اگر ایمانداری سے صحیح جواب دیدیں تو ان کے لیے قبول اسلام کے سوا چارہ نہیں رہتا۔ لیکن اس کے لیے بڑی ہمت، بے پناہ فراخ دلی اور بے حد اعتدال پسندی اور منصف مزاجی کی ضرورت ہے جو ممکن ہے مستقبل قریب یا بعید میں آج بھر آئے۔ واقعہ یہ ہے کہ جس طرح عیسائی دنیا میں مٹھی بھر مذہبی پیشواؤں (پادری قوم) نے اپنا تسلط اور دائہ پائی بحال رکھنے کی خاطر لوگوں کے سامنے خدا کے سچے مذہب کو دل سے تو تسلیم کیا لیکن ظاہری طور پر بدنام کر کے عوام الناس کو اسلام سے محروم رکھا۔ اسی طرح برصغیر میں برہمنوں کی مٹھی بھر اقلیت نے اپنا تسلط اور دائہ پائی بحال رکھنے کی خاطر اسلام کو بدنام کیا اور عوام الناس کو اسلام سے محروم رکھا۔ حالانکہ عیسائیت اور ہندو دھرم کے روحانی پیشوا اسلام کے گرویدہ ہو چکے تھے اور اپنے قول و فعل میں مسلمانوں کی تقلید کرتے رہے۔

لیکن وہ وقت ضرور آ رہا ہے کہ جب عوام کے آزاد دماغ پادریوں اور برہمنوں کی قید سے بھاگ نکلیں گے اور خدا کے سچے مذہب اسلام کو دل و جان سے تسلیم کر لیں گے۔ اس وقت موجودہ ریسرچ کم از کم یہ فائدہ ضرور ہوا ہے کہ یہ جو مٹھی بھر اقلیت کی طرف سے تصوف کے خلاف چاروں طرف سے ہندو اور عیسائی اثرات کے الزامات کی بارش ہو رہی تھی اب وہ ختم ہو جائے گی اور اہل اللہ کو سکون نصیب ہوگا۔ روحانیت اسلام اور مسکب اولیاء اللہ کی فتح و کامرانی حقیقی دور بفضلہ تعالیٰ آگے آ رہا ہے جس کو یار و اغیار انشاء اللہ العزیز سب لبیک کہیں گے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ





وہ خلفاء ہیں جو علمائے ظواہر کی طرح صرف ظاہری عبادت اور احکام شریعت میں ہادی و راہبر نہیں بلکہ عالم بطون کے تربیت یافتہ بھی ہیں اور خود ان راستوں سے گزر چکے ہیں۔

آیت مذکورہ بالا میں جس اتباع نبوی کا حکم آیا ہے اس سے مراد صرف نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ظاہری اتباع نہیں بلکہ باطنی

### ظاہری اتباع اور باطنی اتباع

اتباع بھی شامل ہے۔ ظاہری اتباع سے مراد رسول خدا صلعم کے ظاہری افعال و اعمال و حرکات و سکنات، لباس اور بود و باش کی پیروی ہے اور باطنی اتباع سے مراد رسول خدا صلعم کے باطنی کمالات مثل فنا فی اللہ، بقا باللہ، قرب و معرفت الہی، انوار و برکات و تجلیات، کشف و کرامات، عشق الہی وغیرہ کا حصول ہے۔ چونکہ اسلام ساری دنیا کے لیے ہے اور قیامت تک رہے گا اس لیے حق تعالیٰ نے اسلام کی ظاہری و باطنی فیوض و برکات کا تاقیام قیامت جاری رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ارباب باطن یعنی اولیاء اللہ کے وجود سے کبھی زمانہ خالی نہیں رہا اور نہ رہے گا اور اسلام کی باطنی تعلیمات کا یہ نظام سلاسل طریقت کی صورت میں ابتدائے اسلام سے جاری ہے اور بفضلہ تعالیٰ قیامت تک جاری رہے گا جس کے ذریعے عوام و خواص کی راہنمائی قرب معرفت حق تک ہوتی رہے گی اور اولیاء اللہ ہر زمانے میں وجود میں آتے رہیں گے بفضلہ تعالیٰ

اسلام کے اس باطنی فیضان کا نام ولایت ہے اور جس شخص پر یہ فیضان ہوا ہے

### ولایت

ولی اللہ کہتے ہیں۔ جس کی جمع اولیاء اللہ ہے۔ یہ کوئی من گھڑت نام نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ **الَاَإِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ** داچھی طرح جان لو کہ اولیاء اللہ وہ طبقہ خاصان حق ہے جن کے لیے نہ کوئی خوف ہے نہ غم، فیضان ولایت کا سرچشمہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور حضور اقدس صلعم کی پردہ پوشی کے بعد رشد و ہدایت کی یہ ذمہ داری آپ کے خلفاء پر عائد ہوتی آئی ہے لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا تن آسانی اور سہل انگاری کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر ریاضات اور مجاہدات کا جذبہ کم ہوتا گیا اور زیادہ تر لوگوں نے اسلام کی صرف ظاہری رسومات یعنی ظاہری صوم و صلوٰۃ پر اکتفا کر لیا اور ولایت کے ظاہری و باطنی فیوض و برکات کو نظر انداز کر دیا۔ لیکن حق تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور ہر زمانے میں اولیاء کرام کے ذریعے ظاہری احکام کے ساتھ خواص اور خاص الخاص اکابرین کے لیے باطنی فیوض و برکات کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ سلاسل طریقت انہی باطنی فیوض و برکات کو جاری رکھنے کا سلسلہ ہے۔



## ولایت کی اقسام

ولایت کی دو قسمیں ہیں۔ ولایت عامہ اور ولایت خاصہ۔ ولایت عامہ میں ہر مسلمان شامل ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ ولی الذین امنوا اللہ ان کا

ولی یعنی دوست ہے جو ایمان لائے۔ اس آیت کی رو سے ہر مسلمان ولی اللہ ہے اور یہ ولایت عامہ کہلاتی ہے۔ ولایت خاصہ وہ ہے کہ جب آدمی زہد عبادات، ریاضات اور مجاہدات کے ذریعے کسی شیخ کے زیر تربیت رہ کر سلوک الی اللہ طے کرتا ہے اور تکمیل حاصل کر کے خدا رسیدہ ہو جاتا ہے ایک دفعہ ایک بڑے فوجی افسر نے پوچھا کہ کیا ہر شخص ولی بن سکتا ہے۔ میں نے کہا ہاں بن سکتا ہے ولایت عامہ تو ہر مسلمان کو حاصل ہے اور جب کوئی شخص کوہ ہمالیہ کی سب سے بڑی چوٹی پر پہنچنے کی کوشش کرتا ہے تو اگر چوٹی تک نہیں پہنچ سکتا تو کم از کم کسی بلندی پر تو جا پہنچے گا۔

## ولایت اور ولایت میں فرق

ایک اور لحاظ سے بھی ولایت کی دو اقسام ہیں۔ ولایت اولیٰ ولایت۔ ولایت سے مراد وہ کمالات ہیں جن کے

ذریعے ایک ولی اللہ سے ظاہری کشف و کرامات کا ظہور ہوتا ہے اور ولایت دومہ چیز ہے جس کے ذریعے شیخ کامل کی توجہ سے سالکین و مریدین کے باطن میں تبدیلی واقع ہوتی ہے اور منازل قرب میں ترقی کرتا ہے۔ یہ نعمت تزکیہ نفس سے حاصل ہوتی ہے جو عبادت اور مجاہدہ کے علاوہ شیخ کامل کی باطنی توجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ وہ دولت ہے جو رسول خدا ﷺ سے سینہ بسینہ اور شپٹ بپشت چلی آرہی ہے اور جب بھی کسی سالک کو خلافت ملتی ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ملتی ہے۔

## ہر زمانے میں ولایت کا منبع و مصدر رسول خدا ﷺ ہیں

جس طرح اپنے زمانے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تمام ظاہری اور باطنی

تعلیمات، فیوض و برکات اور رشد و ہدایت کا منبع اور مصدر تھے اسی طرح آج بھی اور آج کے بعد قیامت تک بلکہ بعد قیامت بہشت میں بھی مسلمانوں کے لیے آنحضرت ﷺ تمام روحانی فیوض و برکات کے منبع و مصدر رہیں گے۔ کیونکہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باطنی توجہات کے ساتھ ظاہری امدادی و راہبری کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور یہ کام آپ کے خلفاء کے ذریعے قیامت تک انجام ہوتا رہے گا۔ یہ جو قرآن مجید میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "کو نواع الصادقین" (صادقین کی صحبت اختیار کرو) اس میں بھی صدیقین یعنی اولیاء اللہ کی صحبت اور تربیت کا حکم وارد ہوا ہے قرآن حکیم میں تشریح میں حق تعالیٰ کے مراتب اس ترتیب سے بیان کیے گئے ہیں۔ انبیاء و الصدیقین و الشهداء و الصالحین۔ سب سے بلند مرتبہ کے لوگ انبیاء علیہم السلام ہیں ان کے بعد صدیقین ان کے

بعد شہداء ان کے بعد صلحا یعنی عام نیک لوگ ہیں۔ صدیقین سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا ایمان عام لوگوں کی طرح تقلیدی نہیں بلکہ تصدیقی ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر وہ صرف پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سن کر خدا تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے بلکہ اپنے نور بصیرت سے ذاتِ حق کا باطنی آنکھوں سے مشاہدہ بھی کرتے ہیں۔ اس مقام یا اس مرتبہ کو قرآن حکیم میں عین الیقین کہا جاتا ہے اس سے اوپر ایک اور مرتبہ ہے جسے حق الیقین کہتے ہیں۔ یہ مقام مشاہدہ سے بھی بڑھ کر ہے یہ مقام فنا فی اللہ ہے۔ لہذا آیت مذکورہ کو ذمائع الصادقین سے وہ ارباب رشد و ہدایت مراد ہیں جو صادق الحال ہیں اور مرتبہ علم الیقین سے گزر کر مرتبہ عین الیقین اور حق الیقین تک پہنچ چکے ہیں جس کا دوسرا نام تصدیق ہے اور یہی مرتبہ احسان ہے جسے حدیث میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ "خداوند عالم کی اس طرح عبادت کرو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اگر تم اسے نہیں دیکھ سکتے تو یہ خیال جماؤ کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے" جب کسی نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ کیا آپ نے خدا تعالیٰ کو دیکھا ہے تو آپ نے جواب دیا کہ میں اس خدا کی کیسے عبادت کر سکتا ہوں جسے دیکھ نہ لوں۔ جب اس نے مزید تفصیل پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کو جسمانی آنکھوں سے نہیں بلکہ روحانی آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انا مدینۃ العلم و علی بابہا میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔ اگرچہ تمام اکابرین صحابہ کرام سے روحانی فیوض و برکات اور رشد و ہدایت سینہ بہ سینہ ایک عرصہ تک جاری رہا لیکن جن سلاسل طریقت کو حق تعالیٰ نے بقائے دوام کا درجہ عطا فرمایا ہے وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت علیؑ کے سلاسل طریقت ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے جو روحانی سلاسل جاری ہوئے وہ جمع ہو کر آج سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی شکل میں ظاہر ہیں اور باقی تین بڑے سلسلے یعنی سلسلہ عالیہ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ وغیرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جاری ہوئے ہیں۔

حضرت علیؑ کے خلفاء

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے چار خلفاء تھے۔ حضرت امام حسنؑ، حضرت امام حسینؑ، حضرت امام حسن بصریؑ اور حضرت امام کمیلؑ۔ ان چار اکابرین

سے چودہ بڑے سلسلے جاری ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی نعمت سینہ بہ سینہ تمام مشائخ سلسلہ کے ذریعے آج تک امت میں چلی آرہی ہے۔

حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کا سلسلہ روحانیت ائمہ اہل بیت کے ذریعے ہر زمانے

میں جاری رہا ہے یہاں تک کہ بڑے بڑے اکابرین صوفیاء مثل حضرت فضیل ابن عیاض، امام شافعی، امام ابو حنیفہ، حضرت بایزید بسطامی وغیرہم نے ائمہ اہل بیت سے روحانی فیوض حاصل کیے اور بلند روحانی مدارج تک رسائی حاصل کی۔

حضرت امام حسن بصریؒ کے بہت خلفاء تھے جن میں سے دو زیادہ مشہور ہیں۔ حضرت عبدالواحد بن زیدؒ اور

حضرت امام حسن بصریؒ کے خلفاء

حضرت حبیب عجمیؒ جن کے فیض تربیت سے ذیل کے چودہ بڑے سلسلے وجود میں آئے:

۱۔ سلسلہ زیدیہ | یہ سلسلہ حضرت عبدالواحد بن زیدؒ کے نام سے موسوم ہے۔ جن کو ایک خرقہ خلافت حضرت کبیل بن زیادؒ سے بھی ملا۔ نیز صحابی رسول حضرت عبدالرحمن

بن عوفؒ کے خاندان کے پانچ افراد بھی اس سلسلے میں داخل ہوئے۔ حضرت خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ نے آخر عمر میں دو مریدوں کو خرقہ خلافت عطا فرمایا۔ حضرت خواجہ فضیل ابن عیاضؒ اور حضرت خواجہ ابوعیقوب السوسیؒ۔

۲۔ سلسلہ عیاضیہ | یہ سلسلہ حضرت خواجہ فضیل ابن عیاضؒ کے نام سے منسوب ہے اور آپ ہی سے شروع ہوا۔ حضرت خواجہ فضیل ابن عیاضؒ کو ائمہ اہل بیت سے بھی روحانی

فیض حاصل ہوا۔ آپ نے حضرات تابعین کی بھی صحبت پائی ہے اور فیض حاصل کیا ہے۔ یہی حضرات ہیں جو اس زمانے میں کثرت سے موجود تھے۔ اور مسلمانوں کو علم شریعت اور علم حقیقت کی تعلیم دینے میں مصروف تھے۔

۳۔ سلسلہ ادھمیہ | یہ سلسلہ حضرت خواجہ ابراہیم بن ادھمؒ سے منسوب ہے جو حضرت خواجہ فضیل بن عیاضؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کو ایک خرقہ خلافت امام باقر رضی اللہ عنہ سے

بھی ملا ہے جو امیر المؤمنین حضرت امام حسینؒ کے پوتے تھے۔

۴۔ سلسلہ ہبیریہ | یہ سلسلہ حضرت خواجہ ابوہبیرہ امین الدینؒ سے شروع ہوا جو حضرت خواجہ خلیفہ مرثیؒ کے مرید و خلیفہ تھے جو حضرت خواجہ ابراہیم بن ادھمؒ کے مرید و خلیفہ

تھے۔ الی آخر۔

۵۔ سلسلہ چشتیہ | یہ سلسلہ حضرت خواجہ مشاد علی دینوریؒ سے شروع ہوا جو حضرت خواجہ ابوہبیرہ امین الدین بصری کے مرید و خلیفہ تھے۔ خواجہ مشاد علی دینوری کے خلیفہ حضرت خواجہ

ابو اسحاق شامی تھے جن کو اپنے شیخ علیہ رحمۃ سے چشت میں قیام کرنے کا حکم ہوا۔ قصبہ چشت افغانستان میں ہرات کے قریب واقع ہے۔ خواجہ ابو اسحاق شامی پہلے شیخ ہیں جو خواجہ ابو اسحاق چشتی کے نام سے

مشہور ہوئے۔ اور سلسلہ عالیہ چشتیہ وجود میں آیا۔ آپ نے خواجہ ابوالرحمان عبدالخالق کو خرقہ خلافت عطا کیا۔ جن کا شمار چشت کے روسا میں ہوتا ہے۔ خواجہ ابوالرحمان کے خلیفہ حضرت خواجہ ابو محمد چشتی اور آپ کے

خلیفہ حضرت ابوالیوسف چشتی ہیں اور آپ کے خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بودو چشتی ہیں۔ چشت

کے یہ پانچ مشائخ سلسلہ عالیہ چشتیہ کے پانچ ستون (ارکان) کہلاتے ہیں۔ ان کو "پنج پیرانِ چشت" بھی کہتے ہیں۔

یہ سلسلہ حضرت خواجہ حبیب عجمیؒ سے منسوب ہے جو حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔

۷۔ سلسلہ عجمیہ

یہ سلسلہ سلطان العارفین حضرت خواجہ ابوزید لبطامیؒ سے منسوب ہے جن کا اصلی نام طیفور تھا۔ تذکرۃ الاولیاء مصنف شیخ فرید الدین عطارؒ میں لکھا ہے

۸۔ سلسلہ طیفوریہ

کہ حضرت ابوزید لبطامیؒ نے ایک سولہ مشائخ سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے بارہ سال حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں رہ کر فیضان حاصل کیا۔ بعض کا خیال ہے کہ انہوں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے بطریق اولیہ اخذ فیض کیا۔ یعنی ان کے وصال کے بعد مزار مبارک پر بیٹھ کر حقیقت خواہ کچھ ہو اخذ فیض کے یہ دونوں طریقے مشائخ طریقت کے نزدیک مستند ہیں۔ لطائف اشرفی میں لکھا ہے کہ ان کو ایک خرقہ خلافت حضرت خواجہ حبیب عجمیؒ سے بھی ملا۔

سلسلہ کرخیہ حضرت خواجہ معروف کرخیؒ سے شروع ہوا جن کو حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے خرقہ خلافت حاصل ہوا جو ائمہ اہل بیت کے ساتویں امام تھے۔ ان کو ایک خرقہ خلافت حضرت داؤد طائیؑ سے بھی ملا جو خواجہ حبیب عجمیؒ کے خلیفہ تھے۔

۹۔ سلسلہ کرخیہ

یہ سلسلہ حضرت خواجہ سری سقطیؒ سے شروع ہوا جو خواجہ معروف کرخیؒ کے مرید و خلیفہ تھے اور حضرت جنید بغدادیؒ کے ماموں اور پیر تھے۔

۱۰۔ سلسلہ سقطیہ

یہ سلسلہ حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ سے منسوب ہے جو خواجہ سری سقطیؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ ان حضرات کے مراتب اس قدر بلند تھے کہ ان میں سے ہر ایک صاحب سلسلہ ہوا۔

۱۱۔ سلسلہ جنیدیہ

یہ سلسلہ حضرت خواجہ ابواسحاق گادرونیؒ سے شروع ہوا ہے جو گادرون کے بادشاہ تھے۔ آپ تخت و تاج چھوڑ کر حضرت خواجہ عبداللہ خفیفؒ کے مرید ہوئے جو حضرت خواجہ رویمؒ کے مرید و خلیفہ تھے جو خواجہ جنید بغدادیؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔

۱۲۔ سلسلہ گادرونیہ

اس سلسلہ کے بانی مہمانی حضرت شیخ علاء الدین طوسیؒ تھے جو حضرت خواجہ وجہ الدین ابوجنصؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ جو خواجہ جنید بغدادیؒ کے خلفاء میں سے تھے۔ شیخ علاء الدین طوسیؒ حضرت شیخ نجم الدین کبریؒ کے ہم عصر دوست تھے۔ شیخ نجم الدین کبریؒ یورپ کے مشہور روحانی پیشوا سینٹ فرانس آف اسیسی کے ہم عصر تھے۔ آپ کو نلنے کی خاطر سینٹ

۱۳۔ سلسلہ طوسیہ



فرانس نے بغداد کا طویل سفر اختیار کیا لیکن کسی وجہ سے بغداد نہ پہنچ سکے اور ناکام واپس چلے گئے۔

۱۳۱۔ سلسلہ سہروردیہ | وجہ الدین ابو حفص کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کو ایک خرقہ خلافت حضرت یسلسلہ حضرت شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی سے شروع ہوا جو شیخ

شیخ احمد العرلا سے بھی حاصل ہوا۔ جن کا سلسلہ طریقت پانچ واسطوں سے خواجہ جنید بغدادی سے جاملتا ہے۔

۱۳۲۔ سلسلہ فردوسیہ | اس سلسلہ کے مورث اعلیٰ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ ہیں۔ آپ فردوس کے اکابرین میں سے تھے اور شیخ ابو نجیب سہروردی کے مرید و خلیفہ تھے۔

مولانا عبدالرحمن جامی لفحات الانس میں لکھتے ہیں کہ شیخ نجم الدین کبریٰ کو ایک خرقہ خلافت شیخ عمار یاسر سے بھی حاصل ہوا۔ شیخ عمار یاسر مرید و خلیفہ تھے حضرت ابو نجیب سہروردی کے جن کا سلسلہ چھ واسطوں سے خواجہ جنید بغدادی سے جاملتا ہے۔ چنانچہ یہ چار سلاسل طریقت یعنی فردوسیہ، سہروردیہ، طوسیہ، گاڈروسیہ حضرت خواجہ جنید بغدادی سے جاملتے ہیں۔ خواجہ جنید کو ایک خرقہ خلافت ایک واسطے سے حضرت امام علی رضا سے بھی حاصل ہوا۔ جو امام موسیٰ کاظم کے فرزند ارجمند تھے۔ اور آپ حضرت امام جعفر صادق کے آپ امام باقر، آپ امام زین العابدین اور آپ امیر المؤمنین حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ارجمند تھے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت علی کے بڑے بیٹے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ بھی ان روحانی واسطوں میں آتے ہیں۔ لفحات الانس میں لکھا ہے کہ شیخ ابو نجیب کو ایک خرقہ خلافت حضرت کبیر بن زیاد سے بھی حاصل ہوا جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلیفہ تھے۔ یہ سلسلہ اس طرح پر ہے۔ شیخ ابو نجیب، شیخ اسماعیل مصری، شیخ محمد بن موکل، شیخ محمد بن داؤد، شیخ ابو العباس بن ادریس، شیخ ابو القاسم بن رمضان، شیخ ابو یعقوب رابری، شیخ ابو عبد اللہ عثمان المکی، شیخ ابو یعقوب نہر جوری، شیخ یعقوب الشوسی اور کبیر بن زیاد جو خلیفہ تھے۔ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے۔ روایت ہے کہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کے ستر خلفاء تھے۔ جو خود حضرت شیخ کے ہم پلہ تھے۔ آگے چل کر آپ کے سلسلہ عالیہ کی دو شاخیں ہو گئیں۔ سلسلہ فردوسیہ اور سلسلہ کبرویہ۔



## بارہ فروعی سلاسل

### ۱۔ سلسلہ قادریہ غوثیہ

یہ سلسلہ غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے منسوب ہے۔ آپ مرید و خلیفہ تھے۔ حضرت شیخ ابوسعید مخزومیؒ کے۔ آپ حضرت شیخ ابوالحسن علی العرشی کے۔ آپ حضرت شیخ ابوفرّح طرطوسیؒ کے۔ آپ حضرت شیخ ابوالفضل عبدالواحد مینیؒ کے، آپ شیخ ابوجرشلیؒ کے اور آپ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کے خلیفہ تھے۔ حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کو ایک خرقہ خلافت گیارہ واسطوں سے اپنے آبا و اجداد یعنی ائمہ اہل بیت سے بھی حاصل ہوا کیونکہ آپ حسنی و حسینی سادات تھے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ قدس سرہ کا شمار امت کے اکابرین اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ آپ غوث الوقت تھے۔ آپ کا ایک لقب محبوب سبحانی بھی ہے۔ آپ امت محمدیہ کے افراد میں شمار ہوتے ہیں۔ (افراد کا مرتبہ تمام اولیاء اللہ سے زیادہ بلند شمار کیا جاتا ہے۔ افراد فرد کی جمع ہے۔ فرد وہ ہوتا ہے جو اپنا تعین کھو کر ذات حق میں ایک ہو جائے۔ یہ حالت زندگی کے بالکل آخری مراحل میں آتی ہے۔

یہ سلسلہ حضرت شیخ احمد سیونی سے شروع ہوا جو شیخ ترکستان کے لقب سے مشہور

### ۲۔ سلسلہ سیویہ

ہیں۔ آپ خواجہ یوسف ہمدانی کے خلیفہ تھے، آپ خواجہ علی فارمدی کے، آپ خواجہ ابوالقاسم گورگانی کے، آپ شیخ ابوعثمان مغربی کے، آپ ابوکاتب کے، آپ شیخ ابوالعلی رودباری کے، آپ سید طائفہ خواجہ جنید بغدادی کے۔ اور آپ کئی واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلیفہ تھے۔ حضرت شیخ احمد سیونی کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ایک واسطے سے بھی خلافت ملی تھی یعنی حضرت محمد حنیفہ کے ذریعے سے جو فرزند ارجمند ہیں حضرت علی کے۔

۳۔ سلسلہ نقشبندیہ :- یہ سلسلہ حضرت خواجہ بہار الدین نقشبند کے نام سے منسوب ہے۔ آپ مرید خلیفہ

تھے حضرت امیر ستیکلال کے، آپ خواجہ محمد سماسی کے، آپ خواجہ علی رامینی کے، آپ خواجہ محمود ابوالخیر فغنوی کے، آپ خواجہ عارف ریوگری کے، آپ خواجہ عبدالخالق غجدوانی کے، آپ خواجہ یوسف ہمدانی کے، آپ خواجہ علی فارمدی کے، آپ خواجہ ابوالقاسم گورگانی کے، اور خواجہ ابوالقاسم کا سلسلہ تین واسطوں سے حضرت خواجہ جنید بغدادی سے جا ملتا ہے۔ خواجہ ابوالقاسم گورگانی کا سلسلہ کئی واسطوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی جا ملتا ہے جن میں ابوالحسن خرقانی، حضرت خواجہ ابوزید بسطامی، اور امام جعفر الصادق شامل ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے حضرت امام قاسم کے نواسے تھے۔ جو حضرت ابوبکر صدیق کے پوتے تھے۔ حضرت امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دو دفعہ جنا ہے ایک یہ کہ آپ میرے نانا امام قاسم کے دادا ہیں دوسرے مجھے روحانی فیض

بھی حضرت ابو بکر صدیق سے اپنے نانا امام قاسم اور حضرت سلمان فارسیؓ کے ذریعے ملا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ائمہ اہل بیت حضرت ابو بکر صدیقؓ کے خاندان کے ساتھ شیر و شکر تھے، مفاد پسند لوگوں نے ان کے درمیان خواہ مخواہ ایک فرضی خلیج حائل کر رکھی ہے۔

حضرت خواجہ بہار الدین نقشبندؒ کا شمار اکابرین مشائخ میں ہوتا ہے۔ آپ بڑے عالی ہمت بزرگ تھے۔ آپ کے بلند روحانی مقام کا پتہ مندرجہ ذیل رباعی سے چلتا ہے۔ جو ہمیشہ آپ کی زبان پر رہتی تھی

تا حق بدو چشم سر نہ بینم ہر دم از پائے طلب نے نشینم ہر دم

گو نیک خدا را بچشم سر نتوان دید آن ایشانند من چہ بینم ہر دم

یاد رہے کہ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے نہیں بلکہ سر کی آنکھوں (باطنی بصیرت) سے دیکھا جاسکتا ہے جیسا کہ حضرت علیؓ کے مندرجہ بالا قول سے واضح ہے لیکن حضرت خواجہ نقشبندؒ کا سر کی آنکھوں سے دیکھنا بھی جواز سے خالی نہیں۔ اس کی وضاحت مولانا محمد قاسمؒ نے تقریر دلپذیر میں یوں فرمائی ہے کہ ظاہر بصارت (یعنی سر کی آنکھوں سے دیکھنا) بھی باطنی بصیرت پر منحصر ہے کیونکہ جب روح نکل جاتی ہے تو ظاہری آنکھیں بھی مشاہدہ سے عاری ہو جاتی ہیں۔ ان کے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ جب آدمی سر کی آنکھوں سے دیکھتا تو دراصل وہ باطنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ظاہری آنکھیں خواہ کھول لے خواہ بند کر لے مشاہدہ جاری رہتا ہے۔

**۴۔ سلسلہ نوری** یہ سلسلہ حضرت ابوالحسن نوریؒ سے منسوب ہے۔ آپ قصبہ بعبور کے رہنے والے تھے جو ہرات اور مرو کے درمیان واقع ہے۔ آپ حضرت خواجہ سمری سقنیؒ کے

مرید و خلیفہ تھے۔ اور شیخ ابوالحسن نوریؒ، شیخ محمد علی قصاب کے ہم عصر اور دوست تھے جو ذوالنون مصر کے نام سے مشہور ہیں۔

**۵۔ سلسلہ خضرویہ** یہ سلسلہ حضرت خواجہ احمد خضرویہؒ سے شروع ہوا جو خواجہ حاتم اصمؒ کے خلیفہ تھے آپ شیخ شفیق بلخیؒ کے مرید و خلیفہ تھے اور آپ خواجہ ابراہیم بن ادھمؒ کے مرید

خلیفہ تھے اور آپ حضرت خواجہ فصیل ابن عیاض اور امام باقرؒ کے خلیفہ تھے۔

**۶۔ سلسلہ شطاریہ عشقیہ** یہ سلسلہ عبداللہ شطاریؒ سے منسوب ہے جو خلیفہ تھے خواجہ محمد عارف کے، آپ خلیفہ تھے شیخ محمد علی اسحاقؒ کے، آپ شیخ خدا علیؒ رانہری

کے، آپ ابوالحسن عشقیؒ کے، آپ ابی مظفر مولانا ترک طوسیؒ کے، آپ بایزید عشقیؒ کے، آپ محمد مغربیؒ کے، آپ شیخ ابوزید بسطامیؒ کے، حتیٰ کہ باقی تمام سلسلوں کی طرح یہ سلسلہ بھی حضرت علی المرتضیٰؑ کرم اللہ وجہہ

سے جانتا ہے۔ شیخ عبداللہ شطاری اپنے سلسلہ کے پہلے بزرگ ہیں جو اپنے شیخ کے حکم سے ہندوستان آئے اور جس جگہ جاتے تھے شانہ ٹھاٹھ سے کیمپ لگاتے تھے۔ باوردی رہتے تھے اور ہر جگہ پہنچ کر دکن کی چوٹ پر یہ اعلان کرتے تھے۔

”اگر کسی کو خدا سے ملنے کی خواہش ہے تو آئے میں اسے خدا سے ملا دوں گا۔“

یہ سلسلہ حضرت شیخ جلال الدین بخاری ”گل سرخ کے پوتے سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت“ سے شروع ہوا۔ آپ کو خرقہ خلافت اپنے

### ۷۔ سلسلہ سادات کرام

آبا و اجداد یعنی ائمہ اہل بیت سے حاصل ہوا۔ آپ کے اور حضرت علیؑ کے درمیان پذیرہ واسطے ہیں۔ آپ کو ایک خرقہ خلافت حضرت شیخ رکن الدین سہروردی سے حاصل ہوا جو حضرت بہار الدین زکریا ملتانی کے پوتے تھے اور آپ شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے۔ حضرت مخدوم جہانیاں کو ایک خرقہ خلافت حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی سے حاصل ہوا جو حضرت محبوب الہی خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی کے خلیفہ تھے آپ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیاری کاکی کے اور آپ سلطان الہند خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین حسن بھری چشتی اجمیری قدس سرہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ حضرت مخدوم جہانیاں کو بالجمہ ایک سو چالیس مشائخ سے خرقہ خلافت حاصل ہوا۔ آپ نے سارے عالم اسلام کا دورہ کیا۔ آپ کا مزار مبارک سابقہ ریاست بہاول پور کے قصبہ اوچ شریف میں واقع ہے جو راقم الحروف کے شہر اللہ آباد سے تیس میل شمال میں واقع ہے۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے الدر المنظوم اور خزینہ جلالی زیادہ مشہور ہیں۔ اوچ شریف

جامع مسجد دہلی اور بادشاہی مسجد لاہور میں جو تبرکات نبویؐ موجود ہیں وہ حضرت مخدوم جہانیاں کے لائے ہوئے ہیں

یہ سلسلہ حضرت شیخ بدر الدین زاہد کے نام سے منسوب ہے جو مرید و خلیفہ تھے خواجہ صدر الدین سمرقندی کے، آپ خواجہ ابوالقاسم کے، آپ خواجہ قطب الدین عبد الجبار

### ۸۔ سلسلہ زاہدین

کے، آپ خواجہ ابوالاسحاق گازرونی کے، آپ خواجہ حسین بازدار ہراتی کے، آپ خواجہ محمد رویم کے اور آپ سید الطائفہ خواجہ جنید بغدادی کے تاحضرت علی المرتضیٰؑ۔

یہ سلسلہ شیخ الاسلام حضرت عبداللہ انصاری سے منسوب ہے جو پیر انصار کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا مزار ہرات میں ہے۔ آپ خواجہ ابوالحسن خاقانی

### ۹۔ سلسلہ انصاریہ

کے خلیفہ ہیں اور آپ خواجہ ابو یزید بسطامی کے مرید و خلیفہ ہیں۔ ایک خرقہ خلافت آپ کو شیخ ابوالعباس قصاب سے بھی ملا جو خلیفہ ہیں شیخ ابو محمد عبداللہ طبری کے، اور آپ ابو محمد بزمیری کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ غوث الوقت تھے اور سید الطائفہ خواجہ جنید بغدادی کے خلفاء میں سے تھے۔ خواجہ عبداللہ انصاری بھی غوث الوقت تھے۔

۱۰۔ سلسلہ صفویہ  
یہ سلسلہ حضرت شیخ صفی الدین اسحاق اردوبیلیؒ سے منسوب ہے جو شیخ زاہد گیلانی کے خلیفہ تھے۔ آپ میر سید جمال الدین تبریزیؒ کے، آپ شیخ شہاب الدین ابہریؒ کے، آپ شیخ رکن الدین سجازیؒ کے، آپ شیخ قطب الدین ابہریؒ کے، آپ شیخ ابو نجیب سہروردیؒ کے، جن کا سلسلہ حضرت جنید بغدادیؒ سے جاملتا ہے۔ الی آخر۔

۱۱۔ سلسلہ اردوسیہ  
جو شیخ میر سید عبداللہ المکی اردوسیؒ سے منسوب ہے۔ آپ شیخ ابوبکرؒ کے خلیفہ تھے۔ آپ شیخ عبدالرحمنؒ کے، آپ شیخ علیؒ کے، آپ شیخ علویؒ کے، آپ شیخ محمد بن علی المدرمؒ کے اور آپ شیخ ابو محمد مغربیؒ کے اور آپ کئی واسطوں سے حضرت جنید بغدادیؒ کے خلیفہ اور مرید تھے۔ شیخ اورینؒ کو ایک خرقہ خلافت سلسلہ سہروردیہ سے بھی حاصل ہوا۔ آپ کا سلسلہ زیادہ عرب اور ہندوستان میں پھیلا ہے۔

۱۲۔ سلسلہ قلندریہ  
اس سلسلے میں کئی سلاسل طریقت کے مشائخ شامل ہیں۔ اس سلسلہ کا نام قلندریہ اس لیے مشہور ہو گیا ہے کہ اس کے اندر قلندر مشرب کے مشائخ شامل ہیں۔ جو اکثر سکرو استغراق میں مست رہتے ہیں۔ یہ حضرات اپنے حال میں مست ہوتے ہیں اور خدمت رشد و ہدایت انجام نہیں دے سکتے۔ قلندروں میں سے بعض یہ ہیں:-

شیخ محمد قلندرا، شاہ حیدر قلندرا، شاہ حسین بلخی، شاہ شمس تبریزی، شیخ فخر الدین عراقی، خواجہ اسحاق مغربی، خواجہ حافظ شیرازی رحمہم اللہ تعالیٰ۔ ہندوستان میں سب سے بڑے قلندر حضرت شاہ خضر رومیؒ ہیں جو سلطان شمس الدین لہتمش کے ہم عصر تھے۔ آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کعبیؒ کے مرید تھے۔ حضرت خواجہ قطب نے ان کو خرقہ خلافت تو عطا فرمایا لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ قلندرانہ لباس ترک نہ کرنا۔ شاہ نجم الدین قلندریؒ بھی آپ کے مرید و خلیفہ تھے۔ قلندرانہ لباس ترک نہ کرنے کا حکم حکمت سے خالی نہیں۔ دراصل مشرب قلندری ہی سب سے زیادہ قوی مشرب بنے جس میں اپنی ہستی، ساز و گھر بار سب کچھ تیج کر محبوب حقیقی پر قربان کیا جاتا ہے۔ لیکن اسلام میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھنے کے لیے قلندری چھوڑ کر عبدیت اختیار کرنی پڑتی ہے۔ اس میں بھی حکمت کے خزانے پوشیدہ ہیں۔

برصغیر کے ایک اور معروف قلندر شاہ شرف الدین ابو علی قلندری پانی پتی ہیں جن کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کعبیؒ سے بطریق اولیہ فیضان حاصل ہوا۔ شاہ ابو علی قلندری ایک بلند پایہ شاعر بھی ہیں۔ آپ کا ایک مشہور شعر یہ ہے:-  
گر ابو علی نہ نوائے قلندر نواختے صوفی بدے ہم کس کہ بعالم قلندر است  
نیزے گر عشق بنوے و غم عشق بنوے چندین سخن نغز کہ گفتے کہ شنیدے

برصغیر کے ایک اور بڑے قلندر حضرت شاہ ہاز قلندری ہیں جن کا مزار صوبہ سندھ کے قصبہ سہون شریفیت میں زیارت گاہ خلق ہے۔

## سلسلہ عالیہ حشیتیہ ذوقیہ

یہ سلسلہ حضرت مولانا سید محمد ذوقی شاہ قدس سرہ سے شروع ہوتا ہے جن کے درمیان اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے درمیان دو واسطے، آپ کے اور حضرت شاہ عبدالقدوس لنگوہی قدس سرہ کے درمیان چودہ واسطے اور آپ کے اور حضرت خواجہ معین الدین حشیتی اجیری قدس سرہ کے درمیان بیس واسطے ہیں۔ نیز بعض مشائخ کے باہمی ارتباط کی وجہ سے اس سلسلہ عالیہ حشیتیہ ذوقیہ میں نسبت نقشبندیہ قادریہ اور سہروردیہ بھی شامل ہو گئی ہے۔

حضرت مولانا ذوقی شاہ کا اصلی نام سید محمد ہے لیکن ذوق و شوق اور جذبہ للہیت کی وجہ سے آپ کے شیخ حضرت مولانا

### حضرت مولانا ذوقی شاہ

وارث حسن کوڑہ جہاں آبادی قدس سرہ نے آپ کو لقب "ذوقی" سے ملقب فرمایا اور "ذوقی شاہ" مشہور ہو گئے۔ حضرت مولانا سید محمد ذوقی علیہ رحمہ کا شمار عصر حاضر کے ان مشائخ میں ہوتا ہے جو علوم اسلامیہ کے ساتھ علوم جدید کے بھی حامل تھے۔ آپ سابق علی گڑھ کالج کے گریجویٹ ہونے کی حیثیت سے عصر حاضر کے جملہ امور و امراض سے بخوبی آگاہ تھے اور تمدن جدید کے زبردست نقاد تھے۔ آپ نے ابتدا میں جرنلزم کا فن اختیار کیا اور بیعت سے قبل صحافی دنیا میں ناموری حاصل کی۔ آپ کے رفقاء کا میں علامہ اقبال، سر عبدالقادر، جسٹس شاہ دین، چوہدری خوشی محمد ناظر، حکیم اجل خاں، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، نواب وقار الملک اکبر الہ آبادی اور نواب محسن الملک جیسے درخشندہ ستارے شامل تھے۔ لاہور میں پیسہ اخبار اور مخزن میں کام کرنے کے علاوہ صوبہ سندھ میں آپ انگریزی ہفتہ وار رسالہ "الحق" شائع کرتے تھے جو انگریزوں کے جابرانہ دور کے باوجود حق و انصاف حق گوئی اور حق بیانی میں اس قدر مشہور ہو چکا تھا کہ خود انگریزی حکام کے حلقوں میں بھی مقبول ہو چکا ہے اور انگریزوں کی نکتہ چینی کے باوجود انگریز اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے یہ رسالہ اس قدر مقبول ہوا کہ اس کے متعلق یہ شعر لوگوں کی زبان پر آنے لگا۔

حق کو جاننے کے لیے حق نے حق کو پیدا کر دیا

لیکن حضرت اقدس کے قلب میں عشق الہی کا جو طوفان موجزن تھا وہ آپ کو کچھ صحافت سے نکال کر کشاں کشاں کو چھ عشق اور معرفت میں لے گیا۔ حق تعالیٰ کے کمال لطف و کرم سے آپ کو خواب میں ہونے والے شیخ کا مشاہدہ کرایا گیا اور چند ماہ کی پریشان حالی کے بعد آپ نے آخر اپنے شیخ کو پا ہی لیا۔ پھر کیا تھارات دن ذکر و فکر، عبادات اور ریاضات و مجاہدات کا دور شروع ہو گیا

اور اپنی خداداد قابلیت کی بنا پر چند سالوں میں سلوک تمام کر کے فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے مقامات حاصل کر لیے، خلافت سے مشرف ہوئے، اور تادم وصال فریضہ رشد و ہدایت خلق میں پوری تندہی اور جانفشانی سے ممکن رہے۔ آپ کے فیض صحبت سے حضرت شہید اللہ فریدی جیسے جلیل القدر اولیاء اللہ وجود میں آئے۔ چونکہ برصغیر ہند و پاکستان چشتیوں کا ورثہ ہے، اس لیے تحریک پاکستان اور قائد اعظم کو آپ کی ظاہری و باطنی پشت پناہی حاصل رہی۔

حقائق و معارف کے بیان میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ اور آپ کی تصانیف ایمان، اسلام اور احسان کے فیضان سے لبریز ہیں۔

آپ کا وصال سفر حج کے دوران یوم عرفہ، بحالت احرام ہوا اور میدان عرفات میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ

## تصانیف

۱۔ ستر دلبراں  
آپ بڑے بلند پایہ صاحب تصنیف تھے۔ آپ کا شاہکار آپ کی کتاب ستر دلبراں ہے جو ابجد کی ترتیب سے تصوف کا انسائیکلو پیڈیا مانا جاتا ہے اس کتاب میں سلوک الی اللہ کے تمام منازل و مقامات اور اصطلاحات تصوف شرح و بسط کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں کتاب کے آخر میں تین ضمیرجات درج ہیں جو تین نزلات ستہ اور مراتب وجود پر مکمل اور جامع درس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ظاہری کمالات کے اعتبار سے کتاب اس قدر جامع ہے کہ اس میں آیات قرآن احادیث نبوی، فارسی اشعار کی علیحدہ علیحدہ انڈکسوں کے علاوہ مضامین کتاب کی انڈکس اور الفاظ کتاب کی انڈکس بھی درج ہیں۔ مختصر یہ کہ یہ کتاب معرفت حق کا آئینہ ہے اور آج تک ایسی جامع کتاب نہ عربی، نہ فارسی اور اردو زبان میں تالیف ہوئی ہے۔

۲۔ آپ کی دوسری مایہ ناز کتاب بلا وساعہ ہے جو ایک روحانی ناول کی حیثیت رکھتی ہے اس کتاب میں کمال معرفت سے آپ نے تجلیات الہی اور حسن حقیقی کے جس قدر کوششے اور محنتیں دیکھے، ان کو محبوبان مجازی کے رنگ میں ڈھال کر حسن و عشق کی قدیم داستان اور محب اور محبوب کے دائمی تعلق کو ایسے سوز و گداز، اور درد و داغ سے بیان کیا ہے کہ کتاب کو ایک ہی نشست میں ختم کیے بغیر چہن نہیں آتا۔

۳۔ قرینت العشاق۔ یہ کتاب جو تقریباً سات سو صفحات پر مشتمل ہے آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو آپ کے ظفار حضرت شاہ شہید اللہ فریدی قدس سرہ اور مصنف کتاب ہانے جمع کیے ہیں۔ اس کتاب میں نکات معرفت اور حقائق طریقت کے علاوہ عصر حاضر کے تمام اہم رموز مثل اسلام اور جمہوریت اسلام اور سائنس، اسلام اور تمدن جدید، اسلام کا اقتصادی نظام، اسلام کا معاشرتی اور تعلیمی نظام اسلام

اور کمپوزم وغیرہ تمام امور پر سیر حاصل بحث موجود ہے۔

۴۔ مضامین ذوقی اردو وانگریزی۔ یہ دو کتابیں آپ کے ان اردو اور انگریزی مضامین کا مجموعہ ہیں جو آپ وقتاً فوقتاً ملک کے مختلف اخبار و جرائد میں دیتے رہے۔ ان مضامین میں سب سے زیادہ اہم وہ ہیں جن میں آپ نے اپنے رفیق کار علامہ اقبال کے نظریہ خودی پر عارفانہ انداز میں بحث کی ہے۔ مولانا مودودی کی جماعت پر ناقدانہ نظر ڈالی ہے، وحدت الوجود اور وحدت الشہود پر بحث کی ہے محمد ماراٹویک پکتھال کے نظریہ وحدت ادیان کی خبر لی ہے۔ اور ترکی کے مشہور مسلم راہنما سعید علیم پاشا شہید کی فرانسیسی زبان میں لکھی ہوئی کتاب اسلام لشک (اسلامی نظام) کی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تصحیح فرمائی ہے۔ ان دونوں کتابوں کے دیگر مضامین بھی بے حد جاذب نظر ہیں۔ اور دور حاضر کے مسلمانوں کے لیے درس حیات کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۵۔ برزخ۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں آپ نے قرآن وحدیث اور اپنے کشف کی روشنی میں موت کے بعد آنے والے واقعات اور حالات بیان فرماتے ہیں۔

۶۔ کتب سماوی پر ایک نظر۔ اس کتاب میں آپ نے تورات اور انجیل پر ریسرچ کر کے ثابت کر دیا ہے کہ یہ دونوں کتابیں کئی بار عیسائیوں اور یہودیوں کی باہمی جنگوں میں صفحہ ہستی سے مٹ گئیں اور انسانی یادداشت سے از سر نو لکھی گئیں۔

۷۔ نیوسرچلائٹ آن ویدک ایڈینز (NEW SEARCH LIGHT ON VEDIC ARIANS)

جس میں آپ نے ہندو اور یورپین مصنفین کی کتابوں کے حوالہ جات سے ثابت کیا ہے کہ ہندو لوگ یہودی الاصل ہیں جو قرآن مجید کی پیش گوئیوں کے مطابق جہاں جاتے تھے مارا اور پٹھکار سے نوازے جاتے تھے آخر انہوں نے بھیس بدل کر ہندوستان کا رخ کیا اور یہاں کے اصلی باشندوں کو مار بھگا کر جنوبی ہند کی طرف دھکیل دیا۔ اگرچہ انہوں نے اپنا نام اور لباس بدل ڈالا لیکن عادات و خصائل نہ بدل سکے۔ چنانچہ آج تک ہندو لوگوں میں یہودیوں کی طرح ذات پات پھوت پھات گاؤ پرستی سود خواری وغیرہ خصائل پاتے جاتے ہیں۔

۸۔ القاء الہام، وحی۔ یہ ایک مختصر لیکن جامع رسالہ ہے جس میں عالم قدس کی طرف سے حق تعالیٰ

کے مقبول بندوں کو چہایات و ارشادات بذریعہ کشف حاصل ہوتی ہیں۔ بیان کیے گئے ہیں۔

۹۔ رسالہ صوفی ازم۔ انگریزی زبان میں یہ ایک مختصر لیکن جامع رسالہ ہے جس میں سلوک الی اللہ

اور فنا فی اللہ اور بقا باللہ کو قال کی زبان میں نہیں بلکہ حال کی زبان میں بیان کیا گیا ہے۔



## خلفاء

### حضرت شاہ شہید اللہ فریدیؒ

آپ کے خلفاء میں خلیفہ اکبر و اعظم حضرت شاہ شہید اللہ فریدی قدس سرہ ہیں۔ آپ کا تعلق انگلستان کے ایک معزز ترین گھرانے سے ہے۔ آپ کے والد بہت بڑے تاجر تھے۔ بلکہ انجمن تاجران کے صدر تھے۔ لندن میں عالی شان مکان کے علاوہ گھر کی ضروریات کے لیے چار موٹر کاریں تھیں۔ عیش و عشرت کا تمام سامان مہیا تھا لیکن بمصدقہ

پنج روزہ عشرت لباس پارسائی پارہ شد طاعت صد سالہ ام تاراج یک نظارہ شد

حضرت شاہ شہید اللہ اور آپ کے بھائی حضرت فاروق احمد پر عیش الہی کا ایسا جذبہ کار فرما ہوا کہ گھر بار چھوڑ کر اسلامی تعلیمات کی طرف رجوع کیا اور حضرت سید علی ہجویری۔ داتا گنج بخش لاہوری قدس کی کتاب کشف المحجوب کا انگریزی ترجمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس کے بعد حضرت نیاز بریلوی کے شعر

عشق میں تیرے کوہِ غم سر پہ لیا جو ہو سو ہو

عیش و نشاط چھوڑ کر درد لیا جو ہو سو ہو

کے مطابق آپ نے امیر گھرانے کا عیش و آرام ترک کر کے کوہِ عشق الہی میں قدم رکھا اور تلاشِ شیخ میں مصر اور شام سے ہوتے ہوئے برصغیر میں آپہنچے۔ چونکہ نواب صاحب بہاول پور سے لندن کی مجالس میں متعارف ہو چکے تھے۔ دونوں بھائی سب سے پہلے ڈیرہ نواب چھاؤنی پہنچے اور ہر شخص سے یہی سوال کرتے تھے کہ ہمیں شیخِ کامل کا پتہ بتاؤ ہم مرید ہونے اور حق تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں اس سلسلے میں دونوں بھائی تھانہ بھون بھی گئے اور مولانا اشرف علی صاحب کے پاس رہے لیکن چونکہ وہ انگریزی نہیں جانتے تھے اور یہ بھائی اردو سے ناواقف تھے اس لیے سلسلہٴ رشد و ہدایت قائم نہ ہو سکا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جہاں جس کسی کا حصہ ہوتا ہے وہیں سے ملتا ہے۔ غرضیکہ برصغیر کی خاک چھان ڈالنے کے بعد حیدرآباد دکن میں ان کی ملاقات حضرت مولانا سید محمد ذوقی شاہ علیہ رحمہ سے ہوئی اور آپ کے کمالات ظاہری و باطنی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً بیعت کر لی اور اپنی خدا داد استعداد اور سمیت مردانِ مدد خدا کے اصول کے مطابق حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے قرب و معرفت کی منازل تیزی سے طے کرنے لگے۔ لیکن قضائے الہی سے بڑے بھائی حضرت فاروق احمد علیہ رحمہ آٹھ سالہ اسلامی زندگی کے بعد

وصل باللہ ہوتے اور حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار مبارک کے قرب میں دفن ہوئے۔

حضرت شاہ شہید اللہ قدس سرہ نے ریاضات، عبادات، مجاہدات پر نہایت مستعدی سے پابند رہے اور سلوک الی اللہ کی تکمیل کے بعد عہدہ خلافت سے مشرف ہوئے۔ حضرت شیخ کے وصال کے بعد آپ نے اپنے شیخ کے مریدین اور اپنے مریدین کی روحانی تربیت کے لیے روحانی تعلیم گاہ (خانقاہ) قائم کی اور شب و روز رشد و ہدایت میں مصروف ہونے لگے۔ آپ کے مریدین میں کراچی کے علاوہ صوبہ سندھ، پنجاب اور سرحد کے ارباب شوق شامل ہوتے رہے اور ہر شخص کو اس کی استعداد کے مطابق روحانی منازل طے کراتے رہے۔ آپ بہت باکمال شیخ تھے۔ روحانی کمالات کے علاوہ آپ ظاہری علوم اسلامیہ بھی بڑی دسترس رکھتے تھے۔ برصغیر کے قیام کے چند سالوں میں آپ نے عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں مہارت حاصل کر لی اور مضامین اور کتابیں لکھیں۔ آپ نے روحانی طور پر پورا سلوک الی اللہ طے کیا۔ اور مقام قرب و معرفت الہی میں بہت بلند درجات حاصل کیے۔ معرفت الہی میں آپ کو اس قدر کمال حاصل تھا کہ بڑے بڑے مشائخ عظام کے نکات معرفت نہایت سادہ الفاظ میں بیان فرما کر تشنگان کی پیاس بجھا دیتے تھے۔ ایک دفعہ اسحق راقم الحروف کے ساتھ حضرت سیدنا غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے ایک ملفوظ "من ارد العبادۃ بعد الوصول کفر" پر ایسی نکتہ آموز گفتگو فرمائی کہ عقل دنگ رہ گئی۔ ایک دفعہ حضرت خواجہ غلام فریدی کے سرایتیکی دیوان کے ایک شعر پر ان کے سلسلہ کے ایک عالم فاضل نے حضرت شاہ شہید اللہ فریدیؒ سے استفسار کیا تو آپ نے نہایت ذوق و شوق اور جوش و خروش سے شعر کے ایسے باطنی معنی بیان فرمائے کہ وہ عالم جو صوفی باعمل بھی تھے عیش عیش کراٹھے اور کہنے لگے کہ حضرت خواجہ غلام فریدیؒ کے خاص خلفاء اور علماء اور صوفیاء میری تشفی نہ کرا سکے لیکن حیرت کی بات ہے کہ ایک انگلستان کے رہنے والے نے میرا دیرینہ عقدہ حل کر دیا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست تازہ بخش خدا تے بخشندہ!

تبلیغ و تالیف

سب سے پہلے حضرت شاہ شہید اللہ فریدی قدس سرہ نے اپنے شیخ کی کتابوں کی اشاعت کے لیے "محفل ذوقیہ" کے نام سے ادارہ قائم کیا اور ان کی تمام تصانیف کو شائع کر کے دم لیا۔ اس کے بعد آپ نے خود تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا۔

اس سلسلے میں آپ کی سب سے اہم کتاب "INNER ASPECTS OF FAITH" ہے جو نہایت ہی اعلیٰ مضامین پر مشتمل ہے۔ ایک انگریزی نو مسلم صیب اللہ جو برطانیہ میں ایک کالج کے پروفیسر تھے۔ یہ کتاب ٹھکر نہایت حیرت کے عالم میں اعتراف کیا کہ "اس سے بہتر کتاب میں نے آج تک نہیں دیکھی"۔ تالیف کے

علاوہ آپ ہر اتوار کے دن ایک مجلس مذاکرہ منعقد فرمایا کرتے تھے جس میں مریدین کی ہدایت کے لیے آپ مضامین تصوف اور دیگر اہم سوالات و معاملات پر روشنی ڈالتے تھے۔ ان ملفوظات کو آپ کے محب مریدین نے کیسٹوں میں محفوظ کر لیا ہے اور گل صدر گ کے نام سے ان اسرار و رموز کی اب آہستہ آہستہ نقاب کشائی ہو رہی ہے۔

علمی ادبی مشغولیوں کے ساتھ ساتھ آپ ہر جمعرات کو حلقہ ذکر منعقد کیا کرتے تھے جس سے مریدین کا تزکیہ نفس عمل میں آتا اور روحانی مقامات طے ہوتے تھے۔ لیکن اس شدید مصروفیت اور رشد و ہدایت خلق کے بھرپور پروگرام نے آپ کی صحت پر بہت اثر کیا اور آپ پر دل کے دورے شروع ہو گئے لیکن یہ آپ کے استقلال و ہمت کا کمال ہے کہ اس موذی مرض کے باوجود آپ نے اپنے تمام مشاغل باقاعدگی سے جاری رکھے اور آخر داعی اجل کو لبیک کہہ کر روحانی اور جسمانی طور پر واصل باللہ ہو گئے۔ آپ کا مدفن شمالی کراچی میں سخی حسن قبرستان میں ہے جہاں آپ کا سالانہ عرس منایا جاتا ہے آپ کو بھی مشائخ عظام کے عرائس اور قبور سے فیوض و برکات حاصل کرنے کا اس قدر شوق دامن گیر تھا کہ آپ تقسیم ہند سے پہلے ہر سال اجیر شریف، کلیر شریف، پاکپتن شریف عرس پر حاضر ہوتے تھے اور پورا رمضان المبارک اجیر شریف میں بسر کر کے روحانی فیوض و برکات سے مالا مال ہوتے تھے تقسیم ہند کے بعد آپ کا دستور یہ رہا کہ سال میں دو مرتبہ پاکپتن شریف حاضری دیتے ایک مرتبہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے عرس پر ماہ محرم کا پہلا ہفتہ وہاں بسر کرتے تھے اور ایک بار حضرت خواجہ بزرگ خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین حسینی اجیری کا عرس پاکپتن شریف میں منایا کرتے تھے اور اپنے مسکن خصوصی محافل سماع، مشائخ عظام کے آداب سماع کے مطابق منعقد کرایا کرتے تھے۔ اور یہ دستور آج تک جاری ہے اور بفضلہ تعالیٰ جاری رہے گا۔

آپ کے وصال کے بعد سلسلہ رشد و ہدایت حضرت شاہ سراج علی مدظلہ کے سپرد ہوا ہے۔ آپ بڑے صاحب معرفت اور متقی و پرہیزگار بزرگ ہیں۔ علوم ظاہری کے ساتھ آپ کو علوم اسلامیہ میں بھی درک حاصل ہے۔ اور تمدن جدید کے تمام امور و مسائل سے بخوبی آگاہ ہیں۔ آپ نہایت جانفشانی سے اپنے مشائخ عظام کے مسلک کے مطابق حلقہ ہائے ذکر، درس و تدریس اور عرائس و محافل اور رشد و ہدایت میں پورے انہماک سے مشغول ہیں۔ آداب مشائخ اور پابندی شریعت میں آپ کی روش ضرب المثل ہے۔

حضرت مولانا ذوقی شاہ قدس سرہ کے دیگر خلفاء یہ ہیں۔

**حضرت مولانا محمد عمر** | آپ کا تعلق بمبئی سے تھا۔ اور خلافت کے حصول کے بعد آپ بمبئی میں مریدین کی ہدایت کا کام کرتے رہے اور حضرت شیخ کی زندگی میں ان کا وصال ہو گیا تھا۔

**حضرت مولانا عبدالسلام** | آپ پہلے ہندو مذہب پر تھے بلکہ برہمن گھرانے سے آپ کا تعلق تھا۔ حضرت خواجہ غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ کے فیض نظر سے اجیر شریف آنے کا اتفاق ہوا تو نگاہ کرم ایسی ہوتی کہ مسلمان ہو گئے اور حضرت مولانا سید محمد ذوقی سے بیعت ہو کر سلوک تمام کیا۔ پہلے آپ تبلیغ اسلام کے لیے انگلستان چلے گئے وہاں سے آپ ہندوستان تشریف لے گئے اور وہیں وصال فرمایا۔ مدفن آپ کا لکھنؤ میں ہے۔

### مصنف کتاب

مصنف کتاب کو شرف بیعت اور خلافت حضرت مولانا سید محمد ذوقی شاہ قدس سرہ سے حاصل ہے۔ اگرچہ یہ احقر خلافت کے ہرگز ہرگز قابل نہ تھا۔ لیکن مثال مشہور ہے۔ صحرا میں جہاں کہیں درخت نہ ہو تو ایک چھوٹی سی خاردار جھاڑی کو بھی لوگ درخت کا نام دیدیتے ہیں پس اب خاردار جھاڑی مشائخ عظام کے حکم کے مطابق درخت کا کام دینے پر مامور ہے۔ قارئین کرام سے دعا کی استدعا ہے کہ خداوند عالم اس جھاڑی کو سرسبز اور شاداب کرے اور سایہ انگیزی اور رفاہ و ہدایت عامہ کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین!

زاہد شدہ بر بندگی خود متکبر  
روزیکہ مقدسان حسا کی مدفن!  
مغشہ بخوں آلودہ کف سے  
ماتیم و نظر بر کرم بندہ نواز سے!  
گردن باز سوار بر مرکب تن  
از خاک مہر کوئے تو خیزم من



## تالیف و تصنیف

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کے ملفوظات موسومہ "شہادۂ امدادیہ" میں آیا ہے کہ: ایں را گفتنی نیست رفتنی است۔ یعنی حق تعالیٰ تک رسائی کا راستہ گفتار سے طے نہیں ہوتا بلکہ چلنے سے طے ہوتا ہے۔ لہذا مشائخ عظام نے تصوف طریقت اور سلوک الی اللہ کے مضمون پر جو کتابیں تصنیف کی ہیں ان کے پڑھنے یا زبان پر دہرانے سے یہ سفر طے نہیں ہوتا بلکہ ان سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ منزل مقصود پر پہنچنے اور راستے کی نشان دہی کے لیے سالک راہ حقیقت کے لیے ایک نقشہ تیار ہو جاتا ہے جس کے ذریعے منزل مقصود تک رسائی آسان ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اہقر مصنف جو بارہ سال تک اپنے شیخ کمال کے زیر تربیت رہا ہے اور تقریباً چھبالیس سال سے عملی تصوف کو اپنایا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مختلف ممالک کے سالکین کی روحانی تربیت میں مشغول ہے۔ اہقر نے جو کتابیں لکھی ہیں اور مشائخ کرام کی جن کتابوں کے تراجم کیے ہیں ان کا اجمالاً ذکر کیا جا رہا ہے۔ تاکہ جن حضرات کو حق تعالیٰ تک رسائی کا شوق ہو نقشہ دیکھ کر منزل مقصود تک رسائی حاصل کر سکیں۔

## تصانیف

کتاب مصنف حسب ذیل ہیں:

- ۱۔ حج ذوقی۔ جس میں اپنے شیخ حضرت مولانا و مرشدنا سید محمد ذوقی شاہ قدس سرہ کے سفر حج کی تفصیلات اور ارکان حج کے باطنی مطالب و معانی بیان کیے ہیں۔
- ۲۔ مشاہدہ حق۔ اس کتاب میں مشائخ عظام کی راہ طریقت میں تعلیمات کا پتھر دیا گیا ہے تاکہ سالکین راہ طریقت آسانی سے سفر طے کر سکیں۔ کتاب کے آخر میں تصوف کے مآخذ کے متعلق یورپی مصنفین اور دیگر مخالفین تصوف کے غلط اور بے بنیاد الزامات کے جوابات بھی دیتے گئے۔
- ۳۔ مقام گنجشکر۔ اس میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی زندگی کے مصدقہ اور تاریخی حالات اور آپ کے ملفوظات اور تعلیمات کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ نیز تصوف اور مسلک اولیاء کرام پر غیر مقلدین کی طرف سے جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ان کا بھی قرآن اور حدیث کی روشنی میں جواب باجواب دیا گیا ہے۔ نیز بہشتی دروازہ کی حقیقت اس کی شرعی پہلو اور جواز کو بھی ثابت کیا گیا ہے۔
- ۴۔ اسلامک صوفی انہر۔ یہ کتاب شروع میں بزبان انگریزی شائع ہوئی ہے جس کا اردو ترجمہ کتاب ہذا کے ذریعے پیش کیا جا رہا ہے۔ اس میں حقیقت تصوف اور شرعی جواز کے علاوہ مخالفین اسلام اور مخالفین تصوف کی طرف سے عائد کردہ غلط اور بے بنیاد الزامات کی تردید کی گئی ہے حتیٰ کہ اسلامی اور غیر اسلامی ذرائع سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ہندو اور عیسائی ارباب روحانیت نے تصوف اور مشائخ عظام

پراثر انداز ہونے کی بجائے اٹنان سے تصوف یعنی علم روحانیت سیکھا ہے۔ اس قسم کی جامع اور واضح کتاب آج تک وجود میں نہیں آئی۔

۵۔ تربیت العشاق۔ یہ کتاب حضرت مولانا و مرشد سید محمد ذوقی شاہ علیہ رحمہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو آپ کے خلیفہ اعظم حضرت شاہ شہید اللہ فریدی قدس سرہ اور اس احقر نے جمع کیے ہیں۔

۶۔ وحدت الوجود و وحدت الشہود۔ جس میں حضرت ابن عربیؒ کے مسلک وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مسلک وحدت الشہود میں تطبیق ثابت کر کے اولیاء اللہ کے مابین ایک خیالی اختلاف کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا ہے۔ نیز حقیقت وحدت الوجود بھی بطریق احسن نہایت آسان زبان میں بیان کی گئی ہے۔

۷۔ عظمت اہل بیت رسولؐ۔ یہ بھی ایک مختصر لیکن جامع کتاب ہے جس میں ایک خارجی محمود عباسی کی ایک کتاب "خلافت معادیر و زید" کے اُن لغو اور بے بنیاد الزامات کا جواب دیا گیا ہے جو اُس نے امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور امیر المؤمنین حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف لگائے ہیں۔

۸۔ اقوام متحدہ اسلامیہ کا تصور: یہ کتاب انگریزی زبان میں لکھی گئی ہے۔ اور اس میں مسلمانان عالم کو بیدار کیا گیا ہے۔ تاکہ وہ متحد ہو کر اور اپنے وسائل کو مجتمع کر کے دنیا کی عظیم ترین قوت بن سکیں۔

محراب  
احقر اقم الحروف نے مندرجہ ذیل اہم کتب تصوف کے فارسی سے اردو میں تراجم کیے ہیں:

۱۔ مقابیس المجالس یا اشارات فریدی جو حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو پانچ جلدوں پر مشتمل تھا۔ اس کتاب پر تقریباً ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل ایک مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں سماع پر اعتراضات اور قرآن و حدیث کی روشنی میں جوابات دیئے گئے ہیں حقائق تصوف پر بڑی جامع کتاب ہے۔

۲۔ مواء الاسرار۔ مصنفہ حضرت شیخ عبدالرحمن چشتی۔ یہ کتاب آج تک غیر مطبوعہ چلی آرہی تھی اور برصغیر میں نایاب ہو چکی تھی۔ حضرت شاہ شہید اللہ فریدی علیہ رحمہ نے جانفشانی سے لندن کی میوزیم لائبریری سے اس کا ایک مائیکروفلم نسخہ حاصل کیا اور احقر کے حوالہ کیا۔ عرصہ چھ سال میں اس کا ترجمہ کر کے شائع کیا گیا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے کہ جس میں عہد نبویؐ سے لے کر گیارہویں صدی ہجری تک کے تمام اولیاء کلام اور مشائخ عظام کے حالات ملفوظات اور بلند روحانی مقامات درج ہیں۔

۳۔ جوامع الکلم جو بندہ نواز سید محمد گیسو دراز قدس سرہ کے ملفوظات اور خواجگان چشت کے بالخصوص اور دیگر مشائخ کے بالعموم حالات اور مقامات کا مجموعہ ہے تا حال یہ ترجمہ شائع نہ ہو سکا۔

۴۔ مکتوبات قدوسیہ جو مجموعہ ہے حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی کے خطوط کا جن کے ذریعے مریدین، سالکین اور خلفاء کی روحانی تربیت کی گئی ہے۔ یہ ترجمہ بھی تاحال شائع نہیں ہو سکا۔

۵۔ ملفوظات حضرت خواجہ خدابخش خیرپوری کی کتاب حضرت خواجہ خدابخش خیرپوری علیہ رحمہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو آپ کے خلیفہ حضرت مولانا عبید اللہ تلمانی نے جمع کیے۔ یہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔

۶۔ ترجمہ تلقین لدنی۔ یہ کتاب حضرت خواجہ محکم الدین سیرانی علیہ رحمہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ جن کا مزار مبارک بقام خانقاہ شریف نزد سمرطہ جنکشن ہے۔ یہ کتاب اردو اکیڈمی بہاولپور نے چھاپی ہے۔

۷۔ ترجمہ و شرح لوائح جامعی۔ یہ وہ مختصر لیکن جامع کتاب ہے جس کا بڑے بڑے مشائخ طریقت نے درس دیا ہے اور درس لیا ہے۔ یہ کتاب بفضلہ تعالیٰ امتن فارسی سمیت شائع کی گئی ہے تاکہ اصل کتاب بھی محفوظ ہو جائے اور بلند معانی بھی سمجھ میں آجائیں۔

۸۔ اقتباس الالوار: یہ کتاب سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ کے اولیائے کرام کا تذکرہ ہے اور اس کے مصنف بھی اس سلسلہ عالیہ کے ایک بزرگ سید محمد اکرم براسوی ہیں۔ یہ کتاب مشائخ کرام کی محبوب کتاب ہے اور حضرت خواجہ غلام فریدی نے اسے بادشاہ کتاب قرار دیا ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ بھی احقر نے حضرت شاہ شہید اللہ فریدی کی پرورد فرمائش پر مکمل کیا۔

۹۔ حقیقت تصوف: یہ حضرت مولانا و مرشدنا سید محمد ذوقی شاہ علیہ رحمۃ کے

انگریزی رسالہ صوفی ازم کا اردو ترجمہ ہے۔

کتاب مرتبہ | احقر اقم الحروف نے اپنے شیخ علیہ رحمہ کی مندرجہ ذیل کتب کو بھی مرتب کیا ہے۔

۱۔ مضامین ذوقی (اردو) یہ ان بلند پایہ مضامین کا مجموعہ ہے جو آپ نے وقتاً فوقتاً مختلف اخبارات، رسائل و جرائد میں شائع کیے۔

۲۔ مضامین ذوقی (انگلش) یہ آپ کے انگریزی مضامین کا مجموعہ ہے جو مختلف اخبار اور رسائل میں شائع ہوئے۔

کتاب زیر تصنیف و ترجمہ | مندرجہ ذیل کتابیں زیر تصنیف و ترجمہ ہیں۔

۱۔ فضائل جہاد ۲۔ حج العارفین ۳۔ حکایات مشنوی۔

۴۔ ترجمہ مصاد العباد، مصنفہ حضرت شیخ نجم الدین رازی ۵۔ تاریخ مشائخ چشت بزبان اردو انگریزی

۶۔ ترجمہ و شرح کشف المحجوب بزبان اردو و انگریزی۔

۷۔ پاکستان کی عظیم الشان دفاعی قوت

۸۔ انگلش ترجمہ و شرح عوارف المعارف

۹۔ انگلش ترجمہ و شرح کیمیائے سعادت

۱۰۔ لغت تصوف (انگریزی۔ اردو)

## خلاصہ کلام

سلاسلِ طرقت کی مندرجہ بالا مختصر تفصیل سے ظاہر ہے کہ اسلام کی یہ روحانی تنظیم کس قدر مکمل، مضبوط، معتبر، کامیاب اور دیرپا ہے کہ امت محمدیہ پر ہزاروں طوفان آئے اور بادیِ سموم کے تیز و تند جھونکے چلے لیکن جہاں بڑی سیاسی سلطنتیں اور تنظیمیں تباہ و برباد ہو گئیں، بڑی بڑی مذہبی تحریکیں ختم ہو گئیں، بڑے نامور مصلح اور مبلغ اپنا نام و نشان کھو بیٹھے لیکن سلاسلِ طرقت کی بنیادیں مسلمانوں کے قلوب کے اندر اس قدر گہری چلی گئی ہیں اور مشائخِ عظام کے قدم مبارک کے نقوش نے ایسی پائدار صورت اختیار کر لی ہے کہ یہ اعلیٰ و ارفع تنظیم خداوند عالم کے فضل و کرم سے اور مشائخِ عظام اور اولیاءِ کرام کی مساعی سے اب تک رواں و دوواں ہے اور تا قیام قیامت رواں و دوواں رہے گی۔

معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین اور معترضین کو اس شاندار تنظیم کا یا تو علم نہیں ہے یا اگر علم ہے تو اس کی حقیقت و اہمیت سے بے خبر ہیں۔ کیونکہ اس کے ہوتے ہوئے کوئی شخص تصور ہی نہیں کر سکتا کہ اولیائے کرام جیسے سخت متشرع متقی و پرہیزگار، بے لوث اور بے غرض بھول کر بھی دیگر مذاہب کی کافرانہ اور مشرکانہ روحانی سسٹم پر آنکھ اٹھا کر نظر کر سکتے تھے۔ کافروں سے کچھ حاصل کرنا تو بڑی بات ہے۔ مشائخِ اسلام ہمیشہ ان کے غیر اسلامی عقائد و مقامات کی مخالفت میں کمر بستہ رہے ہیں اور بڑی بڑی قربانیاں دے کر ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا ہے اور جیسا کہ نئی ریسرچ سے ثابت ہو چکا ہے کہ ان سے اثر قبول کرنے کی بجائے ان پر عظیم احسانات کر کے اپنا ممنون منت اور مرہون احسان بنا لیا ہے۔





## خانقاہی نظام

تاریخ شاہد ہے کہ تبلیغ اسلام کے میدان میں جس قدر کامیابی خانقاہی نظام کو حاصل ہوتی ہے کسی اور تبلیغی ادارہ کو نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے جہاں دیگر تبلیغی اداروں میں علاماتِ مرض کا علاج کیا جاتا رہے خانقاہی نظام میں وجوہاتِ مرض کا کھوج لگا کر اس کو جڑوں سمیت باہر نکال پھینکا جاتا ہے۔ خانقاہی نظام سے مراد اولیاءِ کرام اور مشائخِ عظام کے وہ تعلیمی تبلیغی اور تربیتی مراکز ہیں جو عالم اسلام میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے سے لے کر آج تک مختلف سلاسلِ طریقت کے اکابرین نے نسلاً بعد نسل ہر ملک میں نہیں بلکہ علاقے، ہر صوبے، ہر گاؤں اور ہر شہر میں قائم کیے اور جن کی تعداد جال کی طرح ہمیشہ پھیلتی اور بڑھتی رہی ہے اب بھی بڑھ رہی ہے اور ہمیشہ بڑھتی رہے گی۔ ویسے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام نے کسی نہ کسی حیثیت سے تبلیغ اسلام میں حصہ لیا لیکن چونکہ ہمارے ریکارڈ پر اس وقت صرف حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ سے منسوب سلاسلِ طریقت نظر آ رہے ہیں یا پھر اہل بیت کی طرف سے جتنے سلاسلِ طریقت وجود میں آئے اگر ایک ایک صحابی کے کم از کم چار خلفاء اور پھر ان خلفاء میں سے ہر ایک کے چار خلفاء اور پھر ان خلفاء میں سے ہر ایک کے کم از کم چار خلفاء کا حساب لگایا جائے تو چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں مشائخِ اسلام کی تعداد لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے۔ لیکن حقیقت کی رو سے یہ چار خلفاء کی شرح بہت کم لگائی گئی ہے بعض مشائخ کے خلفاء کی تعداد تو سینکڑوں اور ہزاروں تک پہنچ گئی ہے اور پھر ان سینکڑوں ہزاروں نے اپنے اپنے مقام پر تبلیغی اور تربیتی مراکز قائم کیے جو خانقاہ کے نام سے موسوم ہوئے۔ اسی طرح خانقاہوں اور مبلغین اسلام کی تعداد بڑھتی گئی جس کی بدولت اسلام بہت ہی قلیل مدت میں دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل گیا اور لاکھوں کمرؤوں کفار مشرف باسلام ہوتے رہے۔

خانقاہی نظام کو یہ حیرت انگیز اور عظیم المثال ترقی کس وجہ سے ہوتی ہے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس طریقہ

خانقاہی نظام کی حقیقت اور ہمیت

تبلیغ میں عام تبلیغی اداروں کی طرح صرف مجالسِ بند و نصیحت اور وعظ و تقاریر سے کام نہیں لیا جاتا بلکہ ایک اعلیٰ ہوشیاری (قیام گاہ) یا فنی تربیت گاہ کی طرح طالبین کو کئی سال پاس رکھ کر مشائخِ عظام نے نہ صرف ظاہری

علوم پڑھانے میں مصروف رکھا بلکہ ان کے کردار کی تربیت کی ذمہ داری بھی سنبھالی اور اوزار، اذکار، مشاغل، مراقبات، عبادات، ریاضات اور مجاہدات کی چچی میں ڈال کر ان کا اس قدر تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کرایا کہ مس خام کو کندن بنا دیا اور نفس کی تمام آلائشوں سے پاک و صاف ہو کر ایسے مردانِ خدا وجود میں آئے کہ ان پر ملائکہ بھی رشک کھاتیں۔ حیرت کا مقام ہے کہ ایک صوفی ہے جس کا نام یوسف بن حسین رازی ہے۔ اس پر عرب کے ایک بادشاہ کی شہزادی عاشق ہو جاتی ہے۔ کافی دن انتظار کے بعد شہزادی کو ایک رات ملنے کا موقع ملتا ہے اور وہ آکر یوسف بن حسین کے سامنے گر جاتی ہے۔ لیکن شہزادی کا حسن و جمال اور جاہ و جلال اس مردِ خدا کو بالکل مرعوب نہیں کر سکتا۔ وہ وہاں سے بھاگ کر اپنا ایمان اور عصمت بچا لیتے ہیں۔ وہ اسی رات خواب میں دیکھتے ہیں کہ ایک عظیم الشان محل ہے جس کے اندر ایک شاندار تخت پڑا ہے اور اس تخت پر ایک بادشاہ شکل کا آدمی بیٹھا ہے جس کے گرد اگر دو لوگ سر جھکانے بیٹھے ہیں۔ یوسف نے ان میں سے ایک آدمی سے پوچھا کہ تخت پر وہ کون جلوہ گر ہے اور تم لوگ کون ہو۔ اس نے جواب دیا کہ جو شخص تخت پر بیٹھا ہے وہ پیغمبرِ خدا حضرت یوسف علیہ السلام ہیں اور ہم خدا کے فرشتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو بارگاہِ رب العزت سے حکم ملا ہے کہ جاؤ اور یوسف بن حسین رازی کی زیارت کرو۔ یہ سنتے ہی یوسف بن حسین پر گریہ طاری ہو گیا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگے کہ میں کون ہوں کہ خدا کا پیغمبر میری زیارت کو آئے۔ اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام تخت سے اتر کر یوسف بن حسین کے پاس آئے اور ان سے بغلیں ہو کر اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اور فرمانے لگے کہ جس وقت اس خوبصورت شہزادی نے اپنے آپ کو تمہارے سامنے گرایا اور تم اسے چھوڑ کر بھاگ گئے تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ یوسف دیکھو ایک تم یوسف ہو جس نے زلیخا سے بچنے کے لیے اس کی طرف رجوع کیا اور ایک وہ یوسف ہے جس نے شہزادی سے بچنے کے لیے راہ فرار اختیار کی۔ لہذا حق تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ فرشتوں کے ساتھ جا کر یوسف بن حسین کی زیارت کرو اور اس کو میری یہ خوشخبری سناؤ کہ تم ولی اللہ ہو۔ یہ ہے کمال تزکیہ نفس جو زبانی پند و نصیحت سے نہیں بلکہ خالقِ ہوا اور زاریوں میں سالہا سال مجاہدات کی چچی میں پسینے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

ہمیں علمائے ظواہر پر ہنسی آتی ہے کہ ان میں سے ایک صاحب فرماتے ہیں کہ اسلامی عبادت کے ایک مختصر پروگرام کو صوفی لوگوں نے نہ جانے کیوں اس قدر مشکل بنا دیا ہے کہ رات بھر جاگ کر اور مسلسل روزے رکھ کر اپنے آپ کو سزا دیتے ہیں۔ تن آسانی کے دلدادہ لوگوں کو شاید یہ بھی معلوم نہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جیسی گناہوں سے پاک ہستی جن کو ان شرفِ انبیاء سید انبیاء اور باعث تخلیق کائنات ہونے کا شرف حاصل ہے وہ بھی ساری رات نوافل میں اس شدت سے کھڑے رہتے تھے کہ پاؤں

مبارک پرورم آجاتا تھا اور ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔ ہم سب کو معلوم ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو دشمنان اسلام کے ساتھ جہاد میں کس قدر جانفشانی، مشکلات اور مصائب کا سامنا ہوا اور اسلام کی خاطر جانیں قربان کر دیں لیکن اس جہاد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد اصغر یعنی چھوٹا جہاد قرار دیا ہے۔ جب آپ ایک لڑائی سے واپس آئے تو صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ:

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ اصْغَرَ إِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ (آج ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس آتے ہیں) جب صحابہ نے عرض کیا کہ حضور بڑا جہاد کیا ہے تو فرمایا کہ "جہاد بالنفس" یعنی اپنے نفس کے ساتھ جہاد۔ اس سے ظاہر ہے کہ نفس کے شر اور اس کی خصائل زریعہ مثل تکبر، غرور، غصہ، عداوت، عناد، حرص، لالچ، بے ایمانی، مکر و فریب جیسی ہیمانہ خصائل کا قلع مچ کرنے کے لیے جہاد بالسیف کو بھی جس میں صحابہ کرامؓ کو سرکٹوانے پڑے جہاد بالنفس کے مقابلہ میں چھوٹا جہاد کہا گیا ہے۔ مذکورہ بالا عالم نے مسلمانوں کو جس شب بیداری سے بچنے کا مشورہ دیا ان کو شاید یہ بھی معلوم نہیں کہ قرآن حکیم میں حق تعالیٰ نے تتجافی جنوبہ عن المضاجع فرما کر ان لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جو رات بھر بستروں کو چھوڑ کر یاد خدا میں مشغول رہتے ہیں۔ ایسے عالموں نے شاید قرآن کی یہ آیت بھی نہیں پڑھی یَبْتَغُونَ لَوَبَّيْهُمْ سَجْدًا وَقِيَامًا۔ جس میں حق تعالیٰ نے ان مردان مجاہد کی ستائش فرمائی ہے جو رات بھر نوافل میں مشغول رہتے ہیں۔

غرضیکہ خانقاہی نظام نے ایسے مرد مجاہد پیدا کیے ہیں کہ جو صدق و خلوص کا پیکر، حرص و ہوا سے پاک، نفسانی خواہشات سے متبرا۔ طمع و لالچ سے مصطفیٰ اور ایثار و قربانی کے نمونہ تھے۔ یہ کس کا کمال ہے دراصل یہ ان مشائخ عظام اور اولیاء کرام کا کمال ہے جو ان تربیتی مراکز کو چلا رہے تھے اور دن رات کی محنت سے جانوروں کو انسان اور انسانوں کو بہترین انسانوں اور فرشتوں میں تبدیل کر رہے تھے۔ ان مردان مجاہد اور مشائخ جاں فروش کو بسا اوقات شدید افلاس کا سامنا ہوتا تھا۔ خود بھی فاقے کرتے تھے اور اہل خانہ کو بھی بھوکوں مارتے تھے اور چھپڑوں میں ملبوس ہو کر اسلام کی شمع ہر قیمت پر برقرار اور روشن رکھنے میں کسی قربانی سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ لیکن کس قدر اندھیرا ظلم اور غضب ہے کہ یار لوگ ان ستودہ صفات بزرگوں کی ان قربانیوں کو کاہلی سستی اور جمود سے تعمیر کرتے ہیں اور مسلمانوں کو جو انحطاط اور زوال ہوا اس کا ذمہ دار خانقاہی نظام کو کھڑاتے ہیں اور یہاں تک گوہر فشانہ کرتے ہیں کہ صوفی لوگوں نے قناعت اور صبر کا سبق پڑھا کر قوم کو برباد کر دیا ہے۔ سبحان اللہ! ان کے نزدیک قناعت اور صبر جس کی قرآن و احادیث میں درخشندہ الفاظ میں تعریف ہے ان حضرات کے نزدیک مذموم ہے۔ ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ تبلیغ اسلام کا مشن ہو یا تعلیم و تربیت کا ادارہ یہ ایک ہمہ وقت پیشہ

ہے۔ اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی منصب نبوت پر یعنی ہدایت خلق کے کام کے ساتھ روزی کمانے کے لیے تجارت یا کوئی اور پیشہ اختیار فرماتے تو تبلیغ دین کا کام کیسے مکمل ہو سکتا تھا۔ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفہ اول منتخب ہو گئے تو دوسرے دن آپ حسب معمول کپڑے کے تھان کندھے پر اٹھا کر فروخت کرنے جا رہے تھے کہ حضرت عمرؓ نے دیکھ لیا اور پوچھا کہ حضرت آپ کہاں جا رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ روزی کمانے۔ حضرت عمرؓ نے کہا تو پھر خلافت کے فرائض کون انجام دے گا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ پھر بال بچوں کو کیا کھلاؤں۔ حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا کہ آپ بیت المال سے کچھ رقم لے کر گزارہ کر لیا کریں۔ چنانچہ مجبور ہو کر اسلامی سلطنت کے سربراہ نے بیت المال سے چودہ درہم (ساتھ تین روپے) کی حقیر سی رقم ماہانہ اپنے لیے مقرر کر لی جس سے مشکل وقت کا کھانا نصیب ہوتا تھا۔ ایک دفعہ آپ نے اپنی اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ میٹھا کھانے کی خواہش ہے انہوں نے جواب دیا کہ اس رقم میں تو پھیکا بھی مشکل سے ملتا ہے میٹھا کیسے تیار ہو سکتا ہے۔ لیکن پھر بھی انہوں نے روزانہ ایک پیسہ جمع کرنا شروع کر دیا جب ایک ماہ کے بعد آٹھ آنے جمع ہو گئے تو انہوں نے گڑ خرید کر میٹھا تیار کیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے پوچھا کہ یہ میٹھا کس طرح تیار کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایک پیسہ روزانہ بچاتی رہی ہوں جس سے ایک مہینے میں آٹھ آنے جمع ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا میری تنخواہ سے آٹھ آنے ماہوار کی بچت ہو سکتی ہے۔ لہذا آج سے میری تنخواہ ساڑھے تیرہ درہم ماہانہ ہوگی۔ اسی طرح حضرت عمرؓ اپنی خلافت کے زمانے میں نان جویں پر گزارہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کے ایک دوست نے دیکھا کہ جو کی روٹی کھا رہے ہیں اور ہر نوالے کے بعد اسے حلق سے نیچے اتارنے کے لیے پانی کا گھونٹ پیتے ہیں۔ انہوں نے کہا اے امیر المؤمنین آپ اسلام کی ایک اہم شخصیت ہیں جسے اپنی صحت برقرار رکھنا ضروری ہے لہذا اگر آپ گندم کی روٹی کھائیں تو اس سے کون سی خرابی واقع ہو جائے گی۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میں گندم کی روٹی کھانے کے لیے تیار ہوں بشرطیکہ تم مجھے یہ معلوم کر کے بتاؤ کہ ساری امت میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو جو کی روٹی نہیں کھاتا۔

اس تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ خواہ سربراہ مملکت ہوں یا مبلغین دین یہ کام ہمہ وقت کے پیشے ہیں اور جو بس گھنٹے لیتے ہیں۔ لہذا مشائخ عظام نے مسلمانوں کی رشد و ہدایت کا جو منصب سنبھالا انہوں نے اپنے آپ کے ساری عمر کے لیے اسلام کی خاطر وقف کر دیا جس سے نہ ان کو کوئی پیشہ اختیار کرنے کی فرصت ہوتی تھی نہ تجارت یا کھیتی باڑی کر سکتے تھے۔ اگر روزی کمانے کے لیے کوئی پیشہ اختیار کرتے تو دین متین کا کام ناممکن تھا۔ اس لیے انہوں نے فقر و فاقہ اختیار کیا۔ اپنے عزیز واقارب کو بھوکوں مارا۔ دشمنوں کے طعنے سنے لیکن تبلیغ کے کام کو نہ چھوڑا۔ اور اگر وہ لوگ اس قدر جانفشانیوں اور عظیم

قربانیوں سے خدمت دین انجام دیتے تو آنے والی نسلوں کو دین نصیب نہ ہوتا اور راستے ہی میں رہ جاتا۔  
**آج کل جرائم کا انسداد کیوں نہیں ہونے پاتا** مشائخ عظام کی قربانیوں اور ان کے مشن کی کامیابی کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے

کہ آج کل کی حکومتیں انسداد جرائم کے لیے اڑھی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں۔ حکومت کی پوری مشینری، فوج، پولیس، عدلیہ، انتظامیہ ان کی پشت پناہی کر رہی ہے۔ جا بجا سکول و کالج کھولے جا رہے ہیں۔ ریڈیو، ٹی وی پر اصلاح معاشرہ کے بہت پروگرام نشر ہو رہے ہیں لیکن جرائم ہیں کہ رکنے میں نہیں آتے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے قلوب کی اصلاح نہیں ہوتی۔ قلوب کی اصلاح تزکیہ نفس سے ہوتی ہے اور تزکیہ نفس کا کام ٹی وی اور ریڈیو سے نہیں ہوتا۔ بلکہ کثرت ذکر ہوتا ہے۔

### اولیاء کرام اور علماء کی تعلیمات میں فرق

اگرچہ علماء کی تقاریر سے

مسائل کا علم ہو جاتا ہے لیکن اس سے تزکیہ نفس کا حقد حاصل نہیں ہوتا۔ قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے جو طریقہ تزکیہ نفس بیان فرمایا ہے یہ ہے **إِنَّ نَاسِئْتُمُ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا** (تحقیق راتوں کا جاگنا نفس کشی کے لیے بہت مؤثر ہے جس سے قول مضبوط ہوتا ہے) قول کے مضبوط ہونے سے مراد قال کا حال میں تبدیل ہونا ہے۔ مولانا نے روم نے قال کو حال میں تبدیل کرنے کا کیا عمدہ نسخہ بتایا ہے جو مندرجہ بالا اصول قرآن کے عین مطابق ہے، فرمایا ہے

قال را بگذار و صرّحاً قال شو پیش مرد کاملے پامال شو،

زبانی قیل و قال کو چھوڑ دو اور اپنے اندر حال پیدا کرو۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی انسان کامل کی خدمت میں جا کر اس کے پاؤں کی خاک بن جاؤ۔ کیونکہ مرد کامل کے بغیر نہ کسی کو راہ حقیقت کے نشیب فراز کا علم ہوتا ہے اور نہ نفس و شیطان کے شر سے محفوظ رہنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ خداوند عالم ایک رسائی اسی مرد مومن کی راہنمائی سے ہو سکتی ہے جو خود عملی طور پر ان راستوں سے گزر چکا ہو۔ قرآن حکیم کے حکم کو **لَا تَمَسُّهُ الصَّادِقِينَ** (صادقین یعنی اولیاء اللہ کی صحبت اختیار کرو) میں وہی مرد کامل کی راہنمائی کی ضرورت کی طرف اشارہ ہے۔ علمائے ظواہر اور اولیاء کرام کے طریق کار میں یہ فرق ہے کہ جہاں علماء کرام شربت کے بے شمار فوائد پر شاندار تقریریں کر کے لوگوں کو اس کی خوبی سے آگاہ کرتے ہیں۔ اولیاء کرام تقریر کی بجائے خود شربت پیاسے کے حلق میں ڈال کر اسے سیراب کر دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ پیاسے کی پیاس تقریر سے نہیں شربت پینے ہی سے بجھتی ہے۔ اولیاء کرام سا لکین و طالبین کو سامنے بٹھا کر **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کی ضربیں ان کے قلوب پر لگواتے ہیں جن سے قلوب زندہ ہو کر ذکر ہو جاتے ہیں۔

چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے ہر وقت ان کے قلب ذکر الہی میں مصروف رہتے ہیں قرآن عظیم کی آیت **يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ** (مردانِ خدا وہ ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور سوتے ہوئے ذکر الہی میں مشغول ہیں) سے یہی دائمی ذکر مراد ہے۔ نیز فرمایا کہ میرے بندے میرے دائمی ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔ چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقے کے مطابق اولیاء کرام نے اسلامی دنیا میں سلاسلِ طریقت کی عالمگیر تنظیم اور خالق ہی نظام کے جابجا مراکز کی بدولت جو خلق خدا کے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کا عمل جاری کیا اس کی دنیا میں مثال نہیں ملتی۔ اس تنظیم سے عوام کے دلوں میں خوفِ خدا پیدا ہو گیا۔ تزکیہ نفس سے خصائلِ رذیلہ مثل تکبر، عداوت، عناد، حرص و ہوس کا خاتمہ ہوا اور باہمی محبت، ایثار، ہمدردی، یہی خواہی اور خوش خلقی اور خوش معاشرگی کی ایسی فضا پیدا ہوئی کہ درندہ صفت لوگ فرشتے بن گئے۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے زمانے میں عوام صوم و صلوات اور نیک کاموں کے اس قدر عادی ہو گئے تھے کہ نماز کے وقت مساجد بھر جاتی تھیں۔ اور لوگ اشراق پڑھ کر مساجد سے باہر آتے تھے۔ جس کی وجہ سے صبح کے وقت دودھ دہی بیچنے والوں کی عورتیں اور بچے دکانیں سنبھالتے تھے کیونکہ مرد لوگ مساجد میں ہوتے تھے۔ سلاسلِ طریقت اور خالق ہی نظام تبلیغ میں بیعت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اگرچہ

### بیعت

بیعت فرض نہیں ہے سنت ہے تاہم اسے فرض عسی حیثیت حاصل ہے قرآن حکیم میں بیعت کا حکم تو وارد نہیں ہوا لیکن بیعت کی جابجا تعریف آئی ہے اور اس کے فوائد بیان کیے گئے ہیں مثلاً ایک آیت میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ **إِنَّ الَّذِينَ يَبَايِعُونَكَ أَتَيْبًا يَعُونَ اللّٰهَ بِدَائِهِمْ** (جو لوگ اے پیغمبر آپ کے ساتھ بیعت کرتے ہیں خدا کے ساتھ بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے) دیکھیے بیعت کو قرآن حکیم میں کس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ رسول خدا صلعم کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا گویا خدا کے ہاتھ پر بیعت کر رہا ہے۔ نیز فرمایا **إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةَ** (تحقیق خرید لی اللہ نے مسلمانوں سے جانیں ان کی اور مال ان کے اور اس کے بدلہ میں ان کے لیے جنت ہے) بیعت کے معنی بھی بیچنے کے ہیں۔ یعنی اسلام کے لیے اپنی جانیں وقف کر دینا۔ ایک اور آیت میں بیعت کی یوں تاکید وارد ہوئی ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ** (اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس تک پہنچنے کے لیے وسیلہ تلاش کرو) نیز فرمایا **أُولَئِكَ الَّذِينَ يَبْتَغُونَ إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ أَقْرَبَ**۔ (مفسرین متقین و اکابرین امت کے نزدیک وسیلہ سے مراد تو تسل مشد ہے۔ شاہ عبد الرحیم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز

محدث دہلوی نے وسیلہ کے یہی معنی لیے ہیں۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ شاہ اسماعیل شہید جن کو بعض لوگ وہابی سمجھتے ہیں اور بعض لوگ جو بیعت کی مخالفت میں سرگرم ہیں۔ شاہ اسماعیل شہید کو اپنا پیشوا اور امام مانتے ہیں وہی شاہ اسماعیل اپنی کتاب منصب امامت میں مندرجہ بالا دونوں آیات میں وسیلہ سے مراد مرشد اور شیخ کامل لیتے ہیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:-

”و مراد از وسیلہ شخصے است کہ اقرب الی اللہ باشد در منزلت (وسیلہ سے مراد وہ شخص ہے جو مرتبہ میں حق تعالیٰ سے قریب ترین ہے) واقرب الی اللہ باعتبار منزلت اول رسول است بعد ازاں امام کہ نائب اوست (اور منزلت کے اعتبار سے سب سے پہلا درجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور ان کے بعد امام کا جو ان کا نائب ہوتا ہے)

اس لیے بعض حضرات نے بیعت کو واجب کہا ہے اور گروہ کثیر کے نزدیک بیعت سنت ہے اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر اس وقت تک متواتر اور متواتر چلی آ رہی ہے۔

**اقسام بیعت**  
بیعت کی کئی اقسام ہیں۔ بیعت اسلام، بیعت خلافت، بیعت ہجرت، بیعت جہاد، بیعت تقویٰ، بیعت تسک بالسنۃ، بیعت زیادتی شوق عبادت، بیعت تصوف و طریقت۔ وہ امور جو تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب سے تعلق رکھتے ہیں اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ بنتے ہیں۔ بیعت طریقت میں شامل ہیں۔ جس کا ہمیشہ سے رواج چلا آ رہا ہے۔ لیکن جب سلاطین بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانے میں لوگ اکابرین اسلام کے ہاتھوں پر بیعت طریقت کرتے تھے تو سلاطین ان سے حسد کرتے ہوئے اکابرین کو طرح طرح کی تکالیف پہنچانے لگے۔ طریقت کا کام خفیہ ہونے لگا۔ پہلی صدی میں تصوف کے مروج نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سلاطین کے شکوک و شبہات سے محفوظ رہنے کی خاطر اس چیز کو زیادہ شہرت نہ ہو سکی۔

**ضرورت شیخ:** سنت اللہ یوں جاری ہے اور فطرت انسانی یوں وضع کی گئی ہے کہ جس کام

سے ناواقف ہوتا ہے۔ اس کے سیکھنے کے لیے استاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ کتاب اللہ کی موجودگی میں شیخ کی کیا ضرورت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کتاب اللہ کے ہوتے ہوئے معلم کتاب یعنی نبیؐ کی کیا ضرورت تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جبریلؑ کے ذریعے کتاب نازل کر کے حکم دے دیتے کہ اس پر عمل کرو اور فلاح پاؤ۔ اسی طرح طب کی کتابوں کے باوجود علم طب سیکھنے کے لیے ایک طبیب اور ڈاکٹر کی ضرورت ہوتی ہے۔ غرضیکہ دنیا میں کوئی فن ایسا نہیں ہے جس میں ماہر فن معلم یا استاد کی ضرورت نہ ہو۔ دین بھی ایک فن ہے جو ماہر فن کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ فن دین

اور خاص کر روحانیت تو اور بھی زیادہ مشکل ہے کیونکہ جہاں دوسرے فنون میں مشہورات اور محسوسات سے واسطہ پڑتا ہے۔ فن روحانیت میں غیر محسوس اور غیر مشہود حقائق سے سابقہ پڑتا ہے۔ جہاں منزل مقصود یعنی ذات باری تعالیٰ بھی مخفی ہے۔ انسان کا اپنا روح بھی مخفی ہے، دوزخ بہشت، ملائک، نفس و شیطان جن سے راہ حقیقت میں سابقہ پڑتا ہے وہ بھی غیر مشہود اور غیر محسوس اور مخفی ہیں۔ لہذا راہ حقیقت کے متلاشیوں کے لیے ہادی، استاد اور راہبر کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے اور ایسے استاد کی ضرورت ہے جو غیر مشہود اور غیر محسوس حقائق کو ذر بصریت سے دیکھ سکے۔ اب ہمیں یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ ایک روحانی طبیب یا شیخ طریقت کے لیے کن صفات کی ضرورت ہے تاکہ اپنا کام چلا سکے۔

**اوصاف شیخ** | حق تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے۔ **وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ** (ایسے شخص کی پیروی کرو جو میرا ہو گیا ہے) نیز فرمایا **لَا تَطْعَمِنْهُمْ شَيْئاً** (ایسے شخص کی پیروی نہ کرو گناہ گار اور کافر ہے) نیز فرمایا **وَلَا تَطْعَمِنْهُمْ شَيْئاً** (اور مت کھانا اس شخص کا جس کا قلب ہمارے ذکر سے غافل ہے اور خواہشات نفس کے تابع ہے اور حد سے گزر چکا ہے)۔ نیز فرمایا **قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي** (کہہ دو میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں اللہ کی جانب بلاتا ہوں روحانی بصیرت (نگاہ) کی بنا پر۔ اور جو میرا اتباع کرنے والے ہیں۔

ان آیات کی روشنی میں اکابر مشائخ نے شیخ طریقت کے لیے یہ اوصاف مقرر کیے ہیں۔

- ۱۔ شریعت کا پابند ہو۔
- ۲۔ گناہوں سے پرہیز کرے۔
- ۳۔ روحانی بصیرت رکھتا ہو۔
- ۴۔ اللہ کا ہو چکا ہو۔
- ۵۔ صاحب نسبت ہو یعنی جس کا سلسلہ طریقت صحیح طور پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچتا ہو اور رشد و ہدایت کی اجازت حاصل کر کے خلافت حاصل کر چکا ہو۔ آیہ مبارک **وَدَاعِيَآ إِلَى اللَّهِ بِذَنبِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا** (اور بلاتا ہے اللہ کی طرف اللہ کی اجازت سے اور چراغ روشن ہے) میں اسی اجازت کی ضرورت ہے جو شیخ کامل اپنے کامل مرید کو عطا کرتا ہے۔
- ۶۔ سراجاً منیراً کا مطلب یہ بھی ہے کہ شیخ کی نسبت متعدی ہو یعنی وہ شخص جس کے اندر دوسروں کو فیض پہنچانے کی استعداد ہو۔ لازمی نسبت والا آدمی اپنی ذات سے تو اچھا ہوتا ہے لیکن دوسروں کو اچھے



سانچے میں نہیں ڈھال سکتا۔ اس لیے مندر ارشاد کے قابل نہیں ہوتا۔ جو لوگ مندرجہ بالا اوصاف سے متصف نہیں خواہ وہ کتنے ہی بڑے گھرانوں اور خاندانوں سے تعلق رکھتے ہوں اور کتنے بڑے بزرگوں کی اولاد ہوں وہ اس قابل نہیں کہ ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے انہیں پیشوائے شریعت و طریقت بنایا جائے۔

نہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند نہ ہر کہ آئینہ ساز و سکندری داند  
نہر کہ طرف گلہ کج نہاد و تند نشست کلاہ داری و آئین سکندری داند  
ہزار نکتہ باریک ترز و اینجاست نہر کہ سر بہتر اشد قلندری داند،

مندرجہ ذیل صورتوں میں تجدید بیعت ہو سکتی ہے:-

### تجدید بیعت

۱- شیخ کا وصال ہو گیا ہو اور مرید کا سلوک نا تمام رہ گیا ہو۔ اور مرید میں یہ قابلیت بھی پیدا نہیں ہوئی کہ شیخ کے مزار پر حاضر ہو کر لقبیہ سلوک طے کر سکے۔ اس کے لیے تجدید بیعت نہ صرف جائز ہے بلکہ فرض ہے۔

۲- شیخ لاپتہ ہو گیا ہو۔ کسی ریل گاڑی یا سفر میں بیعت کے بعد مرید کو معلوم نہ ہو سکے کہ شیخ کہاں ہے۔  
۳- بیعت کے بعد اگر معلوم ہو جائے کہ جس کے ہاتھ بیعت کی تھی وہ صاحب نسبت نہیں یا جو شرائط شیخ میں ہونا ضروری ہیں وہ ان میں نہیں یا وہ صحیح طور پر مجاز نہیں یا مجاز ہے تو ناقص ہے اور اجازت اسے اس امید پر مل چکی ہو کہ وہ جلد کمی پوری کرے گا۔ لیکن کافی مہلت کے بعد بھی کمی پوری نہیں کر سکا تو مرید کو فسخ بیعت کا حق حاصل ہے۔ اگر وہ شخص صاحب نسبت نہیں تو بیعت ہی واقع نہیں ہوتی لہذا فسخ بیعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مودوئی شجادہ نشینی اور مقدمہ بازی کے ذریعے خلافت اور سجادگی حاصل کرنا ہی قبیل سے ہے۔

۴- جب شیخ کی جانب سے کسی مرید کے ساتھ مسلسل اور متواتر بے التفاتی برتی جائے اور مرید کی تربیت معنوی نہ ہوتی ہو تو وہ دوسرے شیخ کی طرف رجوع کر سکتا ہے اور دوسرے شیخ کے لیے جائز ہے کہ اسے بیعت کر کے اسی تربیت کی جانب متوجہ ہو۔

۵- اگر بچپن اور بے سمجھی کے زمانے میں اپنے والدین کے حکم سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو یہ بیعت تبرک کہلاتی ہے۔ بالغ ہونے اور سمجھ پیدا ہونے پر اگر وہ شخص سلوک طے کرنے کی غرض سے کسی دوسرے بزرگ کی طرف اپنے آپ کو مائل پاتا ہے تو اسے اختیار ہے کہ بیعت کرے۔



تصوف میں ادب کی بہت اہمیت ہے۔ التصوف کلمہ ادب (تصرف) | آداب مریدی

ادب کا نام ہے، مولانا رومؒ نے فرمایا ہے کہ

از خدا خواہیم توفیق ادب بے ادب محروم ماند از فضل رب

شیخ سہی تعالیٰ کے اسم کا ہادی کا مظہر ہوتا ہے اس لیے شیخ کے ساتھ ہر صورت میں ادب ملحوظ رکھے۔ آداب مریدی کی فہرست طویل ہے۔ کتاب آداب المریدین مصنفہ بندہ نواز سید محمد گیسو درازی کی طرف رجوع کیا جائے جو خاتمہ تصوف کے نام سے الکتاب لاہور سے چھپی ہے۔

از صد سخن پیم یک نکتہ مرا یاد است

عالم نشو ویران تباہ گد اباد است



## زیارت قبور

سلاسل طریقت اور خانقاہی نظام میں زیارت قبور کو بھی کافی اہمیت حاصل ہے لیکن آج کل زیارت قبور ایک اختلافی مسئلہ بن چکا ہے۔ حالانکہ متعدد احادیث میں زیارت قبور

کی تاکید آئی ہے۔ سب سے پہلے تو وہ احادیث ہیں جن میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اپنی قبر مبارک کی زیارت کی تاکید ان الفاظ میں فرمائی ہے کہ جس نے حج کے وقت میری قبر کی زیارت کی میری شفاعت اس پر واجب ہو جاتی ہے۔ ایک اور حدیث میں فرمایا کہ جس نے میری قبر کی زیارت نہ کی۔ میرے ساتھ بدسلوکی کی بعض احادیث میں قبر کا لفظ نہیں آیا بلکہ یہ فرمایا ہے جس نے میری زیارت کی تو اس پر میری شفاعت واجب ہو گی۔ جن احادیث میں قبر کا لفظ نہیں ہے اور ”میری زیارت“ کا لفظ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جو حیاۃ النبی ہیں جو شخص بھی وہاں جاتا ہے اگر آنکھیں رکھتا ہے تو زیارت سے مشرف ہوتا ہے۔ اگر وہ باطنی بصیرت سے محروم ہے تو پھر نابینا اصحاب کرام کی مانند ہے کہ نبوت کے فیضان سے متمتع ہوتا ہے لیکن دیکھ نہیں سکتا۔ حیاۃ النبی ایسا مسئلہ ہے کہ جس پر کسی فرقے کو اختلاف نہیں ہے اس بات پر تمام فرقوں کا اتفاق ہے کہ روضہ اقدس پر جو کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود سلام کہے تو آپ سنتے ہیں اور اگر دروازے ملکوں سے درود سلام کہے تو فرشتے یہ سلام آنحضرت تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے جو شخص روضہ اقدس پر حاضر ہو کر درود و سلام پیش کرتا ہے تو باطنی طور پر وہ حضور اقدس صلعم کی صحبت سے مشرف ہو جاتا ہے اور سلام کا جواب بھی حاصل کرتا ہے کیونکہ سلام کا جواب دینا فرض ہوتا ہے۔

ان احادیث کے علاوہ بے شمار ایسی احادیث موجود ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر جمعہ کے دن قبرستان جانے اور زیارت قبور کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اس کے ساتھ آداب زیارت بھی بیان فرماتے ہیں جو یہ ہیں۔ قبروں پر جا کر کہے السلام علیکم یا اہل القبور جس کا جواب اہل قبور دیتے ہیں۔ لیکن حدیث میں آیا ہے کہ یہ جواب سوائے جن اور انسان کے ہر چیز میں دیتے ہیں۔

حضرت امام ابن تیمیہ کے معروف شاگرد حضرت حافظ ابن قیم نے کتاب الروح میں زیارت قبور اور اہل قبور کے جوابات پر متعدد احادیث نقل کی ہیں۔ اس میں یہ بھی احادیث کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب کسی شخص کی حالت خراب ہوتی ہے تو اس کے والدین کو قبر میں معلوم ہو جاتا ہے اور وہ اس سے غمزدہ ہوتے ہیں اور جب کسی کی حالت اچھی ہوتی ہے تو والدین خوش ہوتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ عام اصحاب قبور بھی زندہ ہیں۔ اگر مردہ ہوتے تو سلام و جواب کیسے ہوتا اور ان کو اچھی یا بری حالت کا علم کیسے ہوتا۔ کتاب مذکور میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے مردہ والدین یا عزیز و اقارب کے لیے دعا کرتا ہے تو وہ بھی اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال شہادتے اہل کی

قبر کی زیارت کے لیے صحابہ سمیت تشریف لے جایا کرتے تھے اور اسی دن تشریف لے جاتے تھے۔ جس دن غزوہ احد واقع ہوا۔ اس سے وصال کے دن مزارات پر جانے کا ثبوت بھی ملتا ہے جس کو عرس کہا جاتا ہے لفظ عرس ماخوذ ہے حدیث نم کنوۃ العروس (سوجاؤ عروس کی نیند) سے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب خدا کا دست وصال پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو حکم ہوتا ہے کہ اب دولہا کی نیند سو جاؤ۔ عروس سے لفظ عرس نکلا ہے جو حضرات زیارت قبر کو ناجائز قرار دیتے ہیں وہ اس حدیث کا حوالہ دیتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لَا تَشُدُّ رِجَالَ الْأَيْتَانِ الْمَسْجِدِ (تین مساجد کے سوا کسی سفر کے لیے اونٹ پر کجاوے مت کسو) حالانکہ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ سوائے تین مساجد یعنی کعبہ اللہ مسجد نبوی مسجد اقصیٰ کے سوا کوئی سفر ہی اختیار نہ کرو۔ اگر یہی معنی ہیں تو پھر ہر سفر حرام ہوتا۔ خواہ تحصیل علم کا سفر ہو۔ تجارت کا سفر ہو۔ والدین کو ملنے جانا ہو۔ بزرگوں کو ملنے کا سفر ہو وغیرہ۔ اس حدیث کا جو مقصد ہے وہ یہ ہے کہ صرف ان تین مساجد میں نماز پڑھنے کا باقی مساجد سے زیادہ ثواب ملتا ہے۔ یعنی کعبہ شریف میں ایک رکعت پڑھنے سے ایک لاکھ رکعت کا ثواب ملتا ہے۔ مسجد نبوی میں ایک رکعت کے عوض پچاس ہزار رکعت کا اور مسجد اقصیٰ میں پچاس یا پچیس ہزار رکعت کا ثواب ملتا ہے۔ دنیا کی باقی کسی مسجد میں یہ خصوصیت نہیں ہے۔ زیارت قبر کے مخالف حضرات چند قرآنی آیات سے بھی زیارت قبر کی ممانعت ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً ایک آیت میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تَسْمِعُ الْقَبْرِۗ وَالَّذِي يَدْعُوۡهُمۡ اِذَاۤ اُلُوۡا۟ مُذۡبِقٰٓیۡنَ۔ (آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے کیونکہ جب آپ ان کو مخاطب کرتے ہیں تو وہ پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں) اول تو اس حدیث زیارت قبر ممنوع نہیں مگر سماع موتی کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ مخالفین حضرات کہتے ہیں کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ قبروں والے مردے ہماری آواز نہیں سن سکتے حالانکہ بے شمار احادیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب تم اہل قبر پر سلام کرتے ہو تو وہ سن کر جواب بھی دیتے ہیں۔ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ جب یہ حضرات مندرجہ بالا آیت نقل کرتے ہیں تو اس کا پہلا حصہ بیان کرتے ہیں لیکن دوسرا حصہ عمداً چھوڑ دیتے ہیں اگر پوری آیت پڑھی جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اے نبی! آپ مردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتے ہیں کیونکہ جب آپ ان سے بات کرتے ہیں تو وہ پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں لہذا اگر لفظ لَا تَسْمِعُ مَوْتًا سے فی الواقع اہل قبر مراد ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے قبرستان میں جا کر مردوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے اور یہ سن کر مردے پیٹھ پھیر کر چلے جاتے تھے۔ کس قدر مضحکہ خیز بات ہے۔ اس آیت مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ اے نبی! اللہ جب آپ کفار کو جن کے دل مردہ ہو چکے ہیں اور جو مردوں کی مانند ہو چکے ہیں۔ دعوت اسلام دیتے ہیں تو وہ پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کفار کو مخاطب کرتے تھے۔ وہ تو پیٹھ پھیر کر چلے جاتے تھے۔ اسی طرح کفار کو ایک آیت میں اندھا

بہرہ اور گونگا کہا گیا ہے۔ حالانکہ اُن کی آنکھیں بھی تھیں کان بھی تھے زبان بھی رکھتے تھے اور اچھی طرح دیکھ سکتے تھے سُن سکتے تھے اور بول سکتے تھے۔ ان کو اندھا بہرہ اس لیے کہا گیا ہے کہ ان کے دل اندھے ہو چکے تھے۔ اس آیت اور تشددِ جال والی حدیث کے سوانہ قرآن میں زیارتِ قبور کی کہیں ممانعت آئی ہے اور نہ ہی صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین نے کبھی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور شہدائے اسلام کی قبور کی زیارت کو کبھی ترک کیا۔ اور لطف یہ کہ زیارتِ قبور کے لیے صرف اونٹوں کا سفر حرام قرار دیا جا رہا ہے اگر کوئی پیدل چل کر جائے تو حلال ہے۔ یہ ہے ان حضرات کا فتویٰ۔ کیونکہ حدیث مذکور میں کجاوہ کا لفظ ہے۔ ایک دفعہ جب مخالفین زیارتِ قبور نے ایک بہت بڑے عالم سے کہا کہ جب حدیث تشددِ الجال میں تو صرف تین مساجد کا سفر جائز ہے لیکن رسولِ خدا صلعم ایک چوتھی مسجد یعنی مسجدِ قبا کی زیارت کے لیے کیوں اونٹوں پر سوار ہو کر تشریف لے جاتے تھے۔ اس سوال کا انہوں نے یہ جواب دیا کہ مسجدِ قبا کا بھی کوئی سفر ہے جس میں نہ کھانے کا سامان ساتھ لے جاتے تھے نہ پینے کا پانی۔ سبحان اللہ کیا جواب ہے۔ ایک نشدہ و نشدہ پہلے یہ فتویٰ صادر فرمایا کہ پیدل جانا حرام نہیں بلکہ اونٹ کا سفر کر کے قبور پر جانا حرام ہے اگر پیدل جاتے تو حلال ہے۔ اب یہ فتویٰ بل گیا کہ اونٹ کا سفر بھی حلال ہے صرف دانہ پانی ساتھ لے جانا حرام ہے۔ معلوم نہیں منطق کا کیوں اس بے دردی سے خون کیا جا رہا ہے اور آیاتِ قرآن اور احادیث صحیحہ کے اس قدر مضحکہ خیز مطالب کیوں نکالے جا رہے ہیں خدا بہتر جانتا ہے۔ زیارتِ قبور کو سعودی عرب کی سخت گیر حکومت نے بھی منع نہیں کیا۔ کیونکہ ہر سال لاکھوں مسلمان روضہ رسول پر حاضر ہوتے ہیں۔ جنت البقیع میں قبور کی زیارت کرتے ہیں۔ جنت العالی میں قبور کی زیارت کرتے ہیں۔ شہداء اعدا و بدر کی زیارت کرتے ہیں اور فاتحہ اور سلام پڑھتے ہیں۔ برصغیر میں اتنی سختی کیوں روا رکھی جاتی ہے سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر ذرا طرف مزاج ٹھنڈے ہوں تو صلح ہو سکتی ہے۔

## زیارتِ قبور کے فضائل و برکات

زیارتِ قبور کے فضائل و برکات کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے  
**زیارتِ قبور و احادیثِ نبوی**  
 کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں نہ صرف اس کی تائید فرمائی ہے بلکہ بار بار مسلمانوں کو اپنی قبر مبارک پر بلا کر اتنی تاکید فرمائی ہے کہ واجبات اور سنتِ مکرہہ کی شان نظر آتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول یا فعل بے بہا حکمتوں کا خزانہ اور فضائل و برکات کا منبع ہوتا ہے آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ حضور اقدس صلعم نے بار بار تاکید فرمایا کہ جو حج پر آئے اور میری قبر کی زیارت کو نہ آئے تو اس نے میرے ساتھ بڑا بخل کیا۔ ایک حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی میری شفاعت اس پر واجب

ہوگئی۔ ایک حدیث میں حضور اقدسؐ نے قبر کا لفظ بھی استعمال نہیں فرمایا اور یہ فرمایا ہے کہ جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے میرے ساتھ بد خلقی کی۔ لفظ قبر استعمال نہ کرنے میں بھی بڑی حکمت پوشیدہ ہے کیوں کہ تمام مسلمان روحانی بصیرت سے خالی نہیں ہوتے۔ اُمت میں اہل بصیرت بھی بہت ہیں۔ جن کو زیارت کے وقت نہ صرف قبر نظر آتی ہے بلکہ صاحب قبر کے جمال باکمال سے بھی مشرف ہوتے ہیں۔ آئندہ صفحات میں ہم کثرت سے ان کی اصحاب بصیرت کے شواہد اور مشاہدات بیان کریں گے جن کو حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے چشم باطن عطا فرماتی ہے۔ ہم آگے چل کر یہ بھی تفصیل سے بیان کریں گے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ظاہری و باطنی کمالات کا کسی حد تک حسب استعداد آپ حضور کے خلفاء اور ورثا میں بھی ہونا ضروری ہیں اس لیے علماء و مشائخ کی قبور بھی اسی طرح منیع فیوض و برکات ہوتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ چند ایک احادیث میں زیارت قبور کی ممانعت آئی ہے لیکن یہ احادیث بہت اوائل کے زمانہ کی ہیں جب مسلمان اپنے

## احادیث ممانعت

کافر آباد و اجداد کی قبروں پر جایا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ کافروں کی قبروں پر ہمیشہ خدا کی لعنت اور پھٹکا برستی ہے اس لیے حضور اقدسؐ نے مسلمانوں کو وہاں جانے سے منع کر دیا۔ لیکن بعد میں جب بڑھے مسلمان رحلت کرنے لگے تو آپ نے ان کے عزیز و اقارب کو ان کی قبروں کی زیارت کی اجازت دے دی کیونکہ مسلمانوں خاص کر حضور کے اصحاب کی قبروں پر تو رحمت اور برکت کی بارش ہوتی ہے۔ چنانچہ حضور اقدسؐ خود بھی بارہا شہداء احد کی قبور پر تشریف لے جاتے تھے جنت البقیع جاتے تھے اور مسلمانوں کو بھی جانے کی تاکید فرماتے تھے زیارت قبور ہی وہ اکیلا مسئلہ نہیں ہے جس کی پہلے ممانعت ہوئی بعد میں اجازت دی گئی۔ بلکہ دیگر کئی چیزیں ایسی ہیں مثلاً شراب نوشی بھی پہلے جائز تھی بعد میں ممنوع ہوگئی۔ لہذا اگر صحابہ کرام کے تذکروں میں ممانعت سے پہلے کے حالات میں اگر کوئی سوانح نگار تحقیق کر کے یہ لکھ دے کہ فلاں صحابی کے گھر میں شراب کے ٹمکے موجود تھے تو کیا اس سے کوئی بے وقوف یہ الزام لگا سکتا ہے کہ فلاں صحابی شرابی تھا۔ ہرگز نہیں۔

یہ ایک نہایت ہی اہم مسئلہ ہے اس لیے زیارت قبور کے فضائل و برکات ہم اپنے ذاتی مشاہدات اور

## زیارت قبور کے فضائل و برکات

تجربہ جات کی بنا پر بیان نہیں کریں گے بلکہ ان بلند پایہ اور مستند علماء کرام اور اکابر دین کے شواہد پیش کرینگے جن کے متعلق کسی فرقے یا جماعت کے لوگوں کو کوئی اختلاف نہیں اور سب ان کی بزرگی اور حق بیانی کو تسلیم کرتے ہیں۔ ان حضرات میں سے سب سے پہلے ہم بڑھئی کے بزرگ حضرت شاہ ولی محمدؒ دہلوی علیہ الرحمہ کے شواہد پیش کرتے ہیں جو بڑھئی کے تمام فرقوں یعنی دیوبندیوں، بریلویوں، اہل حدیث اور جماعت اسلامی کے

زودیک غیر اختلافی اور مانی ہوئی شخصیت ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ماہر فن حدیث ہیں۔ بز صغیر میں علم حدیث کی تدریس سب سے پہلے باقاعدہ طور پر حضرت شاہ ولی اللہ علیہ رحمۃ کی بدولت ہوئی۔ آپ جس طرح علوم ظاہری یعنی تفسیر حدیث، فقہ، لغت، صرف و نحو، معانی، بیان وغیرہ سے آراستہ ہیں اسی طرح آپ علوم روحانیت، حقیقت و معرفت سے بھی مزین ہیں۔

سب سے پہلے ہم آپ کی کتاب "فیوض الحرمین" کے اقتباسات پیش کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو حدیث طیبہ کے قیام کے دوران حضور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس سے یعنی روحانیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر فیوض برکات حاصل ہوئے۔ کیونکہ آپ کا زمانہ ماضی قریب کا زمانہ ہے جس میں کسی دھندلکے اور شک و شبہات کی گنجائش نہیں اب چونکہ حدیث پاک العلماء و رشتہ الانبیاء (علماء و اہل بیت) میں انبیاء علیہم السلام کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری علوم اور باطنی حقائق و معارف و منازل و مقامات میں سے آپ کے خلفاء اور ورثہ کو کچھ نہ کچھ حسب استعداد حصہ ملنا ضروری ہے اس وجہ سے کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور آپ کی پردہ پوشی کے زمانوں میں آپ کا منصب آپ کے خلفاء و ورثہ کی ذمہ داری ہے اس لیے دنیا میں جتنے اولیاء کرام اور مشائخ عظام کے مزارات ہیں ان سے بھی طالبانِ حق کو بقدر استعداد فیوض و برکات حاصل ہوتے آتے ہیں جن کی تفصیل ہم ان کی اپنی جگہ پر پیش کریں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی "فیوض الحرمین" کے شروع میں لکھتے ہیں:-

"عبد ضعیف ولی اللہ بن عبد الرحیم دہلوی کہتا ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھے حج بیت اللہ اور زیارت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ۱۱۲۳ھ میں توفیق عطا فرمائی اور اس سے اعلیٰ نعمت یہ حاصل ہوئی کہ میرا حج مشاہدہ اور معرفت الہی کے ساتھ ہوا۔ کوئی حجاب اور کسی قسم کی رکاوٹ پیش نہیں آئی اور اسی طرح زیارت رسول بھی زیارت مبصرہ ہوتی۔ اندھوں والی زیارت نہ ہوتی۔ سو یہ زیارت شریف میرے تمام نعمتوں سے فائق ہے۔ اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ ان تمام مشاہدات کے جو امرا جو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے القاء فرمائے ہیں لکھ لوں اسی طرح جیسا کہ مجھے روحانیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فوائد حاصل ہوتے تاکہ یہ چیز میرے لیے باعث تذکیر اور میرے بھائیوں کیلئے بصیرت کے فرائض انجام دے۔ امید ہے کہ اس تالیف سے کچھ شکر ادا ہو جائے۔"

کتاب کے صفحہ ۸۱ پر حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

## انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں

جس وقت میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اور روضہ اقدس کی زیارت سے مشرف ہوا تو میں نے روح مبارک و مقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہراً و عیاناً دیکھا نہ صرف علم ارواح میں بلکہ عالم مثال میں ان آنکھوں سے قریب۔ تو میں سمجھ گیا کہ جو عوام میں مشہور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں میں حاضر ہوتے ہیں اور لوگوں کی عیانت فرماتے ہیں غیبرہ ذالک یہ سب اسی دقیقہ کی باتیں ہیں۔۔۔۔۔ لہذا تو ان مشہورات عوام کی تحقیر نہ کر مگر اس کے اسرار کو سمجھ۔ اس کے بعد روضہ عالیہ مقدسہ کی طرف چند بار متوجہ ہوا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے لطافت در لطافت ظہور فرمائی تو کبھی بصورت عظمت اور ہیبت جلوہ افروز ہوئے اور کبھی جذب و محبت و انس و الشراح کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ اور کبھی سران کی شکل میں حتیٰ کہ میں نے خیال کیا کہ تمام فضائیں اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح سے بزرگے اور روح اقدس اس میں تیز ہوا کی طرح موجیں مار رہی ہے حتیٰ کہ دیکھنے والے کو یہ موجیں دیدار اقدس کی طرف نظر کرنے سے روک رہی تھیں اور میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی اصلی صورت کریمہ میں بار بار دیکھا باوجودیکہ میری تنائی کہ روحانیت میں دیکھوں نہ کہ جسمانیت میں۔ حتیٰ کہ یہ بات میری سمجھ میں آگئی کہ آپ کا خاصہ ہے روح کو صورت جسم میں کرنا اور یہی وہ بات ہے کہ جس کی طرف آپ نے اپنی حدیث میں اشارہ فرمایا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو موت نہیں آیا کرتی وہ اپنی قبروں میں نمازیں پڑھا کرتے ہیں اور حج کیا کرتے ہیں اور وہ زندہ ہوا کرتے ہیں اور جس وقت بھی میں نے آپ پر سلام بھیجا تو آپ مجھ سے خوش ہوئے اور انشراح فرمایا اور ظہور فرمایا اور یہ سب باتیں اس لیے ہیں کہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں۔

کتاب مذکور کے صفحہ ۸۵ (مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز) پر زیر عنوان "شفاعت کاثبوت" حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:-

## شفاعت کاثبوت

موجب تیسرا روز ہوا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب یعنی ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ پر سلام بھیجا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں بھی ان علوم میں سے کچھ عنایت ہو جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے ہیں تو آپ نے میری طرف کمال التفات فرمایا حتیٰ کہ



میں نے خیال کیا کہ آپ کی عنایت کی چادر نے مجھے لپیٹ لیا اور گھیر لیا۔ پھر مجھے خوب گھیر لیا اور مجھ پر اسرار و معارف کا اظہار فرمایا اور بذاتِ خود ان چیزوں کی معرفت کرائی اور میری ایک بہت بڑی اجمالی مدد فرمائی اور مجھے بتلادیا کہ کس طرح اپنی حاجتوں میں آپ سے مدد کی درخواست کروں اور کس طرح آپ اس شخص کا جواب دیتے ہیں جو آپ پر درود بھیجتے ہیں اور جو شخص آپ کی مدح اور تعریف میں کوشش کرے اس سے آپ کس طرح خوش ہوتے ہیں۔۔۔

اور میں نے سوچا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فقہ کے چار مذاہب میں سے کس مذہب کی طرف مائل ہیں تاکہ میں وہی مسلک اختیار کروں۔ تو معلوم ہوا کہ سب مذاہب فقہ آپ کے نزدیک برابر ہیں۔۔۔ لہذا اگر کوئی شخص ایک مذہب کا متبع نہ ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ناراض نہیں ہوتے۔ مگر جب لوگ دین میں اختلاف اور جنگ و جدال اور فتنہ و فساد پیدا کر دیں تو آپ سخت ناراض اور نखा ہوتے ہیں۔ اسی طرح میں نے دیکھا کہ تمام صوفیاء کے طریقے آپ کے نزدیک برابر ہیں۔

کتاب مذکور کے صفحہ ۹۸ پر  
حضرت شاہ ولی اللہ محدث

ایک حدیث کے معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنا اور آپ کا جواب

دہلوی فرماتے ہیں:-

”میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کا مطلب دریافت کیا کہ آدم علیہ السلام ابھی آب و گل میں تھے اور میں نبی ہو چکا تھا۔ اس کے بعد جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت منالہ کے پوری قوت کے ساتھ قریب ہوا تو آپ نے عالم مثال اور انبیاء علیہم السلام کی کیفیات اور شکلیں دکھائیں اور ان کے علوم اور معارف سے آگاہ کیا جس سے مجھے میرے سوال کا جواب مل گیا۔“

اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ نے ان مشاہدات کی تفصیل بیان فرمائی ہے جو حقیقت کے طلبکار کتاب مذکور میں دیکھ سکتے ہیں۔

کتاب مذکور کے صفحہ ۱۱۴ پر لکھتے ہیں کہ:-

”بالجملہ جب بھی میں روضہ اطہر کی جانب متوجہ ہوا تو آپ کو حاضر دیکھا یا میری روح کی آنکھ کھل گئی تو جیسا کہ آپ ہیں اسی طرح دیکھا اور میرا وجود اس سے بہت متاثر ہوا۔“

**حقیقتِ محمدیہ** کتاب مذکور کے صفحہ ۱۲۲ پر حقیقتِ محمدیہ کے عنوان سے آپ تحریر فرماتے ہیں:-

”میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوا اور آپ کو سلام کیا اور کمال عاجزی سے آپ کے حضور میں ہاتھ پھیلائے اور اپنی روح کو آپ کی جانب متوجہ کیا آپ کی روح مبارک سے انوار چمکے تو میری روح نے ایک لمحہ میں اس سے ملاقات کی۔۔۔۔۔ یہ انوار اس جبلِ معدود کی تجلی ہیں جس سے تمام عالم بندھا ہوا ہے اور میں نے دیکھا کہ یہ تجلی آپ کے جوہرِ روح مبارک میں داخل ہے اور اس جبلِ معدود کی تدبیرِ واحد ہے کہ جس کی تفصیل تمام عالم ہے اور جبلِ معدود کی فردعات وہ تدبیراتِ تفصیلہ ہیں جن سے تمام عالم قائم ہے اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ جبلِ معدود حقیقتِ محمدیہ کی حقیقت ہے اور اسی سے ہر قطب اور نبی کو حصہ ملا ہے۔“

**شاہ صاحب کا اویسی ہونا** کتاب کے صفحہ ۱۲۶ پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ:-

”مجھے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنو ک سکھایا اور خود میری تربیت فرمائی لہذا میں کسی واسطے کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شاگرد ہوں اور اویسی ہوں اور یہ بات اس بنا پر ہے کہ آپ نے اپنی روح مبارک مجھے دکھائی اور اس سے مجھے عارف بنایا۔“

**مذہبِ حنفی بہترین طریقہ ہے** کتاب کے صفحہ ۱۳۶ پر حضرت شاہ ولی اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

”مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ مذہبِ حنفی میں ایک بہترین طریقہ ہے اور وہ بہت موافق ہے اس طریقہ مسنونہ کے جو بخاری اور اس کے اصحاب کے زمانے میں مدون کیا گیا۔“

**فضیلت صحابہ کے بیان میں** کتاب کے صفحہ ۱۲۲ پر حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:-

”تمہیں معلوم ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو حضرت علیؓ پر کیوں فضیلت حاصل ہوئی باوجودیکہ حضرت علیؓ اس اُمت میں سب سے پہلے صوفی مجذوب اور اول عارف ہیں اور یہ کمالات دیگر صحابہ کرام میں نہیں ہیں مگر صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

طفیل کی وقت کے ساتھ موجود ہیں۔ غرضیکہ یہ مسئلہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں عرض کیا تو مجھے بتایا گیا کہ فضل کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ ہے جس میں تمام امور نبوت شامل ہوں جیسا کہ اشاعت علم اور دین کے لیے لوگوں کی تسخیر اور جو چیزیں اس کے مناسب ہوں اور راہ وہ فضل جو ولایت سے متعلق ہے جیسا کہ جذب اور فنار تو یہ ایک فضل جزئی ہے اور اس میں ایک وجہ سے ضعف ہے۔ اور شیخین حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ اول قسم کے ساتھ مخصوص تھے۔ حتیٰ کہ میں انہیں فوارہ کے طریقہ پر دیکھتا ہوں کہ اس میں سے پانی پھوٹ رہا ہے تو جو عنایات اللہ تعالیٰ کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئیں وہی بعینہٴ حضرات شیخین پر ظاہر ہوئیں تو آپ دونوں حضرات کمالات کے اعتبار سے ایسے عرض (مقام) کے مرتبہ میں ہیں جو مرتبہ کے ساتھ قائم ہے اور اس کی تحقیق کو پورا کرنے والا ہے۔ لہذا حضرت علیؓ اگرچہ آپ کے بہت قریب ہیں نسب، حیات اور فطرت محبوبہ میں بہ نسبت شیخین کے۔ اور جذب میں بہت قوی اور معرفت میں بہت بڑے ہیں مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باعتبار کمال نبوت حضرات شیخین کی طرف بہت زیادہ مائل ہیں۔ اسی بنا پر جو علماء معارف نبوت سے باخبر ہیں شیخین کو فضیلت دیتے ہیں اور جو علماء معارف ولایت سے آگاہ ہیں وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فضیلت دیتے ہیں اور اسی بنا پر شیخین کا مدفن بعینہٴ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن ہے۔ اور اکثر امور عادیہ کا مبداء معنوی ہوا کرتا ہے اور یہی راز ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اللہم لا تجعل قبری وثناً یعبد من دونک (یا اللہ میری قبر کو بت نہ بنا جس کی لوگ پرستش کریں۔)

اممہ اہل بیت اور صوفیاء کا طریقہ ایک ہے | کتاب کے صفحہ ۱۸۳ پر حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں :-

”میں ائمہ اہل بیت کی قبروں کی طرف متوجہ ہوا تو میں نے ان کے طریقے میں ایک خاص

اس حدیث پاک مطلب یہ ہے یعنی شاہ ولی اللہ اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن اکثر امور عادیہ کا مبداء ہے یعنی یہاں سے تمام امور معنوی طے پاتے ہیں اس لیے انحضرت نے دعا کی کہ یہ دیکھ کر امت کے لوگ میری قبر کی پرستش نہ شروع کر دیں۔ یہ ہے راز اس حدیث کا بقول حضرت شاہ صاحب :-

چیز دیکھی جو اولیاء کرام کے طریقہ کی اصل ہے:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی  
اپنی کتاب "انفاس العارفين"

حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا عطیہ

کے صفحہ ۹۹ پر لکھتے ہیں:-

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ابتداء میں میں نے چاہا کہ دائمی روزہ اختیار کروں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں متوجہ ہوا تو بچشم حقیقت دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے روٹی عطا فرمائی ہے:

کتاب مذکور کے صفحہ ۱۰۰ (مطبوعہ المعارف

حضور اقدس کی طرف سے زردہ طلا

گنج بخش روڈ لاہور) پر لکھتے ہیں:-

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ماہ رمضان میں ایک مرتبہ میری نچیر پھوٹ پڑی تو مجھ پر طاری ہو گیا اور قریب تھا کہ کمزوری کی وجہ سے روزہ افطار کر لوں۔ ماہ صوم میں روزہ چھوٹنے کا غم لاحق ہوا۔ اور اس غم میں غنودگی طاری ہو گئی اس حالت میں حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے مجھے لذیذ اور خوشبودار زردہ مرحمت فرمایا ہے پھر انتہائی خوشگوار اور ٹھنڈا پانی بھی عطا فرمایا۔ جو میں نے سیر ہو کر پیا۔ اس عالم غنودگی سے نکلا تو بھوک اور پیاس بالکل ختم ہو چکی تھی اور میرے ہاتھوں میں اب تک زردہ کے زعفران کی خوشبو موجود تھی۔۔۔ عقیدت مندوں نے احتیاطاً میرے ہاتھ دھو کر پانی محفوظ کر لیا اور تیر گا اس سے روزہ افطار کیا۔۔۔

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس

زیارت رسول

اندا میں دیکھا کہ آپ یاقوت سرخ کی ایک مسجد میں تشریف فرما ہیں جس کا ظاہر

و باطن حسن و خوبی کا منظر ہے۔ آپ بشکل مراقبہ تشریف فرما ہیں اور صحابہ کرام اور اولیائے کاملین بھی مراقبہ

کی صورت میں صف باندھے ہوئے آپ کے گرد بیٹھے ہیں۔ جب میں مسجد کے دروازے پر پہنچا تو دیکھا کہ

یاقوت کے رنگ کا پردہ لٹکا ہوا ہے۔ حضرت غوث الاعظم اور حضرت خواجہ بہار الدین نقشبند اندر سے اٹھ کر

میرے پاس آئے اور میرے بارے میں آپس میں مناظرہ کرنے لگے۔ حضرت غوث الاعظم فرمانے لگے کہ

اس شخص کے آباؤ اجداد میرے خلفار سے تو سب رکھتے تھے اس لیے میں اس سے زیادہ قریب ہوں اور

حضرت خواجہ نقشبند نے فرمایا کہ اس شخص نے میرے خلفار سے روحانی تربیت حاصل کی ہے اس لیے

مجھے اس پر زیادہ حق حاصل ہے۔۔۔ اس گفتگو نے طول پکڑا۔۔۔ بالآخر حضرت غوث الاعظمؒ نے فرمایا کہ جب کہ آپ کے اور ہمارے طریقے میں کوئی فرق نہیں تو پھر اس قدر مناظر سے کیا ضرورت ہے۔ اس پر خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا کہ اگر کچھ فرق نہیں تو یہ سعادت میں کیوں نہ حاصل کروں۔۔۔ حضرت غوث الاعظمؒ نے فرمایا کچھ مضائقہ نہیں۔ آپ ہی اسے اندر لے جائیں۔۔۔ اس وقت حضرت خواجہ نقشبندؒ نے میرا ہاتھ پکڑا اور اس مسجد میں داخل کیا اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اہل صفت سے ذرا آگے لا بٹھایا اور میرے ساتھ صفت برابر میں بیٹھ گئے۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ اس صورت میں اس کے سوا کیا حکمت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مراقبہ سے سر اٹھائیں تو سب سے پہلے آپ کی نگاہ کرم مجھ پر پڑے اور جب حضور اقدس پوچھیں کہ تجھے کون لایا ہے تو خواجہ نقشبند عرض کریں کہ اسے میں نے حاضر کیا ہے۔ خواجہ اس خیال سے مطلع ہوئے اور فرمایا کہ واقعی اس انداز میں بٹھانے کا سبب یہی ہے۔

اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مراقبہ سے سر اٹھایا اور بے پایاں لطف و کرم سے مشرف فرمایا۔

ایک حدیث کی تشریح خود آنحضرت کی زبانی | حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب  
انفاس العارفین کے صفحہ ۱۰۲

پر لکھتے ہیں کہ میرے والد ماجد نے فرمایا کہ مجھے حدیث اَنَا مَلَحٌ وَ أَخِي يُوسُفُ أَصْبَحَ (میں ملح ہوں اور میرا بھائی یوسف صبح ہیں) کے بارے میں مجھے یہ حیرت لاحق تھی کہ حسن ملح عاشقوں کے لیے تو حسن صبح سے زیادہ بے قراری و اضطراب کا موجب ہوا کرتا ہے اور یہ بھی روایت ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام لباس فاخر پہن کر جلوہ گر ہوتے تھے تو جمال یوسفی کی تاب نہ لا کر بہت سے لوگ جاں بحق ہو جاتے تھے لیکن حضرت سید الرسل کے بارے میں ایسی کوئی روایت نہیں ہے حالانکہ معاملہ برعکس ہونا چاہیے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے چشم حقیقت سے دیکھا اور اس نکتہ کے بارے میں حال کیا تو فرمانے لگے کہ خدائے غیور نے میرے جمال کو لوگوں کی نگاہوں سے مستور کر رکھا ہے اگر میرا حسن ظاہر ہوتا تو ہر شخص وہی کرتا جو یوسف علیہ السلام کو دیکھنے والے کرتے تھے۔ (یعنی تاب نہ لا کر جاں بحق ہو جاتا)۔

ولایت اور نبوت کے مراتب میں فرق | کتاب کے صفحہ ۱۰۶ پر حضرت شاہ ولی اللہؒ  
محدث دہلوی لکھتے ہیں :-

والد ماجد نے فرمایا کہ حضرت سید الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو میں نے صورت واقعی میں دیکھا۔ آپ میری طرف متوجہ ہوئے تو محض توجہ گرامی سے مقامات اولیاء کو میں عبور کر گیا۔ اور وہ تمام مقامات مجھ پر منکشف ہو گئے حتیٰ کہ میں اس مقام پر جا پہنچا کہ کوئی ولی اس سے

آگے جا ہی نہیں سکتا۔ میں نے عرض کی کہ اس فقیر کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس ناممکن کی طرف توجہ کریں وہ ممکن کی صورت اختیار کرتا ہے کچھ مشکل نہیں کہ استعداد کے نہ ہونے کے باوجود بھی یہ مقصود مجھے مل جائے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرا روح کو اپنی روح کے سائے میں لے کر مقام صدیقیت سے بھی عبور فرما گئے جو ولایت کا آخری مقام ہے۔ وہاں برزخ ہمارے سامنے آیا گویا آگ کا دریا ہے جسے کوئی ولی پار نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد ولایت کے مقامات سابقہ کی مثل ہم پر کچھ مقامات منکشف ہوتے۔ مقام صبر اور مقام توکل سابق مقامات کی طرح ہمیں مشاہدہ کرانے گئے بجز اس فرق کے کہ اب یہ مقامات بطور حقیقت دکھلانے گئے جبکہ سابق مقامات محض مجازی تھے گویا اس مرتبہ یہ مقامات اصول کی حیثیت رکھتے تھے۔ پہلی مرتبہ اشباح اور تائیل کی صورت میں دکھائے گئے۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) نے اپنے والد ماجد کی روح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کے سائے (ضمن) میں لینے کی کیفیت کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ گویا میرا وجود آنحضرت کے وجود میں مل کر ایک ہو گیا ہے اور خارج میں میرے وجود کی کوئی الگ حیثیت نہ تھی۔

زیارتِ رسول اور مومنین مبارک کا عطا کرنا

کتاب کے صفحہ ۱۰۴ پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

والد ماجد نے فرمایا کہ مجھے ایک بار بخار نے آیا اور بیماری نے اس قدر طول پکڑا کہ زندگی سے ناامید ہو گیا۔ اسی دوران مجھ پر غنودگی طاری ہوئی تو میں نے دیکھا کہ حضرت شیخ عبدالعزیزؒ کے سامنے موجود ہیں اور فرما رہے ہیں کہ بیٹے! حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام تیری بیماری پر سی کو تشریف لارہے ہیں اور شاید تیری پائنتی کی طرف سے تشریف لائیں اس لیے چارپائی کو اس طرح رکھنا چاہیے کہ حضور کی طرف تمہارے پاؤں نہ ہوں۔ یہ سن کر مجھے افاقہ ہوا۔۔۔ قوت گویا تھی نہیں تھی۔ حاضرین نے میرے اشارہ پر چارپائی کا رخ پھیر دیا۔ اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کَیْفَ حَالِکَ یَا بَیْتِی (بیٹے تیرا کیا حال ہے) اس کلام کی لذت اس قدر غالب ہوئی کہ مجھ پر آہ و بکا اور وجد و اضطراب کی عجیب و غریب کیفیت طاری ہو گئی۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس انداز سے اپنی بغل میں لیا کہ آپ کی ڈاڑھی مبارک میرے سر پر تھی اور آپ کا جبہ مبارک میری آنکھوں سے تر

ہو گیا۔ پھر آہستہ آہستہ یہ وجد اور اضطراب کی کیفیت حالت سکون میں بدل گئی۔ اس وقت میرے دل میں آیا کہ ایک مدت سے موتے مبارک کے حصول کی آرزو رکھتا ہوں کیا ہی کرم ہو کہ اس وقت تبرک عنایت فرمائیں۔ میرے اس خیال سے آپ مطلع ہوئے اور واڑھی مبارک میں ہاتھ پھیر کر دو مقدس بال میرے ہاتھ میں تھما دیتے۔۔۔۔۔ جب بیدار ہوا تو وہ دو بال ہاتھ میں نہ تھے۔ میں نکلین ہو کر بارگاہ عالی کی طرف متوجہ ہوا تو غیب واقع ہوئی اور آنحضرتؐ نے فرمایا اے بیٹے عقل و ہوش سے کام لو وہ دونوں بال احتیاطاً تمہارے سرانے کے نیچے رکھ دیئے تھے وہاں سے لے لو۔ افاقہ ہوتے ہی میں نے وہ مقدس بال وہاں سے اٹھالیے۔۔۔۔۔ اس کے بعد بخار ٹوٹ گیا۔۔۔۔۔ اور صحت کامل ہو گئی۔

اس کے بعد بال مبارک کی تاثیر منکروں کا انکار اور اثرات دیکھنے کے بعد منکرین کی توبہ کے واقعات کتاب مذکور میں تفصیل سے درج ہیں۔ جو وہاں دیکھے جاسکتے ہیں۔

کتاب مذکور کے صفحہ ۱۰۶ پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

### سجدہ غیر اللہ کی ممانعت

”والد ماجد نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بچشم حقیقت دیکھا جب اس منظر اتم میں صفات الہیہ کا کمال ظہور مشاہدہ کیا تو سجدے میں گر گیا۔ آنحضرتؐ نے اظہار تعجب کے طور پر انگلی منہ میں دبائی اور اس شکل سے منع فرمایا۔“

کتاب مذکور کے اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ۔

### قرابت رسولؐ کا مقام

”والد ماجد نے فرمایا کہ ایک آدمی کے ستید یا غیر ستید ہونے میں مجھے تڑپ نہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ گویا آپ ایک پلنگ پر دراز سو رہے تھے آپ عنایت سے پیش آنے اور فرمایا پلنگ کے نیچے دیکھو۔ میں نے دیکھا کہ وہ شخص نیچے سورا ہے۔ حضور اقدسؐ نے فرمایا اگر ستید ہونے کی قرابت نہ رکھتا تو یہاں کیسے پہنچتا۔“

ان تمام واقعات سے ظاہر ہے کہ اہل اللہ کو حق تعالیٰ وہ بصیرت عطا فرماتے ہیں جس کی بدولت انبیاء علیہم السلام اور اصحاب قبور کا مشاہدہ کر سکتے ہیں اور سلسلہ گفتگو بھی قائم ہو جاتا ہے۔ کتاب مذکور میں اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ۔

## آپ کا پسندیدہ درود شریف

ایک دفعہ میں نے حضرت پیغمبر علیہ السلام کو دیکھا کہ حاضرین میں سے ہر شخص اپنے

فہم و فراست کے مطابق آپ کی بارگاہ میں درود پیش کر رہا ہے۔ میں نے بھی یہ درود شریف عرض کیا۔ اللہم صلی علی محمد النبی الامی وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔ جب آپ نے سنا تو چہرہ مبارک سے بشارت اور تازگی نمودار ہو رہی تھی۔

نذر و نیاز کی پسندیدگی

کتاب مذکور میں آگے چل کر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے لکھا ہے۔

فرمایا کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے عرس مبارک کے دنوں ایک مرتبہ اتفاقاً خزانہ غیب سے کچھ میسر نہ آسکا کہ کچھ طعام پکا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فطوح کی نیاز دلا سکتا۔ تھوڑے سے بھنے ہوئے چنے اور گڑ پر اکتفا کرتے ہوئے میں نے آپ کی نیاز دلا دی۔ اسی رات بچشم حقیقت دیکھا کہ انواع و اقسام کے طعام آنحضرت کی بارگاہ میں پیش کیے جا رہے ہیں۔ اسی دوران وہ چنے اور گڑ بھی پیش کیے گئے اور آپ نے انتہائی خوشی اور مسرت سے وہ قبول فرمائے اور اپنی طرف لانے کا اشارہ فرمایا اور تھوڑا سا اس میں سے تناول فرما کر باقی اصحاب میں تقسیم کر دیا۔ اس مشاہدہ سے کئی باتوں کا ثبوت ملتا ہے۔

- ۱- اول یہ کہ حضرت شاہ ولی اللہ جیسے محدث مفسر، فقیہ اور عالم دین اور ولی اللہ کے نزدیک نذر و نیاز جائز ہے بلکہ اس پر آپ کا اور اپنے آباؤ اجداد اور آل و اولاد کا عمل تھا۔
- ۲- دوم یہ کہ جو کچھ اصحاب قبور کی نذر کیا جاتا ہے ان کو مل جاتا ہے۔
- ۳- سوم یہ کہ اصحاب قبور کی زیارت ہو سکتی ہے اور ان کے ساتھ سلسلہ گفتگو بھی ہوتا ہے۔
- ۴- چہارم یہ کہ نہ صرف مزارات کی حاضری پر اصحاب مزار کی زیارت تکلم ہو سکتا ہے بلکہ دوسرے مقامات پر بھی یہ واقعات ہو سکتے ہیں۔

## گزشتہ اولیاء اللہ سے ملاقات

کتاب مذکور کے صفحہ ۷۰ پر لکھا ہے کہ:-

”والد ماجد نے فرمایا کہ ابتدائے احوال میں مختلف طریق سلوک کے اصحاب طریقت کو



میں نے دیکھا اور ان سے امر واقعی میں اجازت حاصل کی۔ منجملہ ان اصحابِ طریقت کے حضرت خواجہ نقشبند کو بھی میں نے بہت تحقیقت دیکھا کہ لکڑی کے پیالے میں انہوں نے مجھے پانی دیا اور میں نے سیر ہو کر پیا۔ پھر انہوں نے مختلف طرق و سلاسل کی باتیں بیان کیں اور تلقین طریقیہ کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔

کتاب کے صفحہ ۱۰۸ پر لکھا ہے:-  
"فرمایا کہ حضرت خواجہ

## حضرت خواجہ اجمیریؒ سے خلافت

معین الدینؒ کو میں نے دیکھا کہ گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک چراغ روشن ہے لیکن اس چراغ کی ہتی حرکت کی محتاج تھی تاکہ تازہ ہو کر روشنی پھیلا سکے۔ مجھے انہوں نے اس خدمت پر مامور فرمایا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد اپنی خاص نسبت مجھے عنایت فرمائی۔ اس واقعہ کی تعبیر بھی اجازت طریقیہ ہے۔

کتاب کے اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ:-

## مختلف سلاسل کی سیر روحانی

"ایک بار اولیاء اللہ کے سلاسل مجھے اس طرح

مشاہدہ کراتے گئے کہ ایک وسیع بازار ہے جس میں خوبصورت دکانیں اور ہر دکان میں ہر صاحب سلسلہ بزرگ اپنے خلفاء اور معتقدین کے ساتھ فروش ہیں۔ یہ ایک طویل محفوظ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ پہلے آپ کو حضرت غوث الاعظمؒ سے ملاقات ہوئی اور ایک روحانی نکتہ پر گفتگو ہوئی جس میں حضرت شاہ عبدالرحیم کی تشریح حضرت غوث الاعظمؒ کو لپنڈ آئی۔ اور آپ نے خلافت بھی عطا فرمائی۔ اس کے بعد حضرت خواجہ نقشبندؒ سے ملاقات ہوئی اور بے شمار عجاائب و غرائب کا مشاہدہ ہوا۔

کتاب کے صفحہ ۱۰۹ پر لکھا ہے کہ:-  
"فرمایا ایک دفع میں حضرت

## حضرت خواجہ قطب الدینؒ نخبیاریؒ سے ملاقات

خواجہ قطب الدینؒ کے مزار مبارک کی زیارت کے لیے گیا۔ یکایک میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میری گناہ گار ہستی اور وجود اس قابل نہیں کہ اس مقدس بارگاہ میں حاضری دوں اس خیال کے آتے ہی میں متصل چپو ترہ پر رک گیا۔ اس دوران آپ کی رحمانیت

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ حضور اکرمؐ کا عرس بھی کرتے تھے۔ (حاشیہ صفحہ سابقہ)

جلوہ گر ہوئی اور مجھے حکم دیا کہ آگے آؤ۔ میں دو تین قدم آگے بڑھا۔ اسی اثنا میں میں نے دیکھا کہ آسمان سے چار فرشتے ایک تخت اٹھائے ہوئے آپ کی قبر مبارک کے پاس اترے۔ معلوم ہوا کہ اس تخت پر حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند ہیں۔ چنانچہ قرآن السَّعْدِیْنَ ہوا۔ دونوں شیوخ نے خلوت میں راز و نیاز کی باتیں کیں۔ اس کے بعد فرشتے تخت اٹھا کر روانہ ہو گئے۔ اور خواجہ قطب الدین میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے کہ نزدیک آؤ۔ میں دو تین قدم آگے بڑھا۔ آپ بار بار نزدیک آنے کے متعلق فرماتے رہے اور میں آہستہ آہستہ قریب ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ حضرت کے بہت نزدیک ہو گیا۔ پھر آپ نے پوچھا کہ شعر کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ میں نے کہا: "کلامِ حسنہ حسنٌ وَّ قَبِيحٌ قَبِيحٌ" (کلام ہے جس کا حسن اچھا لگتا ہے اور قبح برا لگتا ہے) اس پر آپ نے فرمایا "بارک اللہ" اس کے بعد دریافت فرمایا "خوبصورت آواز کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے عرض کیا کہ "ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ" (یہ اللہ کا فضل ہے جس کو عطا ہو)۔ آپ نے فرمایا "بَارَكَ اللَّهُ" پھر فرمایا "لیکن جب دونوں باتیں جمع ہو جائیں (حسن کلام اور حسن صوت) تو پھر" میں نے کہا "نور" علیٰ نور یہدی اللہ بنورہ من یشاء (نور علیٰ نور ہے اللہ ہدایت کرتا ہے اپنے نور کی طرف جسے چاہے) آپ نے فرمایا "بَارَكَ اللَّهُ" تم بھی کبھی کبھار ایک دو بیت سن لیا کرو۔

اس ملفوظ میں اشارہ ہے۔ جو از سماع کی طرف۔ یاد رہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار سماع سنتے

تھے اور سماع ہی میں آپ کا اس شعر پر چار دن رات رقص کرتے ہوئے وصال ہوا۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را  
ہر زماں از غیبِ جانِ دیگر است

(احمد جام)

اس ملفوظ سے بھی ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ زمانہ گزشتہ کی ارواح سے رابطہ قائم ہو سکتا ہے اور زیارت اور

گفتگو تک نسبت آسکتی ہے۔ یاد رہے کہ بیان کرنے والا محدث یعنی ماہر فن حدیث بھی ہے عالم و فاضل بھی ہے اور ولی اللہ بھی۔ جن کے کلام کو کوئی معترض چیلنج نہیں کر سکتا ہے۔

فرمایا ایک دفعہ حضرت خواجہ قطب الدین کے

مزار مبارک پر زیارت کے لیے گیا آپ کی روح

مزار پر حاضری اور بشارت فرزند

مبارک ظاہر ہوئی اور فرمایا کہ تمہارے ہاں ایک فرزند پیدا ہو گا۔ اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ کا اصل نام قطب الدین احمد ہے اور ولی اللہ لقب ہے۔

**مجالس ارواح** فرمایا ایک دفعہ میں نے شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہ کو خواب میں دیکھا کہ وضو فرما رہے ہیں اور نماز کی تیاری ہو رہی ہے۔ میں نے عرض

کیا کہ عالم آخرت میں وضو اور نماز کی کیا ضرورت ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ چونکہ دنیا میں اکثر وقت ان امور کی انجام دہی میں گزرا ہے اس لیے ان میں لذت محسوس ہوتی ہے۔ یہاں ان کی ادائیگی فریضہ کے طور پر نہیں بلکہ لذت اور لطف کی خاطر ہے اس کے بعد ارواح اولیاء جمع ہوتے اور مجلس گرم ہو گئی جس میں کئی نکات پر گفتگو ہوتی رہی۔

**شیخ سعدی سے ملاقات** کتاب مذکور کے صفحہ ۱۱۱ پر لکھا ہے کہ:-  
"ایک دفعہ میں درس سے واپسی پر ایک کوچے میں

خوب ذوق کی حالت میں سعدی شیرازی کے یہ اشعار گنگنا رہا تھا۔  
جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است      جز تر عشق ہر چہ بخوانی بطلالت است  
سعدی بشوی لروح دل از نقش غیر سحر حق      علیکہ رہ حق نماید جہالت است  
اتفاق کی بات کہ چوتھا مصرع میرے ذہن سے اتر گیا۔ ہر چند دماغ پر زور دیا لیکن یاد نہ آیا اس تار کے ٹوٹنے سے میرے دل میں سخت اضطراب اور بے ذوقی کی کیفیت پیدا ہوئی کہ اچانک ایک فحیر منش، یلح چہرہ، دراز زلف، پیر مرد نمودار ہوا اور اس نے مجھے لقمہ دیا۔  
علیکہ کہ رہ بحق نماید جہالت است

میں نے کہا جزاء اللہ خیر الجزاء۔ آپ نے مجھے کتنی پریشانی سے نجات دلانی میں نے آپ کی خدمت میں پان پشیں کیے تو انہوں نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ کیا یہ بھولا ہوا مصرع یاد دلانے کی مزدوری ہے؟ ہمیں نے کہا نہیں یہ تو بطور ہدیہ اور شکر یہ پیش کر رہا ہوں۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ میں پان استعمال نہیں کیا کرتا۔۔۔۔۔ یہ کہہ کر انہوں نے قدم بڑھایا اور کوچے کے آخر میں رکھا میں سمجھ گیا کہ کوئی اہل اللہ کی روح انسانی شکل میں جلوہ گر ہے میں نے آواز دی کہ اپنے نام سے تو اطلاع دیتے جائیے تاکہ فاتحہ پڑھ لیا کروں فرمایا فحیر کو سعدی کہتے ہیں اس سے بھی تصرف اولیاء رفتہ ثابت ہوتا ہے۔

**نذرو نیاز کا طعام کھانے کا جواز** کتاب مذکور کے صفحہ ۱۱۲ پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ:-

”ایک بار والد ماجد مخدوم اللہ دیہ کے مزار کی زیارت کے لیے قصبہ ڈسنہ میں گئے۔ رات کا وقت تھا آپ نے احباب سے فرمایا کہ آج مخدوم اللہ دیہ نے ہماری دعوت کی ہے اور تناول کر کے جائیں گے۔ آپ نے دعوت کا انتظار کیا یہاں تک کہ رات گئے لوگوں کی آمد و رفت ختم ہو گئی۔ اچانک ایک عورت مسطحے طعام کا تھال لیے آئی اور کہا کہ میں نے منت مانی ہے کہ جس وقت میرا شوہر گھر آئے گا اسی وقت طعام پکا کر مخدوم اللہ دیہ کی درگاہ میں مقیم فقرا میں تقسیم کروں گی اب میرا شوہر واپس آ گیا ہے اور میں طعام لاتی ہوں۔ اس ملفوظ سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث جیسے عالم و فاضل سے منت ماننے اور نیاز کا طعام کھانے کا جواز بھی مل جاتا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

فرمایا ایک دفعہ میں ایک مزار کے قریب رخت

## تلاوت قرآن سے اہل قبور خوش ہوتے ہیں

کے نیچے قرآن کی تلاوت میں مشغول تھا۔ چند سورتیں پڑھ کر رک گیا تو مزار سے آواز کہ ”قرآن مجید کے زندگی بخش نعمات سننے کے لیے مدت سے ترس رہا ہوں۔ اگر کچھ وقت اور تلاوت کریں تو احسان مند ہوں گا۔ میں کچھ اور تلاوت کر کے خاموش ہوا تو صاحب مزار نے پھر فرمائش کی۔ اسی طرح تین بار خاموش ہوا اور انہوں نے تین بار فرمائش کی۔۔۔۔۔ انہوں نے آخر میں کہا۔ جزاک اللہ خیر الجزاء۔ اس کے بعد میں نے ان سے ان کا حال پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے کوئی عذاب قبر نہیں ہوا اور آرام سے ہوں۔۔۔ میں نے پوچھا کہ آپ کیا عمل کرتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میری ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی کہ دنیاوی بھیدوں سے آزاد رہ کر یاد حق میں سب وقت بسر کروں۔ یہ کام پورا تو نہ کر سکا البتہ کچھ نہ کچھ کرتا رہا۔ اس کی بدولت حق تعالیٰ نے مجھے یہ صلہ عطا فرمایا ہے۔“

اس سے بھی ظاہر ہے کہ اہل اللہ کو اصحاب قبور کی زیارت ہوتی ہے اور حالات گفتگو بھی ہوتی ہے

کتاب کے صفحہ ۱۱۴ پر حضرت شاہ ولی اللہ

## اصحاب قبور ذکر اللہ بھی کرتے ہیں جنکو اہل اللہ سن سکتے ہیں

محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ:-

”والد ماجد نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں حضرت خواجہ قطب الدین کی درگاہ کے قریب سیر کر رہا تھا کہ ایک قبر پر نظر پڑی۔ ان کے ذکر کی وجہ سے تخت الشری سے لے کر عرش تک ہر چیز

ذاکر تھی۔ مجھے تعجب ہوا اور میں نے اپنے ساتھی شیخ محمدؒ سے درخواست کی کہ آپ بھی قبر پر اقبہ کر کے حال دریافت کریں۔ مراقبے کے بعد قریب قریب انہوں نے بھی یہی کیفیت بیان کی جو میں مشاہدہ کر چکا تھا۔

شہید بھی انسانی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں

کتاب صفحہ ۱۱۰ پر لکھا ہے کہ:-  
"میرے والد ماجد نے فرمایا

کہ میرے والد شہادت کے بعد ایک مرتبہ ہمارے گھر تشریف لائے اور ہماری ہمشیرہ کریمہ بی بی جو بیمار تھیں ان سے ملاقات کی اور فرمایا کہ کل صبح تمہیں مکمل آرام ستیرا جانے گا دوسری صبح ان کا انتقال ہو گیا اور دائمی آرام حاصل ہوا۔"

اصحاب مزار کا قوالی میں قص کرنا

کتاب کے صفحہ ۱۱۶ پر لکھا ہے کہ:-

"حضرت والد ماجد ایک دفعہ قصہ پچھلت میں

تھے۔ عرس کے روز ایک بزرگ تشریف لائے اور قوالوں نے نغمہ چھیڑا۔ تھوڑی دیر بعد دیکھا کہ شیخ ابوالفتح (جن کا عرس پچھلت میں ہو رہا تھا) کی روحانیت محفل سماع میں آکر رقص کر رہی ہے اور عنقریب ان کے جذب کے اثرات اہل محفل پر طاری ہو جائیں گے۔ یہی ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد محفل کا رنگ بدل گیا اور ہاھسو کے متانہ نعروں سے مجلس گونج اٹھی۔"

اس ملاحظہ سے کئی باتیں ثابت ہوتی ہیں:-

۱- اولیاً اصحاب قبور کا محفل سماع میں شریک ہونا اور رقص کرنا۔

۲- ان کی کیفیات کا اہل مجلس پر اثر ہونا۔

۳- حضرات نقشبندیہ (شاہ عبدالرحیم نقشبندی) کا سماع سننا۔

۴- اہل بصیرت کے سامنے مزارات کے باطنی امور کا ظاہر ہونا وغیرہ۔

زیارت قبور اور فیوض و برکات

انفاس العارفین کے صفحہ ۱۱۶ پر حضرت شاہ ولی اللہ

محدث دہلوی لکھتے ہیں:-

"فرمایا جب کبھی میرے والد ماجد مخدومی شیخ محمدؒ کے مزار کے پاس بیٹھے تھے تو فرماتے تھے کہ ان کی روح نماز میں میری اقتدا کرتی ہے اور مجھ سے کسب فیض کرتی ہے۔ شیخ محمدؒ ایک دفعہ اس فقیر (ولی اللہ) کی طرف متوجہ ہوئے اور بعض فیوض اور معارف عطا

فرمائے اور مجھے حکم دیا کہ فلاں کو (ولی اللہ) کو کچھ معارف کی تعلیم دو اور وہ تمام میں نے تمہارے سامنے بیان کر دیئے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنی اس کتاب کے صفحہ ۱۱۱ پر لکھتے ہیں کہ:

### اولیٰ زمانہ سلف سے اخذ فیض اور نوعیت فیض

”واضح ہو کہ آپ (والد ماجد) کی زبان مبارک سے بارہا خلوت میں سنا گیا کہ مجھے جو نسبت حضرت غوث الاعظم سے ملی ہے وہ بہت ہی صاف اور حد درجہ نازک ہے اور جو نسبت مجھے خواجہ نقشبندؒ سے ملی ہے وہ غالب تر اور حد درجہ موثر ہے۔ جمعیت قلب اور قبول عام اس میں بدرجہ اتم موجود ہے اور جو نسبت خواجہ معین الدینؒ سے پائی ہے وہ عشق کے قریبے تاثر اسما اور صفاتے دل کی مظہر ہے۔“

اس بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب مذکور کے صفحہ ۲۲۸ پر ایک حدیث نقل کی ہے جو یہ ہے۔

### اصحاب قبور سے مدد مانگنا

اذا تحیر فی الامور فاستعینوا باصحاب القبور

”جب تم دنیاوی امور میں پریشان ہو تو اصحاب قبور سے مدد طلب کرو۔“  
یہ صحیح حدیث ہے۔ اگر اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہوتی تو حضرت شاہ ولی اللہؒ جیسے محدث اور فن حدیث میں کامل اور ماہر فن ہرگز اس کو بیان نہ فرماتے۔ نیز گزشتہ صفحات پر حضرت شاہ صاحبؒ نے تفصیل سے ایسے واقعات بیان فرمادیتے ہیں کہ جن سے اہل قبور اولیاء اللہ سے اخذ فیض اور دیگر امور میں استعانت طلب کی گئی ہے۔

کتاب مذکور کے صفحہ ۲۰ پر حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

### ذکر نفسی اثبات کی تعلیم سر کائنات صلعم کی طرف سے

”اسم ذات کا شغل جو میں نے حضرت زکریا علیہ السلام سے حاصل کیا تھا مجھ پر غالب رہتا تھا اور میں اس سے بہت کیف و سرور حاصل کرتا تھا۔ اس کے مقابلے میں شغل نفسی و اثبات میں نہیں کر سکتا تھا۔ اگر کبھی کرتا تو اس سے ذرا بھی لذت محسوس نہ ہوتی۔ اس پر قادر نہ ہو سکتے کی بنا پر میں ہمیشہ شرمندہ رہتا تھا۔ حضرت سید عبد اللہؒ سے اس کا علاج دریافت کیا تو انہوں نے بارہا توجیہ فرمائی لیکن عقدہ حل نہ ہوا۔ آخر فرمائے لگے کہ جو چیز انبیاء علیہم السلام کے انفاسِ ظہیر کی توجیہ سے استحکام حاصل کرے ہم اس میں تبدیلی نہیں لاسکتے۔ حضرت ختم الرسل علیہ الصلوٰۃ

والسلام کی طرف رجوع کیجئے اس نقص کا علاج ان کی بارگاہ سے ہوگا۔ چنانچہ میں نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں التجا کی جس کے نتیجے میں شغل نفی و اثبات مجھ پر غالب آگیا اور بہت ہی آسان ہو گیا۔ اس انداز پر کہ کم سنی کے باوجود ایک ہی سانس میں دو سو مرتبہ ذکر کر سکتا تھا۔"

اس لفظ میں شغل اسم ذات سے مراد ذکر اسم مبارک اللہ اللہ ہے جسکی ضربیں قلب اور دیگر لطائف پر لگائی جاتی ہیں جس سے قلب اور لطائف زندہ ہو کر ڈاکر ہو جاتے ہیں اور شغل نفی و اثبات سے مراد ذکر لا الہ الا اللہ ہے جس کی ضربیں بھی لطائف ستر پر لگانے سے ان کے اندر دائمی ذکر جاری ہو جاتا ہے اور چلتے پھرتے سوتے جاگتے ہر وقت ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔ جب یہ اذکار لطیفہ خفی اور اخفا پر اثر انداز ہوتے ہیں اور یہ زندہ ہو جاتے ہیں تو یہ مقام فنا فی اللہ کا آغاز ہے اس کے بعد اثبات ذات لائقین کے ذریعے مقام فنا کے مزید درجات میسر آتے ہیں اور قرب کی زیادہ سے زیادہ منازل طے ہو سکتی ہیں۔

ان محفوظات سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ جو بعض علمائے ظواہر صوفیائے کرام کے اذکار و اشغال کو بدعت قرار دیتے ہیں اس سے کس طرح انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کی نفی کرتے ہیں۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا صاحب قبور سے اخذ فیض

اب ہم علمائے دیوبند کے بلند مرتبہ پیر و مرشد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی جیسے سخت گیر بزرگ نے خود اپنی کتاب امداد المشتاق میں نقل کیا ہے۔ کتاب کے صفحہ ۱۱۸ پر مولانا تھانوی لکھتے ہیں کہ:

"حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے فرمایا کہ میرے پیر و مرشد کے رشتہ دار حج کو تشریف لائے اور مجھ سے دریافت کیا کہ اگر اجازت ہو تو حضرت شیخ کی قبر مبارک از سر نو درست کر دی جاسے۔ میں نے کہا کیا مضائقہ ہے۔۔۔ میں کیسے منع کر سکتا ہوں جس مزار سراپا انوار سے میں نے فیض حاصل کیا ہو۔ میرے نزدیک اس کی درستی اور اصلاح تو فرض ہے۔"

بعض حضرات ذکر نفی و اثبات میں دم سے کرتے ہیں جو بے حد مشکل ہے لیکن بغیر جس دم کے کرنا آسان ہے۔

## زیارت قبور اور مولانا تھانوی

کتاب مذکور کے صفحہ ۴۴ پر لکھا ہے کہ۔  
"اثنائے درس اعیان العلوم زبان فیض تہجان

سے حضرت حاجی صاحبؒ فوائد عجیبہ بیان فرما رہے تھے۔ مولانا تھانوی (جو دیر سے پیچھے) نے عذر کیا کہ آج بعض مقامات متبرکہ کی زیارت کو گیا تھا اس وجہ سے حاضری میں دیر ہو گئی۔ ارشاد فرمایا "جانے بزرگمان جانے بزرگمان" زیارت آثار بزرگان میں برکت ہوتی ہے۔"

اس سے ظاہر ہے علماء دیوبند کے نزدیک بھی زیارت قبور سے فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں۔

مجلس میلاد میں رسول خدا کا تشریف لانا علماء دیوبند کے نزدیک ممکن ہے کتاب امدد الشقاق

کے صفحہ ۵۵ پر مولف مولانا اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے۔

"فرمایا ہمارے علماء مولد شریف میں بہت تنازع کرتے ہیں تاہم علماء جوازی کی طرف بھی گئے ہیں جب صورت جوازی موجود ہے پھر کیوں ایسا تشدد کرتے ہیں اور ہمارے واسطے اتباع صریح کافی ہے۔ البتہ وقت قیام کے اعتقاد تو لڈ نہ کرنا چاہیے اگر احتمال تشریف آوری کا کیا جائے تو مضائقہ نہیں کیونکہ عالم غلق مقید بہ زمان و مکان ہے لیکن عالم امر دونوں سے پاک ہے پس قدم رنجہ فرمانا ذات بابرکات کا بعید نہیں۔ اور قیام میں مجھے ایک خاص کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ اس ملاحظہ سے کئی باتیں واضح ہوتی ہیں۔"

۱- مجلس میلاد اکابر علماء دیوبند کے نزدیک بھی جائز ہے گو آج کل کے بعض کم فہم حضرات اس میں شدت کرتے ہیں۔

۲- مجالس میلاد میں قیام بھی جائز ہے۔

۳- مجالس میں قیام اس لیے کیا جاتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں۔ اس کی بھی حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے جو علماء دیوبند کے شیخ ہیں تائید فرمائی ہے۔ باقی جھگڑانا معلوم کس بات پر ہے۔

کتاب مذکور کے صفحہ ۶۱ پر مولانا اشرف علی تھانوی

اولیا زمانہ ماضی ملاقات اور علماء دیوبند نے لکھا ہے۔



”فرمایا (حاجی صاحب نے) کہ جو کچھ مشنوی میں ہے اس کی تعلیم روحانی طور پر مجھ کو حضرت مولانا روم نے فرمائی ہے۔“

اس ملفوظ سے ظاہر ہے کہ اخذ فیض صرف اولیاء کرام کی مزار پر حاضر ہونے سے نہیں بلکہ بغیر حاضری کے بھی ہو سکتا ہے۔

کتاب مذکور کے صفحہ ۸۷ پر مولانا تھانوی لکھتے ہیں:۔  
**علماء و یوں بند اور نذر و نیاز**

”جب مشنوی شریف ختم ہو گئی تو بعد ختم حضرت حاجی امداد اللہ نے حکم شربت بنانے کا دیا اور ارشاد ہوا کہ اس پر مولانا روم کی نیاز بھی کی جاوے گی۔ گیارہ گیارہ بار سورۃ اخلاص پڑھ کر نیاز کی گئی اور شربت بنا شروع ہوا۔ آپ نے فرمایا نیاز کے دو معنی ہیں۔ ایک عجز و بندگی جو خدا کے سوا دوسرے کے واسطے نہیں ہے۔ اور دوسرے خدا کی نذر اور ثواب خدا کے بندوں کو پہنچانا۔ یہ جائز ہے۔ لوگ انکار کرتے ہیں اس میں کیا غرابی ہے اگر کسی عمل میں عوارض غیر مشروع لاحق ہوں تو ان عوارض کو دور کرنا چاہیے نہ یہ کہ اصل عمل سے انکار کر دیا جائے۔ ایسے امور سے انکار کرنا خیر کثیر سے باز رکھنا ہے۔ جیسے قیام میلاد شریف۔ اگر بوجہ آنے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی شخص تعظیماً قیام کرے تو اس میں کیا غرابی ہے جب کوئی شخص آتا ہے تو لوگ تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اگر سردار دو عالمیان روحی فداہ کے اہم گرامی کی تعظیم کی گئی تو کیا گناہ ہوا۔“

ان ملفوظات سے کئی مسائل حل ہو گئے :-

- ۱- اولیائے سلف کے لیے نیاز دینا جائز ہے۔
- ۲- نیاز میں تلاوت کلام پاک کے ساتھ طعام یا شربت وغیرہ شامل کرنا بھی جائز ہے۔
- ۳- میلاد شریف میں کھڑے ہونا بھی جائز ہے۔ بلکہ اس سے فیضان بھی حاصل ہوتا ہے۔
- ۴- ان رسومات میں غیر شرع عمل کو ترک کیا جلتے۔ نہ کہ اصل رسم کو۔

کتاب مذکور کے صفحہ ۹۱ پر لکھا ہے :-

”میں جب کہ معطر آیا تو نوبت فاقوں تک پہنچ گئی۔۔۔۔۔“

بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ لاکھوں روپیہ کا خرچہ تمہارے ہاتھوں میں مقرر ہو گا۔ میں نے عرض کی کہ اس ہم کی طاقت نہیں رکھتا۔ ہنس کر فرمایا کہ تمہاری

حاجت پوری ہوگی۔۔۔ اس وقت سے ماہانہ خرچہ کہ اقل مرتبہ سو روپیہ ہے۔ خدا

اپنے خزانہ رحمت سے پہنچا دیتا ہے۔

اس ملفوظ سے کئی امور ثابت ہیں۔

۱- اولیائے متقدمین کا تشریف لانا۔

۲- اولیائے کرام کے تصرف سے مشکلات کا حل ہو جانا۔

۳- علماء دیوبند کا یہ باتیں تسلیم کرنا۔

اگر آج کل کے علماء دیوبند بھی اپنے اکابرین کی تقلید کریں تو سارا جھگڑا ختم ہو سکتا ہے۔

اہل عرب اور خاص کر سعودی  
حکومت کے ارباب حضرت

**امام احمد بن حنبل کے مذہب میں بھی نذر و نیاز جائز ہے**

امام احمد بن حنبل کے مکتب فقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ امام موصوف کے پیروکار بھی زمانہ قدیم سے نذر و نیاز کا تصوف کے قائل ہیں معلوم نہیں اب کل کیوں فرق آگیا ہے۔ اس کے متعلق حضرت حاجی امداد اللہ جہا بصری کا ملفوظ جو مولانا تھانوی نے کتاب امداد المشاق میں نقل کیا ہے۔ درج ذیل ہے۔

”فرمایا، حنبلی کے نزدیک جمعرات کے دن کتاب احیاء العلوم تبرکاً ختم ہوتی تھی۔ جب

ختم ہوتی دو دھ لایا گیا۔ اور بعد دعا کے کچھ حالات مصنف کے بیان کیے گئے۔ طریق

نذر و نیاز قدیم زمانہ سے جاری ہے۔ اس زمانے میں لوگ انکار کرتے ہیں۔“

**آنحضرت کا تشریف لانا اور امام غزالی کو خطاب حجۃ الاسلام عطا فرمانا** کتاب  
امداد المشاق

صفحہ ۹۳ پر مولانا تھانوی لکھتے ہیں۔

”ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں اور ایک

کتاب پڑھی جا رہی ہے۔ جس کو حضور کمال توجہ سے سن رہے ہیں۔ کسی نے دریافت کیا

کہ کون سی کتاب ہے۔ ارشاد ہوا کہ احیاء العلوم، حجۃ الاسلام، امام غزالی کی ہے۔ فرمایا: یہ

لقب عطیۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔“

اس ملفوظ سے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مجالس درس و تدریس میں تشریف لانا اور توجہ فرمانا

علماء دیوبند کے نزدیک کثرت سے ثابت ہے۔

## حالتِ بیداری میں زیارتِ رسول

کتاب مذکور کے صفحہ ۱۰۰ پر مولانا تھانوی لکھتے ہیں:  
”فرمایا: مولوی قلندر صاحب کو ہر روز زیارت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتی تھی۔ ایک دن کسی حال کے لڑکے کو جو سید تھا پانچ مارا۔  
اس دن سے زیارت منقطع ہو گئی۔ مدینہ منورہ کے مشائخ سے رجوع کیا۔ انہوں نے ایک  
مجنوب عورت کا پتہ بتایا۔ جب وہ عورت مسجد نبوی میں آئی۔ مولانا نے عرض کیا تو سنتے ہی  
مولانا کا ہاتھ پکڑ کر کہا:

کاشف ہذا رسول اللہ (دیکھو! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں)“

اس ملفوظ سے بھی یہ ثابت ہوا کہ اکابر علمائے دیوبند بھی حالتِ بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کی زیارت کے قائل ہیں اور تصرفِ اولیا کو بھی مانتے ہیں۔

## علمائے دیوبند کے نزدیک مرشد بھی حاضر و ناظر ہو سکتا ہے

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے  
خلیفہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بھی مولانا

تھانوی کی طرح شریعت کی پابندی میں سخت گیر ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ دیوبندی علماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کو حاضر و ناظر نہیں مانتے۔ لیکن مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تو پیر و مرشد کو بھی حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ  
علیہ وسلم کے کیا کہنے۔ آپ نے اپنی کتاب امداد السلوک کے صفحہ ۱۲۴ پر لکھا ہے:

”مرید اس بات کا یقین رکھے کہ شیخ کی روح ایک جگہ پر مقید نہیں بلکہ جس جگہ پر مرید ہوگا۔  
قریب ہو یا بعید، لیکن اس کی روحانیت سے دور نہیں۔ جب اس بات کو راسخ کر لے اور شیخ  
(پیر) کو ہر وقت یاد رکھے تو روحانی تعلق پیدا ہو جائے گا۔ اور ہر آن میں فائدہ حاصل کرے گا  
تب مرید ہر وقت عقدہ کشانی میں شیخ کا محتاج ہوگا اور شیخ کو دل میں حاضر کر کے جب زبان  
حال سے پوچھے گا تو یقیناً شیخ کی روح اللہ کے حکم سے اس کو بتلائے گی۔ لیکن اس میں  
رابطہ تام (مکمل) شرط ہے۔“

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو بڑی ہستی ہیں۔ علمائے دیوبند کے نزدیک  
شیخ کامل بھی ہر جگہ موجود ہو سکتا ہے۔

## مسئلہ نور البشرین و دیوبند کا اعتراف نور کی طرف

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور اور بشر ہونے  
کے مسئلہ پر بھی اہل جہل بہت اختلاف پایا جاتا

ہے۔ لیکن علماء دیوبند بھی نور کے قائل ہیں۔ دیوبندی حضرات کتاب مذکور کے صفحہ ۱۵۶ پر مولانا گنگوہیؒ کی مندرجہ ذیل

عبارت ملاحظہ کریں اور خود سوچیں کہ حقیقت کیا ہے اور وہ کہاں ہیں:

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات پاک کو ایسا پاکیزہ کیا کہ خالص نور ہو گئے۔ اور حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نور فرمادیا۔ اور متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نہیں رکھتے تھے اور یہ واضح ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام سایہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے اپنے پیروکاروں کا ایسا تصفیہ فرمایا کہ وہ سبھی نور ہو گئے۔ جیسا کہ ان کی حکایات اور ضریح عادات سے کتابیں بھری پڑی ہیں“

مولانا گنگوہی کی اس عبارت سے بھی نہ صرف یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے۔ بلکہ یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کی تربیت سے صحابہ کرام بھی نور بن چکے تھے۔ اور کشف و کرامات کا ان سے صدور ہوتا تھا۔ اس کے بعد مولانا گنگوہی صفحہ ۵۷ پر لکھتے ہیں:

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے اپنے نور سے پیدا فرمایا اور مومنوں کو میرے نور سے۔۔۔ نیز ارشاد فرمایا کہ اے اللہ میرے سمع، بصر، قلب میں نور کر دے۔ بلکہ فرمایا کہ مجھے سراپا نور کر دے۔ پس اگر ان کا نفس مصطفیٰ ہونا محال ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز یہ دعائے کرتے اس لیے کہ محال چیزوں کے لیے دعا کرنا بالاتفاق ممنوع ہے۔ حضرت ابوالحسن نورینی کو نور ہی اس لیے کہتے ہیں کہ آپ سے کئی بار نور دیکھا گیا۔ اور بہت سے عوام و خواص نے صلحیہ کی قبروں سے نور بلند ہوتے دیکھا ہے۔ یہ نور ان کے تزکیہ نفس کا ہے۔ جب نفس کا کام بلند ہو جاتا ہے تو اس کا نور بدن میں سرایت کر جاتا ہے۔ اور وہ ہوتے ہوتے بدن کی طبیعت اور مزاج ہی بن جاتا ہے۔ اس کے بعد اگر روح بدن سے جدا بھی ہو جائے (یعنی فوت ہونے کے بعد) پھر بھی وہ جسم انوار کا منبع اور مصدر بن جاتا ہے۔ جس طرح زندگی کی حالت میں تھا“

اس عبارت سے چار باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ جن کے اکابر علماء دیوبند قائل ہیں:

- ۱- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے۔
  - ۲- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت سے صحابہ کرام بھی نور بن گئے تھے۔
  - ۳- تزکیہ نفس سے ہر انسان نور بن سکتا ہے۔
  - ۴- انتقال کے بعد بھی اولیاء کرام منبع مفید ہوتے ہیں اور اولیاء کی قبور سے اخذ فیض ہو سکتا ہے۔
- علمائے بریلوی کے بھی کم و بیش یہی عقائد ہیں۔ پھر معلوم نہیں جھگڑا کس بات پر ہے۔ کاش اہل سنت و جماعت

کے یہ دونوں فرقے ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔ اگر یہ کوشش کریں تو تمام اختلافات فوراً مٹ سکتے ہیں۔ لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ اختلاف برائے اختلاف ہے۔ جو برائے پیٹ یا برائے ضد یا تکبر ہوتا ہے۔

کتاب مذکور کے صفحہ ۵۸-۵۷ پر مولانا رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:-  
 "الغرض بندہ کو لازم ہے کہ اپنی ذات کو عبودیت اور اس کی نگہداشت اور مراقبہ اور حضور قلب کی مکمل اعانت رکھے۔ اور ایک لمحہ بھی کوتاہی نہ کرے۔ اس لیے کہ کوشش بندہ کے اختیار میں ہے اور سیر کی توفیق حق تعالیٰ کا فضل اور عطا ہے۔۔۔۔ اور مجاہدہ اور ریاضت اس لیے کی جاتی ہے کہ حق تعالیٰ ان کو اعلیٰ علیین تک پہنچائے اور ملائکہ اور انبیاء کے ساتھ ان کا الحاق ہو جائے۔"

اس سے ظاہر ہے کہ فضل حق اور کوشش سے اعلیٰ علیین تک اور ملائکہ و انبیاء کے مقامات تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ ایک اور حدیث میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "علمائے امتی کا بنیاء بنی اسرائیل" میری امت کے علمائے یعنی اولیاء بنی اسرائیل کے انبیاء جیسے مراتب رکھتے ہیں۔  
 مولانا گنگوہی صفحہ ۱۵۲ پر لکھتے ہیں کہ:-

"الغرض ولایت خاصہ اس امت میں قیامت تک رہے گی۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بہت سے پرانگندہ بالوں والے پھٹے ہوئے کپڑوں والے جن کی ظاہری ذلت کی وجہ سے کوئی ان کی پرواہ نہیں کرتا لیکن اگر وہ حق تعالیٰ پر قسم کھا کر کہیں کہ فلاں کام ایسے ہو گا تو حق تعالیٰ یقیناً ان کی قسم کو پورا فرما کر اس کام کو اسی طرح کر دیں گے بعض صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے جہاں میں ہر جگہ موجود رہتے ہیں۔ اگرچہ نبوت کی چادر لپیٹ لی گئی ہے لیکن ولایت کی چادر اسی طرح پھیلی ہوئی ہے۔۔۔۔ قطب وہ غوث ہے کہ اس شخص سے حق تعالیٰ کا مقام نظر شروع ہوتا ہے۔ اور وہ تمام جہان میں ہر زمانے میں ایک ہوتا ہے۔ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر ہوتا ہے۔"

علمائے یونہی کی ایک اور کتاب سے صحابہ قبور و دیگر اولیاء کی کرامات کا ثبوت

مولانا اشرف  
 علی تھانوی

نئے شیخ یوسف بن اسماعیل نبھانی کی کتاب جامع کرامات اولیاء کا اردو ترجمہ کر کے شائع کرایا ہے جس کا

نام انہوں نے "بحال الاولیاء" رکھا ہے۔ کتاب کے صفحہ ۲۹ پر لکھتے ہیں کہ:-  
 "اولیائے کرام کی کرامتوں کا اور اس امر کے اثبات میں کہ جو فعل کسی نبی کا معجزہ ہوا ہے  
 جائز ہے کہ کسی دلی کی کرامت بھی ہو جائے۔"  
 کتاب مذکور کے صفحہ ۲۹ پر مولانا تھانوی لکھتے ہیں کہ:-

"امام فخر الدین رازی نے سورہ کہف کی تفسیر میں صحابہ کرام کی کرامتیں ذکر کی ہیں اور فرمایا  
 ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ جب آپ کا جنازہ  
 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک کے دروازہ پر لایا گیا اور ندا دی گئی کہ السلام علیک  
 یا رسول اللہ، یہ ابو بکرؓ دروازہ پر حاضر ہیں تو دروازہ خود بخود کھل گیا اور غیب سے قبر شریف  
 کے اندر سے آواز آئی کہ ایک دوست کو دوست کے پاس داخل کر دو۔"

اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ:-  
**حضرت ثابت بن قیس کی بعد اوقات کرامت**  
 بیہقی نے عبداللہ بن عبد اللہ

انصاری سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب ہم نے ثابت بن قیسؓ کو دفن کیا۔ اور  
 یہ جنگ عمار میں شہید ہوئے تھے۔ اور ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت  
 کی شہادت دی تھی۔ تو جب ہم نے ان کو دفن کیا تو ان کو یہ کہتے سنا کہ محمد رسول اللہ ہیں۔  
 ابو بکرؓ اور عمرؓ شہید ہیں۔ عثمان نیک اور رحیم ہیں۔ (یاد رہے کہ حضرت عثمان اس وقت تک  
 شہید نہیں ہوئے تھے)

علامہ سخاویؒ نے اپنی کتاب طبقات  
**حضرت امام حسن ابن حضرت علیؓ کی کرامت**  
 میں لکھا ہے کہ:-

"ابونسیم اور اہل عساکر نے اعمشؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام حسنؓ  
 کی مزار مبارک پر پاخانہ پھر دیا تو وہ مجنون ہو گیا۔ اور کتے کی طرح بھونکنے لگا۔ اور پھر مر گیا۔  
 اور اس کی قبر سے بھی سنا گیا کہ وہ بھونک رہا ہے۔"

کتاب کے صفحہ ۳۶ پر لکھا ہے کہ:-  
**حضرت امیر حمزہؓ کی کرامت**  
 فاطمہ خزانیہؓ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت حمزہؓ کی

قبر کی زیارت کی تو عرض کیا کہ السلام علیک یا عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ انہوں نے جواب  
 دیا کہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔۔۔ نیز عارف باللہ شیخ محمود کریمیؒ مرقم مدینۃ المنورہ کی کتاب

الباقیات الصالحات میں لکھا ہے کہ انہوں نے سیدنا حمزہ کی قبر کی زیارت کی تو السلام علیکم کہا اور قبر میں سے جواب سنا۔ اور یہ بھی کہا کہ اپنے لڑکے کا نام حمزہ رکھنا۔ چنانچہ جب لڑکا پیدا ہوا تو ان کا نام حمزہ رکھا۔  
اس سے تین امور ثابت ہوئے۔

- ۱- زیارتِ قبور جائز ہے۔
  - ۲- سماع موتی حقیقت ہے۔ اہل قبور سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔
  - ۳- خواتین صحابیات بھی قبروں پر جایا کرتی تھیں۔ اور سلام کرتی تھیں۔ اور جواب سنتی تھیں۔
- کتاب مذکور کے صفحہ ۳۸ پر مولانا تھانوی نے لکھا ہے کہ:-

### حضرت زید بن خارجہ انصاری کی کرامت

بیہقی نے حضرت سعید بن المسیب سے روایت کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے کہ حضرت زید بن خارجہ انصاری نے حضرت عثمان کے زمانہ میں وفات پائی۔ جب کفن دیا گیا تو لوگوں نے ان کے سینہ سے یہ آواز سنی کہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلی کتاب میں بیان ہے اور وہ سچے ہیں، سچے ہیں۔ ابو بکر صدیق جو خود ضعیف اور اللہ کے حکم سے قوی ہیں، کا پہلی کتاب میں بیان ہے سچے ہیں۔ عمر ابن خطاب قوی اور امین ہیں۔ یہ پہلی کتاب میں بیان ہے سچے ہیں۔ اور عثمان بن عفان جو انہی کے طریقہ پر ہیں چار سال گزر گئے اور دو باقی رہ گئے۔ فتنے آگے۔ قوی نے ضعیف کو کھالیا اور قیامت قائم ہو گئی۔

کتاب مذکور کے صفحہ ۴۴ پر لکھا ہے کہ جلال الدین بصری دمشقی نے اپنی کتاب تحفۃ الانام فی فضائل

### حضرت سعید بن عبادہ کی کرامت

الشمام میں بیان کیا ہے کہ:-  
”حضرت سعید بن عبادہ کی قبر دمشق کے شہر غوطہ گاؤں میں ہے۔ حضرت شیخ عارف مقتدی ابو اسحاق نے کئی بار قبر مبارک کی زیارت کی۔ ایک مرتبہ ان کے دل میں خیال آیا کہ آیا وہی یہ قبر حضرت سعید بن عبادہ کی ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ مجھے اونگھ آگئی، ادیکھا کہ قبر چھٹ گئی ہے اور ایک لمبے قد کا بدوی شخص نقاب پوش قبر کی اوپر کی جانب سے نکلا اور کہا کہ میں سعید ہوں۔ حضرت سعید بن عبادہ کی وفات حضرت ابو بکر صدیق کے زمانہ میں ۱۲ھ میں ہوئی اور بلاد شام میں دفن ہوئے۔“

## حضرت عثمانؓ کی کرامت

کتاب مذکور کے صفحہ ۶۰ پر لکھا ہے:

”حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ جس وقت

حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کیا گیا تو میں آپ کے سلام کے لیے آیا۔ انہوں نے فرمایا: مرحبا بھائی! یہ بھی فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس گلی میں دیکھا، فرماتے ہیں: عثمان! لوگوں نے تمہارا محاصرہ کر رکھا ہے۔ میں نے عرض کی جی ہاں! حضورؐ نے میرے لیے ایک ڈول لٹکا دیا جس میں پانی تھا۔ میں نے پانی پیا اور سیراب ہو گیا۔ پھر فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہاری امداد کروں اور اگر چاہو تو ہمارے پاس روزہ افطار کرنا۔ میں نے اسی کو اختیار کیا۔ دوسرے روز آپ شہید ہو گئے۔

علامہ جلال الدین سیوطی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ صحیح ہے اور کتب حدیث میں سند کے ساتھ روایت ہے اور اکابر نے حضرت عثمانؓ کے اس مشاہدہ کو، حالت بیداری میں دیکھنا قرار دیا ہے۔“

## حضرت علیؓ کی کرامت

کتاب مذکور کے صفحہ ۶۵ پر لکھا ہے:

”بیہقی نے حضرت سعید بن مسیبؓ سے روایت ہے کہ

ہم حضرت علیؓ کے ساتھ مدینہ منورہ کے قبرستان میں داخل ہوئے تو آپ نے بلند آواز کے ساتھ فرمایا: اے قبر والو السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ یا تو تم ہمیں اپنی خبریں بتاؤ یا ہم تم کو بتائیں۔ حضرت سعید فرماتے ہیں کہ ہم نے قبروں سے یہ آواز سنی یا امیر المؤمنینؓ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ ویرکاتہ۔ آپ ہم کو بتائیں کہ ہمارے بعد کیا ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری بیویوں نے نکاح کر لیے۔ تمہارے مال تقسیم ہو گئے۔ تمہاری اولادیں تمہاری شمار ہونے لگیں۔۔۔۔۔ یہ تو ہمارے پاس کی خبریں ہیں۔ تمہارے پاس کی کیا خبریں ہیں ایک مرد سے نے جواب دیا کہ ہمارے کفن پھٹ چکے ہیں۔ بال بکھر گئے ہیں۔ کھالیں پر اگندہ ہو گئی ہیں۔ آنکھیں رخساروں پر بہہ پڑی ہیں۔۔۔ جو کچھ کیا تھا وہ پالیا اور جو کچھ چھوڑ دیا تھا اس کا خسارہ اٹھایا۔“

## حضرت عمرؓ کی کرامت

کتاب مذکور کے صفحہ ۶۸-۶۹ پر لکھا ہے کہ:

”ابن ابی الدنیا نے کتاب القبور میں حضرت عمرؓ کے خطبے

سے روایت کی ہے کہ آپ جنت البقیع تشریف لے گئے اور فرمایا السلام علیکم یا اہل القبر“



جو خبریں ہمارے پاس ہیں یہ ہیں کہ تمہاری بیویوں نے نکاح کر لیے ہیں۔ تمہارے مکانوں میں سکونت ہو رہی ہے۔ تمہارے اموال تقسیم ہو گئے ہیں۔ ایک غیب سے آواز دینے والے نے کہا: اے عمر ابن الخطابؓ ہمارے پاس کی خبریں یہ ہیں: جو کچھ تم نے کیا پایا۔ جو خرچ کیا تھا اس کا نفع اٹھالیا اور جو کچھ چھوڑ دیا اس کا خسارہ اٹھالیا۔۔۔ ابن عساکر نے روایت کی کہ میں نے سنا کہ عمر بن الخطابؓ ایک نوجوان کی قبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا: اے فلاں ابن فلاں، لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٍ۔ (جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو بہشت ہیں) نوجوان نے قبر کے اندر سے آواز دی۔ کہ اے عمرؓ! میرے پروردگار نے مجھے وہ دونوں عطا فرمائی ہیں۔“

شاہ اسماعیل شہید اور زیارتِ قبور

شاہ اسماعیل شہید کو مخالفین تصوف اپنے مسلک کا امام سمجھتے ہیں اور ان کی کتاب تقویت الایمان کو مسلک اولیاء کے خلاف ہر جگہ نقل کرتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ تقویت الایمان کے مصنف کے متعلق اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ شاہ اسماعیل شہید کی تصنیف نہیں ہے کیونکہ شاہ اسماعیل شہید حضرت شاہ ولی اللہ کے پوتے ہیں اور دادا پوتے کے درمیان اتنا زیادہ فاصلہ اور تفاوت نہیں ہو سکتا کہ ایک دوسرے کا بالکل مخالف بن جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ شاہ اسماعیل شہید روحانی طور پر سید احمد شہید کے مرید و خلیفہ ہیں جو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے مرید و خلیفہ ہیں۔ اس پیری مریدی کے تعلق سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ شاہ اسماعیل شہید کا مسلک نہ اپنے باپ دادا کے خلاف ہو سکتا ہے اور نہ اپنے شیخ طریقت کے خلاف ہو سکتا ہے۔ عقل سلیم اس بات کو تسلیم نہیں کرتی۔ تیسری بات یہ ہے کہ شاہ اسماعیل شہید کی دیگر تصانیف مسائل تصوف، سلوک الی اللہ اور عقائد صوفیاء و مشائخ کے عین مطابق ہیں۔ مثلاً آپ کی کتاب "صراط مستقیم" نہ صرف حقائق تصوف سے لبریز ہے بلکہ سلوک الی اللہ میں ایک مکمل ضابطہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ کی کتاب "عبقات" تو وحدت الوجود کے اثبات اور شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے مسلک کی حمایت میں بہت بڑی مستند کتاب ہے جس میں انہوں نے نہ صرف وحدت الوجود کو حق تسلیم کیا ہے بلکہ یہ بھی ثابت کیا ہے کہ ابن عربی کے وحدت الوجود اور شیخ احمد سرہندی کے وحدت الشہود میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے بلکہ نزاع لفظی ہے ان شواہد کے پیش نظر تقویت الایمان کی تصنیف نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ راقم الحروف کے پاس جو اس کتاب کا نسخہ موجود ہے اس پر مولانا قطب الدین نے اپنی قلم سے لکھ دیا ہے کہ ہمارے استاد شیخ الہند مولانا محمود حسن رح نے فرمایا کہ یہ شاہ اسماعیل شہید کی تصنیف نہیں ہے۔ اس کتاب کے متعلق ہمارے شیخ حضرت مولانا سید محمد

ذوقی شاہ علیہ رحمۃ فرمایا کرتے تھے کہ یہ شاہ اسماعیل شہید کی زمانہ جوانی کی تصنیف ہے جو انہوں نے ظاہری علوم سے فارغ التحصیل ہونے کے فوراً بعد لکھ ڈالی لیکن مرید ہونے اور سلوک طے کرنے کے بعد تصوف کے خلاف ان کی مخالفت موافقت میں تبدیل ہو گئی جس کے نتیجے میں انہوں نے صراط مستقیم، عبقات اور منصب امامت جیسی اعمدال پسندانہ کتابیں لکھیں۔ اس بات کا ثبوت صراط مستقیم سے بھی ملتا ہے۔ کیونکہ اس کتاب میں جہاں انہوں نے مسلک اولیاء اور تصوف کی حمایت کی ہے مزارات اور عرسوں پر انہوں نے غیر شرع امور کی بھی مذمت کی ہے اور جہاں انہوں نے عوام کو مزارات پر جا کر غیر شرع امور کی ممانعت کی ہے انہوں نے خواص کے لیے زیارت قبور کو مفید بھی بتایا ہے اور اصحاب قبور سے اخذ فیض کو بھی ثابت کیا ہے۔ چنانچہ صراط مستقیم کے صفحہ ۱۰۳ پر آپ لکھتے ہیں کہ:-

”القصہ اگرچہ صاف باطن کو اولیاء اللہ کی قبروں کی طرف سے کسی قدر فائدہ ہوتا ہے مگر عام مومنوں کو اس سے بھاری نقصان پہنچتا ہے“

کتاب مذکور کے صفحہ ۱۰۶ پر آپ نے اولیاء اللہ کی نذر و نیاز کو اس طرح ناجائز قرار دیا جس میں شرکت خفی شامل ہو جائے۔ اس کے علاوہ آپ نے اس کو عمدہ اور حکم شرع کے مطابق قرار دیا ہے چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ:-

”اولیاء اللہ کی نیاز اس طور پر ادا کرنا کہ شرک خفی اور اسراف اور کسی طرح کی بدعتیں ان میں پیدا ہو جائیں بدعات میں شامل ہے۔۔۔۔۔ اس کا بیان یہ ہے کہ اس امر کی اصل اگرچہ عمدہ اور حکم شرع کے موافق ہے لیکن عوام نے اپنے ظنوں اور وہموں کو اس میں داخل کر دیا ہے جس سے پسندیدہ اصل تو پوشیدہ ہو گیا اور ناپاک فروغ جو لوگوں کی تراش و خراش سے پیدا ہو گئی بھیس ظاہر اور راجح ہو گئی“

آگے چل کر کتاب کے صفحہ ۱۰۷ تا ۱۱۰ پر آپ نے اصحاب قبور کو صحیح اور شریعت کے مطابق عبادات نوافل اور طعام وغیرہ کے ذریعے ثواب پہنچانے کے طریقے تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ اس کے بعد صفحہ ۱۱۰ پر لکھتے ہیں کہ:-

”پس امور مروجہ یعنی اموات کے فاتحوں، عرسوں اور نذر و نیاز سے اس قدر امر کی خوبی میں کچھ شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔۔۔۔۔ بلکہ اکثر اوقات میں تو مطلقاً عبادت کی نیت بھی نہیں ہوتی۔ صرف دنیاوی نام و ناموس یا لوگوں کے طعن و تشنیع کے دفع کرنے کے لیے یا سخت اور عار کے ڈر سے یہ کام کیا جاتا ہے“

ظاہر ہے کہ شاہ صاحب کے اس استدلال سے کس کو اختلاف ہو سکتا ہے کہ اصحاب قبور کو ایصالِ ثواب کے لیے نہیں بلکہ نام و ناموس کے لیے طعام، تلاوت، نوافل وغیرہ ادا کی جائیں۔

شاہ اسماعیل شہید کتاب صراطِ مستقیم کے صفحہ ۲۱۱ پر تو سالکین راہِ طریقت کے لیے

**ارواحِ انبیاءِ اولیاءِ کرام اور ملائکہ سے ملاقات**

اذکار و مشاغل کے ذریعے ارواحِ انبیاءِ علیہم السلام اولیائے کرام اور ملائکہ سے ملاقات کرنا اور جنت و دوزخ اور لوح محفوظ کی سیر کرنا بھی ثابت کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں :-

”بجملہ ان آثار کے ذاکر کی روح کی نورانیت ہے اور ارواحِ انبیاءِ علیہم السلام اور اولیاءِ کرام اور ملائکہ عظام کے ساتھ ملاقات کرنا اور جنت و دوزخ اور آسمانی مقامات کی سیر کرنا جیسے سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المصوّر وغیرہ لوح محفوظ کی سیر کرنا اور وہاں کے واقعات کا تکشف ہونا اور ان ہی امور کی خاطر روح کو آسمان پر بٹھرا کر وہاں دورہ اور سیر کرنا اور وہاں کے عجائبات کا دیکھنا مختلف طور پر واقع ہوتا ہے۔۔۔ اور ارواح اور ملائکہ کی ملاقات کے وقت ان کے ساتھ ہمکلامی کا موقع بھی ملتا ہے۔“

اس سے ظاہر ہے کہ سالکین راہِ طریقت کو جب اذکار و مشاغل سے لطافت اور نورانیت حاصل ہوتی ہے تو وہ نہ صرف اولیائے اہل قبور سے ملاقات اور ہمکلامی کا شرف حاصل کرتے ہیں بلکہ ملائکہ سے بھی ملاقات ہوتی ہے اور لوح محفوظ کے نوشتہ سے بھی آگاہی حاصل ہوتی ہے جو دوسروں کے لیے علم غیب کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کیلئے علم حاضر ہو جاتا ہے۔

آگے چل کر شاہ اسماعیل شہید اسلام کی اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں جن کو علمائے ظواہر سمجھنے سے قاصر ہیں۔ کتاب کے صفحہ

**ذاتِ حق میں داخل ہونا**

۲۱۱-۲۱۲ پر لکھتے ہیں کہ :-

”بعد ازاں شغلِ نفسی کو شروع کرے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ آیۃ مبارک اللہ نور السموات والارض کے مطابق انوار الہی ہر جگہ موجود ہیں۔ جس طرح کہ وجود اور ہستی ہر جگہ ثابت ہے۔ چنانچہ مراقبہ وحدانیت میں وضاحت کے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔ پس جس جگہ وجود کا احاطہ معلوم ہو چکا ہے اسی طرح اس کے انوار کا احاطہ سمجھنا چاہیے۔۔۔ اور ذاتِ بحت (ذاتِ منزہ) تک واصل ہونے کے لیے حجابات کا طے کرنا ضروری ہے۔۔۔ اور بلند فطرت والوں کو بدون انکشاف انوار کے ذاتِ بحت میں واصل

ہونا میسر آجاتا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ شاہ اسماعیل وحدت الوجود کے بھی قائل ہیں۔ نیز ان کی کتاب عبقات وحدت الوجود کے ثبوت سے لبریز ہے۔ آگے چل کر فرماتے ہیں :-  
 "شغل نفی کی تکمیل و اتمام کے بعد دو صورتیں پیش آتی ہیں۔ کبھی تو توحید صفاتی منکشف ہو جاتی ہے۔۔۔ اور وہ تمام جہان کو اپنے اندر دیکھتا ہے۔ افلاک، عناصر، جبال، اشجار، حیوان، انسان سب کو اپنے جسم کے اجزاء اور اعضاء خیال کرتا ہے اور دور دراز مقامات کی سیر اس کو بطور کشف حاصل ہوتی ہے اور اس کا یہ کشف مطابق واقعہ کے ہوتا ہے۔"

بعض ظاہرین حضرات قرب حق، اور مقام فنا فی اللہ اور سیر فی اللہ کو نہ سمجھ سکتے ہیں اور نہ ان کو

### فنا فی اللہ یا سیر فی اللہ کی حقیقت

تسلیم کرتے ہیں۔ ان مقامات کی حقیقت شاہ اسماعیل شہید جن کو اہل ظاہر اپنا امام اور مقتدا سمجھتے ہیں کتاب صراط مستقیم کے صفحہ ۲۲۰ پر یوں بیان کرتے ہیں :-

"جس شخص کو عنایت خداوندی اور جذبہ غیبی کی امداد سے سب حجاب طے ہو جائیں وہ ذات بحت کی معرفت کے مقام میں پہنچ جاتا ہے اور اس جگہ عمدہ حالات اور رنگارنگ اطوار پیش آتے ہیں۔ اس مقام کا نام سیر فی اللہ ہے۔۔۔۔۔ سیر فی اللہ بڑی لمبی چوڑی تفصیل رکھتا ہے جو ان اوراق میں دشوار ہے۔"

علم روحانیت یا علم تصوف کی اصطلاح میں اس مقام کو فنا فی اللہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یعنی ذات حق میں سفر کرتے ہوئے مقامات قرب طے کرنا۔ چونکہ ذات حق کی کوئی انتہا نہیں۔ یہ سفر کبھی طے نہیں ہوتا اور عشاق ازل کی پیاس ہمیشہ برقرار رہتی ہے۔

کتاب مذکور کے صفحہ ۳۱۷-۳۱۸ پر شاہ اسماعیل شہید اصحاب قبور کے

### اصحاب قبور کے تصرف اور فیضان کی ایک اور مثال

فیوض کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"حضرت سید صاحب (سید احمد شہید جو شاہ اسماعیل شہید کے پیر ہیں) کو تینوں طریقوں یعنی قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ کی نسبت مبادی سے پہلے حاصل ہو گئی۔ نسبت قادریہ اور نقشبندیہ کا بیان اس طرح ہے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز (محدث دہلوی) قدس سرہ

کی بیعت کی برکت سے اور آنجناب کی توجہات کے یکن سے حضرت جناب غوث  
 الثقلین (حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ) اور جناب خواجہ بہار الدین نقشبندؒ کی روح مقدس  
 آپ کے متوجہ حال ہوئیں اور قریب ایک ماہ تک آپ کے حق میں ہر دو اذواح مقدس  
 کے مابین فی الجملہ تنازع رہا کہ کیونکہ ہر ایک ان دونوں عالی مقام اماموں میں سے اس  
 امر کا تقاضا کرتا تھا کہ آپ کو بہماہر اپنی طرف جذب کرنے تاکہ تنازع کا زنا گزرنے  
 اور شرکت پر صلح کرنے کا واقعہ ہونے کے بعد ایک دن ہر دو مقدس روہیں آپ پر  
 جلوہ گر ہوئیں اور تقریباً ایک پہر کے عرصہ تک وہ دونوں امام آپ کے نفس نفیس پر  
 توجہ قوی اور پر زور اثر ڈالتے رہے۔ پس اسی ایک پہر میں ہر دو طریقہ کی نسبت آپ کو  
 نصیب ہوئی۔ سوائے نسبت چشتیہ کے نسبت چشتیہ کے حصول کا بیان یہ ہے کہ ایک دن  
 آپ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ قطب الدین بختیار کا کی قدس سرہ الغریزہ کی مرقد منور  
 کی طرف تشریف لے گئے اور مزار مبارک پر مراقب ہو کر بیٹھ گئے۔ اس اثنا میں ان  
 کی روح پر فتوح سے آپ کی ملاقات ہوئی اور حضرت قطب الاقطاب نے آپ پر  
 نہایت قوی توجہ کی۔ اس توجہ کے سبب سے ابتدائے حصول نسبت چشتیہ کا ثابت ہو  
 گیا۔۔۔ بعد ازاں آپ نے طریقہ چشتیہ کی تلقین اور تعلیم میں بازوئے ہمت کھولا اور  
 اشغال کی تجدید فرمائی جو اس کتاب میں درج ہیں۔

شہادت نبوت کا اولیاء کرام میں منتقل ہونا  
 شاہ اسماعیل شہید کے مندرجہ ذیل بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کمالات نبوت میں اولیائے

امت کو بھی حصہ ملتا ہے۔ چنانچہ کتاب مذکور کے صفحہ ۳۱۹ پر لکھتے ہیں کہ:-  
 پس جاننا چاہیے کہ کمالات راہ نبوت ارباب کمال کی بصیرتوں کو سرمہ قدس سے منور  
 کر دیتے ہیں اور سرمہ قدسی کے سبب ان کی بصیرت کا نور حدت اور تیزی قبول کرتا  
 ہے اور ان کی قدسی آنکھ کھل جاتی ہے تاکہ وہ جس چیز کی طرف التفات کرتے ہیں اس  
 چیز کے حقائق اور دقائق کو اپنی استعداد کے مطابق ملاحظہ دریافت کر لیتے ہیں۔  
 گویا راہ ولایت کی تمام نسبتیں سالک راہ نبوت کے کمال میں مجملًا مندرج ہوتی ہیں۔  
 صرف ادنیٰ اسی توجہ سے متحقق ہوتی تو اس چیز کی حقیقت اپنی تمام شرح و بسط کے ساتھ  
 ان کی بصیرت کے سامنے حاضر ہو جاتی ہے۔ پس جاننا چاہیے کہ اشغال اور

اذکار اور مجاہدات اور مراقبات کا مقرر کرنا فی الحقیقت شریعت کا نفل ہے۔  
اس سے ظاہر ہے کہ یہ جو بعض ظاہر بین حضرات اولیاء کرام اور مشائخ عظام کے مقرر کردہ اذکار و  
مشاغل اور مراقبات پر غیر شرع بدعت ہونے کا الزام لگاتے ہیں حضرت شاہ اسماعیل شہید جیسے سخت گیر  
متبع شریعت کے نزدیک یہ بھی شریعت اسلامیہ سے باہر نہیں بلکہ شریعت کے عین مطابق ہیں۔ اور ان  
اذکار و مشاغل اور مراقبات سے جو باطنی بصیرت حاصل ہوتی ہے وہ شاہ صاحب نے اوپر بیان کر دی ہے۔  
نیز اس بصیرت جو غیب کی چیزوں کا علم ہوتا ہے وہ بھی شاہ صاحب نے بیان کر دیا ہے۔

**اصحاب قبور اور حضرت غوث الاعظم** | اب ہم حضرت غوث الاعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ  
کے شواہدات زیارت قبور اور فیوض و برکات قبور کے متعلق

بیان کرتے ہیں۔ کتاب زهرة الابرار کے صفحہ ۵۶ پر لکھا ہے کہ:-

”شیخ ابوالحسن علی بن ہبیتی زیریانی (جو حضرت غوث الاعظم کے اصحاب میں سے تھے) نے  
بغداد میں ۵۶۳ھ میں کہا کہ میں نے شیخ عبدالقادر کے ساتھ شیخ معروف کرخی کی قبر کی زیارت  
کی پس کہا اسلام علیکم یا شیخ معروف تم ہم سے دو درجہ اوپر گزر گئے ہو۔ پھر دوبارہ ان کی زیارت  
کی اور کہا ”اسلام علیکم یا شیخ معروف ہم تم سے دو درجہ آگے بڑھ گئے۔ پس شیخ معروف  
کرخی نے قبر سے جواب دیا وعلیکم السلام اسے اپنے زمانہ کے سردار“

**حضرت امام بن حنبل کا قبر سے نکل کر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے ملنا** | کتابت کور  
صفحہ ۲۶۹

پر لکھا ہے کہ:-

”شیخ علی بن ہبیتی کہتے ہیں کہ میں نے شیخ عبدالقادر اور شیخ یقابن بطون کے ساتھ امام احمد بن  
حنبل کے مزار مبارک کی زیارت کی۔ میں نے دیکھا کہ امام موصوف قبر سے نکلے اور شیخ  
عبدالقادر کو سینہ سے لگایا اور ان کو خلعت پہنائی اور فرمایا اسے شیخ عبدالقادر بے شک  
تمہارے علم شریعت اور علم حقیقت، علم حال اور فعل حال میں محتاج ہوں“

**دیگر علماء و مشائخ کے شواہدات اور مشاہدات** | اب ہم چند اور علماء اور مشائخ کے شواہدات و بیانات  
نقل کرتے ہیں جن کے متعلق کسی کو اختلاف نہیں

یا وہ جن کو تصوف کا مخالف سمجھا جاتا ہے۔ تاکہ بقول عارف رومیؒ

خوشتر آن باشد که ستر دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگران

غیر جانبِ حضرات کے لیے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی اور تصرفِ انبیاء اولیاء

علامہ جلال الدین سیوطی کے کمالات ظاہری و باطنی سے دنیا واقف ہے تعارف کی ضرورت

نہیں۔ آپ موطا امام مالکؒ کی شرح موسومہ تنویر الخواص میں لکھتے ہیں کہ:-

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور روح مبارک کے ساتھ زندہ ہیں اور آپ جہاں چاہیں زمین و آسمان میں سیر کرتے ہیں اور تصرفِ (کرامات و معجزات) فرماتے ہیں۔ آپ تبدیلی کے بغیر اس صورت میں ہیں جس صورت میں وصال سے پہلے تھے۔ آپ فرشتوں کی طرح لوگوں کی نظروں سے غائب ہیں جب اللہ تعالیٰ کسی پر مہربانی فرماتا ہے تو اس سے پردہ اٹھ جاتا ہے اور اسے حقیقتاً زیارت بابرکت نصیب ہوتی ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی یہی کیفیت ہے کہ قبروں سے نکل کر زمین و آسمان میں تصرف کرتے ہیں۔

حافظ ابن قیم جوزی کی شہادت

حافظ ابن قیم جو حضرات اہل حدیث کے امام حضرت امام ابن تیمیہ کے شاگرد ہیں کتاب روح و روحانیت

میں فرماتے ہیں:-

”حضور سرور انس و جان صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک اعلیٰ علیین میں رفیقِ اعلیٰ میں ہے جہاں دوسرے انبیاء علیہم السلام کی ارواح مقدسہ ہیں۔ پس روح تو وہاں ہے اور وہیں سے اسے روضہ منورہ میں رکھے ہوئے جسدِ اطہر کے ساتھ اتصال ہو رہا ہے اور روح و بدن کا ایسا قوی تعلق قائم ہو چکا ہے کہ آپ اپنی قبر شریف میں نمازیں پڑھتے ہیں اور ہر سلام کرنے والے کے سوال کا جواب دیتے ہیں۔۔۔۔۔ یہ طے شدہ بات ہے کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ بیداری میں بحالت سفر حضرت موسیٰ اور حضرت یونس علیہم السلام کو وادیِ ازرق اور ہرشی میں لیک پڑھتے ہوئے خاص ہیبت اور لباس میں دیکھا تھا۔ آپ نے ایک مرتبہ یہ بھی فرمایا کہ میں نے وادیِ غسقان میں حضرت نوح حضرت ابراہیم اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا وہ سرخ اونٹوں پر سوار تھے۔ یہ واقعات لیلۃ المعراج کے نہیں۔ دوسرے مواقع کے ہیں۔“

مولانا اشرف علی تھانوی کی شہادت

مولانا اشرف علی تھانوی اپنی کتاب نشیۃ الطیب صفحہ ۱۸۳ مطبوعہ دیوبند میں لکھتے ہیں:-

”مجموعہ روایات کے علاوہ فضیلت و اکرام ملائکہ کے برزخ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ مشاغل ثابت ہیں (۱) اعمال امت کا ملاحظہ فرمانا (۲) نمازیں پڑھنا (۳) مناسب غذا اُس عالم کی نوش فرمانا (۴) سلام کو سننا نزدیک سے خود اور دُور سے بذریعہ ملائکہ (۵) سلام کا جواب دینا یہ تو دائماً ثابت ہیں اور احیاناً بعض خواص امت سے آپ کا سلام اور ہدایت فرمانا بھی آثار و اخبار میں مذکور ہے اور حالت رویا اور کشف میں تو ایسے واقعات شمار سے باہر ہیں۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔“

حضرت شاہ عبدالرحمن محدث دہلویؒ کی شہادت

شاہ عبدالرحمن محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:-

”حضور فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام بعد وصال وہی ہے جو آپ کی حیاتِ طیبہ میں تھا۔ آپ بعد وصال بھی اسی طرح رسولؐ ہیں جس طرح اپنی مقدس زندگی میں تھے۔ مسجد نبویؐ میں آہستہ بات کرنا چاہیے اور دوسرے آداب کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔“

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی شہادت

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دیوبند اپنی کتاب ”آبِ حیات“ میں لکھتے ہیں کہ:-

”عالم لوگوں کی موت اور انبیاء علیہم السلام کی موت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ عام لوگوں کی روح موت کے وقت جسم سے الگ ہو جاتی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی روح جسم سے الگ نہیں ہوتی صرف ایک پردہ پڑ جاتا ہے۔“

حضرت سعید بن مسیبؓ کی شہادت

حضرت سعید بن مسیبؓ جلیل القدر تابعی ہیں۔ یزید کے مدینہ منورہ پر حملے کے وقت آپ مسجد نبویؐ میں چھپ گئے

تھے۔ علامہ ابن جوزی جو تلبیس ابلیس جیسی کتاب کے مصنف ہیں جو صوفیاء کرام کے شروع میں مخالف اور بعد میں موافق ہو گئے بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعید بن مسیبؓ فرماتے ہیں کہ ”جب نماز کا وقت آتا تو میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر سے اذان کی آواز سنتا تھا۔ اس کے بعد اقامت ہوتی تھی اور میں اس اقامت سے مسجد نبویؐ میں نماز پڑھتا تھا۔ میں نے پندرہ نمازیں اسی صورت میں ادا کیں۔“

ملا علی قاریؒ کی شہادت

حضرت ملا علی قاریؒ اپنی کتاب جمع الوسائل میں فرماتے ہیں:-

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کسی حالت میں بھی باطل اور غلط



نہیں ہو سکتی۔ خواہ کسی صورت میں نظر آویں کیونکہ شکل بھی منجانب اللہ تعالیٰ بنائی جاتی ہے۔  
 اس کی وجہ یہ ہے کہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَنْ رَأَى فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ فَإِنَّ  
 الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِرُحْنٍ نَعْمَ نَعْمَ خَوَابٌ فِيهَا بَيِّنَاتٌ مِمَّا كَانَتْ فِي رُوحِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 شَيْطَانٌ مِثْلِي شَكْلًا اِخْتِيَارًا لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَكُونَ عِلْمًا تَمَامًا عِلْمًا تَمَامًا عِلْمًا تَمَامًا عِلْمًا تَمَامًا عِلْمًا تَمَامًا  
 صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوتی اس کو گویا زندگی میں زیارت ہوتی۔ قاضی عیاضؒ، امام نوویؒ، ابن حجر  
 عسقلانیؒ، امام غزالیؒ، امام عبد الوہاب شعرانیؒ تمام علماء کرام اس بات پر متفق ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ  
 جس نے خواب میں میری زیارت کی وہ بیداری میں بھی میری زیارت کریگا۔ فَلَئِنَّ الْمُهْرَجَ  
 شَاهِدٌ لِي فِي حُلُمِهِ كَمَا أَنَّهُ شَاهِدٌ لِي فِي نَوْمِهِ۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب الفوائد الکبیر  
 میں فرماتے ہیں کہ:-

”حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدسہ سے فیض حاصل کرنے کو اویسی  
 طریقہ کہتے ہیں۔ میں نے قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح سے پڑھا  
 ہے اور میں آپ کا اویسی ہوں۔“

نیز آپ اپنی کتاب فیوض الحرمین میں لکھتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ (عالم بیداری) اور عالم خواب میں احادیث سنیں اور بعض  
 کی اصلاح فرمائی انہوں نے ان کو ایک رسالہ کی صورت میں مرتب کر کے اس کا نام  
 درمیں رکھا ہے۔

حضرت امام عبد الوہاب شعرانی کے متعلق شرح بخاری  
 موسوسہ فیض الباری میں لکھا ہے کہ انہوں نے صبح اپنے

آٹھ ساتھیوں کے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بخاری شریف پڑھی اور وہ دعا بھی تحریر فرمائی جو صحیح  
 بخاری کے ختم پر آپ نے پڑھی تھی۔

حضرت شیخ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ مجھے بائیس  
 بار عالم بیداری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

ہوتی اور چند احادیث کے بارے میں دریافت کیا اور ان کی تصحیح فرمائی گئی۔

حضرت امام غزالیؒ اپنی کتاب المنقذ من الضلال میں فرماتے ہیں

”نفوس قدسیہ دنیک لوگ، کو حالت بیداری میں ملائکہ اور ارواح انبیاء علیہم السلام کا

دیکھنا نصیب ہوتا ہے اور ان سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

حضرت شیخ صدر الدین قونویؒ اپنے شیخ حضرت شیخ  
محمی الدین ابن عربیؒ کے حوالے سے اپنی کتاب شرح

حضرت شیخ صدر الدین قونویؒ کی شہادت

اربعینے میں لکھتے ہیں کہ:-

”جس آدمی کو حضرت انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کاملین کی روح کے درمیان مناسبت پیدا ہو جائے تو وہ ان کے ساتھ نیند اور بیداری کی حالت میں جب بھی چاہے اکٹھا ہو سکتا ہے۔ میں نے اپنے شیخ سیدی محی الدین ابن عربیؒ کو دیکھا کہ آپ انبیاء علیہم السلام اور اولیائے عظام اور گزرے ہوئے تمام لوگوں میں سے جس کی روح سے ملنا چاہتے مل لیا کرتے تھے۔ آپ کی یہ ملاقات تین طرح پر ہوتی تھیں۔ (۱) اگر چاہتے تو اپنی روحانیت کو عالم روحانیت میں اتار لیتے تھے۔ (۲) اگر چاہتے تو اپنے جسم سے علیحدہ ہو جاتے تھے اور جس روح سے ملاقات کرنے کا ارادہ ہوتا اس کے ساتھ عالم علوی میں ملاقات کر لیتے تھے۔ (۳) اگر چاہتے تو نیند ہی میں ملاقات کر لیتے تھے۔“

اصحابِ قبور سے رابطہ کیسے پیدا کیا جاتا ہے

اس بارے میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اولیاء کرام اور دیگر حضرات کی ارواح سے رابطہ اس وقت ممکن ہوتا ہے جب ریاضات، مجاہدات اور عبادات کے ذریعے انسان کے اندر اس حد تک تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب ہو جاتا ہے کہ نفس پر روح کا غلبہ ہو جاتا ہے اور باطنی آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں لیکن جن حضرات کو یہ دولت نصیب نہیں ان کو ان حقائق کا انکار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ بہت سی ایسی حقائق ہیں جو جسمانی آنکھوں سے اوجھل ہیں لیکن روحانی بصیرت سے دیکھی جاسکتی ہے۔ مثل ملائکہ، جنات اور ارواح انسانی اگر ایمان اور یقین لانے کے لیے دیکھا جانا ضروری ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ پر ملائکہ اور جنات و دوزخ پر اور ارواح پر اور جنات پر ایمان لانا کیسے ممکن تھا۔ لہذا ایمان بالغیب اسلام کا ایک ضروری رکن ہے۔ اس کو علم الکلام کی اصطلاح میں ایمان تقلیدی کہا جاتا ہے یعنی جب حق تعالیٰ نے کلام پاک میں فرمایا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دے دی کہ خدا ہے دوزخ اور جنت کا وجود ہے، ارواح اور ملائکہ برحق ہیں تو ایک مسلمان کو اس پر یقین کرنا لازمی ہے۔ اس کو ایمان تقلیدی یا علم الیقین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ لیکن علم الیقین سے حقیقت انسان کے سامنے نہیں آ جاتی بلکہ خدا کے کلام اور پیغمبر اسلام کی شہادت پر ایمان لایا جاتا ہے۔ علم الیقین سے اوپر اور زیادہ قوی یقین کے دو اور مراتب ہیں جن کو عین الیقین

اور عتقے یقین سے کہا جاتا ہے۔ عین یقین اس وقت حاصل ہوتا ہے جب ان غیبی حقائق کو انسان تزکیہ نفس کے بعد حاضر دیکھتا ہے اور تہ آن و حدیث میں غیب کی چیزوں کو عین یقین یعنی باطنی آنکھوں سے دیکھنے کے بے شمار شواہد وارد ہوتے ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت علیہ السلام کے قصہ کو لیجئے۔ حضرت علیہ السلام چند غیب کی ایسی چیزوں کو دیکھ رہے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں سے اوجھل تھیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بار بار ان سے پوچھ رہے تھے کہ یہ کام کیوں کیا وہ کام کیوں کیا اور اسی پر ان دونوں حضرات کے درمیان فراق ہو گیا۔ اسی طرح ایک حدیث میں رسول خدا صلی اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اتقوا رؤسۃ المؤمنین فانہ یبصر بنور اللہ (مومن کی باطنی بصیرت سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے) یعنی وہ ان غیبی امور کو دیکھ سکتا ہے جو عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب میرا بندہ زائد عبادات کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو میں اس سے محبت کرتا ہوں اور اس سے اس قدر قریب ہو جاتا ہوں کہ میں اس کی آنکھیں کان ہاتھ پاؤں اور زبان بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے دیکھتا ہے (بی یبصر) وہ مجھ سے سنتا ہے (بی یسمع) مجھ سے پکڑتا ہے (بی یبطش) مجھ سے چلتا ہے (بی یمشی) اور مجھ سے بولتا ہے (بی یخاطب) اب آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں جو مرد مومن اللہ کی آنکھوں سے دیکھے اور اللہ کے کانوں سے سنے تو وہ کیا کچھ نہیں دیکھ سکتا اور کیا کچھ نہیں سن سکتا اور کیا کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ سب اللہ کی دین ہے۔ اسی کا کرم اور اسی کی عنایت ہے۔ اور کسی کھینچ تان سے شرک نہیں کہا جاسکتا۔ ایک اور حدیث میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں اپنے پیچھے کی طرف بھی اسی طرح دیکھ سکتا ہوں جس طرح آگے کی طرف۔ یہ بھی باطنی بصیرت کا کرشمہ ہے۔ جو اللہ کی دین ہے۔

عالم ارواح کہاں ہے | اب چونکہ اصحاب قبور بھی زمان و مکان کی قید سے بالاتر ہوتے ہیں۔ بالفاظ دیگر چونکہ زمان و مکان ہمارے اس آفتاب اور زمین پیدا ہونے سے وجود میں آئے ہیں۔ اور چونکہ عالم ارواح یا عالم برزخ میں سورج اور زمین نہیں ہیں۔ اس لیے عالم ارواح میں زمان و مکان نہیں ہے اور ہر روح ہر جگہ موجود ہے۔ بلکہ وہاں کے لیے جگہ کا لفظ بھی استعمال نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہر شخص کی روح خواہ وہ نیک ہے یا بد، کافر ہے یا مسلمان، جو عالم ارواح میں موجود ہے، زمان و مکان کی قید سے باہر ہے اور ہر جگہ موجود ہے۔ یہ تو عام رُوحوں کا حال ہے۔ جبکہ خواص یعنی انبیاء اور اولیاء کی جو رُوحیں ہیں وہ تو بدرجہ اتم زمان و مکان کی قید سے آزاد ہیں اور ہر جگہ موجود ہیں۔ نیز قرآن حکیم میں شہدا کو زندہ کہا گیا ہے۔ اور ان کو مردہ کہنے کی ممانعت آئی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کو مردہ مت کہو۔

وہ زندہ ہیں لیکن تم کو ان کی زندگی کا شعور نہیں ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب تمام نیک و بد لوگوں کی رو میں زندہ ہیں اور عذاب و ثواب قبر سے متاثر ہوتی ہیں تو پھر شہد کی زندگی کس طرح ہوگی۔ اس کا مطلب سوائے اس بات کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ شہدار اور عام زندہ روجوں میں یہ فرق ہے کہ عام لوگوں کی روجوں کو تصرف کی طاقت نہیں ہے لیکن شہد کو یہ قوت حق تعالیٰ سے حاصل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن عظیم میں حق تعالیٰ نے مؤمنین کے مراتب یوں بیان فرماتے ہیں۔  
النَّبِيِّينَ وَالصَّالِحِينَ وَالشَّهَدَاءَ وَالصَّالِحِينَ۔

یعنی سب سے اونچا مرتبہ انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ اس کے بعد صدیقین کا جس سے مراد اولیاء اللہ ہیں۔ ان کو صدیق اس لیے کہا گیا ہے کہ ان کا ایمان تقلیدی یعنی علم الیقین کے قبیل سے نہیں ہوتا، بلکہ تصدیقی اور عین الیقین ہوتا ہے۔ صدیقین کے بعد شہدار کا مرتبہ ہے اور اس کے بعد عام صالحین یعنی عام نیک لوگوں کا مرتبہ ہے۔ اب جب قرآن حکیم میں شہد یعنی تیسرے درجے کے لوگوں کو زندہ اور متصرف قرار دیا گیا ہے تو اس کے اوپر کے دو درجوں کے حضرات یعنی انبیاء اور صدیقین تو بدرجہ اتم زندہ اور متصرف ہوتے یعنی وہ آپ کی بات عام لوگوں سے زیادہ سن سکتے ہیں۔ اور خداوند عالم کی بارگاہ میں ان کی دعا زیادہ مقبول ہو سکتی ہے۔ اور وہ زمان و مکان کی قید سے صالحین اور شہدار سے زیادہ آزاد ہیں۔ اور پھر جیسا کہ اوپر واضح کر دیا گیا ہے کہ وہ ہر جگہ موجود بھی ہیں۔ کیونکہ عالم ارواح میں نہ کوئی فاصلہ ہے اور نہ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی فاصلہ ممکن ہو سکتا ہے۔ اس لیے قرآن حکیم میں بار بار قبرستان جانے اور ان کو تلاوت، عبادت یا طعام کے ذریعے ایصال ثواب پہنچانے کی تاکید آتی ہے۔

جن بزرگوں نے قبور پر جانے سے منع کیا ہے، وہ اس لیے کہ جاہل لوگ وہاں جا کر سجدہ کرتے ہیں یا دیگر مشرکانہ حرکات کرتے ہیں۔ اگر غیر شرع امور کے بغیر قبور پر کوئی جائے تو اس میں کون سی آیات یا احادیث مانع ہیں۔ اور پھر جیسا کہ اکابرین علماء اور اولیاء اور مشائخ کا شاہدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے مزارات سے روحانی فیوض و برکات بھی حاصل ہوتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور اسماعیل شہید صیغیہ گری اور مشرک اکابرین نے اپنی کتابوں میں یہ واضح کیا ہے کہ انہوں نے انبیاء اور اولیاء کی قبور سے اخذ فیض کیا ہے اور اس کو جائز بھی قرار دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے جو لوگ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے مزارات پر جانے سے اجتناب کرتے ہیں وہ کس قدر انکے فیوض و برکات اور دولت دیدار سے محروم ہیں۔



مزارات سے حصول فیض کا طریقہ | چونکہ ارواح موتا۔ زمان و مکان کی قید سے آزاد ہوتے ہیں اسلئے کہ عالم ارواح میں نہ سورج ہے نہ زمین جس

سے زمان و مکان پیدا ہوئے لہذا وہ زمان و مکان کی قید میں مقید نہیں ہوتے اور جب کوئی انکی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ بھی متوجہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم تحت جو کچھ کر سکتے ہیں کرتے ہیں۔ چنانچہ مزارات اولیاء سے اخذ فیض کا یہ طریقہ ہے کہ وہاں جا کر فاتحہ پڑھ کر انکی روح کو ایصال ثواب کیا جائے۔ مختصر فاتحہ یہ ہے۔ سورہ قل صو اللہ بارہ بار، سورہ فلق ایک بار، سورہ ناس ایک بار، سورہ فاتحہ ایک بار۔ یہ پڑھ کر اس کا ثواب انکی روح کو بخشا جائے اور پھر مزار کے پاس دو زانو ہو کر بیٹھ جائے اور انکھیں بند کر کے یہ تصور کرے کہ میں انکے سامنے بیٹھا ہوں اور وہ مجھے فیضان دے رہے ہیں۔ اس طرح کم از کم نصف گھنٹہ بیٹھنے کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے کیا دیا ہے۔ اگرچہ شروع میں وہ ہر شخص کے طرف کے مطابق کم فیضان دیتے ہیں لیکن جب رفتہ رفتہ طرف بڑھ جاتا ہے اور انسان کی روحانی قوت میں اضافہ ہوتا ہے تو پھر فوارہ چھوڑ دیتے ہیں۔ بعض اوقات سلسلہ کلام اور زیارت بھی ہوتا ہے لیکن اس سے زیادہ مفید اور قوی چیز وہی اخذ فیضان ہے جس سے انسان کی روحانی ترقی میں اضافہ ہوتا ہے اور قرب الہی نصیب ہوتا ہے۔ اس وقت فیضان کی نوعیت بدل جاتی ہے اور پھر یہ محسوس ہوتا ہے کہ جو کچھ مل رہا ہے حق تعالیٰ سے مل رہا ہے۔ بالفاظ دیگر شیخ کا واسطہ ختم ہو جاتا ہے اور سالک قرب حق میں ترقی کرنے لگتا ہے۔

اگر مزار پر جانا میسر نہ آسکے تو گھر پر بیٹھے مندرجہ بالا طریق سے فاتحہ پڑھے اور جس شیخ طریقت کی طرف چاہے متوجہ ہو کر اخذ فیض کر سکتا ہے۔ اگر وہ حضرات جو اخذ فیض کے منکر ہیں یہی عمل کر کے دیکھ لیں تو انکو بھی ضرور فیض محسوس ہوگا۔ لیکن فیض ایسا لفظ ہے کہ جسکی وضاحت ذرا مشکل ہے بس یوں سمجھیں کہ شیخ کی توجہ سے تزکیہ نفس ہوتا ہے اور روحانی قوت میں اضافہ ہو کر قرب حق نصیب ہوتا ہے۔

اسی طرح رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کی طرف بھی توجہ کر کے فیضان نبوی سے مالا مال ہو سکتا ہے۔ لیکن اسکے لئے فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ چند بار پڑھنے کے بعد مراقب ہو جانا چاہیے۔ بفضلہ تعالیٰ فیض کثیر ملے گا۔

اسی طرح حق تعالیٰ کی بارگاہ میں مراقب ہونے سے فیضانِ عظیم حاصل ہوتا ہے اور روحانی قوت میں اضافہ ہو کر قرب حق نصیب ہوتا ہے۔ اس کا طریقہ آئندہ باب میں بیان کیا گیا ہے۔

اگر کوئی شخص اعتراض کرے کہ مراقبہ شیخ اور مراقبہ رسولِ شکر ہے تو اس سے دریافت کیا جائے کہ کس آیت قرآن یا حدیث نبوی کی رو سے یہ کام شرک ہے۔ بڑے اکابر علماء اور اولیاء نے یہ کام کیا ہے اور مستفیض ہوئے ہیں جیسا کہ اس باب میں وضاحت سے بیان ہو چکا ہے۔

صرف گنتی کے چند لوگ اس کا انکار کرتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ نہ ان بچاروں کو روحانیتِ اسلام کا علم ہے۔ نہ اسکی حقیقت سمجھ سکتے ہیں اور نہ اسکے حصول کے طریقے جانتے ہیں۔ انکو شروع ہی سے اسلام کی حقیقت اور مقصدِ حیاتِ انسانی کا علم نہیں ہے۔ حقیقتِ اسلام معلوم کرنے کیلئے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی زندگی آپ کے معجزات، ایامات، کشف، تصرف، عشقِ الہی اور مراتبِ قرب پر نگاہ ڈالنا چاہیئے اور اسی رولت کے حصول کی کوشش کرنا چاہیئے تب تو آدمی حقیقی معنوں میں مسلمان ہے۔ ورنہ تاجر ہے جو نماز روزہ کے عوض بہشت خریدنا چاہتا ہے

اگر گیتی سراسر باد گیرد چہ دراعِ مقبلان ہرگز نیرد



## ارکانِ اسلام یعنی نماز، روزہ وغیرہ کے باطنی سر اور رموز

صوم و صلوٰۃ، حج و زکوٰۃ کے باطنی اسرار اور رموز کے متعلق حضور رسالتاً علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متعدد احادیث میں ارشاد فرمایا ہے۔ مثلاً حدیث جبرئیل میں واضح طور پر فرمایا ہے کہ:-

”ترتیب احسان یہ ہے کہ آدمی نماز اس طرح پڑھے کہ خدا کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر دیکھ نہیں سکتا تو یہ خیال کرے کہ خدا مجھ کو دیکھ رہا ہے۔“

اس سے ظاہر ہے کہ نماز میں مشاہدہ حق نہ صرف ممکن ہے بلکہ ضروری بھی ہے۔ کیونکہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی تاکید فرمائی ہے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ”الصَّلَاةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِينَ (نماز مومنین کی معراج ہے) اور معراج سے مراد وصول الی اللہ اور قرب حق ہے۔“

ان دونوں حدیثوں میں نماز کے باطنی فیوض و برکات کا حصول مراد ہے۔

اسی طرح قرآن حکیم میں مومنین کی تعریف میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

وَفِي صَلَاتِهِمْ إِتِمَامٌ وَقَامُونَ۔ یہاں صلوٰۃ سے مراد دائمی شغل باطن ہے۔

یعنی مراقبہ ذات ہے۔ کیونکہ اس کے بعد نماز کا علیحدہ ذکر ہے۔

یعنی ذات حق کے ساتھ ہر وقت، ہر آن اور ہر لحظہ مشاغل رہتے ہیں۔ نیز فرمایا: رَجَالٌ لَا تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ (ایسے مردان خدا بھی ہیں جن کو نہ تجارت، شغل حق سے باز رکھ سکتی ہے نہ خرید و فروخت) ان دونوں آیات پاک سے دائمی شغل ذات مراد ہے جس کو اصطلاح تصوف میں فنا فی اللہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ:-

### اسرار و رموز طہارت

طہارت کی دو اقسام ہیں۔ طہارت ظاہری، طہارت باطنی۔ طہارت ظاہری پانی سے حاصل ہوتی

ہے۔ اور طہارت باطنی تو ہمیدِ خالص سے۔ جس طرح جسم کی طہارت یعنی ظاہری طہارت کے

بغیر نماز نہیں ہوتی۔ باطنی طہارت یعنی طہارت دل کے بغیر معرفت بھی صحیح نہیں ہوتی چنانچہ طبقہ صوفیاء ہمیشہ ظاہری و باطنی طہارت کے ساتھ رہتے تھے یعنی ظاہری طور پر با وضو رہتے تھے اور باطنی طور پر باخدا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دُمَّ عَلَى الْوَضْوِ يُجَبِّبُكَ حَافِظُكَ (ہمیشہ وضو کے ساتھ رہو تو تمہارے دو محافظ فرشتے تم سے محبت کریں گے) نیز حق تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (اللہ محبت کرتا ہے توبہ کرنے والوں سے اور محبت کرتا ہے طہارت میں رہنے والوں سے) پس جو شخص با وضو رہتا ہے اس سے فرشتے محبت کرتے ہیں اور جو باطنی طہارت سے رہتے ہیں ان سے حق تعالیٰ محبت فرماتے ہیں۔

آگے چل کر حضرت سید علی ہجویری تحریر فرماتے ہیں:

”انسان کو چاہیے کہ ہر ظاہری طہارت کے عمل میں باطنی طہارت پیش نظر رکھے۔ مثلاً جب ہاتھ دھوئے تو دنیا کی دوستی سے ہاتھ دھو ڈالے۔

جب پانی منہ میں ڈالے تو باطنی طہارت یہ ہے کہ منہ کو ذکر غیر سے محفوظ رکھے۔ جب ناک میں پانی دے تو باطنی طور پر تمام شہوات سے پاک ہو جائے۔ جب چہرہ دھوئے تو باطن میں تمام محبت کی چیزوں سے منہ موڑ کر محبوب حقیقی کی طرف رخ کر لے۔ جب دونوں بازو دھوئے تو باطن میں جملہ مرادات سے دست بردار ہو جائے۔ جب سر کا مسح کرے تو اپنے تمام کام حق تعالیٰ کے سپرد کر دے۔

جب پاؤں دھوئے تو فرمان الہی پر قیام یعنی قائم رہنے کے بغیر کسی اور چیز پر قیام نہ کرے۔ حضرت داتا صاحب طہارت کے متعلق اولیاء کرام کے اقوال بیان فرماتے ہیں جن میں سے چند اقوال یہ ہیں:

- ۱- حضرت سفیان ثوریؒ نے ایک دفعہ بیماری کی حالت میں ایک نماز کے لیے ساٹھ دفعہ وضو کیا۔
- ۲- ایک دفعہ خواجہ ابوبکر شبلیؒ وضو کر کے مسجد میں داخل ہوئے۔ غیب سے آواز آئی کہ ظاہری طہارت تم نے کر لی، باطنی طہارت کہاں ہے؟ چنانچہ آپ نے واپس جا کر تمام جائیداد اور ملک و املاک راہ خدا میں دیدی۔ اور ایک سال تک ستر پوشی کے کپڑوں کے سوا آپ کے پاس کچھ نہ تھا۔ اس کے بعد اپنے شیخ حضرت خواجہ جنید بغدادی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ اسے ابوبکر تم نے بہت سو مند طہارت کی۔ خدا کرے تو ہمیشہ اسی طہارت سے رہنے جتنی کہ جب دنیا سے رحلت کا وقت آیا تو وضو نہ رہا۔ قادم نے وضو کیا لیکن مبارک



کا خلال خادم بھول گیا۔ آپ نے خادم کو ریش کا خلال کرانے کا اشارہ فرمایا۔ تو اس نے ریش کا خلال کر لیا۔ اس حالت میں آپ کا وصال ہوا۔

۳۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب میرے دل میں دنیا کا خیال آتا ہے تو وضو کرتا ہوں اور آخرت کا خیال آئے تو غسل کرتا ہوں۔ کیونکہ دنیا فانی ہے۔ اس کا خیال آنا ضرر نہیں دیتا۔ اور عقبتاً باقی رہنے والی ہے۔ اس کے خیال کو غسل جنابت سے ہی پاک کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ نیز حضرت ابو بکر شبلیؒ کے متعلق روایت ہے کہ ایک دن وضو کر کے مسجد میں داخل ہوئے تو غیب سے آواز آئی کہ اے ابو بکر کیا تجھے اس قدر باطنی طہارت حاصل ہے کہ میرے گھر کے اندر داخل ہو رہا ہے۔ یہ سن کر آپ باہر جانے لگے تو آواز آئی میری بارگاہ سے واپس جاتے ہو، کہاں کا ارادہ ہے، یہ سن کر آپ نے سرد آہ بھری اور نعرہ لگایا۔ فرمان ہوا کہ ہماری شکایت کرتا ہے، یہ سن کر خاموشی سے کھڑے ہو گئے۔ آواز آئی ہمارے سامنے تھل اور صبر کا دعویٰ کرتا ہے، اس پر شبلیؒ نے عرض کیا کہ حضور میں تجھ سے تیرے ساتھ پناہ مانگتا ہوں اولیاء کرام کے اس قسم کے واقعات بہت ہیں۔ جن سے سابقین راہ حقیقت کے لیے ظاہری و باطنی طہارت کے اسباق ملتے ہیں۔ (ختم ہوئے اقوال حضرت سید علی ہجویریؒ کے)

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ بھی اپنی کتاب عوارف المعارف میں ظاہری و باطنی طہارت اور صوم و صلوات کے اسرار و رموز پر باب پینتیس<sup>۳۵</sup> میں وضو کے موضوع پر فرماتے ہیں کہ:-  
 "صوفیہ کے آداب وضو میں ایک یہ ہے کہ اعضاء کو دھونے میں حضور قلب کو برقرار رکھتے ہیں۔ میں نے ایک بزرگ کا ارشاد سنا ہے کہ جب وضو میں حضور قلب میسر ہوگا تو نماز میں بھی حضور قلب حاصل ہوگا۔ اور اس میں کوئی سہو ہو گیا تو نماز میں دسو سے پیدا ہوں گے۔"  
 "وضو مومن کا امتیاز ہے جس سے انسان شیطان کے حملوں سے محفوظ رہتا ہے۔ . . . ."  
 حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہو سکے تو ہر وقت وضو سے رہا کرو۔ کیونکہ اگر کسی شخص کو وضو کی حالت میں موت آجائے تو اس کو شہادت کا درجہ حاصل ہوگا۔ . . . حضرت ابراہیم بن ادھم کو ایک رات بیماری کی وجہ سے شمر مرتبہ اٹھنا پڑا۔ اور آپ نے ہر بار وضو کر کے دو نفل نماز ادا فرمائی۔"

اسرارِ صلوات

ارکان نماز میں بھی اسرار و رموز مضمون ہیں۔ لہذا جو حضرات نماز کو سنوارنے اور اس کو حقیقی نماز بنانے کا شوق رکھتے ہیں۔ ان کے لیے نماز کے ظاہری ارکان کے ساتھ باطنی شرائط بھی بجا لانا از حد ضروری ہے۔ حضرت سید علی ہجویری قدس سرہ کشف المحجوب میں ظاہری و باطنی شرائط نماز کو یوں

بیان فرماتے ہیں:

”ان شر الّطّٰمیں سے ایک شرط طہارت جسم ہے۔ بظاہر نجاست سے طہارت اور باطن خواہشاتِ نفس سے۔ دوسری شرط طہارت باطن نجاست سے اور کپڑے کی باطنی طہارت یہ ہے کہ کپڑا رزقِ حلال سے ہو۔ تیسری شرط نماز کی جگہ کا پاک ہونا ہے۔ بظاہر نجاست سے اور باطن فساد اور معصیت سے۔ یعنی مسجد یا نماز کی جگہ ظلم سے حاصل نہ کی گئی ہو۔ چوتھی شرط قبلہ کی طرف منہ کرنا ہے۔ قبلہ بظاہر خانہ کعبہ ہے۔ اور قبلہ باطن حق تعالیٰ کا عرش ہے۔ پانچویں شرط قیام ہے۔ ظاہری قیام قدرت سے ہے۔ اور باطنی قیام قربت میں ہے۔ قدرت سے مراد ظاہری جسمانی قوی کے ساتھ قیام۔ اور باطنی قیام قرب حق میں قیام۔ چھٹی شرط منہ قبلہ کی طرف ہونا ہے۔ اس کا ظاہر وہی جسمانی طور پر سمت کعبہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونا ہے۔ اور باطنی طور پر ماسوی اللہ سے روگردانی اور انہماک فی الحق ہے۔ ساتویں شرط بکبیر اولیٰ جس کا ظاہر یہ ہے کہ مصیبت اور غیبت کے ساتھ اللہ اکبر کہے۔ اور باطن یہ ہے کہ مقام وصل میں جم جائے۔ آٹھویں شرط قرأت ہے۔ جو خوبی اور عظمت کے ساتھ ہو، رکوع عجز و انکسار کے ساتھ۔ سجدت اور غیبت کے ساتھ تشہد (التحیات) جامعیت کے ساتھ (یعنی بیک وقت فنا فی اللہ اور بالذات کی تفصیل پہلے ابواب میں بیان ہو چکی ہے) اور سلام فنا سے بشری صفات کے ساتھ ہو۔۔۔

احادیث میں آیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو آپ کے سینہ مبارک سے دیگ کے جوش مارنے کی سی آواز سنائی دیتی تھی۔

جب حضرت علیؓ نماز پڑھتے تھے تو جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ اور فرماتے تھے کہ اب اس امانت کے اٹھانے کا وقت آگیا ہے جس کو آسمان اور زمین نہ اٹھا سکے۔

اس کے بعد حضرت سید علیؓ جو فرماتے ہیں:

”جاننا چاہیے کہ نماز وہ عبارت ہے جس میں سالکین کا پورا سلوک طے ہوتا ہے۔ اس میں ان تمام مقامات میں سے گزرنا پڑتا ہے جو سلوک الی اللہ میں آتے ہیں۔“

اس کے بعد آپ ان مقامات کی تفصیل بیان فرماتے ہیں جو نماز کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں۔ اس

باب میں حضرت سید علیؓ جو فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ کا کہنا ہے کہ نماز سے چار چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ اول فنا سے نفس دوم طبیعت بشری سے نجات سوم حصول ستر دراز، مشاہدہ حق۔۔۔ فرمایا: منصور بن علاح ہرات چار سو رکعات نماز ادا کرتے تھے۔ کسی نے پوچھا اس قدر تکلیف آپ کیوں برداشت کرتے ہیں۔ فرمایا: رنجِ درخت

تمہارے لیے ہوگی۔ دوستان خدا جو اپنی ذات سے فانی اور حق تعالیٰ سے باقی، ہو جاتے ہیں ان کے لیے ترجیح ہے نہ راحت ان پر اثر کرتی ہے۔ روایت ہے کہ جب ذوالنون مصریٰ نماز کے لیے اللہ اکبر کہتے، تو بیہوش ہو کر گر جاتے۔ جب حضرت جنید بغدادی بڑھے ہو گئے تب بھی تمام اوراد اور اذکار پر باقاعدگی سے کاربند رہے۔ کسی نے کہا کہ یا شیخ اب آپ کمزور ہو گئے ہیں کچھ مجاہدہ ترک کر دیں۔ فرمایا: جب جوانی میں یہ مشکل کام تھا تو کرتا تھا۔ اب میرے لیے آسان ہو گیا ہے تو کیوں نہ کروں۔ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے بچپن میں ایک بڑھی عورت کو نماز پڑھتے دیکھا کہ ایک بچھونے اسے چالیس مرتبہ نماز میں ڈنگ لگایا لیکن اس نے نماز چھوڑی۔ جب میں نے پوچھا کہ اس قدر مصیبت کیوں برداشت کی تو کہا کہ بیٹا تم بچے ہو تم کیا جانو جب میں حق تعالیٰ کے کام میں مشغول تھی تو اپنا کام کیسے کرتی۔

حضرت ابو الخیر کا پاؤں خراب ہو گیا۔ اور اطباء نے کہا کہ اسے کاٹ دینا چاہیے۔ جب آپ نماز میں مشغول تھے تو شاگردوں نے کہا کہ اب موقع ہے۔ چنانچہ آپ کا پاؤں کاٹ دیا گیا اور آپ کو معلوم بھی نہ ہوا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو معلوم ہوا کہ ایک پاؤں نہیں ہے۔

## اسرارِ رموزِ صوم

نماز کی طرح روزہ کا بھی ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اس کا ظاہر یہ ہے کہ کھانا پینا بند کیا جائے۔ اور باطن یہ ہے کہ ماسوی اللہ کو دل سے نکال دینا چاہیے۔ اور بروقت متوجہ الی اللہ رہنا چاہیے۔ اور ماسوی اللہ سے روگردانی صوفیوں کا قول نہیں ہے۔ بلکہ حدیثِ قدسی: الصَّوْمُ لِيْ وَاَنَا اَجْرِيْ بِصَارِ رَوْزَةِ مِيْرَةِ لِيْ ہے اور میں اس کا اجر ہوں، کے مطابق حق تعالیٰ خود روزہ کی جزا ہیں۔ یعنی روزہ دار کو روزہ کے بدلے قریب وصال حق ہوتا ہے۔ اور یہی ماسوی اللہ سے منقطع ہونا ہے۔ خواجہ جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ الصَّوْمُ نِصْفُ طَرِيقَةِ (روزہ رکھنا طریقت یعنی سلوک الی اللہ کا نصف ہے)

مختلف اولیاء کا روزہ

اولیاء کرام نے روزہ داری میں کمال ہمت سے کام لیا ہے کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ حضرت سہل بن عبداللہ ترمذی عام طور پر پندرہ دن کے بعد افطار کرتے تھے۔ لیکن رمضان المبارک میں پورا مہینہ کچھ نہیں کھاتے تھے۔ اور ہر رات چار سو رکعت نفل ادا کرتے تھے۔ حضرت سید علی ہجویری قدس سرہ فرماتے ہیں کہ یہ بات طاقت بشری سے باہر ہے۔ اور تائید ایزدی کے بغیر ناممکن ہے۔ بلکہ تائید ایزدی خود اس کی غذا بن جاتی ہے۔

روایت ہے کہ حضرت ابو نصر سراج طاؤس الفقراء ایک دفعہ ماہ رمضان میں بغداد کی مسجد شونیز میں محکف ہوئے۔ ان کو ایک حجرہ دیا گیا جہاں رات کو رہتے تھے۔ اور درویشوں کی امامت کرتے تھے۔ آپ ہاضیم میں تراویح کے اندر پانچ ختم قرآن کیا کرتے تھے۔ ایک خادم ہر رات ایک روٹی لاکر آپ کے حجرہ میں رکھ دیتا تھا۔ عید کے دن آپ عید نماز کے لیے تشریف لے گئے تو خادم حجرہ کے اندر جا کر کیا دیکھتا ہے کہ تیس روٹیاں اپنی جگہ پر پڑی تھیں۔

علی بن بکار روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت حفص مصعبیؓ ماہ رمضان میں پندرہ دن کے بعد افطار کرتے تھے۔ اور حضرت ابراہیم بن ادھم پورے ماہ رمضان میں کچھ نہیں کھاتے تھے حالانکہ گرمی کا موسم تھا۔ اور آپ دن میں گندم کی فصل کاٹ کر جو کچھ ملتا تھا درویشوں کو کھلاتے تھے۔ ساری رات یاد حق میں بسر کرتے تھے۔ شیخ ابو عبد اللہ خنیف کے متعلق روایت ہے کہ جب آپ کا وصال ہوا تو اس سے پہلے متواتر چالیس چلے کر چکے تھے۔ اور ابو محمد بالقریؒ کا جب وصال ہوا تو میں وہاں موجود تھا۔ آپ نے اسی دن کچھ نہیں کھایا تھا۔ اور کوئی نماز جماعت کے بغیر نہیں پڑھی تھی۔

اس کے بعد سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ جاہل لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ صوم وصال (متواتر کئی دن کے روزے بغیر سحری اور افطاری) کیسے جائز ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ بعض صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صوم وصال رکھتا دیکھ کر صوم وصال شروع کر دیتے تھے۔ تو آپ نے ان کو یہ فرما کر منع کیا کہ اِنِّی لَنْتُ کَا حَادٍ کُمْ اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّکُمْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَ لَیْسَ لِیْ رِزْقٌ فِیْہِمْ لَکِن اَبِلَ اللّٰہُ اِسْ حَدِیْثُ کُوْا نَحْضَرْتُ صَلِی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کِی شَفَقَتْ سَمِعَتْہِمْ اِیْنَ ذَکْرَ حَرَمَتِ کَا حَکْمُ ۔ ۔ ۔ اور میں (سید علی ہجویری) اس کے متعلق یہ کہتا ہوں کہ :-

”کئی روز تک روزہ افطار نہ کرنا، حق تعالیٰ کی تائید یعنی کرامت کے بغیر ناممکن ہے اور جس کو حق تعالیٰ کی تائید حاصل ہوتی ہے وہ خواص ہوتے ہیں نہ کہ عوام۔ اگر کرامت عام ہوتی تو ایمان جبر ہوتا۔ اور عارفین کو معرفت کا خصوصی ثواب نہ ملتا۔ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم صاحب معجزہ تھے۔ آپ صوم وصال آشکارا رکھتے تھے۔ لیکن اولیائے اہل کرامت کے لیے ولایت کا اظہار منع ہے۔ اور نبوت کے اظہار کا حکم ہے۔“

اب بعض لوگ جن میں علماء بھی شامل ہیں، یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اپنے آپ کو محبوب کا مارنے اور شدت مجاہدہ برداشت کرنے کا کیا فائدہ۔ اس کے جواب میں حضرت سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں:

”خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وَلَتَسْلُبُوْنَ كُمْ لِبَشِيٍّ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَتَقْصِرْنَ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالشَّمَوَاتِ (ہم تم کو آزماتے خوف دے کر اور بھوک اور اموال اور نفوس اور فصلوں میں نقصان سے) نیز پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے بَطْنٌ جَائِعٌ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى مِنْ سَبْعِينَ عَابِدًا عَاقِلًا (اللہ کو ایک بھوکا درویش شرعاً عاقل سے زیادہ محبوب ہے) جاننا چاہیے کہ بھوک کا ترس بہت بلند ہے۔ اور تمام امتوں اور قوموں نے اس کی تعریف کی ہے۔۔۔۔۔ اس وجہ سے کہ بھوک سے نفسانی خواہشات کا خاتمہ ہوتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: پیٹ بھوکے رکھو۔ جگر کو تشنہ اور جسم کو تنگ رکھو تاکہ خداوند تعالیٰ کو دل کی آنکھوں سے اسی دنیا میں دیکھ سکو۔“

”بھوک اگر چہ بلا ہے لیکن اس سے قلب کو ضیاء۔ روح کو صفا اور آنکھوں کو بقا میسر آتا ہے۔ تو اس میں کون سا نقصان ہے۔ خوردن برائے زلیتن است نہ کہ زلیتن برائے خوردن۔ (کھانا زندہ رہنے کے لیے ہے نہ کہ زندہ رہنا کھانے کے لیے) مشہور مقولہ ہے۔۔۔۔۔ بعض کے نزدیک دو رات دن کے بعد کھانا چاہیے بعض کہتے ہیں تین دن کے بعد بعض کہتے ہیں ایک ہفتہ کے بعد اور بعض کہتے ہیں چالیس دن کے بعد ایک دفعہ کھانا چاہیے۔ کیونکہ جوع صادق (حقیقی بھوک) چالیس دن کے بعد لگتی ہے اس سے زیادہ دفعہ کھانا نقصان دہ اور جوع طبع ہے۔“

اس کے بعد حضرت سید علی ہجویریؒ بھوک کے بے شمار فوائد بیان فرمائے ہیں جن کی تفصیل کشف المحجوب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کے افادات روزہ کے متعلق | حضرت آقاؑ اپنی کتاب

عوارف العارفین فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:  
إِنَّمَا يَوْفِي الصَّابِرِينَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (یعنی ہم صابرین در روزہ داروں کو بے حساب اجر دیتے ہیں۔ نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:  
”انسان نے کوئی ایسا طرف نہیں بھرا جو پیٹ سے زیادہ بڑا ہو“ نیز فرمایا:  
”کھانا کھانے وقت پیٹ کے تین حصے کرو۔ ایک حصہ کھانے کے لیے، ایک پانی کے لیے اور ایک سانس کے لیے۔“

لقمان کی نصیحت | حکیم لقمان نے اپنے بیٹے کو یہ نصیحت کی:-  
”اے فرزند! جب تیرا پیٹ بھر جائے گا تو تیری قوت فکر سو جائے گی۔“

تیری دانشمندی اور فراست گونگی ہو جائے گی اور تیرے اعضاء عبادت سے جی چرائیں گے۔  
حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

”جس نے متواتر تیس دن کا روزہ رکھا، اس کے لیے جہنم میں کوئی جگہ نہ ہوگی۔“  
بعض مشائخ کا یہ معمول رہا ہے کہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن نہیں رکھتے تھے۔ اسے صوم داودی کہتے ہیں۔ حضرت شیخ ابوسعودؓ دن میں کسی بار کھانا کھاتے تھے جب کھانا سامنے آتا، کچھ حصہ کھا لیتے تھے اس کی وجہ یہ بتاتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے نعمت بھیجتا ہے تو اس کی نعمت سمجھ کر کھالیتا ہوں۔

شیخ ابوالحسن بن سالم فرماتے ہیں کہ میں شیخ ابوالحسن مکیؒ کو اس وقت شیخ تسلیم کروں گا جب وہ روزہ ترک کر کے کھانا کھائیں گے۔ کیونکہ وہ روزوں کی وجہ سے مشہور ہو چکے تھے اور شہرت ان کے لیے مضر تھی۔  
حضرت شیخ الشیوخ فرماتے ہیں کہ حضرات صوفیاء کرام کا یہ عمل رہا ہے کہ جس طرح وہ روزے کا اہتمام کرتے تھے۔ اسی طرح افطار کے اہتمام سے پرہیز کرتے تھے۔ کیونکہ یہ نفسانیت ہے اور اس سے روزے کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ روزہ کا مقصد یہ ہے کہ نفس کو مغلوب کیا جائے۔

**روزہ میں غیبت کا گناہ**  
ایک حدیث شریف میں ہے کہ گنہگار کو روزہ زیادہ ستاتا ہے اور مستحق اور پرہیزگار کو کم ستاتا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ دو عورتوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا۔ جو عصر کے وقت روزہ کی شدت کی وجہ سے قریب المرگ تھیں۔ آپ نے ایک کے سامنے پیالہ رکھ دیا کہ اس میں قے کر و جب اس نے قے کی تو پیالہ تازہ خون اور گوشت سے بھر گیا۔ کیونکہ اس عورت نے غیبت کی تھی۔ اسی طرح دوسری عورت کا حال تھا۔

بعض صوفیاء کرام مسلسل روزہ رکھنا اس لیے پسند نہیں کرتے کہ انسان روزہ کا عادی ہو جاتا ہے۔ اور روزہ نہ رکھے تو اسے شاق گزرتا ہے۔

**دوستوں کی خاطر نفلی روزہ توڑنا جائز ہے**  
حضرت ابوسعید الخدری روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور چند اصحاب

کے لیے کھانا تیار کیا۔ ایک صحابی نے کہا کہ مجھے روزہ ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے بھائی نے تم کو کھانے پر بلا یا ہے۔ اور تمہارے لیے تکلف کیا ہے اور تم کہتے ہو کہ مجھے روزہ ہے۔ آؤ کھانا کھاؤ۔ اس کی بجائے کسی اور دن روزہ رکھ لینا۔

حضرت شیخ شہاب الدین فرماتے ہیں کہ روزہ کا سب سے اہم اصول یہ ہے کہ اسے پوشیدہ

رکھے۔ (یعنی نفل روزہ کو)

حضرت شیخ الشیوخ لکھتے ہیں کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

**رزق میں برکت کا طریقہ**

جو کوئی چاہے کہ گھر میں خیر و برکت ہو تو جب کھانا سامنے لایا جاتے تو وضو کر لے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر کھائے۔

حضرت شیخ الشیوخ فرماتے ہیں کہ:

**قلب کی بیماریوں کا علاج**

”مستحب طریقہ یہ ہے کہ جب پہلا لقمہ لے تو بسم اللہ

کہے، دوسرے لقمہ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم کہے، تیسرے لقمہ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے تو قلب کی بیماریوں سے نجات ملتی ہے۔ اسی طرح جب پانی پیتے تو پہلے گھونٹ پر الحمد للہ، دوسرے پر الحمد للہ رب العالمین اور تیسرے گھونٹ پر الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم پڑھے۔ جس طرح جسم کا مزاج ہے۔ قلب کا بھی ایک مزاج ہے۔ اس طرح سے قلب کا مزاج درست ہوتا ہے اور روحانی صحت میسر آتی ہے۔“

بعض بزرگان فرماتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کی اچھی نعمتیں کھاتے وقت ان کے انشراح قلب میں

اضافہ ہوتا ہے۔ اور قرب حق میں ترقی محسوس ہوتی ہے۔

## اشراق اور مزاج

حج کا بھی ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ حج کا ظاہر ارکان حج بجا لانا ہے اور باطن ہر رکن پر ان کے مخصوص فیوض و برکات سے متمتع ہونا ہے۔ چنانچہ حضرت سید علی ہجویری قدس سرہ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں:

”حرم کعبہ کو حرم اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے اندر مقام ابراہیم اور مقام امن ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو مقام تھے۔ ایک مقام تن یعنی شہر مکہ۔ دوسرے مقام دل (یعنی آپ کا روحانی مقام) جو شخص آپ کے مقام تن کا قصد کرتا ہے۔ ظاہری لذات سے پرہیز کرتا ہے، احرام باندھتا ہے، منا، عرفات، مزدلفہ میں ارکان حج ادا کرتا ہے، طواف کعبہ کرتا ہے وغیرہ۔ اور جو کوئی آپ کے مقام قلب یعنی باطنی، روحانی ترقی کا طلبگار ہوتا ہے اور مزدلفہ الفت کا قصد کرتا ہے اور منا میں نفس کے دیو کو سچھارتا ہے اور قربان گاہ میں اپنی ہستی کو قربان کرتا ہے اور کعبہ میں تہنہ ذات (ذات بخت) سے پیوستہ ہوتا ہے۔ اور

مقام خلعت (دوستی) کو پہنچتا ہے۔ جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حجاج خداوند تعالیٰ کا وفد ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو دیتا ہے جو طلب کرتے ہیں اور قبول کرتا ہے جو دعا کرتے ہیں۔

حضرت محمد بن افضل فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص کو دیکھ کر حیرت آتی ہے کہ جو دنیا میں خانہ خدا کا طالب ہوتا ہے لیکن مشاہدہ حق کا طلبگار نہیں بنتا۔ کیونکہ خانہ کعبہ تک تو کبھی رسائی ہوتی ہے کبھی نہیں ہوتی، لیکن مشاہدہ حق ہر لحظہ و ہر لمحہ میسر ہے۔ جب ایک پتھر کو سال میں ایک دفعہ دیکھنا فرض ہے۔ تو کعبہ دل (مشاہدہ حق) کی زیارت جو ہر روز زمین سو ساٹھ مرتبہ جلوہ نمائی کر رہا ہے۔ اس سے کسی گنا زیادہ اور افضل فرض ہونا چاہیے۔ اہل تحقیق کے لیے ہر قدم پر نئی نعمت ہے۔ اور وہ ہر نعمت اور خلعت سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ جس کسی کی عبادت کا صلہ کل قیامت کے لیے ملتی ہو

اس نے گویا آج عبادت ہی نہیں کی۔ کیونکہ ہر لحظہ عبادت و مجاہدت کی جزا اسی وقت فوراً مل جاتی ہے۔ یہ بھی ان کا قول ہے کہ جب میں پہلی مرتبہ حج کو گیا تو خانہ دیکھا۔ صاحب خانہ کو نہ دیکھا۔ جب دوسری مرتبہ گیا تو خانہ بھی دیکھا اور صاحب خانہ بھی۔ جب تیسری مرتبہ گیا تو سب صاحب خانہ ہی نظر آیا۔ خانہ وغیرہ کچھ نہ تھا۔ غرضیکہ پورے حرم میں جہاں جہاں مجاہدہ ہے، مشاہدہ ہے۔ جس شخص کے لیے سارا جہان مقام قرب اور خلوت گاہ انس نہیں۔ اس کو ابھی دوستی حق کی کوئی خبر نہیں۔ جب مشاہدہ حق میسر ہے۔ تو سارا جہان اس کے لیے حرم ہے۔ اور جب بندہ محبوب (مشاہدہ سے محروم) ہے تو اس کے لیے حرم پاک سے زیادہ تاریک مقام کوئی نہیں۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے: اظلم الاشیاء دار الحبيب بلا حبيب (تاریک ترین گھر وہ گھر ہے جس میں دوست نہ ہو)

”لہذا اصل چیز حرم کعبہ نہیں بلکہ مشاہدہ ہے۔ جس کے لیے کعبہ ایک ظاہری سبب ہے۔ کیونکہ ہر باطنی نعمت کے لیے ایک ظاہری سبب ضروری ہے۔ کعبہ کی ضرورت ظاہر ہے۔“۔ ایک شخص حج کر کے خواجہ جنیدؒ کے پاس آیا۔ آپ نے پوچھا کیا تم نے حج کر لیا؟ اس نے جواب دیا جی ہاں! آپ نے پوچھا کیا گھر سے رخصت ہوتے وقت تم نے تمام گناہوں کو رخصت کر دیا تھا۔ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا پھر تم گھر سے رخصت ہی نہیں ہوتے۔ اس کے بعد آپ نے پوچھا جب تم گھر سے نکل کر سفر کی منازل طے کرتے رہے تھے تو کیا تم نے قرب حق کی کوئی منزل طے کی؟ اس نے جواب دیا جی نہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے کوئی سفر ہی نہیں کیا۔ اس کے بعد آپ نے پوچھا۔ جب تم نے میقات پر پہنچ کر احرام باندھا۔ تو کیا صفات بشری سے جدا ہوئے۔ اس نے جواب دیا جی نہیں۔ آپ نے فرمایا پھر تم نے احرام ہی نہیں باندھا۔ اس کے بعد پوچھا کہ جب تم نے میدان عرفات میں قیام کیا تو کیا عرفات کے حقائق سے عارف ہوا۔



اس نے کہا جی نہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے عرفات میں قیام ہی نہیں۔ اس کے بعد پوچھا تم مزدلفہ میں ایک رات ٹھہرے۔ تو کیا اپنی مرادات کو ترک کیا۔ اس نے کہا جی نہیں۔ آپ نے فرمایا پھر تم نے مزدلفہ میں قیام ہی نہیں کیا۔ اس کے بعد پوچھا کہ جب تم نے طواف کعبہ کیا تو کیا باطنی طور پر تم کو جمال حق تعالیٰ کا مشاہدہ حاصل ہوا۔ اس نے کہا جی نہیں۔ آپ نے فرمایا تو پھر تم نے طواف کعبہ ہی نہیں کیا۔ اس کے بعد پوچھا کہ جب تم نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی تو کیا صفائے قلب اور حقائق مروہ منکشف ہوئے۔ اس نے کہا جی نہیں۔ آپ نے فرمایا پھر تم نے سعی بھی نہیں کی۔ اس کے بعد پوچھا کہ جب تم منا میں پہنچے تو کیا اپنی ہستی سے بے گانہ ہوئے۔ اس نے کہا جی نہیں۔ آپ نے فرمایا پھر تم منا گئے ہی نہیں۔ اس کے بعد پوچھا کہ جب تم قربان گاہ گئے تو کیا تم نے اپنے نفس کو قربان کیا۔ اس نے کہا جی نہیں۔ فرمایا پھر تم نے قربانی ہی نہیں کی۔ اس کے بعد پوچھا کہ جب تم نے پتھر پھینکے تو کیا تم نے نفسانی خواہشات کو ترک کیا۔ اس نے کہا جی نہیں۔ آپ نے فرمایا پھر تم نے پتھر ہی نہیں پھینکے۔ اور تم نے حج نہیں کیا! واپس جاؤ اور اسی طرح حج کرو تا کہ تجھے مقام ابراہیم نصیب ہو۔

حج دو قسم کا ہے۔ ایک حج غیبت (خدا سے غیب یا محبوب) دوم حج حضور (خدا کے ساتھ حضور) وہ شخص جو مکہ میں ہوتے ہوئے خدا سے محبوب (مشاہدہ سے محروم) ہے۔ وہ گویا اپنے گھر میں ہی محبوب ہے۔ اور جس شخص کو اپنے گھر میں ہوتے ہوئے حضور ہی حق حاصل ہے۔ اس کی حالت یہ ہے کہ گویا کہ میں حضور ہی اس کو میسر ہے۔ **فَلِلَّهِ الْحَمْدُ**



## اوراد، وظائف، اذکار، اشغال و مراقبات

**ذکر اللہ کی اہمیت** قرآن مجید اور حدیث پاک میں ذکر اللہ کی بہت فضیلت آئی ہے اور جا بجا کثرت ذکر کی تاکید وارد ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ اٹھتے بیٹھتے، سوتے،

ذکر الہی میں مشغول رہنے والوں کی حق تعالیٰ نے ان الفاظ میں تعریف فرمائی ہے:

يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ (جو اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں کھڑے ہوتے بیٹھتے اور سوتے ہوتے۔)

اس سے بڑھ کر ذکر اللہ کی کیا تاکید ہو سکتی ہے۔ ہر حالت میں ذکر جاری رہے۔ خواہ انسان کھڑا ہے بیٹھا ہے یا لیٹا ہوا ہے۔ اس ذکر سے نماز مراد نہیں ہے۔ کیونکہ ان آیات کے شروع میں نماز کی علیحدہ تاکید وارد ہوئی ہے۔

اس سے بڑھ کر ذکر اللہ کی اور تاکید ملاحظہ ہو۔ فرمان ہوتا ہے:

وَهُمْ فِي صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ (ایسے مردانِ خدا بھی ہیں جو) ہر لحظہ اور ہر لمحہ نماز میں مشغول ہیں۔ اس سے بھی مراد نماز نہیں۔ کیونکہ نماز زندگی کے ہر لمحہ میں ادا نہیں ہو سکتی۔ اس صلوة دائمی سے مراد ذکر اللہ ہے۔ کیونکہ ایک اور روایت میں حق تعالیٰ نے نماز کی غرض و غایت ذکر الہی مٹھرایا۔ فرمایا:

أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي (نماز قائم کرو میرے ذکر کی خاطر)

اس سے ظاہر ہے کہ نماز مقصود بالذات نہیں۔ ذکر مقصود ہے اور نماز اس کا ذریعہ ہے۔ دراصل ذکر بھی مقصود بالذات نہیں ہے۔ بلکہ مذکورہ میں ذکر کیا جائے یعنی خود حق تعالیٰ مقصود بالذات ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِلَىٰ رَبِّكَ مُنْتَهَىٰ (تیری آخری منزل خود حق تعالیٰ ہے)

جو علم روحانیت کی اصطلاح میں فتانی اللہ کے نام سے موسوم ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ذکر کو اس قدر کیوں اہمیت دی ہے کہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے، سوتے ذکر میں مشغول رہنا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا نفس بہت شریر ہے اور وہ

بہت مشکل سے سحر ہوتا ہے اور جب تک نفس کا زور نہ توڑا جائے، سحر کش گھوڑے کی طرح سوار کو تباہ بنا دے گا۔ کیونکہ انسان مرکب ہے رُوح اور جسم کا۔ رُوح بمنزلہ سوار ہے اور نفس بمنزلہ سواری یعنی گھوڑا وغیرہ۔ اگر گھوڑا سر زور ہو تو سواری کی خیر نہیں۔ لیکن اسلام میں گھوڑے کی بھی خیر منائی گئی ہے۔ کیونکہ گھوڑے کے بغیر سفرِ آخرت طے نہیں ہوتا۔ جہاں دیگر مذاہب میں اربابِ روحانیت کے لیے نفس نچل کر رہبانیت کی زندگی بسر کرنا اور ہمیشہ کے لیے غاروں اور جنگلوں میں رہنا ضروری تھا، اسلام نے رُوح کی پرورش کے ساتھ جسم کی پرورش اور نفسانیت کو حدِ اعتدال پر رکھنے کی تعلیم بھی دی ہے۔ آیہ:۔

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ۔۔۔ سے یہی تکمیلِ انسانیت اور تکمیلِ منزلِ مراد ہے اور کثرتِ ذکر، کثرتِ صوم و صلوٰۃ اور کثرتِ شبِ بیداری کے بغیر نفس کا زور ٹوٹتا ہے نہ اس کے اندر اعتدال واقع ہوتا ہے۔ بعض لوگ (علماء کرام تک) یہ اعتراض فرماتے ہیں کہ اسلام میں عبادات کا پروگرام تو نہایت مختصر تھا، صوفی لوگوں نے خواہ مخواہ اسے شکل بنا کر اپنے نفس پر مظالم ڈھائے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے قرآن حکیم کی ان آیات کو نہیں پڑھا یا پڑھ کر نظر انداز کر دیا ہے:

تَتَجَافَى جُنُوبَكُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (ایسے مردانِ خدا بھی ہیں) جن کے جسم رات میں

بستروں سے الگ رہتے ہیں۔ نیز فرمایا:

يَا أَيُّهَا الْمَرْءُ الْقَلِيلُ إِلَّا قَلِيلًا قِصْفَةً (اے نبی ارات کو جاگو نصف شب

کے قریب یا اس سے کم و بیش، کیونکہ رات کا جاگنا نفس پر بھاری ہے۔)

إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيْلًا: بے شک رات کا جاگنا نفس

کا زور کم کرتا ہے اور قول کو مضبوط کرتا ہے (یعنی اس سے انسان مستجاب الدعوات بن

جاتا ہے اور جو دعا کرتا ہے پوری ہوتی ہے)

یاد رہے کہ نفس کشی کے بغیر اسلام کے احکام پر عمل ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالموں کا علم خواہ کتنا

ہی وسیع ہوتا ہے، نفس کے پھندوں میں پھنس کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی مثالی زندگیوں

پر ہرگز ہرگز پورے نہیں اتر سکتے۔ یہ اولیاء کرام اور مشائخِ عظام کا وجود ہے کہ نفس کشی، شبِ بیداری اور

کثرتِ ذکر، قلتِ طعام، قلبِ منام وغیرہ کی انہوں نے دنیا میں مثالیں قائم کر دی ہیں اور رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی مجاہدانہ اور مفلسانہ زندگیوں کے مطابق زندگیاں بسر فرمائی ہیں۔

جیسا کہ سابقہ ابواب میں بیان ہو چکا ہے۔ انسان کے جسم کے اندر چھ روحانی مرکز ہیں

جن کا احادیثِ نبوی میں بھی اشارہ ملتا ہے (یہ حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے) ان کو

اقسامِ ذکر

لطائف ستہ کہا جاتا ہے اور جب ذکر اللہ کے ذریعے ان لطائف کو زندہ کیا جاتا ہے تو یہ تمام کے تمام ذکر ہو جاتے ہیں اور سارے جسم کے اندر ذکر اللہ جاری ہو جاتا ہے۔ خواہ آدمی جاگتا ہے یا سوتا ہے۔ قرآن مجید کی صلوٰۃ دائمی اور ذکر قیام، قعود ہم و جنوہ ہم سے مراد یہی لطائف ستہ کا ذکر ہے۔ جو ہر آن، ہر لمحہ اور ہر لحظہ جاری رہتا ہے اور انسان کے مراتب قرب بلند سے بلند تر ہوتے رہتے ہیں۔ لطائف ستہ یہ ہیں: لطیفہ نفس، لطیفہ قلب، لطیفہ روح، لطیفہ سر، لطیفہ نخی، لطیفہ نخفی۔ اس لحاظ سے ذکر کی مندرجہ ذیل اقسام ہوتی ہیں جو اجازت شیخ کے بغیر ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔ اجازت بے حد ضروری ہے۔ ورنہ نقصان کا اندیشہ ہے۔ جیسے کوئی مریض حکیم یا ڈاکٹر کی بجائے خود دوائی خانہ میں جا کر دوائیاں کھانا شروع کر دے۔

ذکر لسانی: ذکر لسانی وہ ذکر ہے جو زبان سے کیا جاتا ہے۔

ذکر قلبی: وہ ذکر ہے جو لطیفہ قلب میں کیا جاتا ہے جس کا مرکز دل ہے جو بائیں چھاتی میں ہے۔

ذکر روحی: وہ ذکر ہے جو لطیفہ روح میں کیا جاتا ہے جس کا مرکز دائیں چھاتی میں ہے۔

ذکر ستوی: وہ ذکر ہے جو لطیفہ سر میں کیا جاتا ہے جس کا مرکز لطیفہ قلب اور روح کے درمیان ہے۔

ذکر خفی: وہ ذکر ہے جو لطیفہ نخفی میں کیا جاتا ہے جس کا مرکز پیشانی میں ہے۔

ذکر اخفی: وہ ذکر ہے جو لطیفہ نخفی میں کیا جاتا ہے جس کا مرکز اتم الدماغ یعنی سر کی چوٹی میں ہے۔

اشغال و مراقبات | یاد رہے کہ جو ذکر باطنی یا ذہنی طور پر دیگر لطائف میں کیا جاتا ہے ان کو اشغال (جمع شغل) اور مراقبات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

ضرورتِ اذکار و مشاغل و مراقبات | ویسے تو صحابہ کرام بھی کثرتِ ذکر اور کثرتِ صنوم صلوٰۃ و تلاوت میں ضربِ اشل تھے لیکن جوں

جوں زمانہ گذرنا گیا اور مسلمانوں کے قلوب پر غبار اور زنگ کے ڈھیر لگتے گئے، ان کو مٹانے اور مٹانے کے لیے مزید محنت اور اذکار و مشاغل کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی۔ نیز حدیثِ قدسی: *بِیْ یَسْمَعُ* میں جو زائد نوافل کی تاکید وارد ہوتی ہے ان سے مراد بھی یہی زائد عبادت ہے۔ یعنی اذکار وغیرہ ہیں جن کی ہر زمانے میں زیادہ سے زیادہ ضرورت پڑتی ہے۔

اب ہم مختلف اذکار، مشاغل و مراقبات کی اختصار کے ساتھ تفصیل بیان کرتے ہیں۔



## اقسام ذکر

(ماخوذ از ضیاء القلوب مصنفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی و قول الجلیل مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)  
**ذکر اسم ذات** | ذکر اسم ذات سے مراد اسم مبارک اللہ، اللہ کا ورد ہے جس کی ضربیں کثرت سے لطائف ستر لگائی جاتی ہیں جس سے نفس کا زور ٹوٹتا ہے۔ تزکیۂ نفس ہوتا ہے۔ اور لطائف کے اندر ذکر اللہ جاری ہوتا ہے اور انوار الہی چمکتے ہیں۔

**ذکر اسم ذات یک ضربی** | ذکر اسم ذات کی کئی قسمیں ہیں۔ مثلاً ذکر یک ضربی جس سے لطیفہ قلب پر اس کی ضرب لگائی جاتی ہے آواز کے زور سے نہ کہ ہاتھ سے۔

ذکر اسم ذات زیادہ سے زیادہ چوبیس ہزار یومیہ کیا جاتا ہے۔ یہ نہ ہو سکے تو بارہ ہزار بار یہ بھی نہ ہو سکے تو دس ہزار بار یہ بھی نہ ہو سکے تو چھ ہزار بار روزانہ کرنا چاہیے۔

**ذکر نفی و اثبات** | ذکر نفی و اثبات میں لا الہ الا اللہ کا ورد کیا جاتا ہے اور الا اللہ کی ضربیں مختلف لطائف پر لگائی جاتی ہیں۔ چشتیہ اور قادریہ سلسلہ میں یہ ذکر بارہ سو بار روزانہ کیا جاتا ہے۔ اس لیے اسے ذکر بارہ تسبیح کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

ذکر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ چار زانوں بیٹھ کر کمر سیدھی اور سر آدنیار کھئے۔ لا الہ الا اللہ کا ورد دو سو مرتبہ اس طرح کیا جاتے۔ کہ لفظ لا کوناف سے اس طرح کھینچا جاتے جیسے کوئی پھاڑے سے مٹی ہٹاتا ہے۔ اور لفظ الا کہتے ہوئے سر کو دائیں جانب حرکت دے کر غیر اللہ کو پیٹھ پیچھے پھینک دے پھر سر کو بائیں طرف جھٹکا دے کر الا اللہ کی ضرب لطیفہ قلب پر لگاتے۔ اور ہر سو پر پہنچ کر کلمہ طیبہ پورا کرے یعنی محمد الرسول اللہ کہے۔

**ذکر اسم ذات دو ضربی** | اس قسم کے ذکر میں اسم مبارک اللہ کی دو ضربیں لگائی جاتی ہیں ایک دائیں طرف لطیفہ روح پر اور دوسری بائیں طرف لطیفہ قلب پر۔

**ذکر اللہ کی ضربیں** | ذکر اللہ کی ضربیں لطیفہ روح پر، لطیفہ قلب پر، لطیفہ ستر پر لگائی جاتی ہیں۔

**ذکر چہار ضربی** | اس ذکر میں اسم مبارک اللہ کی ضربیں مندرجہ بالا تین لطائف کے علاوہ ایک ضرب لطیفہ نفس پر لگائی جاتی ہے۔

اسی طرح چار سو مرتبہ لا الہ الا اللہ کی ضرب لطیفہ قلب پر لگائے۔ یہ کل چھ سو مرتبہ ہو گیا۔ اس کے بعد اسم اللہ کی ضربیں چھ سو بار دائیں طرف لطیفہ روح اور بائیں طرف لطیفہ قلب پر لگائے اور دو دفعہ اللہ اللہ کہنے پر ایک دانہ تسبیح کا گرانے یہ کل بارہ سو ہو گئے۔

ذکر لفظی اثبات کی بھی چار قسمیں بتائی گئی ہیں۔ لا الہ الا اللہ کو ذکر ناسوتی، ذکر الا اللہ کو ذکر ملکوتی، اللہ اللہ کو ذکر جبروتی اور ہو ہو کو ذکر لاہوتی کہتے ہیں۔

ذکر کو چاہیے کہ لا الہ الا اللہ کہتے وقت غیر اللہ کی نفی کرے یعنی ہر قسم کے مقاصد کو چھوڑ کر صرف ایک مقصد یعنی حصول قرب الہی کو مقصود بالذات سمجھے۔

سالک مبتدی کو چاہیے کہ لا الہ الا اللہ کہتے وقت لامعبود الا اللہ کا تصور کرے۔

سالک متوسط لا مقصود الا اللہ کا اور

سالک منتهی لا موجود الا اللہ کا تصور کرے۔ اور ذات حق میں جم جائے۔ اس ذکر سے بہت جلدی

ترکیہ نفس ہو کر لطائف مرتہ پر انوار الہی چمکتے ہیں اور شاہدہ حاصل ہوتا ہے۔

یہ ذکر سانس کے اندر جانے اور باہر آنے سے کیا جاتا ہے۔ جب سانس اندر  
جائے تو خیال میں اہم مبارک اللہ کہے نہ کہ زبان سے اور سانس باہر آئے تو

## ذکر پاس انفاس

ہو کہے۔ خیال میں نہ کہ زبان سے۔

بعض اوقات سانس اندر جاتے وقت اور باہر آتے وقت دونوں مرتبہ اہم مبارک اللہ کہا جاتا ہے۔

بعض اوقات سانس باہر آتے تو لا الہ اور اندر جاتے تو الا اللہ دل میں کہا جاتا ہے۔ اس سے بہت

جلد ترکیہ نفس ہوتا ہے۔ عشق الہی سے دل لبریز ہوتا ہے اور انوار الہی چمکتے ہیں۔ یہ ذکر بغیر وضو بھی ہو سکتا ہے اور چلتے پھرتے، گاڑی میں سفر کرتے، لیٹے ہوتے، ہر وقت ہو سکتا ہے۔ لیکن مزیند رکھا جائے۔ اور زبان ساکن ہو۔ ان اذکار سے شیطان کا زور کم ہوتا ہے۔ اور وہ بہت ہی کمزور ہو جاتا ہے اور اس کا مومن پر بس نہیں چلتا۔

جب شیطان دل میں کوئی وسوسہ یا خیال فاسد لے  
تو چاہیے کہ سانس کو ناف سے کھینچ کر دل میں حبس

## شیطان کے شر کو مٹانے کا طریقہ

کرے۔ اور لا الہ الا اللہ کی ضربیں دل پر لگاتے ہوئے یہ خیال جمائے کہ ان ضربوں سے شیطان کا سر کھل  
رہا ہوں۔ اور اس کا سر پاش پاش ہو گیا ہے۔ اور وہ دل سے بھاگ گیا ہے۔ اس سے بفضلہ تعالیٰ شیطان

کے شر سے نجات ملتی ہے اور شیطان ہلاک ہو جاتا ہے اور قلب نور الہی سے منور اور روشن ہو جاتا ہے۔

یہ ذکر بے حبس دم بھی ہو سکتا ہے لیکن حبس دم کے ساتھ زیادہ موثر ہے۔ کیونکہ دل کی رگوں پر چربی جم  
جاتی ہے اور اس کی آڑ میں شیطان شکار کرتا ہے۔ حبس دم سے یہ چربی پگھل جاتی ہے اور شیطان کو

کوئی جائے پناہ نہیں ملتی۔

## جلس دم کا دوسرا طریقہ

ذکر حبس دم کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سانس قلب کے اندر بند کر کے قلب پر اسم مبارک اللہ اللہ کی تضرعیں لگائے۔ یہ ذکر

ایکس سے شروع کر کے اور روزانہ آہستہ آہستہ بڑھاتا جائے۔ کل تعداد الکی (طاق) ہونی چاہیے۔ جنت تعداد سے پرہیز کرے۔

حبس دم اکثر پانی میں غوط لگا کر کیا جاتا ہے۔ اور سردی کے موسم میں کیا جاتا ہے۔ اگر پانی میسر نہ آ سکے تو خشکی میں بیٹھ کر ہو سکتا ہے۔ لیکن موسم سرما ضروری ہے۔ موسم گرما میں پرہیز کیا جائے۔ کیونکہ اس سے قلب میں بے حد حرارت پیدا ہوتی ہے۔ بعض مشائخ کا دستور یہ رہا ہے کہ عشاء کی نماز پڑھ کر پانی میں غوط لگا کر بیٹھ جاتے تھے۔ اور ذکر اسم ذات میں مشغول ہوتے تھے۔ جب صبح کی آذان ہوتی تو باہر آ کر نماز فجر ادا کرتے تھے۔ گویا ساری رات ایک سانس میں بسر کرتے تھے۔ یہ کام ورزش سے آسان ہو جاتا ہے۔ اور فوائد بے حد زیادہ حاصل ہوتے ہیں۔

شغل سر پایہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آنکھیں بند کرے اور چہار زانو بیٹھ کر اللہ

سمیع، اللہ بصیر، اللہ علیم کا ذکر اس طرح کرے کہ دل میں اللہ سمیع کہتے وقت لطیفہ نفس (ناف) میں کہے اللہ بصیر لطیفہ قلب میں کہے، اور اللہ علیم لطیفہ نخی (پیشانی) میں کہے۔ اور پھر تصور میں عرش معلیٰ پر ایک نظر ڈالے۔ اس کے بعد اللہ سمیع لطیفہ نخی میں۔ اللہ بصیر لطیفہ قلب میں اور اللہ علیم لطیفہ نفس میں دل سے کہے نہ کہ زبان سے۔

اس شغل میں تصور شیخ بہت ضروری ہے۔ یعنی یہ سمجھے کہ میں نہیں ہوں میرا شیخ ہے جو یہ شغل کر رہا ہے۔ اور میں شیخ کے ذریعے، اور شیخ اللہ کے ذریعے سمیع، بصیر اور علیم ہے۔

یہ شغل جلس دم سے بھی کیا جاتا ہے اور حصر دم سے بھی۔ حبس دم میں سانس اندر لے جائے اور جتنی مرتبہ ہو سکے یہ دائرے مکمل کرے۔ پھر سانس چھوڑ کر آرام کرے اور پھر شروع کرے۔

حصر دم سے کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سانس بند نہ کیا جائے بلکہ تھوڑے سانس لیے جائیں۔ مثلاً اگر عام طور پر ایک منٹ میں دس سانس لیتا ہے تو شغل کے دوران پانچ سات مرتبہ سانس لے۔ اس شغل سے قرب نوافل اور قرب فرائض حاصل ہوتا ہے۔ قرب نوافل سے مراد فانی الصفات الہی ہے۔ اور قرب فرائض میں فانی الذات الہی ہے یعنی سائلک کا تعین ذات باری تعالیٰ میں کم ہو جاتا ہے۔



# مراقبت

جب اُوراد، وظائف اور اذکار کے ذریعے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب ہو جائے تو مراقبات شروع کرائے جاتے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

**مراقبہ یقین** خلوت میں بیٹھ کر آنکھیں بند کر کے اور چہار زانوں میں بیٹھ کر یہ تصور کرے کہ اللہ ہے۔ بس اس خیال میں جم جائے اور خطرات اور وساوس اگر دل میں آئیں تو دور کرتا رہے۔ بفضلہ تعالیٰ فلاح کثیر اور فوائد عظیم رونما ہوں گے اور انوار چمکیں گے۔

**مراقبہ قرب** خلوت میں چہار زانوں ہو کر بیٹھ جائے اور دل میں آیہ مبارک: **مَنْ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ** (ہم انسان کی شہ رگ سے بھی اس سے زیادہ قریب ہیں) کا مفہوم رکھ کر یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ میری شہ رگ سے بھی زیادہ مجھ سے قریب ہے۔ اس سے انوار و تجلیات کی بارش ہوتی ہے۔

**مراقبہ رویت** خلوت میں چہار زانوں ہو کر بیٹھے اور دل میں آیہ مبارک: **أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَوْمَئِذٍ يَرَىٰ** (کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے) کا مفہوم رکھ کر یہ خیال جائے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل مجھے دیکھ رہا ہے۔ اور قریب سے دیکھ رہا ہے۔ اس سے قلب اور دیگر لطائف پر انوار و تجلیات رونما ہوں گے۔ لیکن ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کی کوشش نہ کرے۔ بلکہ باطنی طور پر روح انسانی پر یہ انوار چمکتے ہیں جس کے اثرات مخفی نہیں رہتے۔

**مراقبہ ذات** مراقبہ ذات اس وقت شروع کیا جاتا ہے جب مذکورہ بالا اذکار و مشاغل کے ذریعے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب ہو جاتا ہے۔ اور سیر الی اللہ کے لیے زمین تیار ہو جاتی ہے۔ یاد رہے کہ سیر الی اللہ نقطہ آغاز ہے سیر فی اللہ کا جسے فنا فی اللہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

مراقبہ ذات کا طریقہ یہ ہے کہ خلوت میں چہار زانوں میں بیٹھ کر آنکھیں بند کرے اور یہ خیال کرے کہ اندر، باہر، اوپر، نیچے، دائیں، بائیں سب ذات الہی ہے اور کسی چیز کا وجود نہیں۔ حتیٰ کہ میں بھی نہیں ہوں۔ سب جگہ اللہ ہی اللہ ہے۔ اس مراقبہ کی مداومت سے بفضلہ تعالیٰ سالک کی پرواز ذات حق میں



شروع ہو جاتی ہے۔ اور اس کے بعد جس قدر کثرت سے اس مراقبہ میں مشغولی ہوگی، ذات باری تعالیٰ (یعنی روحِ حق) میں روح انسان کی پرواز تیز تر ہوتی جائے گی۔ اور مقامِ لا تعین میں داخل ہو جائے گا۔ اب چونکہ ذاتِ حق کی کوئی انتہا نہیں، سیر فی اللہ کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ اور سالک ہمیشہ کے لیے ذاتِ حق میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ بلکہ موت کے بعد عالم ارواح میں ذاتِ حق میں اس کی پرواز جاری رہتی ہے۔ اور بہشت میں یہ پرواز قربِ الہی کی طرف ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جاری رہے گی۔ اس وجہ سے کہ ذاتِ حق کی کوئی انتہا نہیں۔

### شغل ہوا

مراقبہ ذات کے ساتھ ساتھ یا اس کے بعد شغل ہوا کیا جاتا ہے۔ جو سیر فی اللہ میں بہت ہی متاثر مند اور معاون ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ تارک کمرہ میں چہار زانوں بیٹھ کر آنکھیں کھلی رکھے اور سامنے دیوار پر ایک نقطہ تصور کر کے اس پر نظر جمائے رکھے اور آنکھ چھپکنے نہ پاتے اس سے شروع میں آنکھوں سے پانی جاری ہوگا۔ لیکن اس کی فکر نہ کرے اور دل میں یہ خیال جاتے رکھے کہ **کان اللہ ولم یکن معہ شیئا اللہ تھا اور اس کے ساتھ کسی چیز کا وجود نہ تھا۔** اور **الآن کما کان** اب بھی وہی ہے اور اس کے ساتھ کسی چیز کا وجود نہیں ہے۔ اس سے سیر فی اللہ میں ترقی ہوگی۔ نیز اس شغل کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ سالک سکر یعنی استغراق سے مغلوب ہونے نہیں پائے گا بلکہ مزید فیضانِ انوار و تجلیات اور مراتبِ قرب طے ہوں گے۔ سالک مغلوب الحال ہونے کی بجائے ابوالحال رہے گا۔ یاد رہے کہ سکر وستی اور محویت یا استغراق میں مستغرق ہو کر سالک کی پرواز رک جاتی ہے۔ لیکن اس شغل کی برکت سے مراتبِ قرب بھی طے ہوتے رہتے ہیں۔ محویت بھی رہتی ہے۔ لیکن مغلوب الحال نہیں ہوتا۔ جو بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور جس سے قرب کے آخری مقام بقا باللہ کے حصول میں مدد ملتی ہے۔

### شغل یا باطن و یا ظہر

یہ شغل بھی اذکار و مشاغل کے ذریعے تزکیہ نفس کے بعد کیا جاتا ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ خلوت میں بیٹھ کر آنکھیں کھول کر سامنے دیکھے تو اسمِ الہی یا ظاہر کا تصور کرے۔ اور سر نیچے کر کے آنکھیں بند کر لے اور اسمِ مبارک یا باطن کے معانی پر غور کرے اس پر مداومت کے کچھ عرصہ بعد یا ظاہر کے ساتھ یا آخر بھی شامل کر دے۔ اور یا باطن کے ساتھ یا اول شامل کر دے۔ اس سے بھی جس قدر محویت اور محبت میں اضافہ ہوگا۔ مغلوبیت نہیں ہونے پائے گی۔

### شغل دائرہ حق

اس کا طریقہ یہ ہے کہ خلوت میں چہار زانو ہو کر بیٹھ جائے۔ اور لپیٹہ سر جو وسط سینہ میں ہے کے گرد نور کا ایک سفید گول دائرہ تصور کرے جو لفظ حق

کے طرح ہو۔ اور یہ خیال کرے کہ لطیف تر سے ذکر اسم پاک حق حق جاری ہے۔ بلکہ کچھ عرصہ بعد خیال کرے کہ سارے جسم بلکہ ہر بال سے لفظ حق حق جاری ہے۔

غرضیکہ مراقبات بہت ہیں جو مشائخ عظام حسب استعداد طالبان حق کو تعلیم فرماتے ہیں۔ لیکن یہ تمام اذکار، مشاغل اور مراقبات اجازتِ شیخ کے بغیر ہرگز نہیں کرنے چاہئیں۔ کیونکہ جو مریض حکیم یا کٹر سے بے نیاز ہو کر اپنا علاج آپ کرتا ہے اور دو اغانے سے جو دوانی جی میں آئے اٹھا کر کھائے تو ملاکت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

**مراتب فنا** یاد رہے کہ فنا کے کئی مراتب یاد رہے ہیں۔ جس طرح ذکر کے پانچ مراتب، ذکر لسانی، ذکر نفس، ذکر قلب، ذکر روح، ذکر سر و نخعی، اسی طرح فنا کے بھی پانچ درجے ہیں۔

**اول غلبہ ذکر ربانی:** (ذکر لسانی) جس کے ذریعے نفسانی خواہشات، غصہ، بغض، کینہ، لالچ، تکبر وغیرہ ختم ہو جاتے ہیں۔ اور صفات حمیدہ مثل محبت، ایثار، ہمدردی، عجز و نیاز کا غلبہ ہو جاتا ہے۔  
**دوم ذکر نفس:** کے غلبہ کی وجہ سے نفس امارہ (نفس لوامہ) کا زور کم ہو جاتا ہے اور کشف و الہام کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

**سوم ذکر قلبی:** کے غلبہ کی وجہ سے موجودات عالم کے صفات و افعال حق تعالیٰ کے صفات و افعال میں فنا ہو جاتے ہیں۔ اور ہر شے میں افعال حق کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اور اطمینان قلب میسر آتا ہے جو قرآن مجید میں نفس مطمئنہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

**چہارم ذکر روح:** کے غلبہ سے مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ یعنی کثرت موجودات، وحدت ذات میں فنا ہو جاتے یہاں تک کہ ذات حق کے سوا کچھ نظر نہ آئے۔

**پنجم ذکر خفی:** کے غلبہ سے مشاہدہ مبدل ہو جائے گا۔ معائنہ میں یعنی انسان کا اپنا تعین، تعین حق میں فنا ہو جائے اور خود نہ رہے۔ یہ معائنہ ہے یعنی عین ہونا۔

اس کے بعد فناء الفناء کا درجہ ہے جہاں پہنچ کر سالک کو یہ احساس بھی نہیں رہتا کہ میں فنا ہوں یعنی اس کی فنایت بھی فنا ہو جاتی ہے۔ اور یہ مقام بقا باللہ ہے۔ جو آخری مقام ہے۔

تو دریں گم شو کہ تو حیرت دین بود  
گشدرن گم کن کہ نفس برید این بود  
حدیث پاک:

لی مع اللہ وقت لا یسعنی نبی  
المرسل و ملک المقرب۔  
قرب حق میں مجھے وہ مقام حاصل ہے کہ  
جہاں نہ کوئی نبی پہنچے نہ کوئی مقرب فرشتہ۔

نیز حدیث پاک:

مَنْ رَأَى نِيَّ فَقَدَرَ أَعْلَى الْحَقِّ

جس نے مجھے دیکھا حق کو دیکھا۔

دونوں احادیث سے یہی مقام مراد ہے۔ جو بدرجہ اتم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا۔

اسی مقام پر پہنچ کر حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ جب میں غائب تھا تو خدا کو ڈھونڈتا تھا اور خود کو پاتا تھا۔ اب تیس سال ہو گئے ہیں کہ خود کو ڈھونڈتا ہوں اور خدا کو پاتا ہوں۔

عارفین کا قول ہے:

**مقام بقا باللہ سے مراد**

النِّهَايَةُ رُجُوعٌ إِلَى الْبِدَايَةِ (آخری مقام کیا ہے۔ شروع

کے مقام پر واپس آنے کا نام ہے) یعنی سالک جب مقام فنا فی اللہ میں ذات و صفات حق تعالیٰ سے متصف ہو جاتا ہے تو پھر وہ سیر من اللہ کے ذریعے پھر مقام دوئی پر واپس آتا ہے اور حدیث پاک بی بیع اور بی بیصر کے مطابق اندرونی بصیرت سے ہر چیز کو دیکھتا ہے۔ خلافت الہیہ کا تاج اس کے سر پر رکھا جاتا ہے۔ اور ہدایت خلق اور دنیا کے تکوینی امور پر اسے مامور کیا جاتا ہے۔ سطحی نظر کے لوگوں نے رہبانیت کا جو الزام اولیاء اللہ پر لگایا ہے اس سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ کیونکہ مقام بقا باللہ پر پہنچ کر وہ انسان کامل بلکہ مکمل اور کمال بنتا ہے اور جس فرض شناسی بے نفسی، ایثار اور محبت سے خدمت خلق اور عبادت خالق اور ہدایت خلق میں منہمک ہوتا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔

(ضیاء القلوب مصنفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ)

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے جو علمائے دیوبند کے پیرومرشد ہیں کتاب مذکور میں یہ بھی فرمایا ہے: اس مرتبہ میں بندہ خدا کا خلیفہ ہو کر لوگوں کو خدا تک پہنچاتا ہے۔ اور ظاہر میں بندہ اور باطن میں خدا سے وصل ہوتا ہے۔ اور اس وقت وجوب و امکان مساوی ہو جاتے ہیں کسی کو کسی پر غلبہ نہیں ہوتا۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ، اس مرتبہ پر پہنچ کر عارف عالم پر متصرف ہو جاتا ہے اور سَخَّرَ لَكُمْ مِمَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمِمَّا فِي الْأَرْضِ۔ کا انکشاف ہوتا ہے۔ اور وہ ذی اختیار ہو جاتا ہے اور خدا کی جس تجلی کو چاہتا ہے اپنے اوپر کر لیتا ہے اور جس صفت کے ساتھ چاہتا ہے متصف ہو کر اس کا اثر ظاہر کر سکتا ہے۔ چونکہ اس میں خدا کے اوصاف (صفات) پائے جاتے ہیں۔ اور وہ خدا کے اخلاق سے مزین ہوتا ہے (بصداق حدیث: تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِ اللَّهِ) اور اس نے جمال أَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعْمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً کو دیکھا ہے۔ اور نور علی نور ہو گیا ہے۔ اس وجہ سے حال اس کے تابع ہو گیا ہے

(ضیاء القلوب ص ۳۶ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

”جب سالک کا دل خدا کا ذکر کرنے لگتا ہے اور ذکر  
تمام اعضا میں سرایت کر جاتا ہے اور غیر خدا سے دل

## اچھے اور بُرے انوار کی پہچان

پاک و صاف ہو جاتا ہے اور روحانیت سے تعلق خاص پیدا ہو جاتا ہے۔ تو انوار الہی ظاہر ہونے لگتے ہیں۔  
کبھی وہ انوار اپنے اندر اور کبھی باہر نظر آتے ہیں۔ تو اچھے انوار وہی ہیں جن کو وہ دل سینہ اور سر میں یادوں  
طرف اور کبھی بدن میں پائے اور جو انوار کبھی دائیں طرف اور کبھی سامنے نظر آئیں وہ بھی اچھے ہیں لیکن ان  
کی طرف توجہ نہ کرنی چاہیے۔

کسی رنگ کا نور اگر دامنے شانے کے برابر ظاہر ہو تو وہ فرشتوں کا نور ہے  
اگر سفید رنگ کا ہو تو کراما کا تبیین کا ہے۔ اگر سبز لپش خوبصورت آدمی یا

## رنگوں کی پہچان

کوئی اچھی صورت ظاہر ہو تو وہ فرشتہ ہے۔ جو ذکر کی حفاظت کو آیا ہے۔

اور اگر دامنے شانے سے ہٹا ہوا یا آنکھ کے برابر ہے تو وہ مرشد کا نور ہے۔ جو راستہ کا رفیق ہے۔

اور اگر سامنے ہے تو وہ نور محمدی ہے۔ جو سیدھے راستے کی تعلیم فرماتا ہے۔ اگر بائیں شانے کے متصل ظاہر

ہو تو فرشتوں کا نور ہے۔ اگر بائیں شانے سے دور ظاہر ہو تو خواہ کسی رنگ کا ہو وہ شیطان کا نور ہے

اور بعض کہتے ہیں کہ دنیا کا نور ہے۔ اسی طرح جو صورت یا آواز پیچھے سے یا بائیں طرف سے ہو وہ شیطان

کا دھوکا ہے لاجول سے دفع کرنا چاہیے اور اعوذ باللہ من الشطن الرجیم پڑھنا چاہیے۔

اور اس کی طرف توجہ نہ کرے۔ اور اگر نور اوپر سے آئے تو وہ ان فرشتوں کا نور ہے جو حفاظت کیلئے

مقرر ہیں۔ اگر اس سے دل میں خوف پیدا ہو اور اس کے بھل جانے کے بعد بھی اور اس کے دفع ہوجانے

کے بعد بھی باطنی حضور نہ رہے تو وہ شیطان کا نور ہے۔ لاجول پڑھنا چاہیے۔۔۔ اگر دھوکا یا آگ

کے رنگ کا نور سینہ یا ناف کے اوپر سے ظاہر ہو تو یہ خناس کا نور ہے۔ اعوذ باللہ پڑھنا چاہیے۔ اگر

سینہ کے اندر یا دل پر ظاہر ہو تو وہ صفائے دل کا نور ہے۔ اگر سر کی جانب سے ظاہر ہو تو وہ بھی روح

کا نور ہے۔ اور آفتاب کے رنگ کا نور بھی روح کا نور ہے۔ اور بعض اس کو نور ذات ٹھہراتے ہیں۔ تو اگر

یہ اوپر سے کا ہے نور ذات ہے۔ اگر سامنے کا ہے تو روح کا ہے، اگر چاند جیسا ہے تو دل کا ہے۔ اور

بعض کے نزدیک ایک سامنے کا نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو ذکر سلطاناً نصیراً اور سلطاناً محموداً کی طرف

سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ بھی نور ذات ہے۔ لیکن سالک کو چاہیے کہ مطلوب کے سوا کسی کی طرف توجہ نہ ہو۔

حضرات قادریہ کے اذکار و مشاغل بھی کم و بیش اسی نوعیت کے ہیں۔

## ذکر برائے شفا کے مریض

دائیں طرف یا اَحَدُ بَایں طرف یا صَمَدُ آسمان کی طرف  
یا وَشْرُ اور دل میں یا فَوْدُ ایک ہزار مرتبہ ضرب لگاتے اور

مریض کے لیے دعا کرے۔ بفضلہ تعالیٰ شفا پائے گا۔

## مقاصد کے حصول اور آئندہ حالات سے واقفیت کے لیے

نماز تہجد کے بعد ایک ہزار بار  
دائیں طرف یا حَیْتِ، بایں

طرف یا قِیَوْمُ، آسمان کی طرف یا وَهَابُ اور دل میں یا اللہ کی ضربیں لگاتے۔ اور دعا کرے۔  
انشاء اللہ مقصد پورا ہوگا۔

## کشف قبور کے لیے

پہلے اکسین بار یا رَبُّ کہے پھر آسمان کی طرف یا رُوح اور قبر کی طرف  
یا رُوح اور دل کی طرف یا رُوح الرُّوح کی ضرب لگاتے۔ انشاء اللہ

خواب یا بیداری میں صاحبِ قبر کا حال معلوم ہو جائے گا۔

## کشف قبور کا دوسرا طریقہ

پہلے قبر پر پیٹھ کر میت پر فاتحہ پڑھے۔ اور پھر آسمان کی طرف  
اَکْشِفْ لِي یا فَوْدُ اور دل پر اَکْشِفْ لِي یا فَوْدُ اور میت

پر عن حالہ کی ضرب لگاتے اور میت کی طرف متوجہ ہو جائے۔

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مثالیہ  
کا تصور کرے اور دائیں طرف یا اَحْمَدُ

بایں طرف یا مَاجِدُ اور یا رَسُوْلُ اللہ ایک ہزار بار پڑھے۔ بفضلہ تعالیٰ بیداری یا خواب میں زیارت ہوگی۔

## حاجت براری کا ذکر

جو شکل پیش آئے اس کے موافق اسمائے حسنہ میں سے کوئی نام  
لے کر سہ ضربی، یا چہار ضربی ذکر میں مشغول ہو جائے۔ مثلاً کُشَاشُ رِزْقِ

کے لیے یا رِزْقُ اور مریض کی شفا کے لیے یا سَاقِی اور موزی جانور سے بچنے کے لیے یا حَفِیْظُ  
اور فتح کے لیے یا صَمَدُ اور دشمن کے دفع کے لیے یا مَذِلُّ اور بلا کے دفع کے لیے اور دل  
کی تسکین اور مضبوطی کے لیے یا حَیْتِ یا قِیَوْمُ پڑھے۔ علیٰ ہذا القیاس مناسب اسمِ الہی کا درود ہر  
کام کے لیے کرے۔

## مشائخ کے تصرفات کرنے اور توجہ دینے کا طریقہ

مشائخ تمام خیالات سے خالی ہو کر  
اپنے نفسِ ناطقہ کی طرف سے مزید

پر اپنی نسبت میں توجہ کرے جس کا اقامت مزید پر ضروری ہو۔ اور اپنے قلب کی توجہ مزید پر جائے۔ اور یہ

خیال جائے کہ میری کیفیت جذب مرید میں اثر کر رہی ہے۔ مرید کے تمام لطائف میں ذکر جاری کرنے کا طریقہ بھی یہی ہے۔ کہ ہر لطیفہ پر یکے بعد دیگرے توجہ کرے۔ اور انوار، مراقبات اور لطائف کے اتقا میں توجہ کرے۔ اگر مرید موجود نہ ہو تو اس کی صورت کا تصور کر کے غائبانہ توجہ کرے اور اسے فائدہ پہنچاتے

**زندہ اور مردہ اللہ کی نسبت معلوم کرنے کا طریقہ** | اگر زندہ ہے تو اس کے سامنے بیٹھے اگر مردہ ہے تو اس کی قبر

کے سامنے بیٹھے۔ اور اپنے دل کو تمام باتوں سے خالی کر کے اور اپنے آپ کو ہر نسبت سے باہر کر کے علام الغیوب کی بارگاہ میں دعا کرے کہ یا علیہ، یا خبیر، یا مبین مجھے آگاہ کر اور اس کی ہلنی کیفیت مجھ پر منکشف فرما۔ پھر اس کی روح کی طرف پوری توجہ کرے۔ اور تھوڑی دیر بعد اپنی روح اس کی روح کے ساتھ ملا دے۔ اور پھر تھوڑی دیر بعد اپنی طرف توجہ ہو تو اگر اپنے اندر کچھ کیفیت پائے تو سمجھے یہ نسبت اسی شخص کی ہے۔

**کسی کے دل کے خطرات معلوم کرنے کا طریقہ** | اپنے دل کو تمام خیالات اور حدیث نفس سے خالی کر کے اس کی طرف متوجہ ہو جائے

پھر جو کچھ اچھا یا برا خیال دل میں آئے، اسی کی طرف سے خیال کرے۔

**اندہ واقعات معلوم کرنے کا طریقہ** | دل سے تمام خیالات دور کر کے بارگاہ الہی میں دعا کرے کہ یا علیہ، یا خبیر، یا مبین مجھے اس

واقعہ کی خبر دیدے۔ اور پھر پوری توجہ ملا۔ اعلیٰ کی طرف جہاد سے بفضلہ تعالیٰ آواز غیبی یا شاہدہ یا خواب کے ذریعے معلوم ہو جائے گا۔

**مرض سلب کرنے کا طریقہ** | دل کو تمام خیالات سے خالی کر کے اپنے آپ کو اس مرض میں مبتلا سمجھے جو مرید کو ہے۔ تو وہ مرض اس کی طرف منتقل ہو جائے

گا۔ اور یہ انسان کی عجیب صفتوں میں سے ہے۔ اور پھر یہ تصور کرے کہ اس مرض کو اپنے پاؤں کے ذریعے زمین میں داخل کر رہا ہے۔ بفضلہ تعالیٰ شفا ہوگی۔

**مرض سلب کرنے اور گناہ گار سے گناہ دور کرنے کا دوسرا طریقہ** | صاحب نسبت وضو کر کے دو رکعت نماز

نفل ادا کرنے۔ اور درود اور استغفار پڑھ کر نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ درگاہ الہی میں التجا کرے کہ۔ مریض یا گناہ گار سے مرض اور گناہ دور ہو جائے۔ اس کے بعد مریض یا گناہ گار کے سامنے بیٹھے اور پوری

ہمت کے ساتھ سانس لے۔ اور سانس یلتے وقت یہ خیال کرے کہ مرض سے اس کا مرض اور گناہ گار سے اس کا گناہ دور ہو رہا ہے اور ایک لمبی سانس لے کر یہ تصور کرے کہ اس کا مرض یا اس کا گناہ زمین پر گرا رہا ہے۔ بفضلہ تعالیٰ مرض شفا یاب ہوگا۔ اور گناہ گار گناہ سے توبہ کرے گا۔

**بلا دفع کرنے کا طریقہ** | جس بلا کو دفع کرنا ہو۔ اپنے دل کو تمام خیالات سے خالی کر کے اس بلا کی صورتِ مثالیہ کا تصور کرے۔ اور پوری ہمت اور توجہ سے اس بلا کے دفع کرنے کی طرف مائل ہو کر خدا سے دعا کرے۔ انشاء اللہ بلا دفع ہو جائے گی۔

**احتیاط کی ضرورت** | یاد رہے کہ ان باتوں کا اظہار اور تاثر اکثر متوسط درجہ کے سالکوں سے ہوتا ہے۔ اور چونکہ منہتی دنیا کی چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اس لیے ان سے یہ باتیں کم واقع ہوتی ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم رہے کہ عارف کے تمام مکشوفات کا صحیح ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ اس میں غلطی کا احتمال بھی ہوتا۔ اس لیے ایسی باتوں کو ہر کس و ناکس کے سامنے ظاہر کرنا چاہیے۔

**آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا دوسرا طریقہ** | عشر کی نماز کے بعد نئے کپڑے پہن کر اور خوشبو لگا کر ادب سے مدینہ منورہ کی طرف منہ کر کے بیٹھے۔ اور خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں جمال مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے حصول کی دعا کرے۔ اور پھر دل کو تمام خیالات سے خالی کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کا یہ تصور کرے کہ سفید شفاف لباس ہے اور سر پر سبز رنگ کی دستار ہے اور منور چہرہ ہے۔ اور پھر

الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ کی دائیں طرف ضرب لگائے۔ الصلوة والسلام علیک یا نبی اللہ کی بائیں طرف اور الصلوة والسلام علیک یا صیب اللہ کی ضربیں دل پر لگاتے اور پھر متواتر جس قدر ہو سکے درود شریف پڑھتا رہے۔ ایک ہزار بار پڑھے تو بہتر ہے۔ اس کے بعد اکیس بار صورت نصر پڑھ کر جمال مبارک کا تصور کرے اور اس طرح سو جائے کہ سر قطب کی طرف اور منہ قبلہ کی طرف ہو اور دائیں کروٹ پر سو جائے۔ اپنے ہاتھ کی دائیں پھیلی پر الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ دم کر کے ہاتھ سر کے نیچے رکھ کر سو جائے۔ یہ عمل شب جمعہ یا شب دو شنبہ کو کرے اور چند بار کرنے سے بفضلہ تعالیٰ مقصد حاصل ہوگا۔

**نماز استخارہ** | جس کام کو شروع کرنا ہو حدیث شریف میں اس کے متعلق استخارہ کرنے کی تاکید آئی ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت نفل استخارہ کی نیت سے ادا کرے۔ پہلی رکعت میں بعد سورۃ فاتحہ قل یا ایہا الکافرون اور دوسری رکعت میں قل هو اللہ پڑھے اور

اسلام پھیرنے کے بعد یہ دعا پڑھے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ  
 مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ ۚ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَ  
 أَنْتَ الْعَلَامُ الْغُيُوبِ - اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ  
 لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي أَوْ فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ فَأَقْدِرْهُ  
 لِي وَبَارِكْ لِي فِيهِ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ شَرٌّ  
 لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي أَوْ فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ فَأَصْرِفْهُ  
 عَنِّي وَأَصْرِفْنِي عَنْهُ وَأَصْرِفْنِي عَنْهُ وَأَقْدِرْ لِي الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ  
 ثُمَّ أَرْجِيهِ -

مشائخ چشتیہ نے کہا ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد استخارہ کی نیت سے  
 دو رکعت نفل پڑھے۔ اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد تین مرتبہ

استخارہ کا دوسرا طریقہ

قل ہو اللہ پڑھے۔ سلام کے بعد اول و آخر درود شریف کے ساتھ یہ دعا پڑھے۔

يَا سَلَامُ سَلِمْنِي ۚ تین سو ساٹھ بار

يَا عَلِيمُ عَلِمْنِي ۚ ایک سو بار

يَا خَبِيرُ أَخْبِرْنِي ۚ ایک سو بار

یا ہبیبِ بَینِ تَیْ ۚ ایک سو بار پڑھے۔

اس کے بعد اس طرح سو جائے کہ سر قطب کی طرف اور منہ قبلہ کی طرف ہو گنگوٹہ کرنے اور

درود شریف پڑھتا ہوا سو جائے۔ اس عمل کو دو شنبہ یا جمعرات کو شروع کرے۔ اگر ایک شب

معلوم نہ ہو تو تین یا سات رات تک کرے انشاء اللہ مقصد پورا ہوگا۔





## احوال و مقاماتِ اولیاء اللہ

شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت اور ذاتِ حق کا قرب اور وصال حاصل کرنے کا طریقہ سمجھ لینے کے بعد اب یہ دکھانے کی ضرورت ہے کہ جن خوش نصیب حضرات کو عملاً یہ مراتب و مقامات حاصل ہوتے ان کی زندگی میں کیا تبدیلیاں آئیں۔ اور وہ کیا سے کیا بن گئے۔ لہذا اس باب میں ہم نے لاکھوں اولیاء اور مشائخ میں سے چند بزرگانِ دین کے واقعات بیان کرنے پر اکتفا کریں گے۔ تاکہ قارئین کو معلوم ہو جائے کہ یہ صرف زبانی باتیں نہیں ہیں بلکہ ان سے کتنے بلند نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اور ہر آدمی کے اندر ان مقامات و مراتب کو حاصل کرنے کی صلاحیت فطرتاً موجود ہے۔ البتہ کسی میں کم اور کسی میں زیادہ ہونا قانونِ قدرت ہے۔

### حضرت خواجہ حسن بصریؒ اور ایک آتش پرست

حضرت خواجہ حسن بصریؒ مشہور تابعی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلیفہ ہیں۔ آپ کا ایک آتش پرست ہمسایہ تھا۔ جس کا نام شمعون تھا۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہو گیا۔ اور بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی حضرت خواجہ حسن بصریؒ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اور اسے زندگی کے اس آخری موڑ پر اسلام کی دعوت دی۔ شمعون نے کہا کہ اگر آپ مجھے بہشت کا پروانہ لکھ دیں تو میں اسلام قبول کرنے کو تیار ہوں۔ خواجہ صاحب نے اس کی شرط قبول کر لی اور پروانہ لکھ دیا۔ اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ شمعون نے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو یہ کاغذ میرے ہاتھ میں دے کر مجھے دفن کر دینا۔

اسے دفن کرنے کے بعد خواجہ حسن بصریؒ گھر آئے اور سوچ رہے تھے کہ میں نے کیا کام کر دیا رات کو آپ نے خواب میں شمعون کو دیکھا۔ کہ اس کا چہرہ چاند کی طرح روشن ہے، نہایت ہی اعلیٰ پوشاک زیب تن ہے۔ اور سر پر شاہی تاج پہنے ہوئے مسکراتے ہوئے آ رہا ہے۔ خواجہ صاحب نے پوچھا، کیا حال ہے۔ اس نے کہا کہ آپ بھی مجھ سے حال پوچھ رہے ہیں۔ میرا حال آپ کے سامنے ہے۔ حق تعالیٰ

عزوجل نے کمال لطف و کرم سے مجھے اپنے پاس بلایا۔ اور رُخ انور کی زیارت سے مشرف فرمایا۔ اور انواع و اقسام کی نعمتوں سے مالا مال فرمایا۔ آپ کے دیے ہوئے پروانے کی بہت قدرت و منزلت ہوتی اور وہ آپ اب واپس لے سکتے ہیں۔ جب حضرت خواجہ حسن بصری بیدار ہوئے تو دیکھا کہ وہ کاغذ ان کے ہاتھ میں ہے۔ یہ دیکھ کر انہوں نے ایک نعرہ لگایا کہ: یا اللہ العظیم! جب تیرے فضل و کرم کا یہ عالم ہے کہ ستر سالہ کافر کو ایک لفظ منہ سے نکالنے پر نواز لیا ہے، تو آپ ایک ستر سالہ مومن کو کیسے بھلا سکتے ہیں؟

## حضرت مالک بن دینار اور ملاح

ایک دفعہ شیخ مالک بن دینار کشتی میں سفر کر رہے تھے۔ جب کشتی کافی دور دریا کے اندر چلی گئی تو ملاحوں نے کرایہ طلب کیا۔ آپ نے کہا کہ میرے پاس کچھ نہیں۔ انہوں نے آپ کو پکڑ کر خوب مارا جس سے آپ بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو ملاحوں نے دوبارہ مطالبہ کیا اور انہوں نے وہی جواب دیا۔ کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ انہوں نے دوبارہ ان کو پٹیا اور وہ پھر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ انہوں نے تیسری بار کرایہ طلب کیا تو آپ نے وہی جواب دیا۔ اب ملاحوں نے کہا کہ اچھا ہم اس کی ٹانگ پکڑ کر دریا میں پھینک دیتے ہیں۔ یہ کہتا تھا کہ دریا کی ہزاروں مچھلیاں ایک ایک سنہری دینار منہ میں لیے اوپر آگئیں۔ مالک نے ایک مچھلی کے منہ سے دینار لے کر ملاح کے حوالے کیا۔ یہ دیکھ کر سب لوگ آپ کے پاؤں پر گر پڑے۔ لیکن مالک نے دریا میں پھلانگ لگائی اور پانی پر چلتے ہوئے غائب ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد آپ مالک بن دینار مشہور ہو گئے۔

مالک بن دینار بہت خوبصورت آدمی تھے۔ اور کافی مال و دولت کے مالک بھی تھے۔ آپ شہر دمشق میں

## حضرت مالک بن دینار کی توبہ کا واقعہ

رہتے تھے۔ جہاں حضرت امیر معاویہ نے ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کروائی۔ مالک بن دینار کی خواہش تھی کہ اس مسجد کی امامت مل جائے۔ چنانچہ انہوں نے جا کر مسجد میں ڈیرے ڈال دیے اور عبادت میں مشغول ہو گئے۔ لیکن دل میں اپنے آپ کو ملامت کرتے رہے کہ میں بھی عجیب منافق ہوں۔ کہ امامت کی خاطر عبادت میں مشغول ہوں۔ ایک رات جب وہ بانسری بجا کر اپنا دل خوش کر رہے تھے۔ تو بانسری میں سے آواز آئی کہ "مالک تجھے کیا ہو گیا ہے کہ توبہ نہیں کرتے"۔ یہ سن کر انہوں نے بانسری کو زمین پر دے مارا۔ اور دوڑتے ہوئے مسجد کی طرف بھاگے۔ اور یہ کہہ رہے تھے۔ کہ یارت سا رسال میں نے تیرے ساتھ منافقت کی ہے۔ اب مجھے شرم چاہیے کہ کیوں نہ خلوص سے تیری عبادت کروں۔ لہذا اب انہوں نے مجھے است

دے بھی دی تو ہرگز قبول نہ کروں گا۔ دوسرے دن ان کے پاس امانت کا حکم نامہ پہنچ گیا۔ لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ اور بھاگ آئے۔

بصرہ میں ایک امیر کبیر خاتون رہتی تھی جو اپنے والد کی واحد وارث تھی۔ اور اکیلی محل میں رہتی تھی۔ اس نے مالک بن دینار کے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔ تو آپ نے جواب دیا کہ جب میں نے دنیا کو طلاق دے دی ہے۔ تو یہ خاتون چونکہ دنیا میں شامل ہے تو میں اس کے ساتھ کیسے شادی کر سکتا ہوں۔

مالک بن دینار کے گھر کے پاس ایک نوجوان رہتا تھا جو بہت ہی بدچلن اور بد معاش تھا۔ انہوں نے کافی مدت تک اس کی بد تمیزی کو برداشت کیا۔ آخر جب ہمسایہ لوگوں نے ان کے پاس آکر نوجوان کی شکایت کی تو آپ نے اس کے پاس جا کر نیک کاموں کی ہدایت کی۔ لیکن اس نے نہایت ہی تکبر سے لہجے میں جواب دیا کہ میں بادشاہ کا رشتہ دار ہوں مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ مالک بن دینار نے کہا میں بادشاہ کے پاس جا کر تیری شکایت کروں گا۔ اس نے کہا بے شک جاؤ۔ بادشاہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ یہ سن کر مالک نے کہا کہ اگر بادشاہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تو میں شہنشاہ حقیقی کی بارگاہ میں عرض کروں گا۔ یہ سن کر نوجوان نے خوشی سے نعرہ لگایا اور کہنے لگا کہ وہ تو بے حد مہربان ہے۔ وہ مجھے کیا نقصان پہنچا سکتا ہے اب مالک بن دینار نے ہتھیار ڈال دیے۔ اور بے بس ہو کر گھر چلے گئے۔ اس سے اس کی گستاخی اور بڑھ گئی۔ اور ہمسایوں نے پھر مالک بن دینار کے پاس جا کر اس کے مظالم کی شکایت کی اور جب آپ دوبارہ اس کے پاس جانے لگے تو راستے میں غیب سے آواز آئی کہ خبردار! میرے دوست پر اتھمت اٹھاؤ۔ یہ سنتے ہی ان کے ہوش جلتے رہے اور نوجوان کے پاس پہنچ گئے۔ اس نے پوچھا کہ کیا بات ہے کیوں میرے پاس آئے ہو؟ مالک نے کہا کہ اب میں آپ کو یہی بتانے آیا ہوں کہ میں نے یہ آواز سنی ہے۔ نوجوان نے نعرہ لگا کر کہا کہ اچھا اگر یہ بات ہے تو میں اپنا سارا محل راہ خدا میں وقف کرتا ہوں۔ اور اپنی ساری دولت اس کے نام پر وقف کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ گھر سے نکل کھڑا ہوا اور تلاش حق میں مشغول ہو گیا۔ مالک بن دینار کہتے ہیں کہ کچھ عرصہ کے بعد میں نے اس شخص کو مکہ معظمہ میں دیکھا کہ بالکل افلاس زدہ ہے۔ اور آفری دونوں میں یہ کہہ کر جان دے دی کہ وہ میرا دوست ہے۔ میں اپنے دوست کی تلاش میں آیا ہوں۔

## حضرت حبیب عجمی

حضرت عجمی اوائل میں بہت مالدار آدمی تھے اور لوگوں کو سود پر قرض دیا کرتے تھے۔ وہ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ ایک دن ایک قرضدار سے قرض وصول کرنے کے لیے اس کے گھر پر گئے۔ چونکہ وہ

گھر پر نہیں تھا۔ اس کی بیوی سے قرضہ طلب کیا۔ اس کی بیوی نے جواب دیا کہ اس وقت ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ البتہ آج ایک بجری ذبح کی مٹی جس کا سر موجود ہے اگر چاہو تو لے جاؤ۔ حبیب نے کہا اچھا کچھ سہی۔ لاؤ وہ سر ہی دے دو۔ چنانچہ بجری کا سر لے کر وہ گھر گئے اور بیوی سے کہا کہ اسے لپکاؤ۔ جب اس نے لپکا کر حبیب کے آگے رکھا تو ایک فقیر نے در پر آواز دی کہ خدا کے لیے کچھ دے دو۔ لیکن حبیب نے پکار کر کہا کہ بابا معاف کرو فقیر نے آپ کی بیوی کو مخاطب کر کے کہا کہ مجھے خالی ہاتھ مت لٹاؤ۔ کچھ تو دے دو۔ یہ سن کر اس نے ہانڈی کا ڈھکنا اٹھایا تو کیا دیکھتی ہے کہ ہانڈی میں کالے خون کے سوا کچھ نہیں یہ دیکھ کر اس نے حبیب سے کہا کہ ”ذرا آگے آؤ اور یہ تماشا دیکھو۔ یہ تمہاری سود خوری اور فقیر سے بے اعتنائی کا نتیجہ ہے۔ اب تم خود سوچ سکتے ہو کہ اگلے جہان میں ہمارا کیا حشر ہوگا۔“

یہ دیکھ کر حبیب کے قلب میں خوفِ خدا کی آگ بھڑک اٹھی جو پھر کبھی ٹھنڈی نہ ہوئی۔ اس نے اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہا کہ دیکھو خاتون میں اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں۔ دوسرے دن وہ اپنے قرضداروں سے ملنے گئے۔ جمعہ کا دن تھا۔ اور لڑکے سڑک پر کھیل رہے تھے۔ انہوں نے حبیب کو دیکھ کر شور مچا دیا کہ ”وہ دیکھو حبیب سود خور جا رہا ہے۔ اس سے دور ہو کر رہو۔ اگر اس کے پیروں کی خاک ہم پر پڑ گئی تو ہم بھی اس کی طرح لعنت میں گرفتار ہو جائیں گے۔ ان الفاظ نے اس کے دل پر گہرا اثر کیا اور وہ سیدھا امام حسن بصریؒ کے پاس چلا گیا۔ امام نے اس کے کان میں چند الفاظ کہے جو اس کے دل کی گہرائیوں میں اتر گئے اور گر کر بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا تو امام کے ہاتھ پر توبہ کی۔ جب واپس جانے لگے تو وہی لڑکے کھیل رہے تھے۔ انہوں نے حبیب کو دیکھتے ہی کہا کہ آگیا وہ حبیب جس نے گناہوں سے توبہ کر لی ہے۔ اب ہمیں بھاگ جانا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارے پاؤں کی خاک اس پر پڑے اور ہم گناہ گار ہو جائیں۔ یہ دیکھ کر حبیب نے نعرہ لگایا کہ:

”یا میرے آقا! جب میں نے تیرے سامنے سر جھکا دیا تو تو نے خلقِ خدا کے دلوں میں

میری شہرت کا نقارہ پیٹ دیا ہے۔“

اس کے بعد انہوں نے اعلان کر دیا کہ جس کسی نے حبیب سے کچھ لینا ہے اگر لے جائے۔ یہ سن کر لوگ ان کے پاس جا کر اپنے حقوق لیتے رہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے اپنا سارا سرمایہ لوگوں کو دے دیا۔ اور خود بالکل مفلس اور نادار ہو گئے۔ اس کے بعد ایک آدمی نے اگر مطالبہ کیا تو انہوں نے اس کو اپنی بیوی کی چادر دے دی۔ ایک اور آدمی کو انہوں نے اپنی قمیض اتار کر دے دی اور خود نیکی پیٹھ کر کے بیٹھ گئے۔ اس کے بعد انہوں نے دریائے دجلہ کے کنارے جھوپڑا بنایا۔ اور یاد خدا میں مشغول ہو گئے اور رات دن امام حسن بصریؒ کے

زیر تربیت رہنے لگے۔ کیونکہ آپ قرآن مجید کا تلفظ اچھی طرح ادا نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے آپ کا لقب  
 عجمی یعنی گونگا پڑ گیا۔ عرب کے فصیح اور بلنغ لوگ غیر عرب لوگوں کو اسی لقب سے یاد کرتے تھے۔  
 اب چونکہ آپ بالکل نادار تھے۔ بیوی روزانہ مطالبہ کر رہی تھی کہ کچھ لاؤ اور گھر کا خرچ پورا کیا جائے  
 وہ سارا دن اپنے جھونپڑے میں مشغول رہتے تھے اور جب رات کو واپس گھر آتے تو بیوی سہرا ہوجاتی، کہ  
 پیسہ لاؤ۔ ہم کیا کھائیں؟ سارا دن کہاں رہتے ہو؟ حبیب نے جواب دیا کہ جس کے ہاں کام کرتا ہوں وہ  
 اس قدر کریم اور سخی ہے کہ مجھے اس سے کچھ طلب کرنے میں شرم محسوس ہوتی ہے۔ وہ ہر دس دن کے بعد  
 مزدوری دیتا ہے۔ اس لیے فکرمیت کرو۔ جب دس دن پورے ہو جائیں گے تو وہ خود بخود ہمیں مزدوری  
 دے دے گا۔

غرضیکہ حبیب روزانہ اپنے جھونپڑے میں جا کر عبادت کرتے رہے۔ جب دس دن ختم ہوتے  
 تو وہ پریشان تھے کہ اب میں بیوی کو کیا جواب دوں گا۔ وہ اس فکر میں غرق تھے کہ ادھر پروردگار عالم نے  
 ایک فرشتے کے ذریعے ایک گدھے پر آٹے کی بوری، ایک پر ذبح شدہ بکری اور ایک پر گھی، شہد اور  
 مصالحات اور ایک تھیلے میں تین سو چاندی کے درہم ان کے گھر بھیج دیئے۔ ان کی بیوی کی خوشی کی انتہا  
 نہ رہی کہ جب ایک نہایت ہی خوبصورت نوجوان نے دروازہ کھٹکھٹا کر یہ سب چیزیں ان کی بیوی کے  
 حوالے کر دیں اور ساتھ ہی یہ پیغام بھی دیا کہ:

میرا آقا کہتا ہے کہ حبیب کو کہنا کہ تم جتنا زیادہ کام کرو گے ہم اس کی مزدوری اتنی زیادہ کرتے رہیں  
 گے۔ رات کو جب حبیب نہایت ہی شرمندگی اور پشیمانی کی حالت میں گھر میں داخل ہوئے تو نفیس کھانوں  
 کی خوشبو سے ان کا دماغ معطر ہو گیا۔ اور آگے بڑھ کر بیوی سے پوچھا کہ یہ کیا باخرا ہے۔ اس نے نہایت  
 خوشی سے جواب دیا کہ اے میرے پیارے شوہر جس شخص کے ہاں آپ کام کرتے ہیں وہ اس قدر سخی،  
 شریف اور مہربان ہے کہ ایک آدمی کے ذریعے اس نے یہ چیزیں بھیجی ہیں اور یہ بھی کہلا بھیجا ہے کہ حبیب  
 کو کہنا کہ تم کام زیادہ کیے جاؤ ہم تمہاری مزدوری بڑھاتے جائیں گے۔ یہ سن کر حبیب دنگ رہ گئے اور دل  
 میں کہا کہ: سبحان اللہ! میں نے صرف دس دن کام کیا ہے اور مجھ پر اس قدر کرم ہوا ہے۔ اگر زیادہ کام کروں  
 تو کیا کچھ نہیں ملے گا۔

اس کے بعد وہ ہمتن یا د خدا میں منہمک ہو گئے اور مقتدرانے قوم ہوتے۔ حضرت خواجہ حبیب عجمی کے  
 پسندیدہ اقوال میں سے ایک قول یہ ہے:

اے میرے آقا! ممکن ہے میں اس خوشی سے مر جاؤں کہ تجھ جیسا آقا رکھتا ہوں!

## خواجہ حبیب عجمی کی کرامات

ایک دفعہ ایک بڑھی عورت کا بیٹا گم ہو گیا۔ وہ خواجہ حبیب کے پاس جا کر قدموں پر گر گئی اور زار و قطار رونے لگی۔ اور کہا کہ میں ہرگز اپنے بیٹے کی جدائی برداشت نہیں کر سکتی۔ آپ خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کریں تاکہ میرا بیٹا واپس آجائے۔ حضرت خواجہ نے دریافت کیا کہ کیا تمہارے پاس کچھ رقم ہے۔ اس نے کہا جی ہاں! میرے پاس دو درہم ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ رقم غریبوں میں تقسیم کر دو۔ اس کے بعد انہوں نے اس کے حق میں دعا مانگی۔ اور فرمایا کہ گھر جاؤ تمہارا بیٹا واپس آ گیا ہے۔ جو نہی وہ گھر پہنچی، کیا دیکھتی ہے کہ بیٹا گھر بیٹھا ہے۔ وہ بیٹے کو حضرت خواجہ کی خدمت میں لائی۔ انہوں نے دریافت کیا کہ بیٹے تم کہاں تھے؟ لڑکے نے جواب دیا کہ حضور میں کرمان گیا ہوا تھا۔ مجھے میرے استاد نے گوشت لانے کے لیے بھیجا۔ راستے میں ہوا کا ایک زبردست جھونکا آیا اور غیب سے ایک آواز آئی کہ حبیب عجمی کی برکت سے اور ان دو درہموں کی برکت سے جو اس کی ماں نے خیرات کیے ہیں۔ اس لڑکے کو اپنے گھر پہنچا دو۔

خواجہ حبیب عجمی کی ایک اور کرامت یہ ہے کہ ایک دفعہ حج کے موقع پر لوگوں نے آپ کو اٹھ ڈواج کو بصرہ میں اور نو ڈواج کو میدان عرفات میں دیکھا۔

## رابع بصری

رابع بصری بصرہ کے ایک غریب آدمی اسماعیل الادومی کے گھر پیدا ہوئے۔ بچپن میں ماں باپ کا سایہ سر سے اٹھتے ہی غنڈوں نے اسے اٹھا لیا۔ اور کسی کے ہاں فروخت کر دیا۔ جس رات وہ پیدا ہوئے ان کے والدین کے گھر میں کچھ نہیں تھا۔ اس قدر تیل تھا کہ بچی کی ناف پر لگایا جائے یا چراغ روشن کیا جائے اور نہ ہی کوئی کپڑا تھا جس میں اسے لپیٹا جائے۔ اس سے پہلے ان کی تین بہنیں پیدا ہو چکی تھیں۔ ان کی والدہ نے خاوند سے کہا کہ ہمسائے کے گھر جا کر تھوڑا تیل لے آئے تاکہ چراغ جلایا جائے۔ لیکن خاوند نے عہد کر لیا تھا کہ خدا کے سوا کسی سے کچھ طلب نہیں کروں گا۔ تاہم بیوی کی دلجوئی کی خاطر باہر چلے گئے۔ اور ہمسائے سے بات کیے بغیر واپس آ کر بیوی سے کہنے لگے کہ اس نے رات کے وقت دروازہ نہیں کھولا یہ سن کر بیوی سخت روتی۔ جس سے خاوند کے دل پر بہت اثر ہوا اور وہ اپنا سر گھٹنوں پر رکھ کر بیٹھ گیا۔ اس حالت میں اسے نیند آگئی۔ اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فکر مت کرو۔ یہ بچی جو ابھی پیدا ہوئی ہے، قوم نسا میں ملے ہوگی۔ اور اس کی شفاعت سے میری امت کے ستر ہزار نفوس کی بخشش ہوگی۔ کل تم بصرہ کے حاکم زہد انص کے پاس ایک خط

لکھ کر بھیج دو کہ تم روزانہ مجھ پر ایک سو اور جمعہ کی رات چار سو بار درود پڑھ کر بھیجتے ہو۔ لیکن گزشتہ جمعہ کو تم مجھ کو بھول گئے ہو۔ اب تم اس خط لکھنے والے کو حلال کمانی کے چار سو دینار بھیج دو۔

جب رابعہ کے باپ خواب سے بیدار ہوتے تو خوشی سے رونے لگے۔ اور اٹھ کر جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خط لکھ کر حاکم بصرہ کے پاس بھیج دیا۔ یہ دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا۔ کیونکہ جو کچھ درود شریف کے متعلق خط میں لکھا تھا، واقعی اسی طرح تھا۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے تو دو ہزار دینار اس عنایت کے شکرانے میں خیرات کر دیئے کہ میرے آقا نے مجھے یاد فرمایا ہے اس کے بعد اس نے چار سو دینار رابعہ کے باپ کے پاس یہ کہہ کر بھیجوا دیئے کہ: "میں آپ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں لیکن میں یہ پسند نہیں کرتا کہ آپ کو یہاں آنے کی تکلیف دی جائے۔ میں خود حاضر ہو کر اپنی دعا پڑھی آپ کی دہلیز پر گرؤں گا۔ آپ مجھ پر اتنا کریم فرمائیں کہ آئندہ جس قدر ضرورت ہو مجھے مطلع کر دیا کریں۔"

جب رابعہ کچھ بڑی ہوئی تو ماں باپ دونوں فوت ہو گئے اور سب نہیں ایک دوسری سے جدا ہو گئیں۔ رابعہ ایک بد معاش کے ہاتھ آگئیں جس نے اسے چھ درہم کے عوض فروخت کر دیا اور اس کا مالک اس سے سخت کام لینے لگا۔

ایک دن وہ راستے میں جا رہی تھیں کہ ایک آدمی اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔ یہ دیکھ کر وہ زور سے بھاگی اور گر کر اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ اس پر رابعہ نے سجدہ میں جا کر بارگاہ رب العزت میں یہ مناجات کی۔

**رابعہ کی مناجات**

"اے میرے آقا! میں ایک یتیم اور بے کس لڑکی ہوں جو ماں باپ دونوں کے سایہ عاطفت سے محروم ہو چکی ہے اس کے ساتھ

میں ایک اجنبی شخص کی غلام بھی ہوں۔ اور میرا بازو بھی ٹوٹ چکا ہے لیکن ان باتوں کا مجھے کوئی غم نہیں۔ مجھے جس چیز کی فکر ہے وہ میرے آقا! تیری رضا ہے۔ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ تو مجھ سے راضی ہے یا نہیں۔"

اس پر اس نے غیب سے یہ آواز سنی :-

"رابعہ! تم فکرمند کرو۔ کل تمہارا وہ مرتبہ ہو گا کہ ملائک بھی رشک کھائیں گے۔"

اس کے بعد رابعہ اپنے آقا کے گھر جا کر اس کی خدمت میں مصروف ہو گئی۔ دن کے وقت وہ متواتر روزہ رکھتی تھی اور نماز میں مشغول رہتی تھی۔ اور رات ہوتی تو صبح تک کھڑی نوافل میں گزار دیتی تھیں۔ ایک رات اس کے آقا نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو رابعہ یہ مناجات کر رہی تھیں :-

**رابعہ کی مناجات** "میرے آقا! تو جانتا ہے کہ تیری عبادت میرے دل کی خوشی اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو ایک لمحہ بھی تیری عبادت ترک نہ کرتی

لیکن کیا کروں، تو نے مجھے ایک انسان کے ہاتھوں قیدی بنا دیا ہے۔" اس کے مالک نے یہ بھی دیکھا کہ رابعہ کے سر پر ایسی روشنی چمک رہی ہے کہ جس سے سارا کمرہ روشن ہو گیا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ گہرا گیا اور ساری رات غمزہ ہو کر بیٹھا رہا۔ صبح ہوتے ہی اس نے رابعہ کو آزاد کر دیا اس کے بعد رابعہ نے صحرا کا رخ کیا اور رات دن یاد خدا میں منہمک ہو گئیں۔

ایک دفعہ رابعہ ایک قافلے کے ساتھ حج کو جا رہی تھیں۔ آپ گدھے پر سوار تھیں۔ اور کھانے پینے کا سامان بھی گدھے پر تھا۔ جب قافلہ صحرا کے وسط میں پہنچا تو گدھا مر گیا۔ ان کے ساتھیوں نے کہا لاؤ ہم تمہارا سامان اٹھا لیتے ہیں۔ رابعہ نے کہا آپ جایئے جس کے سہارے میں نے یہ سفر اختیار کیا ہے وہی مجھے منزل مقصود تک پہنچائے گا۔ جب قافلہ چلا گیا اور آپ قی و دوق میدان میں اکیلی رہ گئیں تو آپ نے بارگاہِ رب العزت میں یوں دعا کی:

**دیگر مناجات** "اے میرے آقا! کیا بادشاہ بھی ایک سبکس اور بے خانماں بوڑھی عورت کے ساتھ یہی سلوک کرتے ہیں۔ تو نے مجھے اپنے گھر کی زیارت بھی نہ کرنے

دی اور پھر سنان اور بیابان صحرا میں میرا گدھا مار دیا ہے! ابھی یہ الفاظ ان کے منہ پر تھے کہ گدھے کے جسم میں حرکت ہوئی اور کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے اپنا سامان اس پر رکھا اور چل پڑیں۔

**رابعہ کی دعائیں** آپ اکثر یہ دعا مانگا کرتی تھیں۔  
 "یا اللہ! جو کچھ تو نے دنیاوی چیزوں سے میری قسمت میں لکھا ہے، اپنے دشمنوں کو دے دے۔ اور جو کچھ تو نے آخرت میں میرے لیے لکھا ہے، اپنے دوستوں کو دے دے۔ میرے لیے تو کافی ہے۔"

**دیگر دعا** آپ کی ایک اور دعا یہ ہے:  
 "یا اللہ! اگر میں دوزخ کے خوف سے تیری عبادت کرتی ہوں تو مجھے دوزخ میں جلا دے۔ اگر میں بہشت کی خاطر تیری عبادت کرتی ہوں تو مجھے بہشت سے محروم کر دے۔ اور اگر میں تیرے لیے عبادت کرتی ہوں تو مجھے اپنے حسن لازوال سے محروم نہ رکھیو!"



## دیگر دعا

ایک اور دعا یہ ہے: "یا اللہ! تو ہی دونوں جہانوں میں میری تمناؤں اور آرزوؤں کا

مقصود ہے۔ یہ میری طرف سے ہے۔ اب تو اپنی طرف سے وہ کر جو تیرے شایان شان ہو!"

## حضرت فضیل ابن عیاضؒ

آپ ابتدائی زندگی میں ڈاکوؤں کے سردار تھے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی تھی کہ خدا تعالیٰ نے ان کو فطرتاً فراخ دلی اور سخاوت جیسی اعلیٰ صفات سے بھی نوازا تھا۔ ایک دفعہ ایک بڑا قافلہ جا رہا تھا۔ اور فضیل کے آدمیوں نے مورچے سنبھال رکھے تھے۔ قافلے میں ایک آدمی کے پاس دیناروں کا ایک تھیلہ تھا۔ اس نے خیال کیا کہ ڈاکوؤں کے آنے سے پہلے میں تھیلے کو کسی جگہ چھپا دوں۔ وہ راستے سے ہٹ کر جنگل کے ایک کونے میں گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک نیک آدمی جس کے گلے میں تسبیح تھی خیر لگائے بیٹھا ہے۔ اس نے دل میں کہا کہ اس راہب سے زیادہ امین اور کون ہو سکتا ہے۔ یہ سوچ کر تھیلہ اس کے حوالے کر دیا۔ اس کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ڈاکوؤں کا سردار یہی ہے۔ جب واپس قافلے کی طرف گیا تو قافلہ لٹ چکا تھا۔ چنانچہ وہ فضیل کے پاس اپنا تھیلہ لینے گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ تمام ڈاکو ان کے گرد جمع ہیں اور لوٹ کا مال تقسیم ہو رہا ہے۔ یہ دیکھ کر اس نے آہ سردی۔ اور دل میں کہنے لگا کہ افسوس میں نے اپنا مال خود چوروں کے حوالے کر دیا۔ لیکن اس کی خوشی اور حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب فضیل نے اس کو دیکھتے ہی کہا کہ آؤ بیٹے! اپنا مال لے لو۔ اس نے اپنا تھیلہ لیا اور چلتا بنا۔

جب وہ چلا گیا تو فضیل کے ساتھیوں نے احتجاج کیا کہ سارے قافلے میں ہمیں ایک درہم بھی نہیں ملا۔ اور آپ نے دیناروں کا تھیلہ اس کو دے دیا۔ فضیل نے جواب دیا کہ جس طرح اس آدمی کو میرے ساتھ حسن ظن تھا۔ مجھے بھی خدا تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن ہے کہ وہ میری توبہ قبول کر لے گا۔ اب میں نے اس آدمی کے حسن ظن کو سچا کر دکھایا تو امید ہے کہ خداوند عالم بھی میرے حسن ظن کو سچا کرے گا۔

چنانچہ اس طرح ہوا کہ ایک رات ایک قافلہ سفر طے کر رہا تھا اور قافلہ والوں میں سے ایک آدمی قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا۔ فضیل کے کانوں میں یہ آیت پہنچی کہ:

"کیا اب وہ وقت نہیں آن پہنچا کہ مسلمان اللہ کے ذکر سے اپنے دلوں کو روشن کریں۔"

اب ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ایک تیر فضیل کے دل میں جا کر چھب گیا ہے۔ اور یہ اس کے لیے ایک بلاوا آیا ہے۔ یہ آیت سن کر فضیل کا دل موم ہو گیا۔ اور قرآن پڑھنے والے کے جواب میں چلا اٹھا کہ: "واقعی وہ وقت آ گیا ہے بلکہ وقت گزر چکا ہے۔"

اب سرا سبکی اور حیرت کے عالم میں وہ جنگل میں گھس گئے۔ وہاں جنگل میں چند مسافروں نے ڈیرہ لگایا ہوا تھا۔ ان میں سے ایک آدمی نے کہا۔ اب ہمیں جلدی یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ دوسرے نے کہا نہیں ہم نہیں جاسکتے۔ کیونکہ فضیل تاک میں ہے۔ یہ سن کر فضیل نے کہا کہ میں تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ فضیل نے توبہ کر لی ہے۔

اس کے بعد فضیل روتے ہوئے چلے گئے اور راستے میں جو ملا اس کا حق ادا کرتے گئے۔ آخر کار شہر باوند کا ایک

### ایک یہودی کا مسلمان ہونا

یہودی باقی رہ گیا۔ جس کو انہوں نے ٹوٹا تھا۔ اب فضیل کے پاس کچھ نہیں تھا۔ کہ اس کا حق ادا کرتے۔ اور یہودی اپنا حق چھوڑنے کے لیے اور معاف کرنے پر رضامند نہیں ہو رہا تھا۔ بلکہ اس نے اپنے دوستوں سے کہا اب دیکھو میں ان مسلمانوں کی کیسے خبر لیتا ہوں۔ یہودی نے فضیل سے کہا اچھا پہلے میری زمین سے وہ ریت کا ٹیلہ ہٹا دو جس پر کئی دن لگتے تھے۔ انہوں نے بے بس ہو کر ٹیلہ اٹھانا شروع کر دیا لیکن ایک آدمی سے کہاں یہ کام ہو سکتا تھا۔ خدا کا کرنا دیکھیے ایک دن ایسی تیز ہوا چلی کہ ٹیلہ خود ہٹ گیا۔ یہ دیکھ کر یہودی دنگ رہ گیا۔ خواجہ فضیل کی یہ کرامت دیکھ کر اس کا دل قدر سے نرم ہوا اور کہنے لگا کہ میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ جب تک اپنا حق واپس نہیں لوں گا۔ فضیل کو نہیں بخشوں گا۔ اب یوں کرو کہ فلاں کونے سے ایک سونے کا تھیلا اٹھا کر مجھے دے دو تو اس طرح میری قسم پوری ہو جائے گی۔ اور میں تمہیں اپنا حق بخش دوں گا۔ لیکن دراصل اس تھیلے میں یہودی نے مٹی بھر رکھی تھی۔ اس کی بات سن کر فضیل کرے کے اندر گئے اور وہ تھیلا اٹھا کر یہودی کو دے دیا۔ اب یہودی کیا دیکھتا ہے کہ وہ تھیلا سونے سے بھرا ہوا ہے۔ یہ دیکھتے ہی یہودی نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور خواجہ فضیل سے کہا کہ پہلے مجھے مسلمان کیجئے۔ جب وہ اسلام قبول کر چکا تو کہنے لگا کیا تجھے معلوم ہے میں نے کیوں اسلام قبول کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آج تک مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ کون سا مذہب خدا کا سچا مذہب ہے۔ میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ جب ایک آدمی سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو اگر وہ مٹی کو بھی ہاتھ لگائے تو سونا بن جاتی ہے۔ اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ اسلام سچا مذہب ہے۔ میں نے جان کر تھیلے میں مٹی بھر رکھی تھی۔ اور تمہارا امتحان مطلوب تھا۔ جب آپ سچے ثابت ہوئے تو مجھ پر اسلام کی حقانیت ثابت ہو گئی اور آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا ہوں۔

ایک دفعہ حج کے زمانے میں خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے وزیر فضل برکی

خواجه فضل بن عیاض اور خلیفہ ہارون الرشید

سے کہا کہ آج رات مجھے کسی ولی اللہ کے پاس لے چلو تاکہ میں ان سے اپنی حقیقت معلوم کر سکوں۔ وزیر بادشاہ کو شیخ سفیان بن عینیہ کی خدمت میں لے گیا۔ جب دروازہ کھٹکھٹایا تو شیخ نے اندر سے پوچھا کہ کون ہے۔ وزیر نے جواب دیا امیر المؤمنین آپ کو ملنے آئے ہیں شیخ نے کہا کہ امیر المؤمنین نے یہاں آنے کی تکلیف کیوں گوارا کی۔ مجھے بلا لیا ہوتا۔ یہ سن کر ہارون نے کہا جس شیخ کی میں تلاش میں ہوں وہ یہ نہیں ہیں مجھے کسی اور جگہ لے چلو۔ یہ بات شیخ نے سن لی اور کہنے لگے کہ جس قسم کے شیخ کی آپ کو تلاش ہے وہ خود افضل ہیں چنانچہ وہ حضرت فضیلؒ کی قیام گاہ پر چلے گئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے خواجہ نے دریافت کیا کہ کون ہے۔ وزیر نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین آپ سے ملنے آئے ہیں۔ حضرت خواجہ نے کہا بادشاہ کو مجھ سے اور مجھے بادشاہ سے کیا کام ہے۔ وزیر نے کہا کیا قرآن کے مطابق اولی الامر کی اطاعت فرض نہیں ہے۔ خواجہ نے کہا، جاؤ میرا وقت ضائع مت کرو۔ لیکن واپس جانے کی بجائے بادشاہ زبردستی اندر چلا گیا۔ یہ دیکھ کر حضرت خواجہ نے چراغ بجھا دیا تاکہ بادشاہ کا چہرہ نہ دیکھنے پائیں۔ جب ہارون الرشید نے حضرت خواجہ کے پاؤں کی طرف ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اگر دوزخ کی آگ سے بچ جاتا تو کیا ہی نرم ہاتھ ہے۔ یہ کہہ کر آپ اٹھے اور نماز میں مشغول ہو گئے۔ اس سے بادشاہ بہت متاثر ہوا اور اس پر گریہ طاری ہو گیا۔ جب آفاقہ ہوا تو بادشاہ نے عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے دادا حضرت عباسؓ نے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے کسی علاقے کا حاکم مقرر کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ "چچا جان میں نے ایک لمحہ کے لیے آپ کو آپ کے اپنے اوپر حاکم مقرر کیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ خدا تعالیٰ کی ایک لمحہ کی اطاعت اس ہزار سال سے بہتر ہے کہ جس میں لوگ آپ کی اطاعت کریں۔ کیونکہ کل قیامت کے دن حکومت والے خسارہ میں ہوں گے۔"

اس کے بعد ہارون رشید نے کہا کہ مجھے اور نصیحت کیجئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ مقرر ہوئے تو انہوں نے اپنے دوستوں کو بلا کر کہا کہ میں آزمائش میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ کیونکہ میرے لیے تو یہ آزمائش ہے۔ اور بعض کے لیے یہ برکت ہے۔ ایک دوست نے کہا کہ اگر آپ حق تعالیٰ کے غضب سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اپنے سے بڑے مسلمانوں کا اپنے والدین کی طرح احترام کرو۔ نوجوانوں کو اپنا بھائی اور چھوٹوں کو اپنی اولاد سمجھو۔ یہ سن کر بادشاہ اور روتے لگا۔

آخر میں بادشاہ نے پوچھا کہ کیا آپ پر کسی کا قرض ہے۔ تاکہ میں اتار دوں۔ آپ نے فرمایا جی ہاں میں نے حق تعالیٰ کو اطاعت کا قرض ادا کرنا ہے۔ بادشاہ نے کہا: میرا مطلب یہ ہے کہ آیا آپ نے

روپے پیسے کی شکل میں کسی کا قرض ادا کرنا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ رب العزت کا بے حد شکر ہے جس نے مجھے اتنا دے رکھا ہے کہ مجھے اس کے غلاموں سے لینے کی ضرورت ہی نہیں۔ لیکن پھر بھی بادشاہ نے ایک ہزار دینار کا تھیلہ ان کے سامنے رکھ کر کہا کہ یہ میری والدہ کی وراثت کا مال ہے۔ اور بالکل حلال ہے۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا:

”اے امیر المؤمنین! جو کچھ میں نے ابھی کہا سب بے کار گیا۔ تم نے ابھی سے غلط کاری اور نا انصافی شروع کر دی۔ اس سے ظاہر ہے کہ میری نصیحت کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ ہارون الرشید نے کہا کہ مجھ سے کیا خطا ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں۔ اور تم مجھے لالچ کی طرف میں نے کہا تھا کہ جس کا حق ہے اس کو دو اور تم ایک غیر مستحق کو دے رہے ہو۔ یہ کہہ کر آپ اٹھے اور دینار دروازے سے باہر پھینک دیئے۔ ہارون الرشید نے آہ سرد لے کر کہا کہ سبحان اللہ! کیا انسان! دراصل بادشاہ یہی ہے جس کی نظروں میں دنیا بالکل حقیر ہے۔“

ایک دن حضرت خواجہ فضیل میدان عرفات میں دیکھ رہے تھے کہ حاجی لوگ رور و کر دعائیں مانگ رہے تھے۔ اور نہایت عجز و نیاز کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں آہ و زاری کر رہے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر آپ نے ایک آدمی سے کہا کہ سبحان اللہ! اگر اتنے لوگ ایک امیر کے گھر پر جا کر درخواست کریں کہ ہمیں ایک درہم عنایت کریں، تو کیا حال ہے کہ وہ ان سب کو محروم کرے گا۔ اس آدمی نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ، ٹھیک ہے۔ اب تم خود سوچ سکتے ہو۔ وہ حکم الحاکمین جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے، ان کو جو اس وقت گریہ و زاری کر کے بخشش کی درخواست کریں، کیسے محروم کر سکتا ہے۔ اس کے لینے سارے جہان کو بخش دینا اس سے زیادہ آسان ہے کہ ایک دولت مند شخص ایک درہم دے سکے۔ حضرت خواجہ فضیل بن عیاض کی دو بیٹیاں تھیں۔ جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا تو بیوی کو بلا کر وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو ان دونوں بیٹیوں کو کوہ ابو قبیس (جو مکہ معظمہ میں ہے) پر لے جانا۔ اور ہاتھ اٹھا کر بارگاہ رب العزت میں یہ دعا کرنا کہ:

”میرے آقا! جب تک میں زندہ رہا میں ان بے کسوں کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ اب

جب کہ تو نے مجھے قبر میں بھیج دیا ہے۔ میں ان کو تیرے حوالے کرتا ہوں۔“

چنانچہ آپ کے وصال کے بعد آپ کی بیوی نے وصیت پر عمل کیا۔ اور دونوں بیٹیوں کو

پہاڑ پر لے گئی۔ اور اسی طرح بارگاہ رب العزت میں گزارش کی۔

خدا کی قدرت دیکھیے عین اسی وقت یمن کا بادشاہ اپنے لاؤ لشکر اور دو شہزادوں سمیت اہل  
سے گزر رہا تھا۔ چونکہ پہاڑ پر کافی مجمع ہو گیا تھا۔ اس نے وجہ دریافت کی تو لوگوں نے بتایا کہ اس طرح  
خواجہ فضیل ابن عیاض نے وصیت کی تھی۔ اور اب ان کی بیوی وصیت پر عمل کر رہی ہے۔ بادشاہ  
نے ان کی بیوی سے کہا کہ میں ان دونوں شہزادوں کی شادی ان لڑکیوں سے کرنا چاہتا ہوں۔ اور ہر  
ایک کے لیے دس ہزار دینار کا حق المہر مقرر کرتا ہوں۔ کیا آپ کو قبول ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ  
ہاں قبول ہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے دونوں بیٹوں کی شادی رچائی۔ اور بیش بہا ساز و سامان دے کر  
اپنے ساتھ یمن لے گیا۔

یک زمانہ صحبت با اولیا  
بہتر از صد سالہ طاعت ہے۔ ریاً



## حضرت بایزید بسطامیؒ

کے دستِ حق پرست پر پانچ صد عیسائیوں کا مشرف باسلام ہونا

حضرت شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں ایک سفر میں خلوت سے لذت حاصل کر رہا تھا اور فکر میں مستغرق تھا اور ذکر سے انس حاصل کر رہا تھا کہ میرے دل میں نڈاسنائی دمی اے بایزید دیر سمعان کی طرف چل اور عیسائیوں کے ساتھ ان کی عید اور قربانی میں حاضر ہو۔ اس میں ایک شاندار واقعہ ہو گا۔ تو میں نے اعوذ باللہ پڑھا اور کہا کہ پھر اس دسوسہ کو دوبارہ نہیں آنے دوں گا۔ جب رات ہوئی تو خواب میں ہاتھ کی وہی آواز سنی۔ جب بیدار ہوا تو بدن میں لرزہ تھا۔ پھر سوچنے لگا کہ اس بارہ میں فرمانبرداری کروں یا نہ تو پھر میرے باطن سے ندا آئی کہ ڈرو مت کہ تم ہمارے نزدیک اولیاءِ انبیاء میں سے ہو اور ابرار کے دفتر میں لکھے ہوتے ہو لیکن راہبوں کا لباس پہن لو اور ہماری رضا کے لیے زنا را بندھ لو۔ آپ پر کوئی گناہ یا انکار نہیں ہو گا۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ صبح سویرے میں نے عیسائیوں کا لباس پہنا زنا را کو بندھا اور دیر سمعان پہنچ گیا۔ وہ ان کی عید کا دن تھا مختلف علاقوں کے راہب دیر سمعان کے بڑے راہب سے فیض حاصل کرنے اور ارشادات سننے کے لیے حاضر ہو رہے تھے میں بھی راہب کے لباس میں ان کی مجلس میں جا بیٹھا۔ جب بڑا راہب آکر ممبر پر بیٹھا تو سب خاموش ہو گئے۔ بڑے راہب نے جب بولنے کا ارادہ کیا تو اس کا ممبر لرزنے لگا اور کچھ بول نہ سکا گویا اس کا منہ کسی نے لگا مہ سے بند کر رکھا ہے تو سب راہب اور علماء کہنے لگے اے مرشد ربانی کون سی چیز آپ کو گفتگو سے مانع ہے۔ ہم تو آپ کے ارشادات سے ہدایت پاتے ہیں اور آپ کے علم کی اقتدا کرتے ہیں۔ بڑے راہب نے کہا کہ میرے بولنے میں یہ امر مانع ہے کہ تم میں ایک محمدی شخص آ بیٹھا ہے۔ وہ تمہارے دین کی آزمائش کے لیے آیا ہے۔ لیکن یہ اس کی زیادتی ہے۔ سب نے کہا ہمیں وہ شخص دکھا دو ہم فوراً اس کو قتل کر ڈالیں گے۔ اس نے کہا بغیر دلیل اور حجت کے اس کو قتل نہ کرو میں امتحاناً اس سے علمِ الادیان کے چند مسائل پوچھتا ہوں۔ اگر اس نے سب کے صحیح جواب دیئے تو ہم اس کو چھوڑ دیں گے۔ ورنہ قتل کر دیں گے۔ کیونکہ امتحان

مرد کی عزت ہوتی ہے یا رسوائی یا ذلت۔ سب نے کہا آپ جس طرح چاہیں کریں ہم آپ کے خوشہ چیں ہیں۔ تو وہ بڑا راہب مبر پر کھڑا ہو کر پکارنے لگا۔ اسے محمدی، مجھے محمد کی قسم کھڑا ہو جا کہ سب لوگ تجھے دیکھ سکیں تو بایزید رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہو گئے۔ اس وقت آپ کی زبان پر رب تعالیٰ کی تقدیس اور تجبید کے کلمات جاری تھے۔ اس بڑے پادری نے کہا اے محمدی میں تجھ سے چند مسائل پوچھتا ہوں۔ اگر تو نے پوری وضاحت سے ان سب سوالوں کا جواب باصواب دیا تو ہم تیری اتباع کریں گے ورنہ تجھے قتل کر دیں گے۔ تو بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تو معقول یا منقول جو چیز پوچھنا چاہتا ہے پوچھ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اور ہمارے درمیان گواہ ہے۔ تو اس پادری نے کہا۔

وہ ایک بتاؤ جس کا دوسرا نہ ہو اور وہ دو بتاؤ جن کا تیسرا نہ ہو اور وہ تین جن کا چوتھا نہ ہو اور وہ چار جن کا پانچواں نہ ہو اور وہ پانچ جن کا چھٹا نہ ہو اور وہ چھ جن کا ساتواں نہ ہو اور وہ سات جن کا آٹھواں نہ ہو اور وہ نو جن کا دسواں نہ ہو اور وہ دس جن کا گیارہواں نہ ہو اور وہ گیارہ جن کا بارہواں نہ ہو اور وہ بارہ جن کا تیرہواں نہ ہو۔

اور وہ قوم بتاؤ جو جھوٹی ہو اور بہشت میں جاتے اور وہ قوم بتاؤ جو سچی ہو اور دوزخ میں جاتے اور بتاؤ کہ تمہارے جسم سے کون سی جگہ تمہارے نام کی قراگاہ ہے اور الذاریات ذر و اکیلیہ اور الحاملات و قرآ کیا ہے اور التجاریات یسرا کیا ہے اور المقسمات امر کیا ہے۔ اور وہ کیا ہے جو بے جان ہو اور سانس لے۔ اور ہم تجھ سے وہ چودہ پوچھتے ہیں جنہوں نے رب العالمین کے ساتھ گفتگو کی اور وہ قبر پوچھتے ہیں جو مقبور کو لے کر چلی ہو اور وہ پانی جو نہ آسمان سے نازل ہو اور نہ زمین سے نکلا ہو اور وہ چار جو نہ باپ کی پشت اور نہ شکم مادر سے پیدا ہوئے۔ اور پہلا خون جو زمین پر بہایا گیا۔ اور وہ چیز پوچھتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہو اور پھر اس کو خرید لیا ہو اور وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا پھر ناپسند فرمایا ہو۔ اور وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہو پھر اس کی عظمت بیان کی ہو اور وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہو پھر خود پوچھا ہو کہ یہ کیا ہے۔ اور وہ کون سی عورتیں ہیں جو دنیا بھر کی عورتوں سے افضل ہیں اور کون سے دریا دنیا بھر کے دریاؤں سے افضل ہیں اور کون سے پہاڑ دنیا بھر کے پہاڑوں سے افضل ہیں اور کون سے جانور سب جانوروں سے افضل ہیں اور کون سے مہینے افضل ہیں اور کون سی راتیں افضل ہیں اور خطا مند کیا ہے۔ اور وہ درخت بتاؤ جس کی بارہ ٹہنیاں ہیں اور ہر ٹہنی پر تیس پتے ہیں اور ہر پتے پر پانچ پھول ہیں دو پھول دھوپ میں اور تین پھول سایہ میں۔ اور وہ چیز بتاؤ جس نے بیت اللہ کا حج اور طواف کیا ہو نہ اس میں جان ہو اور نہ اس پر حج فرض ہو۔ اور کتنے نبی اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے در ان

میں سے رسول کہتے ہیں اور غیر رسول کہتے۔ اور وہ چار چیزیں بتاؤ جن کا مزہ اور رنگ اپنا اپنا ہو اور سب کی جڑ ایک ہو اور نقیر کیا ہے اور قطیر کیا ہے اور قتل کیا ہے اور سبد و لبد کیا ہے اور طم و رُم کیا ہے اور ہمیں یہ بتاؤ کہ کتا بھونکتے وقت کیا کہتا ہے اور گدھا سینگتے وقت کیا کہتا ہے اور بیل کیا کہتا ہے اور گھوڑا کیا کہتا ہے اور اونٹ کیا کہتا ہے اور مور کیا کہتا ہے اور بلبل کیا کہتا ہے اور سینڈک کیا کہتا ہے جب ناقوس بجتا ہے تو کیا کہتا ہے۔ اور وہ قوم بتاؤ جن پر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی ہو اور نہ انسان ہوں اور نہ جن اور نہ فرشتے۔ اور یہ بتاؤ کہ جب دن ہوتا ہے تو رات کہاں چلی جاتی ہے اور جب رات ہوتی ہے تو دن کہاں چلا جاتا ہے۔ تو حضرت بازید بسطامیؒ نے فرمایا کہ کوئی اور سوال ہو تو بتاؤ۔ وہ پادری بولا کہ اور کوئی سوال نہیں۔ آپ نے فرمایا اگر میں ان سب سوالوں کا شافی اور کافی جواب دے دوں تو تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لاؤ گے۔ سب نے کہا ہاں پھر آپ نے کہا اے اللہ تو ان کی اس بات کا گواہ ہے۔

پھر فرمایا کہ تمہارا سوال کہ ایسا ایک بتاؤ جس کا دوسرا نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ واحد قہار ہے اور وہ دو جن کا تیسرا نہ ہو وہ رات اور دن ہیں لقولہ تعالیٰ (وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَاتٍ) اور وہ تین جن کا چوتھا نہ ہو وہ عرش اور کرسی اور قلم ہیں اور وہ چار جن کا پانچواں نہ ہو وہ چار بڑی آسمانی کتابیں تورات انجیل زبور اور قرآن مقدس ہیں اور وہ پانچ جن کا چھٹا نہ ہو وہ پانچ فرض نمازیں ہیں اور وہ چھ جن کا ساتواں نہ ہو وہ چھ دن ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا لقولہ تعالیٰ (وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ) اور وہ سات جن کا آٹھواں نہ ہو وہ سات آسمان ہیں لقولہ تعالیٰ (سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا) اور وہ آٹھ جن کا نواں نہ ہو وہ عرش بریں کو اٹھانے والے آٹھ فرشتے ہیں لقولہ تعالیٰ (وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ) اور وہ نو جن کا دسواں نہ ہو وہ بنی اسرائیل کے نرساوی شخص تھے لقولہ تعالیٰ (وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةٌ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ) اور وہ دس جن کا گیارہواں نہ ہو وہ مہتمم پر دس روزے فرض ہیں جب اس کو قربانی کی طاقت نہ ہو لقولہ تعالیٰ (فَصِيَامٌ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ) اور وہ گیارہ جن کا بارہواں نہ ہو وہ یوسف علیہ السلام کے بھائی ہیں۔ گیارہ ہیں۔ ان کا بارہواں بھائی نہیں لقولہ تعالیٰ (إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشْرٍ كَوْكَبًا) اور وہ بارہ جن کا تیرہواں نہ ہو وہ ایمنہ کی گنتی ہے لقولہ تعالیٰ (إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ) اور وہ تیرہ جن کا چودہواں نہ ہو وہ یوسف علیہ السلام کا خواب ہے لقولہ تعالیٰ (إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ



عَشْرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ أَيُّهُمْ لِي سَاجِدِينَ) اور وہ جھوٹی قوم جو بہشت میں جائے گی وہ یوسف علیہ السلام کے بھائی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خطا معاف فرمادی بقولہ تعالیٰ (وَقَالُوا يَا أَبَانَا إِنَّا ذُهَبًا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَكَلَّمَهُ الذُّنُوبُ) اور وہ سچی قوم جو دوزخ میں جائے گی وہ یہود اور نصاریٰ کی قوم ہے لقولہ تعالیٰ (وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ) تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کے دین کو لاشی بتانے میں سچا ہے لیکن دونوں دوزخ میں جائیں گے اور تم نے جو سوال کیا ہے تیرا نام تیرے جسم میں کہاں رہتا ہے تو جواب یہ ہے کہ میرے کان میرے نام کے رہنے کی جگہ ہیں۔ اور الذاریات ذرؤا چار ہوائیں ہیں۔ مشرقی۔ غربی۔ جنوبی۔ شمالی۔ اور الحاملات وقرآ بادل ہیں لقولہ تعالیٰ (وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِينَ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ) اور الجاریات یسرا سمندر میں چلنے والی کشتیاں ہیں اور المقصات امرا وہ فرشتے ہیں جو پندرہ شعبان سے دوسرے پندرہ شعبان تک لوگوں کا رزق تقسیم کرتے ہیں۔ اور وہ چودہ جنہوں نے رب تعالیٰ کے ساتھ گفتگو کی وہ سات آسمان اور سات زمینیں ہیں لقولہ تعالیٰ (فَقَالَ لَهَا وَاللَّيْلِ أَنِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتْ أَتَيْنَا طَائِعِينَ) اور وہ قبر جو مقبور کو لے کر چلی ہو وہ یونس علیہ السلام کو نکلنے والی مچھلی ہے۔ اور بغیر روح کے سانس لینے والی چیز صبح ہے لقولہ تعالیٰ (وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسْتَ) اور وہ پانی جو آسمان سے اترتا ہے اور زمین سے نکلا ہو وہ پانی ہے، جو گھوڑوں کا پسینہ بلقیس نے آزمائش کے لیے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا اور وہ چار جو کسی باپ کی پشت سے ہیں اور نہ شکم باور سے وہ اسماعیل علیہ السلام کی بجائے ذبح ہونے والا دنبہ اور صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور آدم علیہ السلام اور حضرت خواہیں۔ اور پہلا خون ناسی جو زمین پر بہایا گیا وہ آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل کا خون ہے جسے بھائی قابیل نے قتل کیا تھا۔ اور وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی پھر اسے خرید لیا وہ مومن کی جان ہے لقولہ تعالیٰ (إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِآثَارِهِمُ لِيَكُن لَهُمْ جَنَّاتٌ) اور وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہو پھر اسے ناپسند فرمایا ہو وہ گدھے کی آواز ہے لقولہ تعالیٰ (إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ) اور وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہو پھر اسے بڑا کہا ہو وہ عورتوں کا مکر ہے لقولہ تعالیٰ (إِنَّ كَيْدَ كُنَّ عَظِيمٌ) اور وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہو پھر پوچھا ہو کہ یہ کیا ہے وہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہے لقولہ تعالیٰ (مَا تِلْكَ يَمِينُكَ يَا مُوسَىٰ) اور یہ سوال کہ کون سی عورتیں دنیا بھر کی عورتوں سے افضل ہیں وہ ام البشر حضرت خواہیں اور حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ اور حضرت آسیہ اور حضرت مریم ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہن جمعین

باقی رہا فضل دریا وہ سیحون۔ جیحون۔ دجلہ۔ فرات اور نیل مصر ہیں۔ اور سب پہاڑوں سے فضل کوہ طور سے  
اور سب جانوروں سے فضل گھوڑا ہے اور سب مہینوں سے فضل مہینہ رمضان ہے لقولہ تعالیٰ  
(شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ) اور سب راتوں میں فضل رات لیلۃ القدر ہے  
لقولہ تعالیٰ (لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ) اور تم نے پوچھا ہے کہ طائر کیا ہے وہ قیامت کا  
دن ہے۔ اور ایسا درخت جس کی بارہ ٹہنیاں ہیں اور ہر ٹہنی کے تیس پتے ہیں اور ہر پتے پر پانچ پھول  
ہیں جن میں سے دو پھول دھوپ میں ہیں اور تین سایہ میں۔ تو وہ درخت سال ہے۔ بارہ ٹہنیاں اس  
کے بارہ ماہ ہیں اور تیس پتے ہر ماہ کے دن ہیں۔ اور ہر پتے پر پانچ پھول ہر روز کی پانچ نمازیں ہیں  
دو نمازیں ظہر اور عصر آفتاب کی روشنی میں پڑھی جاتی ہیں اور باقی تین نمازیں اندھیرے میں۔ اور وہ  
چیز جو بے جان ہو اور حج اس پر فرض نہ ہو پھر اس نے حج کیا ہو اور بیت اللہ کا طواف کیا ہو وہ نوح  
علیہ السلام کی کشتی ہے۔ تم نے نبیوں کی تعداد پوچھی ہے پھر رسولوں اور غیر رسولوں کی توکل نبی ایک لاکھ  
چوبیس ہزار ہیں۔ ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں اور باقی غیر رسول۔ تم نے وہ چار چیزیں پوچھی ہیں جن  
کا رنگ اور ذائقہ مختلف ہے حالانکہ جڑ ایک ہے۔ وہ آنکھیں۔ ناک۔ منہ۔ کان ہیں۔ کہ مغز سران سب  
کی جڑ ہے۔ آنکھوں کا پانی نمکین ہے۔ اور منہ کا پانی میٹھا ہے۔ اور ناک کا پانی ترش ہے اور کانوں کا  
پانی کڑوا ہے۔ تم نے نقیر قطیر۔ قیتل۔ سب و لبد۔ طم و رزم کے معانی دریافت کیے ہیں۔ کھجور کی گٹھلی کی  
پشت پر جو نقطہ ہوتا ہے اس کو نقیر کہتے ہیں اور گٹھلی پر جو باریک چھلکا ہوتا ہے اس کو قطیر کہتے ہیں اور  
گٹھلی کے اندر جو سفیدی ہوتی ہے اسے قیتل کہتے ہیں۔ سب و لبد بھیر بھری کے بالوں کو کہا جاتا ہے۔  
حضرت آدم علیہ السلام کی آفرینش سے پہلے کی امتوں کو طم و رزم کہا جاتا ہے۔ اور گدھا سنگتے وقت شیطان  
کو دیکھ رہا ہوتا ہے اور کہتا ہے لَعْنَةُ اللَّهِ الْعَشَّارَ۔ اور کتا بھونکتے وقت کہتا ہے وَئِيلٌ لِأَهْلِ النَّارِ  
مِنْ غَضَبِ الْجَبَّارِ۔ اور بیل کہتا ہے سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ۔ اور گھوڑا کہتا ہے سُبْحَانَ حَافِظِي  
إِذَا التَّقَتِ الْأَبْطَالُ وَاسْتَعَلَّتِ الرِّجَالُ بِالرِّجَالِ اور اونٹ کہتا ہے حَسْبِيَ اللَّهُ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا  
اور مور کہتا ہے الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى۔ اور بیل کہتا ہے سُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ  
تُصْبِحُونَ۔ اور مینڈک اپنی تسبیح میں کہتا ہے سُبْحَانَ الْعَبُودِ فِي الْبَرَارِيِّ وَالْقِفَارِ سُبْحَانَ الْمَلِكِ  
الْجَبَّارِ اور ناقوس جب بجتا ہے تو کہتا ہے سُبْحَانَ اللَّهِ حَقًّا حَقًّا أَنْظُرْ يَا بَنَ آدَمَ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا  
غُرْبًا وَسُرْقَاتًا تَرَى فِيهَا أَحَدًا يَتَّبِعِي۔ اور تم نے وہ قوم پوچھی ہے جن پر وحی آئی حالانکہ وہ نہ انسان  
ہیں نہ فرشتے اور نہ جن۔ وہ شہد کی کھیاں ہیں لقولہ تعالیٰ (وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنْ اتَّخِذِي

مِنَ الْجِبَالِ بَيُّوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ) تم نے پوچھا ہے کہ جب رات ہوتی ہے تو دن کہاں چلا جاتا ہے اور جب دن ہوتا ہے تو رات کہاں ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے جب دن ہوتا ہے تو رات اللہ تعالیٰ کے غامض علم میں چلی جاتی ہے۔ اور جب رات ہوتی ہے تو دن اللہ تعالیٰ کے غامض علم میں چلا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وہ غامض علم کہ جہاں کسی مقرب نبی یا فرشتہ کی رسائی نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تمہارا کوئی ایسا سوال رہ گیا ہے جس کا جواب نہ دیا گیا ہو۔ انہوں نے کہا نہیں۔ سب سوالوں کے صحیح جواب دیئے ہیں۔ تو آپ نے اس بڑے پادری سے فرمایا کہ میں تم سے صرف ایک بات پوچھتا ہوں اس کا جواب دو۔ وہ یہ ہے کہ آسمانوں کی کنجی اور بہشت کی کنجی کون سی چیز ہے۔ تو وہ پادری سر بگریباں ہو کر خاموش ہو گیا تو سب پادری اس سے کہنے لگے کہ اس شیخ نے تمہارے اس قدر سوالوں کے جواب دیئے لیکن آپ اس کے ایک سوال کا جواب بھی نہیں دے سکتے۔ وہ بولا کہ جواب مجھے آتا ہے۔ اگر میں وہ جواب بتاؤں تو تم لوگ میری موافقت نہیں کرو گے۔ سب نے بیک زباں کہا کہ آپ ہمارے پیشوا ہیں۔ ہم ہر حالت میں آپ کی موافقت کریں گے۔ تو بڑے پادری نے کہا آسمانوں کی کنجی اور بہشت کی کنجی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ہے۔ تو سب کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے اور اپنے اپنے زنا روہیں توڑ ڈالے غیب سے نڈائی۔ اسے بایزید ہم نے تجھے ایک زنا رو پہننے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ ان کے پانچ سو زنا رو توڑاؤں۔ وَبِاللَّهِ الْحَمْدُ۔



ہر کہ خواہد منہ نشینی با حیدر

اونشیز در حضور اولیاء

## حضرت شیخ علی بن عثمان المعروف بکلیتہ بن لہوری

سرحلقہ جملہ اقطاب، محرم از جمیع ابواب، معشوق بر اوصاف معنوی شیخ علی بن عثمان بن علی الجلابی قدس سرہ کی کنیت ابوالحسن ہے اور ہندوستان میں آپ کو پیر علی حصری کہتے ہیں۔ اور یہ حصر غزنی کے قریب ایک قصبہ ہے، جہاں آپ کے آباؤ اجداد سکونت پذیر تھے۔ جب سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان فتح کیا، پیر علی حصری لاہور تشریف لائے اور آپ کی برکت سے اس علاقے میں اسلام کو فروغ حاصل ہوا۔ چنانچہ آپ کے کمالات آج تک اظہر من الشمس ہیں۔ آپ شیخ ابوالفضل محمد بن حسین ختلی کے مرید تھے اور وہ ابوالحسن حصری کے، وہ خواجہ شبلی کے، اور وہ خواجہ جنید بغدادی قدس سرہ کے مرید تھے۔ صاحب نجات الانس فرماتے ہیں کہ آپ عالم بھی تھے اور عارف بھی اور بے شمار شاخ کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ کشف المحجوب کے مصنف آپ ہیں۔ اس کتاب میں آپ نے اس فن کی مشہور و معروف کتابوں سے حقائق و معارف جمع کیے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ المشائخ ابوالقاسم گورگانی سے پوچھا کہ درویش کے لیے کم از کم کیا ضروری ہے تاکہ فقر کا سزاوار ہو سکے۔ فرمایا تین چیزیں ضروری ہیں، اس سے کم نہیں۔ اول یہ کہ صحیح ٹکڑا ہی سکے۔ دوم صحیح بات کہہ اور سن سکے، سوم صحیح قدم زمین پر رکھ سکے۔ جب آپ نے یہ بات فرمائی تو اس وقت چند درویش موجود تھے۔ جب ہم منزل پر پہنچے تو میں نے ان سے کہا کہ آپ ہیں سے ہر ایک اس موضوع پر کلام کرے۔ جب سب بات کر چکے تو میری باری آئی۔ میں نے کہا کہ صحیح ٹکڑا سینے کا مطلب یہ ہے کہ کپڑا فقر کے لیے سینے نہ کہ زینت کے لیے۔ جب تو کپڑا فقر کے لیے سینے کا تو اگر چہ وہ آگ بھی ہو صحیح سیا جائے گا اور صحیح سخن سے یہ مراد ہے کہ اس کے اندر حال ہو نہ صرف قال یعنی از روئے تحقیق ہونا از گمان، اور سخن و جہان حق سے خالی نہ ہو اور زندگی پر حاوی ہو ریاکاری اور دکھلاوانہ ہو۔ اور صحیح قدم زمین پر رکھنے سے مراد یہ ہے کہ وجہ حق کے ساتھ گامزن ہونا کہ لہو و لعب کے ساتھ۔ جب تشریح اس بزرگ کے پیش کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ علی نے بالکل درست کہا ہے۔ نیز آپ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں مہنہ میں شیخ ابوسعید ابوالخیر کے

مزار کے پاس بیٹھا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک کبوتر اڑتا ہوا آیا اور شیخ کے مزار کے غلاف کے نیچے چلا گیا۔ جب میں نے غلاف اٹھا کر دیکھا تو کچھ نہ تھا۔ دوسرے دن بھی یہی حال دیکھا۔ تیسرے روز بھی یہی دیکھا۔ اس سے مجھے تعجب ہوا۔ رات کو شیخ علیہ رحمہ کو خواب میں دیکھا اور وہ واقعہ ان سے بیان کیا آپ نے فرمایا وہ کبوتر میرے معاملہ کی صفائی ہے جو روزانہ میری قبر میں داخل ہوتی ہے۔ آپ نے اتنے ہی کہ خواجہ احمد حامدی سرخسی مجاہد وقت تھے۔ آپ مدت تک میرے رفیق رہے اور میں نے ان سے عجائب و غرائب دیکھے۔ ایک دن میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کی توبہ کی ابتدا کس طرح ہوئی فرمایا ایک دفعہ میں سرخس سے اونٹ پر سوار ہو کر صحرا کی طرف گیا۔ اور ایک مدت تک بیابان میں مقیم رہا۔ وہاں میں ہمیشہ بھوکا رہتا تھا اور اپنا کھانا دوسروں کو دے دیتا تھا مجھے درویشوں کے ساتھ عقیدت تھی۔ ایک دن جنگل سے شیر آیا اور اس نے میرے اونٹ کو مار ڈالا اور ایک پہاڑی پر چڑھ کر آوازیں دینے لگا۔ شیر کی آوازیں کر جنگل کے تمام جانور جمع ہو گئے۔ شیر نے اونٹ کو پھاڑا لیکن کھایا کچھ نہیں اور جا کر پہاڑی پر بیٹھ گیا۔ تمام جانور یعنی گیدڑ، بھڑیے، لومڑ وغیرہ اونٹ پر ٹوٹ پڑے اور کھانے لگے۔ جب سب کا پیٹ بھر گیا تو دوڑ چلے گئے۔ اس وقت شیر پہاڑی سے اتر آیا اور جو کچھ پھینچ رہا کھانے لگا۔ جب شیر کھا رہا تھا تو ایک لومڑ جنگل سے ظاہر ہوا۔ اسے دیکھ کر شیر دوبارہ پہاڑی پر چلا گیا اور لومڑ کو گوشت کھانے کا موقع دیا۔ جب لومڑ سیر ہو کر چلا گیا تو شیر واپس آیا اور اس نے ایک ٹکڑا کھایا۔ میں بیٹھا دور سے یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ جاتے وقت شیر نے فصیح زبان میں مجھ سے کہا یا احمد! بکتوں کا ایثار لقمہ ہے اور مردوں کا ایثار جان ہے۔ میں نے شیر سے یہ بات سنی تو تمام کاموں سے دستبردار ہو گیا۔ خواجہ ادیب کنڈی بھی پیر علی حسری کے ہم عصر تھے۔ آپ بیس سال تک کھڑے رہے اور نمازیں تشہد (الحمیات) کے سوا کبھی نہ بیٹھے۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ آپ کیوں نہیں بیٹھتے۔ فرمایا میں ابھی اس درجے کو نہیں پہنچا کہ مشاہدہ حق میں بیٹھ جاؤں۔ پیر علی حسری نے سفر بہت کیا اور اپنے وقت کے تمام بزرگوں کی زیارت کی اور ان سے فیض حاصل کیا۔ آپ نے بہت ریاضات اور مجاہدات کیے۔ آپ کی کرامات بہت مشہور ہیں۔ آخر عمر میں آپ لاہور تشریف لائے اور وہیں وصال پایا۔ چنانچہ آپ کا مزار اس علاقے کے لوگوں کا قبلہ حاجات ہے۔ آپ کی وفات کشف المحجوب کے مطابق ۷۶۵ھ میں سلطان محمود غزنوی کی پہلی فتح ہندوستان یا اس کے لڑکے سلطان مسعود کے وقت ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

ہند بزرگ کا حضرت داناک کے ہاتھ پر مسلمان ہونا

شیخ ابوالحسن علی غزنوی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ سلطان محمود غزنوی کے

وقت میں ہندوستان کی فتح کا سبب وہی تھے۔ ہندوستان سے ایک دانشمند سلاطین ہند کا پیغام لے کر غزنی میں آیا اور کہنے لگا کہ اہل ہند کا دین برحق ہے ہے کوئی ایسا آدمی اس کے متعلق میرا مباحثہ و مکالمہ ہو اور اسلام پر ہمارے دین کی حقیقت واضح ہو جائے اور پھر عقلی و نقلی دلائل کی غیر موجودگی میں حق کو قبول کر لیا جائے سلطان محمود غزنوی اور اس کے تمام دہاری علماء، اُمراء اور شرفاء حاضر ہوتے لیکن ان میں سے کسی ایک کو بھی اس مسئلہ پر ہندوستانی دانشمند سے بحث کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ سید علی جویری رحمۃ اللہ علیہ الہام ربانی سے اس مجلس میں حاضر ہوئے اور اس محفل میں ہندوستانی دانشمند کے ساتھ کچھ مدت خاموش بیٹھے رہے۔ پھر اس دانشمند نے شیخ سے پوچھا کہ "میری سیر کہاں تک تھی؟" شیخ نے فرمایا: "سراندیپ تک" اس نے کہا: "کوئی نشانی لاؤ" شیخ نے فرمایا: "سراندیپ کے ایک گاؤں میں کچھ لوگ سبز چپیں پہن رہے تھے اور ان کے نزدیک ہاتھی تھے" دانشمند نے کہا: "آپ سچ کہتے ہیں" شیخ نے فرمایا: "مجھے اور تجھے تو سچائی معلوم ہو گئی۔ اب سلطان اور دیگر اکابر پر بھی حقیقت روشن ہو جانی چاہیے" لیکن دانشمند ایسا نہ کر سکا۔ شیخ نے فرقہ سے ہاتھ باہر نکالا تو کچھ سبز چپیں ان کے ہاتھ میں تھیں۔ انہوں نے دانشمند سے کہا: "کھائیسے کہ میں یہ سراندیپ سے مانگ کر لایا ہوں" دانش مند حیران رہ گیا اور بولا: "مجھے اس قسم کے تصرف کی مجال نہیں" پھر شیخ نے فرمایا کہ تم نے عالم سفلی میں سیر کی تو میں تمہارے ساتھ رہا۔ آؤ اب عالم علوی کی سیر کریں۔ دانشمند نے کہا: "مجھے اس کی تاب نہیں! یہ تو اسلام ہی سے میسر آتی ہے" اور وہ دانشمند مسلمان ہو گیا اور ہندوستان لوٹ گیا جس سے وہاں اسلام کو بڑی کامیابیاں ملیں۔



کنج بخش فیض عالم منظر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کا ملال رارہنا

غوث الاعظم

## حضرت شیخ محمدی الدین عبدالقادر جیلانی

سگ دربار میراں شو، سگ دربار حبیبیلاں شو کہ بر شیراں شرف دارد سگ دربار حبیبیلائی

حضرت غوث الاعظم ابو محمد محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ، جن کے القاب محبوب سبحانی، قطب ربانی، غوث صمدانی، اور غوث الثقلین ہیں۔ ان اکابر اولیاء اور اولعزم مشائخ میں سے ہیں جن کے بلند احوال و مقامات اور کشف و کرامات بیان کرنے کے لیے ضخیم کتابوں کی ضرورت ہے۔ لہذا اس مضمون میں اختصار سے کام لیا جائے گا۔

آپ کا اسم مبارک عبدالقادر، کنیت ابو محمد اور لقب محی الدین ہے۔ آپ دھیال کی جانب سے سید حسنی اور نھیال کی جانب سے سید حسینی ہیں۔ بوجہ کمالات ذاتی اور قرب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ کا شمار آئمہ اہل بیت میں کیا جاتا ہے۔ اور آپ کو تیرھواں امام سمجھا جاتا ہے۔

وطن مبارک آپ کا قصبہ جیال ہے۔ جو عراق کے شمال میں کوہ جودی کے دامن میں ہے۔ یہ وہی پہاڑی ہے جہاں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی نے قرار پکڑا تھا۔ اور جس کا قرآن مجید میں آیہ واستوی علی الجودی میں ذکر آیا ہے۔ یہ قصبہ بغداد سے سات روز کی مسافت پر واقع ہے۔ آپ کے نابزرگوار حضرت سید ابی عبداللہ صومعی رحمۃ اللہ علیہ قصبہ گیلان کے مقتداؤں میں سے تھے۔ اس بنا پر آپ کو گیلانی لکھا جاتا ہے۔ آپ کے والد ماجد سید ابوصالح علیہ الرحمۃ اپنے زمانے کے بلند مرتبہ پرہیزگار اور حقائق و معارف سے واقف کار ولی اللہ تھے۔ روایت ہے کہ سید ابوصالح کوہ و بیابان میں ریاضت اور مجاہدہ میں مشغول تھے تو ایک مرتبہ آپ کو تیسرے دن کا فاقہ تھا کہ دریا میں ایک سیب بہتا ہوا نظر آیا۔ جسے آپ نے تناول فرمایا۔ بعد میں آپ کے دل میں خطرہ گزرا کہ یہ سیب نامعلوم کس کا ہے۔ اور میرے لیے اس کا کھانا کیونکر حلال ہو سکتا ہے۔ چنانچہ سیب کے مالک کی تلاش میں اور اس سے قصور معاف کروانے کی دھن میں آپ دریا کے کنارے کنارے رواں ہوئے۔ آجکل کے نام نہاد آزاد خیال اور تمدن جدید کے فریب خوردہ لوگ شاید اس درجہ احتیاط کو جنون و دیوانگی قرار دیں لیکن ایسے "جنون" پر لاکھوں عقلمندیوں قربان ہوئے۔ "گوئی میرے دل سے پوچھے تیرے تیریم شمس کو"

اس نوعیت کے انتہائی احتیاط پر پختگی کی ریٹریٹ کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔ اور اس شان کے مجنونانہ انداز رکھنے والے بزرگ شاید دنیا اور اہل دنیا کے لیے ایسی ایسی رحمتوں کا باعث ہوتے ہیں۔ کہ جن کا ممکن ہونا ان لوگوں کے وہم و گمان تک میں نہیں آسکتا۔ جو سائنس اور فلسفہ کے گمراہ کن نشوں سے بدست ہو کر اور ہوائی جہازوں میں آڑاڑ کر خونی گولے برساتے پھرتے ہیں اور ایم بموں کے ذریعہ ان داعیوں لاکھوں بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ تباہی اور بربادی کے یہ پیام برہنہ پیروں کے تقویٰ اور پرہیزگاری کو کیا جانیں۔

غرضیکہ دریا کے کنارے کئی دن سفر کے بعد حضرت ابی صالحؒ کو دریا کے کنارے پر ایک عظیم الشان عمارت نظر آئی جسکے باغ کی شاخیں پھلوں سے لدی ہوئی سطح آب پر پھیلی ہوئی تھیں۔ ان شاخوں سے سبب ٹوٹ کر پانی میں گر رہے تھے۔ پس آپ کو یقین ہو گیا کہ جو سبب آپ نے تناول فرمایا تھا وہ اسی درخت کا تھا۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اس باغ اور محل کے مالک حضرت عبداللہ صومعی ہیں۔ جو دینی اور دنیاوی نعمتوں سے آراستہ، اکابر گیلان، اور روسا و زہاد میں ممتاز اور احوال بلند اور کرامات ظاہر رکھنے والے بزرگ ہیں۔ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا ماجرا سنایا اور معافی کی درخواست کی۔ حضرت صومعی تارگئے کہ یہ شخص دوستا خدا میں سے ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ معافی کی دو شرطیں ہیں۔ اول یہ کہ بارہ سال میرے پاس رہو، دوم یہ کہ میری ایک لڑکی جس میں چار عیب ہیں۔ آنکھوں سے اندھی ہے۔ کانوں سے بہری ہے۔ ہاتھوں سے لنگھی ہے۔ اور پیروں سے لنگڑی ہے۔ اس عاجز لڑکی کو نکاح میں قبول کر لو۔ اور نکاح کے بعد بھی دو سال ہمارے ساتھ رہو۔ تاکہ اس نکاح کا نتیجہ ایک فرزند کی صورت میں دیکھ لوں۔ اس کے بعد جہاں جی چاہے چلے جانا۔ آپ نے اسے بھی قبول کر لیا۔ جب نکاح کے بعد دلہن سے ملاقات ہوئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے حسن و جمال کے آگے چودھویں کا چاند بھی شرماتا ہے۔ اور مذکورہ بالا نقائص کے برعکس ان کی آنکھیں، کان، ہاتھ، پاؤں سب سلامت ہیں۔ دلہن کو خلاف واقعہ پا کر آپ تمام شب کنارہ کش رہے کہ شاید غلطی سے کوئی اور لڑکی آگئی ہے۔ دوسرے دن حضرت سید ابی عبداللہ صومعی نے فراست سے سارا حال دریافت کر لیا اور فرمایا:

”بابا ابی صالح! میں نے اپنی لڑکی کی جو صفات تم سے بیان کی تھیں وہ سب صحیح ہیں۔ ان کی آنکھیں نامحرم مرد کے لیے اندھی ہیں۔ غیر سخی بات سننے کے لیے ان کے کان بہرے ہیں۔ بس نامحرم کے لیے ان کے ہاتھ لنگھے ہیں۔ اور تمہارے حکم کے خلاف قدم اٹھانے سے ان کے پیر لنگڑے ہیں اس توجیہ کو سن کر حضرت ابی صالح کے دل میں اپنی بیوی کی بڑی قدر و منزلت ہوئی اور دونوں محبت سے پہننے لگے۔ ایسے باپ اور ایسی ماں سے حضرت امام الثقلینؑ غوث الاعظمؑ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ قدس سرہ



پیدا ہوتے۔ اور برگزیدہ والدین اور برگزیدہ اولاد کے ڈیکھے آسمان درمیں میں بیج گئے۔

**سیر و سلوک** حضرت غوث الاعظم درحقیقت اویسی ہیں۔ آپ کی روحانی تربیت براہ راست ملائکی ظاہری واسطہ کے روح مبارک حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی۔ روح مبارک مجسم ہو کر سامنے آجاتی تھی اور آپ کی تربیت فرماتی تھی۔ یہاں تک کہ آپ کو مرتبہ کمال تک پہنچایا اور خلافت کبریٰ کے طویل القدر منصب پر آپ کو فائز فرمایا۔ آپ جملہ مراتب قطبیت اور غوثیت سے تجاوز فرما کر مقام فریدیت اور محبوبیت پر جا پہنچے جس سے برتر اور کوئی مقام نہیں۔ آپ طائفہ محبوبین الدین و آخرین کے امام ہیں نسبت محبوبیت جو کہ مقام فنا فی الرسول کا نتیجہ ہے ایصالاً آپ کو حاصل تھی۔ اور ہر بزرگ جو اس نسبت محبوبیت سے نوازا جاتا ہے، آپ ہی کی برکت اور آپ ہی کے طفیل سے اس مرتبہ پر پہنچتا ہے باوجود اس شرف و امتیاز کے کہ آپ کی مکمل تربیت حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے براہ راست ہوئی اور آپ انتہائی مقامات تک پہنچ چکے تھے۔ حضور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپ نے ظاہری پیر طریقت کے ہاتھ پر بیعت کی اور ظاہری شرط کو پورا کیا۔ کیونکہ سنت الہی یونہی جاری ہے۔ کہ جب تک کہ عالم ظاہر میں پیر ظاہر سے رابطہ قائم نہ کیا جائے اور اس سے توکل نہ حاصل کیا جائے سلسلہ کا حقد، جاری نہیں ہو سکتا۔

چوں ممکن نیست رفتن بے دلیلے بیاید مصطفیٰ را جبریلے

**مشائخ طریقت** چنانچہ حضرت غوث الاعظم نے ایک خرقہ خلافت شیخ ابوسعید مخزومی سے حاصل کیا۔ ایک خرقہ آباد اجداد کا جو سلسل حضرت امام حسنؑ تک جا پہنچتا ہے حاصل کیا، جسے خرقہ آبائیہ یا خرقہ سیادت بھی کہتے ہیں۔ ایک خرقہ حضرت تاج الدین ابولوفاف بغدادی سے حاصل کیا۔ ایک خرقہ انور کرام علی الحی تبریزی سے اور ایک خرقہ حضرت شیخ حماد ویاس سے حاصل کیا۔ موروثی ولایت و خلافت کے دعویٰ داروں کو اپنے خاندان کے علاوہ کسی سے بیعت کرنے کے قائل نہیں عبرت کا مقام ہے۔ نیز ان حضرات کے لیے مقام رشک عبرت ہے جو حکم خداوندی و ابتغوا لیلہ الوسئلہ کو کھینچ تان کر بعید از مفہوم تاویلین کرتے ہیں اور بیعت سے جی چراتے ہیں۔ وہ یہ سمجھنے کی کوشش نہیں فرماتے کہ جب ظاہری علوم و فنون کی تحصیل کے لیے استاد کے بغیر کام نہیں چلتا تو فرق المادہ عالم کے حقائق کو سمجھنے اور عملاً قرب و معرفت حق تعالیٰ حاصل کرنے کے لیے کیا کسی استاد یا معلم کی ضرورت نہیں ہے۔

## ظاہری باطنی علوم کے لیے جدوجہد

حضرت غوث الاعظمؒ نے پہلے ظاہری علوم اسلامیہ کی جانب توجہ فرمائی۔ اور علمائے زمانہ کے درس

میں شرکت کی میدان ریاضت و مجاہدہ میں قدم بڑھایا اور ایسا سخت مجاہدہ کیا کہ عقل اسے سن کر دنگ رہ جاتی ہے۔ پچیس برس آپ نے تہجد و سیاحت میں گزارے۔ یہ بھی سلوک الی اللہ کی ایک قسم ہے۔ چالیس برس آپ نے عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی۔ پندرہ برس تک بعد از نماز عشاء آپ روزانہ ایک ختم قرآن کرتے تھے۔ جب نیند کا غلبہ ہوتا تو آپ ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر دیوار میں ایک کیل کو پکڑ لیتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے غار حرا میں چھ سال میں سلطان الاذکار کے ساتھ مشغولی فرمائی اور میں بارہ سال تک اس غار میں اسی شکل میں مشغول رہا اور کائنات عظیم رونما ہوئی۔

حضرت میاں میر قادری لاہوری

## آپ کے قول قدمی علی رقبۃ کل ولی اللہ کا مطلب

قدس سرہ فرماتے ہیں کہ حضرت

غوث الاعظم کے قول قدمی علی رقبۃ کل ولی اللہ (میرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہے) میں قدم سے مراد طریقہ ہے۔ اور آپ کا فیضان جملہ سلاسل میں جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا مختلف سلاسل کے امام آپ کے صحبت سے مستفیض ہو چکے ہیں۔ حضرت خواجہ بزرگ خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ قصبہ جہاں میں پانچ ماہ سات روزہ کر آپ کی صحبت میں رہے صاحب اقتباس الانوار تحریر فرماتے ہیں کہ خواجہ بزرگ کو رخصت فرماتے وقت حضرت غوث الاعظم نے کان میں ایک شعل تعلیم فرمائی تھی جو چشتیوں میں شعل سرگوشی کے نام سے موسوم ہے۔

اسی طرح مقتدائے طریقہ سہروردیہ حضرت شیخ اشیرخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہ کو بھی آپ کی صحبت نصیب ہوئی۔ اور فیوض و برکات حاصل ہوئے۔ اور ولایت عراق بھی مرحمت فرمائی۔ پیشوائے طریقہ نقشبندیہ حضرت خواجہ ابوالیوسف ہمدانی قدس سرہ نے بھی آپ کی صحبت میں رہ کر نعمت حاصل کی۔ غرضیکہ کوئی سلسلہ ایسا نہیں جو آپ کی فیاضیوں سے فیضیاب نہ ہو۔

فقہ کے لحاظ سے آپ کا مذہب حنبلی تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ خود محقق اور صاحب مذہب تھے۔

آپ نہایت خوبصورت تھے جسم مبارک نحیف تھا۔ سینہ چوڑا تھا۔ قدمیانہ رنگ حلیہ مبارک گدھی ابرو پیوستہ، اور ریش مبارک دراز اور گھنی تھی۔ آپ کے مزاج مبارک میں انتہا درجہ کی لطافت تھی۔ آپ علماء کا لباس زیب تن فرماتے تھے۔ آپ کو خوشبو سے بہت رغبت تھی۔

نہایت ہی جاہ و جلال سے رہتے تھے۔ غربا و مساکین سے بہت تواضع سے پیش آتے تھے۔ امراء اور دنیا داروں سے پرہیز کرتے تھے۔ سلاطین سے بھی اجتناب فرماتے تھے۔ جب خلیفہ آپ کی زیارت کو آتا تو آپ اس کو پند و نصیحت کرتے اور سختی سے پکڑتے تھے۔ خلیفہ آپ کی دست بوسی کرتا اور ادب سے بیٹھ جاتا۔

**تاریخ وصال** | آپ کی عمر اہ سال تھی۔ تاریخ وصال میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ۱۱۱ اور بعض کے نزدیک ۱۱۲ ربیع الثانی، یوم پنجشنبہ آپ کی تاریخ وصال ہے۔

**بہ علمی** | آپ کے علمی کمالات کا یہ عالم تھا کہ ایک دن کسی نے قرآن کی ایک آیت کا مطلب دریافت کیا تو آپ نے اس کی تفسیر میں پہلے ایک معنی بیان فرمائے۔ اس کے بعد دوسرے پھر سیرے یہاں تک کہ حاضرین کے علم کے مطابق آپ نے اس آیت کے گیارہ باطنی معنی بیان فرمائے اور ہر معنی کے ساتھ سند بیان کی اور دلائل پیش کیے۔ جس سے حاضرین دم بخود ہو گئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اب ہم قال کو چھوڑ کر حال کی طرف آتے ہیں۔ آپ نے کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پڑھا۔ کلمہ پڑھنا تھا کہ حاضرین پر زبردست حال طاری ہو گیا۔

آپ کی مجلس و عظمیٰ چار سو آدمی قلم دوات لے کر بیٹھ رہتے تھے۔ جو کچھ سنتے تھے لکھ لیتے تھے۔ آپ کے ہاتھ پر پانچ سو زیادہ یہود و نصاریٰ نے اسلام قبول کیا۔ اور بے شمار قزاق، بدعتی اور فاسق و فاجر نے توبہ کی۔ روایت ہے کہ ایک لاکھ سے زائد لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ اور نیک بن گئے۔ اس کے علاوہ جن لوگوں کو آپ کے ذریعے روحانی فیوض و برکات حاصل ہوئے وہ شمار سے باہر ہیں۔

**غلبہ حال** | شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں: ”جب آپ منبر پر تشریف لاتے تو مختلف علوم بیان فرماتے۔ اور قال سے حال کی طرف آتے ہی حاضرین پر وجد و حال طاری ہو جاتا تھا۔ کوئی گریہ و زاری میں مبتلا ہوتا۔ کوئی گریبان چاک کرتا۔ کوئی بے ہوش ہو کر گر پڑتا۔ اور جان دے دیتا۔ آپ کے غلبہ شوق، ہیبت، تصرف، عظمت و جلال سے آپ کی مجلس سے کئی جنازے نکلتے تھے۔ آپ کی مجلس و عظمیٰ کرامات، تجلیات، عجائب و غرائب کے بارے میں جو کچھ کتابوں میں بیان کیا گیا ہے۔ حصر و شمار سے باہر ہے۔ روایت ہے کہ آپ کی بعض مجالس میں انبیاء علیہم السلام اولیاء اجساد کے ساتھ یا ارواح کے ساتھ اور جن و ملائک موجود ہوتے تھے۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ازراہ تعلیم و تربیت جلوہ افروز ہوتے تھے۔ اور حضرت خضر علیہ السلام تو اکثر موجود ہوتے تھے۔“

## خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین حسن سجری امیری

کیا تھا ہند کو تار یک جب باطل کی زشتی نے  
از فیض اد بجائے صلیب و کلیسا  
اجالا کر دیا اگر معین الدین سے چشتی نے  
دردار کفر مسجد و محراب و منبر است  
آنجا کہ بود نعرہ فریاد مشرکان  
انہوں خروش نغمہ اللہ اکبر است

امام ارباب طریقت، پیشوائے اصحاب حقیقت، مستغرق ذات ذوالجلال، ناطق بلسان احوال، طوفان ضلالت را کشتی، قطب وحدت، حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ بن سید غیاث الدین حسن سجری اولیائے کبار اور عارفین صاحب اسرار میں سے تھے۔ آپ کے کمالات اور کرامات بے شمار ہیں۔ حقائق و معارف میں آپ کا کلام نہایت بلند اور حال قوی تھا۔ جو شخص آپ کے چہرہ مبارک کو دیکھتا تو وحدانیت حق اور رسالت مصطفیٰ پر ایمان لے آتا تھا۔ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں جو لوگ کفر و مشرک میں مبتلا تھے آپ ان کو کفر کی تاریکی سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لے آئے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: الشیخ فی القوم کالنبی فی الامت شیخ کامل اپنی قوم میں ایسا ہوتا ہے جیسے نبی امت میں، اس حدیث پاک کے مطابق آپ نائب رسول تھے۔ اور اس منصب کا آپ نے خوب حق ادا کیا۔

**حالات زندگی**  
آپ کی ولادت باسعادت یوم دوشنبہ بوقت صبح صادق بتاریخ ۴ رجب ۵۳۴ھ قصبہ سجریں ہوتی جو علاقہ خراسان میں ہے۔ تاریخ وصال آپ کی ۶ رجب ۶۳۳ھ ہے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم مبارک غیاث الدین حسن تھا اور والدہ ماجدہ کا اسم مبارک ملکہ تھا۔ حضرت خواجہ غیاث الدین کا مزار مبارک عراق میں ہے۔

نسباً آپ والد کی جانب سے حسینی اور والدہ کی جانب سے حسنی تھے یعنی آپ نجیب الطرفین سادات حسنی و حسینی تھے۔ گیارہ سال کی عمر میں آپ یتیم ہو گئے اور ماں باپ دونوں کا سایہ ایک ہی سال میں سر سے اٹھ گیا۔ آپ تین بھائی تھے۔ والد ماجد کے ورثہ سے ایک انگوروں کا باغ اور ایک پن سچی آپ کے حصہ میں آئی۔ مگر آپ نے یہ دونوں چیزیں راہ خدا میں دے دیں۔ ایک دفعہ ابراہیم نامی ایک مجذوب باغ کے اندر چلے آئے۔ آپ نے انہیں تعظیم سے بٹھایا۔ دست بوسی کی، اور انگوروں کے خوشے

تو ڈاکر آگے رکھے۔ مجذوب نے اپنی جیب سے کچھ کھلی نکالی، اپنے منہ میں رکھ کر اسے چبلایا اور پھر نکال کر حضرت خواجہ کے منہ میں رکھ دی۔ کھلی کا حلق میں اترتا تھا کہ آپ کا سینہ منور ہو گیا۔ اور آپ کا دل دنیا سے سرد پڑ گیا۔ دو تین دن میں آپ نے باغ اور چچی کو فروخت کر ڈالا اور جو رقم وصول ہوئی اسے درویشوں میں تقسیم کر دیا۔

اسے رفیق کہتے زہد ازمن سر و سامان مجھتے خاک شد در راہِ خواباں ہر سر و سامان کہ بود بوجھ ہلکا ہوتے ہی آپ طلب الہی میں نکل کھڑے ہوتے۔ اول سمرقند تشریف لے گئے۔ شیخ حسام الدین بخاری سے قرآن شریف حفظ کیا۔ پھر علوم ظاہری کی تحصیل فرمائی۔ بخارا میں کچھ ایام بسر کئے۔

تھیں علوم ظاہری سے فراغت ہوئی تو نواح نیشاپور کے قصبہ ہارونص میں حضرت خواجہ عثمان ہرونی قدس سرہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس وقت دیگر اولیائے کرام بھی موجود

### بیعت

تھے۔ آپ لکھتے ہیں کہ: "جو نہی بندہ نے زمین پر سر رکھا۔ حضرت شیخ نے فرمایا دو گانہ ادا کرو۔ میں نے ادا کیا پھر فرمایا کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ فرمایا سورۃ البقرہ پڑھو۔ میں نے پڑھا، بعد میں خود کھڑے ہو کر آسمان کی طرف منہ کیا۔ اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: کہ میں نے تجھے خدا تک پہنچا دیا۔ جو نہی یہ فرمایا دست مبارک میں قینچی لے کر میرے سر پر چلائی اور چار تری کی کلاہ اس عقیدت مند کے سر پر رکھی اور خاص گودڑی عطا فرمائی پھر فرمایا بیٹھ جا۔ میں بیٹھ گیا۔ فرمایا کہ ہمارے خاڑوہ میں آٹھ پہر کا مجاہدہ ہوتا ہے۔ آج کی رات اور آج کا دن مجاہدہ میں مشغول رہ۔ آپ کے ارشاد کے مطابق میں نے ایک دن رات گزار دی۔ جب دوسرے دن حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا بیٹھ اور ایک ہزار مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھ۔ میں نے پڑھی۔ فرمایا اوپر کی طرف دیکھ۔ جو نہی میں نے آسمان کی طرف نگاہ کی آپ نے فرمایا تجھے کیا نظر آتا ہے میں نے عرض کیا کہ عرش عظیم تک سب کچھ دکھائی دیتا ہے۔ پھر فرمایا زمین کی طرف دیکھ۔ جب میں نے زمین کی طرف دیکھا فرمایا کہاں تک دکھائی دیتا ہے، میں نے کہا اٹھارہ ہزار قسم کی مخلوقات۔ جب میں نے اتنا عرض کیا تو فرمایا: جا تیرا کام سنو گیا۔ ایک اینٹ پاس پڑی تھی۔ آپ نے فرمایا اس کو پلٹ۔ میں نے پلٹی تو ایک مٹی بھر سونے کے دینار تھے۔ آپ نے فرمایا اسے لے جا کر فقیروں کو صدقہ دے۔ جب میں حکم کی تعمیل کر چکا تو فرمایا کہ تو چند روز ہماری خدمت میں رہ۔ میں نے عرض کیا کہ بندہ فرمانبردار ہے۔ پھر حضرت خواجہ نے خانہ کعبہ کا سفر اختیار کیا اور اس دعا گو کو ساتھ لے گئے۔ خانہ کعبہ کی زیارت کے بعد آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے خدا کے سپرد کیا اور میرا پرحمت کے نیچے اس درویش کے بارے میں مناجات کی تو آواز آئی کہ ہم نے معین الدین کو قبول کیا۔ جب وہاں سے لوٹ کر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کیلئے

آئے تو فرمایا کہ سلام کر۔ میں نے سلام کیا۔ تو آواز آئی کہ:

”وعلیکم السلام اے سمندر اور خشکی کے مشائخوں کے قطب!“

جب یہ آواز آئی تو خواجہ صاحب نے فرمایا کہ آج تیرا کام مکمل ہو گیا۔

اس کے بعد حضرت معین الدین  
حسن نے حج کا سفر اختیار کیا

## سفر عربین شریفین اور ہندوستان کی ولایت کا سپرد ہونا

اور راستے میں مشائخ زمانہ سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ مکہ معظمہ پہنچ کر آپ نے حج ادا کیا۔ جب مدینہ پہنچے تو  
روضہ اقدس آواز آئی کہ:

”اے معین الدین حسن! تو ہمارے دین کا معین ہے۔ ولایت ہندوستان ہم نے تجھ کو عطا  
کی۔ جا مقام اجمیر میں اقامت اختیار کر کہ وہاں بہت کفر پھیلا ہے۔ تیری ذات  
سے کفر دور ہو گا۔ اور اسلام رونق پذیر ہو گا۔“

آپ یہ مرثوۃ جان فرانس کر بہت خوش ہوئے۔ مگر آپ حیران تھے کہ اجمیر کہاں ہے۔ اسی فکر میں  
آنکھ لگ گئی۔ تو زیارت حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے۔

حضور نے ایک ہستی امار آپ کو عطا فرمایا کہ جس میں نظر کرنے سے مشرق سے مغرب تک دکھائی  
دینے لگا۔ اس میں آپ نے اجمیر اور اس کے پہاڑوں کا بھی مشاہدہ کیا۔ اس کے بعد حضور اقدس نے فرمایا  
تجھے خدا کے سپرد کیا۔ خواب سے بیدار ہوتے ہی آپ نے ہندوستان کا سفر اختیار کیا۔ راستے میں جو شہر آتا  
وہاں کے اولیائے کرام سے ملاقات کرتے اور مزارات کی زیارت کرتے۔ عموماً آپ قبرستان میں قیام فرماتے  
تھے۔ اور راستے میں لوگ جوق در جوق آپ سے فیضیاب ہوتے رہے۔ جب آپ ہرات پہنچے تو ایک باغ  
میں تالات کے کنارے قیام فرمایا۔ باغ کا مالک محمد یادگار نامی ایک شیعوں تھا۔ جو ہرات کا حاکم تھا۔ اور بہت  
سخت ظالم تھا۔ اس نے حضرت اقدس کو دیکھتے ہی چاہا کہ ایذا پہنچائے۔ لیکن جو نہی اس کی نظر حضرت کے  
روح انور پر پڑی بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ خواجہ بزرگ نے حوض کا پانی اس کے منہ پر چھڑکا۔ تو وہ ہوش میں آیا۔  
اور باؤں بلند شیعہ مذہب سے تائب ہو کر آپ کا مرید ہوا۔ اس کے بعد اس نے سارا مال و اسباب اور خزانہ  
بطور نذر خواجہ بزرگ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے فرمایا یہ تیری ملکیت نہیں ہے۔ جن لوگوں پر ظلم کر کے  
یہ مال جمع کیا ہے ان کو واپس دو۔ یہ ان کا حق ہے۔ یا پھر خیرات کر دو۔ اس نے حکم کی تعمیل کی اور کچھ عرصہ  
ریاضت اور مجاہدہ کر کے ظاہری و باطنی خلافت سے نوازا گیا۔ وہاں سے آپ حصار شادمان پہنچے اور مجددی گاہ  
کو وہاں مقیم فرما کر سارا علاقہ ان کے سپرد کر دیا۔ صاحب سیر العارفین نے لکھا ہے کہ میں نے حصار شادمان

جا کر محمدیادگار کے مزار کی زیارت کی ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

اس کے بعد آپ بلخ تشریف لائے۔ جہاں حکیم ضیاء الدین ایک عالم رہتا تھا۔ جو اولیاء کرام سے بد عقیدت رکھتا تھا۔ حضرت اقدس نے اس کے مکان کے متصل سکونت اختیار کی۔ جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو جمال باکمال کے شاہدہ سے اس پر اس قدر اثر ہوا کہ دل صاف ہو گیا بیعت ہوا اور فلسفہ کی تمام کتابیں دریا میں پھینک دیں۔ وہاں سے آپ غزنی اور غزنی سے لاہور پہنچے۔ اور حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش قدس سرہ کے مزار پر انوار پر چلے کیا۔ مشہور ہے کہ یہ شعر حضرت خواجہ بزرگ کا ہے۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا ناقصاں را پیر کامل کا ملاں را رہنا

اس کے بعد آپ دہلی پہنچے۔ اور دہلی سے اجیر جا کر سکونت اختیار فرمائی۔ اجیر شریف میں جو معاملات پیش آئے۔ شادی دیو اور بے پال جو گیوں کی جس شان سے آپ نے ہدایت فرمائی۔ راجہ پھورانے جس طرح آپ کو ایذا پہنچانے کی کوشش کی اور آپ کی کرامت سے جس طرح وہ زندہ گرفتار ہوا۔ یہ تمام واقعات کتب تاریخ میں موجود ہیں۔ یہاں دہرانے سے کتاب کی ضخامت زیادہ ہوتی ہے۔

غرضیکہ حضرت خواجہ بزرگ نے اپنے ہمراہ کوئی فوج لائے تھے نہ خزانے لائے تھے۔ نہ کسی بادشاہ کا خط ساتھ لائے تھے۔ نہ کسی بادشاہ کی حمایت آپ کو حاصل تھی۔ بلکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا زبانی حکم لے کر آئے تھے۔ خدا کی قدرت، سرور کائنات کی عظمت، اور خواجہ صاحب کی صداقت کی اس سے زیادہ بین دلیل اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ ایک فرد واحد کو حکم ہوتا ہے کہ کفرستان میں جاؤ اور کفر کی تاریخی کو دور کر کے اسلام کے نور سے اس کو منور کرو۔ ایک فرد واحد بلا فوج و خزانہ آتا ہے۔ اور سارے ہندوستان کو مسخر کر لیتا ہے۔ اپنی تائید میں نہ کوئی انجن یا جماعت قائم کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ نہ شہروں اور قصبوں میں ہمدردی کے ریزولوشن پاس کرنے کے لیے جلسے منعقد کرتا ہے۔ نہ چندے کی فہرستیں کھولی جاتی ہیں۔ نہ وفد اور ڈپوٹیشنوں کی بھرمار ہوتی ہے۔ بلکہ اسلام کی سچی روحانی تعلیمات اور روحانی تصرف کے ذریعے کفار اور مشرکین کے دل بادل کے مقابلہ میں ایسی شاندار فتح اور نصرت حاصل کرتا ہے جس کی مثال کتب تاریخ میں نہیں ملتی۔ آپ کے بعد آپ کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء تازمانہ حال، نے اسلام پھیلانے اور خلق خدا کا خداوند عالم سے رشتہ جوڑنے اور قرب و معرفت حق تعالیٰ کے حصول میں جس قدر نمایاں کامیابیاں حاصل کیں۔ ان سب کا سہرا بھی حضرت خواجہ بزرگ

کے سر ہے۔

## ہندوستان خواجہ بزرگ کو در شہ میں ملا

سلطان محمود غزنوی نے جس وقت سومنات پر حملہ کیا تو حضرت خواجہ ابو محمد محترم حشٹی کو عالم

معاملہ میں حضرت رسول اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اشارہ ہوا کہ سلطان محمود کی مدد کرو۔ چنانچہ حضرت خواجہ ابو محمد محترم حشٹی تشریف لائے اور محمود غزنوی کے لشکر میں شامل ہو کر کفار کے ساتھ جہاد کیا۔ دوران جنگ ایک نازک موقع آگیا اور غلبہ کفار کا اندیشہ پیدا ہوا۔ حضرت خواجہ ابو محمد محترم نے آواز دی کہ "محمد کا کو جلد پہنچو۔" محمد کا کو آپ کے ایک خاص مرید اور خلیفہ تھے۔ جن کو آپ پیچھے شہر حشٹ میں چھوڑ آئے تھے۔ محمد کا کو فوراً اپنے اور شریک جنگ ہوتے۔ محاربہ شدید ہوا۔ اور بالآخر لشکر اسلام کو فتح ہوئی۔ اس موقع پر حشٹ کے لوگوں نے یہ دیکھا کہ محمد کا کو کنوئیں سے پانی بھر رہے تھے اور بیک بیک ان کو جوش آگیا۔ مست ہو گئے اور کف دہن سے جاری ہو گیا۔ اور جوش و فروش سے پانی کا ڈول درو دیوار پر زور زور سے مار رہے تھے۔ جب لوگوں نے اس کیفیت کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت میں اپنے شیخ کی طلبی پر سومنات گیا ہوا تھا اور کفار کے ساتھ محاربہ کر رہا تھا۔ اولیاء اللہ کے طے الارض اور بیک وقت کئی مقامات پر موجود اور مصروف کار ہونے کی اس طرح کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ اس کی حقیقت سمجھنے کے لیے بصیرت اور فہم عرفانی کی ضرورت ہے۔

حضرت ابو محمد محترم چار واسطوں سے حضرت خواجہ بزرگ کے پیر ہیں۔ ہندوستان کی خدمت پہلے ہی سے خواجگان حشٹ کے سپرد تھی۔ اور خواجہ غریب نواز اجمیری کو ہندوستان اپنے بزرگوں سے گویا ورثے میں ملا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی یہ پہلی عظیم الشان فتح جو سلطان محمود غزنوی کو حاصل ہوئی۔ حضرت خواجہ ابو محمد محترم حشٹی کی برکت اور باطنی تصرف سے ہوئی۔ اور دوسری عظیم الشان اور فیصلہ کن فتح جو سلطان شہاب الدین غوری کو رائے پھورا پر ہوئی وہ خواجہ بزرگ اجمیری غریب نواز کی دعا اور برکت اور باطنی امداد سے ہوئی۔ اللہ نے چاہا تو مسلمانوں کی اہمیت اور غلبہ کسی نہ کسی صورت تاقیامت رہے گا۔ اگرچہ دیگر سلاسل کے مشائخ بھی ملک ہندوستان میں تشریف لاتے رہے ہیں۔ اور ہدایت خلق کی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ لیکن چونکہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری سلطان الہند ہیں ان تمام مشائخ کا فیضان بھی حضرت خواجہ اجمیری کے توسط سے ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب روحانی طور پر ایک بزرگ کو کوئی ملک سپرد کیا جاتا ہے تو دیگر سلاسل کے بزرگ اس بزرگ کی دست



سے فیضان کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہندوستان کی باطنی قیادت ہمیشہ سلسلہ عالیہ چشتیہ میں رہتی ہے۔

**حضرت غوث الاعظمؒ اور خواجہ بزرگؒ کی ملاقات** | خواجہ بزرگؒ کی دو مرتبہ حضرت غوث الاعظمؒ سے ملاقات ہوئی اور یہ فرمایا تھا:

”اے مرد مقتدائے مشائخ روزگار خواہ بود کہ بسیار از دستس بہ منزل کمال برسند بہ مقصد اعلیٰ مقرون گردند“

یعنی یہ مرد اپنے زمانے کے مشائخوں کا راہبر ہوگا۔ کہ جس کے ہاتھ میں بہت لوگ کمالات کی منزلوں پر پہنچیں گے۔ اور مقاصد اعلیٰ حاصل کریں گے۔ اور دوسری ملاقات اس وقت ہوئی جب حضرت خواجہ بزرگؒ کی عمر ۵۲ سال تھی۔ اور آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے شیخ کے حکم سے حضرت غوث الاعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ صاحب ’مرآة الاسرار‘ لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ بزرگؒ کی خاطر حضرت غوث الاعظمؒ نے مجلس سماع ترتیب دی۔ جب خواجہ بزرگؒ پر وجد طاری ہوا تو حضرت غوث الاعظمؒ عصا ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو گئے۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور عصا جنبش میں تھا۔ خادم نے عصا کی جنبش کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ تو دیکھتا نہیں کہ ایک عارف رقص میں ہے اور عرش سے لے کر تخت الشریٰ تک ہر چیز اس کی متابعت میں رقص کر رہی ہے۔ میں اپنی قوت ولایت سے تمام عالم کو تھامے ہوئے ہوں۔ ورنہ کائنات کا شیرازہ زیر و زبر ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ مجلس ختم ہوئی تو ہر دو آفتاب عالم ایک برج میں جو کہ حضرت غوث الاعظمؒ کا حجرہ خاص تھا۔ داخل ہوئے اور تین شب روز دونوں میں صحبت خاص و محرمانہ گرم رہی۔

نسبت محبوبیت اور وہ شغل جس کی مداومت سے بہ نسبت خاص ہوتی ہے، حضرت غوث الاعظمؒ سے خواجہ بزرگؒ کو پہنچا اور شغل سیر و وجود اور ہفت علیہ اور شغلا سہ پایہ چشتیہ حضرت خواجہ بزرگؒ سے حضرت غوث الاعظمؒ کو پہنچے۔ بعض کہتے ہیں کہ ترتیب خاص اسم اعظم جو حضرت غوث الاعظمؒ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سینہ بہ سینہ پہنچی تھی، خواجہ بزرگؒ رحمۃ اللہ علیہ کو تلقین فرمائی۔ اور ترتیب مخصوص اسم اعظم جو خواجہ بزرگؒ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سینہ بہ سینہ پہنچی تھی، خواجہ بزرگؒ سے حضرت غوث الاعظمؒ تک پہنچی۔ بعض روایات میں ہے کہ اشغال لطائف باطنہ اور شغل سجود قلب اور

آورد اور ہر دو سہ پایہ اور شغل سرگوشی اور ترتیب خاص نگاہداشت برزخ صغریٰ و کبریٰ  
بھی خواجہ بزرگ کو حضرت غوث الاعظم سے پہنچے۔

اولیاء اللہ کنفس واحدة اولیاء اللہ  
سب ایک ہیں، ان میں تقسیم یا تفتیق

اولیاء اللہ میں تفریق اور مقابلہ کرنا غلطی ہے

بے ادبی ہے۔ یعنی آپس میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا اور ایک دوسرے کو فضیلت دینا بہت بُری  
بات ہے۔ کیونکہ نہ ہم ان حضرات کے بلند مراتب کو سمجھ سکتے ہیں۔ نہ کسی کی فضیلت جان سکتے ہیں۔ ان  
کے مراتب کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اور اس بات کو اللہ کے سپرد کر دینا چاہیے۔ حضرت غوث الاعظم  
اور خواجہ بزرگ کے مراتب میں تفریق کرنا ہمارا کام نہیں ہے۔ ہمارے پاس ان کے مراتب معلوم کرنے کا  
کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب یہ حضرات ایک دوسرے کو اپنے مخصوص اشغال اور  
فیضان تفتیق کر رہے ہیں تو قادریہ اور چشتیہ سلاسل کے لیے دونوں حضرات مشائخ کی حیثیت رکھتے  
ہیں۔ اور بعد کے زمانوں میں مشائخ قادریہ اور چشتیہ کے مابین نسبتوں کا اس قدر لین دین ہوا کہ زمانہ حال  
کے چشتی خود بخود قادری بن گئے ہیں اور قادری خود بخود چشتی بن گئے ہیں۔ لہذا اکابر اولیاء میں سے  
کسی ایک سلسلہ کی تفتیق گویا اپنے ہی مشائخ کی تفتیق ہے۔

اقوال مبارک | آپ کے بے شمار اقوال میں سے یہاں تبرکاً درج کیے جاتے ہیں۔  
آپ فرماتے ہیں:

عاشق کا دل محبت کا آتشکدہ ہے۔ جس میں جو کچھ جاتا ہے جل کر نیت و نابود ہو جاتا ہے۔ طالب  
جب وصل حق ہو جاتا ہے تو اس کا جوش و خروش جاتا رہتا ہے۔ جس طرح ندی نالے بڑے زور سے  
بہتے ہیں۔ لیکن جب سمندر میں پہنچتے ہیں تو ان کی شورش ختم ہو جاتی ہے۔  
تین خصلتوں والے کو حق تعالیٰ درست رکھتا ہے۔ اول دریا کی سخاوت، دوم آفتاب کی شفقت،  
سوم زمین کی سستی واضح۔

عارف حق جس قدر کہ تخیل میں بڑھا ہوا ہوتا ہے، اسی قدر عرفان میں بڑھا ہوا ہوتا ہے۔  
نیکیوں کی صحبت نیک کاموں سے بہتر ہے، اور بُروں کی صحبت بُرے کاموں سے بدتر ہے۔  
مسلمانوں کو گناہ اتنا ضرر نہیں پہنچاتا جتنا کسی مسلمان کو ذلیل و خوار کرنا؛  
مرید اس وقت تک توبہ میں پختہ نہیں ہوتا جب بائیں جانب کے فرشتہ کو بیس سال تک  
گناہ لکھنے کی توبہ نہ آتے۔

چار چیزیں مرد کی جوہر ہیں۔ اول درویشی میں اظہار تو نگری دوم بھوک میں اظہار سیری سوم غم میں اظہار خوشی، چہارم دشمن کے ساتھ اظہار دوستی۔

مسلمان تین چیزوں کو دوست رکھتا ہے۔ بیماری اور موت جو شخص ان کو دوست رکھتا ہے اسے اللہ تعالیٰ اور فرشتے دوست رکھتے ہیں۔ اور بدلا اس کا بہشت ہے۔

بدبختی کی علامت یہ ہے کہ گناہ کرے اور مقبولیت کی امید رکھے۔

عارفین مثل آفتاب ہیں۔ جو تمام عالم پر سایہ فگن ہیں۔ اور تمام عالم ان کے نور سے روشن ہے۔

بغیر نماز کے سالک منزل قرب کو نہیں پہنچتا، کیونکہ نماز مومن کی معراج ہے۔

ایک مدت تک میں نے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ جب میں حق سے وصل ہوا تو کعبہ میرا طواف کرنے لگا۔

عارف اس کو سمجھتے ہیں کہ ہر روز اسرار تجلی کے لاکھوں کرشمے اس پر نازل ہوں تب بھی کچھ اظہار نہ کرے۔

محبت میں صادق وہ ہے کہ جب کوئی بلا اسے پہنچے تو رضا و رغبت سے اسے قبول کرے۔

جب ہم سانپ کی طرح کچلی سے نکلے تو عاشق، عشق اور معشوق کو ایک پایا۔

ایک بزرگ ایک قبر کے سرہانے بیٹھے تھے۔ اس میت پر عذاب ہو رہا تھا۔ اس بزرگ نے ایک

نعرہ لگایا اور جاں بحق ہو گئے۔ اسے غافلہ امردوں کے حال سے واقف ہو کر ان کے عذاب کی کیفیت

کو دیکھو تو ہیبت کے مارے نمک کی طرح گھل کر بہ جاؤ گے۔

حضرت خواجہ عزیز نواز کی کرامات سے سیرت اور تاریخ کی کتابیں لبریز ہیں۔ یہاں صرف اس کرامت پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ جب آپ کا وصال ہوا تو پیشانی مبارک

کرامات

حَبِيبِ اللّٰهِ مَاتَ فِي حَبِ اللّٰهِ

پر یہ لکھا تھا۔

(خدا کا دوست تھا جو خدا کی محبت میں جاں بحق ہوا)



## شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر بن محمد سہروردیؒ

صاحبِ مرآة الاسرار، شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی قدس سرہ کو ان القاب سے یاد کرتے ہیں۔

آل قبلۃ ارباب بصیرت، آل محقق باسرار حقیقت، آل ممتاز بعشق و جو انوردی، غوثِ وقت حضرت شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی قدس سرہ۔ حضرت محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ اور اپنے چچا حضرت شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی کے مرید و خلیفہ جانشین تھے۔ حضرت شیخ اشرف جہانگیر سنائی قدس سرہ لطائف اشرفیہ میں لکھتے ہیں کہ آپ نے خرقہ خلافت حضرت شیخ ابودین مغربی سے بھی حاصل کیا۔ امام عبداللہ یافعی فرماتے ہیں کہ آپ اپنے زمانے کے استاد اور یگانہ روزگار تھے۔ اور محل طلوع انوار حقائق الہی، منبع اسرار لامتناہی، راہ نمائے طریقت، مظہر حقیقت، رئیس و بزرگ ترین مشائخ، جامع علوم ظاہری و باطنی، مقتدائے عارفان عمدہ سالکان اور عالم ربانی تھے۔ آپ نے جس قدر مجاہدات کئے کسی نے کم کیے ہوں گے۔ علم حدیث میں آپ بے نظیر تھے۔ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کوئی سنت آپ سے فوت نہ ہوئی۔ اور جس قدر تصرفات و خوارق آپ سے ظاہر ہوئے ہیں بہت کم صوفیاء سے سننے میں آئے ہیں۔ آپ کے فیض صحبت سے بڑے بڑے اکابر اولیاء وجود میں آئے۔ مثل حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی قدس سرہ جو آپ کے بعد مقام غوثی تک پہنچے۔ اور ایک جہان آپ سے فیضیاب ہوا۔ آپ کے اکل خلفاء میں سے ایک شیخ نجیب الدین بخش شیرازی ہیں۔ آپ کے تیسرے خلیفہ سید معز الدین تھے۔ جو عظیم القدر ولی اللہ اور صاحبِ حال قوی تھے۔ یہ حضرات ہفت ابدال میں سے تھے۔ اور اسم الہی القاہر کی صفت سے موصوف تھے۔ آپ ولایت ہندوستان میں قہر و غلبہ سے تصرف کرتے تھے۔ آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار قدس سرہ کے زمانے میں بغداد سے ہندوستان تشریف لائے تھے۔ اور قصبہ سندیلہ میں قیام فرمایا۔ جہاں آپ کا مزار مقدس زیارت گاہِ خلافت ہے۔ صاحبِ مرآة الاسرار لکھتے ہیں کہ میں دو مرتبہ آپ کے مزار پر حاضر ہوا۔ اور اس قدر انعامات پائے کہ دائرہ تحریر سے باہر ہیں۔ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ آپ شیریشہ حقیقت ہیں جو

اپنی قوتِ ولایت سے آج تک حکومت کر رہے ہیں۔

نفحات الانس میں مولانا جامی لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی مشائخ بغداد کے شیخ تھے۔ آپ نے ابتدائے حال میں حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی صحبت پائی۔ بلکہ اپنے وقت کے بہت سے مشائخ سے استفادہ کیا۔ آپ بے شمار تصانیف کے مالک ہیں۔ جن میں عوارف المعارف بڑے معجزہ میں لکھی گئی۔ جب کوئی مشکل پیش آتی تو آپ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے طواف کعبہ کرتے تو مشکل فوراً حل ہو جاتی تھی۔ نفحات الانس میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب شیخ سعد الدین حموی سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے محی الدین ابن عربیؒ کو کس طرح پایا فرمایا: خود لاناہایت اللہ اللہ کے نور محدود ہیں۔ اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے متعلق پوچھا تو فرمایا: نور متابعتہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حسین السہروردی شیئی آخر (یعنی نور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شیخ سہروردی اور چیز ہیں)۔

آپ اپنی کتاب تکریم میں فرماتے ہیں کہ جوانی میں مجھے علم الکلام کا بہت شوق تھا۔ اس علم کی چند کتابیں مجھے یاد ہو گئی تھیں اس حد تک کہ میں فقہیہ ہو گیا۔ میرے چچا شیخ ابو نجیب مجھے منع کرتے تھے۔ اور میں باز نہیں آتا تھا۔

ایک دفعہ آپ مجھے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی زیارت کے لیے ساتھ لے گئے اور ان کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا بھتیجا علم الکلام میں مشغول ہے۔ میں نے بہت منع کیا ہے لیکن باز نہیں آتا۔ حضرت شیخ نے فرمایا: اسے عمر تم نے کونسی کتاب یاد کر لی ہے؟ میں نے کہا فلاں فلاں کتاب آپ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر لگایا۔ واللہ جو کچھ مجھے یاد تھا فوراً بھول گیا۔ اور اس کی بجائے حق تعالیٰ نے مجھ پر علم لدنی کے دروازے کھول دیئے۔ اور حکمت کی باتیں کرتے ہوئے حضرت شیخ سے رخصت ہوا۔ بس آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عمر! انت آخر المشہور فی العراق (یعنی تم عراق کے آخری مشہور آدمی ہو گے) شیخ شہاب الدین فرماتے ہیں، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سلطانِ طریقت اور بڑے متصرف بزرگ تھے۔ چنانچہ ان کے بعد شیخ شہاب الدین نے عراق میں بڑی شہرت حاصل کی اور قریب و بعید کے اربابِ طریقت شیخ کی خدمت میں آکر فیضیاب ہونے لگے۔ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں چند روز حضرت شیخ شہاب الدینؒ کی خالقاہ میں رہا۔ ہر روز دیکھتا تھا کہ قریب میں ہزار دینار آپ کی خدمت میں جمع ہو جاتے تھے۔ اور شام تک ایک پیسہ باقی نہ رہتا تھا۔ حضرت خواجہ گنج شکرؒ راحت القلوب میں فرماتے ہیں کہ شیخ شہاب الدینؒ نے چالیس برس تک خلق خدا کے عیبوں

کی طرف نگاہ نہ کی۔ ایک دفعہ اس کے بارے میں آپ سے سوال کیا گیا۔ تو فرمایا کہ لوگوں کے عیب مجھے نظر نہیں آتے۔

مولانا جامی نجات الانس میں لکھتے ہیں کہ یہ فقیر ابتدائے سلوک میں ریاضتِ شاقہ کرتا تھا۔ اور ہر سلسلہ کے اشغال کرتا تھا۔ اور حق تعالیٰ سے اس کے بانی کے وسیلہ سے امداد طلب کرتا تھا۔ ایک رات بعد از نماز تہجد مسجد میں مشغول تھا کہ حضرت شیخ شہاب الدین نے کمال شفقت سے اکٹالیس اسمائے عظمٰی بالترتیب تلقین فرمائے۔ ان میں سے ایک اسم یہ ہے:

يَا دَائِمُ بِلَا فَنَاءٍ وَلَا زَوَالٍ بِمَلِكِكَ وَلِقَائِهِ يَا مُوَكَّلُ

جب میں نے سجدہ سے سر اٹھایا تو بیداری میں بھی میں نے ایک خوبصورت نوجوان صاحب جمال اپنے سامنے کھڑا دیکھا۔ اس نے مجھ سے کہا میں دردائیل موکل اسم یاد اتم ہوں۔ حضرت شیخ الشیوخ نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ بندہ آپ کی ولایت کا تصرف دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور آپ کا پہلے سے زیادہ گرویدہ ہو گیا۔ آپ سلطانِ طرقت اور برہانِ حقیقت تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ کا وصال بروز چہار شنبہ یکم ماہ محرم ۶۳۲ھ خلیفہ مستنصر کے عہد میں ہوا۔ جو لوگ اولیاء کرام کے تصرفات اور روحانی کمالات کا انکار کرتے ہیں ان کے لیے عبرت کا مقام ہے۔



# شیخ اکبر حضرت شیخ محی الدین ابن عربی

**سلسلہ نسب** آپ کا اسم گرامی محمد ابن عربی کنیت اور شیخ اکبر و محی الدین القاب ہیں آپ کا سلسلہ نسب عرب کے مشہور سخی حاتم طائی سے جا ملتا ہے۔ آپ شہر شنبہ بتاریخ ۱۵۶ھ ہسپانیہ (سپین) کے شہر مرسیہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی علی بن محمد حاتم تھا۔

**ابن عربی کی وجہ تسمیہ** حضرت شیخ محمد صادق شیبان مناتب غوثیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت محی الدین ابن عربی کے والد بچا پس برس تک لا ولد رہے۔ اولاد کے بے انتہا متنی تھے۔ پیرانہ سالی کا آغاز ہوا تو آپ اولاد سے مایوس ہو گئے۔ لیکن آپ نے آخری کوشش یہ کی کہ دور دراز کا سفر اختیار کر کے حضرت الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بغداد حاضر ہوئے۔ اور دعا کی درخواست کی۔ حضرت غوث الاعظم نے دعا فرمائی تو آپ کو یہ الہام ہوا کہ اب ان کے ہاں لڑکا اس صورت میں پیدا ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنی آئندہ اولاد ان کے لیے مہر کر دے۔ چنانچہ حضرت غوث الاعظم نے فرمایا کہ میرے صلب میں ابھی ایک لڑکا ہے۔ میں نے تم کو دیا۔ اب جاؤ اور جب لڑکا پیدا ہو تو اس کا نام محمد رکھنا اور میں نے اسے اپنا لقب محی الدین بھی دیا ہے۔ وہ امت محمدیہ میں انشاء اللہ ایک جلیل القدر ولی اللہ ہوگا۔

علی بن محمد حاتم یہ خوشخبری سن کر گھر پہنچے تو اسی شب ان کی بیوی حاملہ زمین اور نو ماہ بعد شیخ اکبر ناسوتی لباس میں نمودار ہوئے۔ ان کے والد بچہ کو لے کر حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور بچہ کو آپ کے قدموں میں ڈال دیا۔ حضرت اقدس دیر تک بچہ کو پیار کی نظروں سے دیکھتے رہے۔ اور فرمانے لگے کہ یہ میرا لڑکا ہے۔ انشاء اللہ اپنے زمانے کا ولی اور قطب لگانہ ہوگا۔ تصانیف جلیلہ اس سے ظہور میں آئیں گی۔ اور توحید الہی کے وہ اسرار و غوامض بیان کرے گا جو آج تک کسی نے بیان نہیں کیے۔

چونکہ حضرت غوث الاعظم نے ان کو اپنا بیٹا کہا تھا۔ اس وجہ سے آپ ابن عربی مشہور ہو گئے۔

**ابتدائی تعلیم** | آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں ہوئی۔ اور چونکہ آپ کے والد ماجد علاقے میں ایک ممتاز عالم دین تھے۔ آپ کو بہترین علمی صحبتوں سے فائدہ حاصل کرنے کا موقع ملا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ اشبیلہ تشریف لے گئے جو اس زمانے میں علوم اسلامیہ کا مرکز تھا۔ لیکن جب آپ کی وہاں بھی تشفی نہ ہوئی تو آپ نے مختلف مقامات کا دورہ کیا۔

میزان الاعتدال جلد دوم میں لکھا ہے کہ آپ نے علوم کی تکمیل ابوالحسن بن ہذیل سے کی۔ اور حدیث کی سند بھی وہاں سے حاصل کی۔

اس کے بعد آپ ملک شام تشریف لے گئے۔ جہاں آپ کی شہرت آپ سے پہلے پہنچ چکی تھی۔ اور وہاں کے اکثر علماء اور بزرگ آپ کے معتقد ہو گئے۔ اور ملک الظاہر فرما زوائے حلب نے حدیث کی سند آپ ہی سے حاصل کی۔

شیخ عبد الوہاب شعرانی لکھتے ہیں کہ: "ملک مغرب میں بادشاہ کے نزدیک آپ نہایت معزز تھے لیکن یک بیک توفیق اور جذب الہی نے آپ کو آلیا۔ اور آپ اچانک جنگل کی طرف نکل کھڑے ہوئے آپ ایک قبر میں مدت تک مٹھرے رہے۔ قبر سے نکلے تو علوم کے عجیب و غریب اسرار آپ کی زبان پر جاری تھے۔"

اس کے بعد آپ براہِ سیاحت میں رہے۔ اور مختلف مقامات کا دورہ کرتے رہے اور کتابیں لکھتے رہے۔ فصوص الحکم سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ قرطبہ (ہسپانیہ) میں بھی بہت رہے۔ اور انبیاء علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں۔ حضرت صالح علیہ السلام سے استفادہ اسی مقام پر ہوا۔

**بہر علمی** | علوم الہیہ کے آپ کے سینہ میں موجزن ہونے کا پتہ آپ کے اس خواب سے چلتا ہے جو آپ نے فتوحات مکہ کی جلد سوم ص ۳۶ پر بیان کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ:-

"میں نے رویا میں دودھ کا ایک چشمہ دیکھا۔ اس کی طرح میں نے سفید نھرا اور گارٹھا دودھ کہیں نہیں دیکھا تھا۔ میں اس دودھ کے چشمہ میں داخل ہو گیا۔ اور وہ میرے پستان تک پہنچ گیا۔"

بطابق حدیث نبوی اور علم تعبیر الرویاء دودھ سے مراد علم الہی ہے۔

**آپ کی جامعیت اور محققانہ شان** | فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ کو قرآن و حدیث میں بہت اظہار رہا۔ شریعت و طریقت کے آپ پورے جامع تھے۔ اور ظاہری شریعت کے آپ انتہا درجہ کے پابند تھے۔ ویسے بھی آپ ظاہری مکتب



فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ اور شریعت کا بے حد احترام کرتے تھے۔ فصوص الحکم کے مقدمہ میں آپ لکھتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ ان لوگوں سے ہر وہوں کہ جب وہ شریعت محمدی میں مقید کر دیئے گئے تو خود بھی مقید رہے اور دوسروں کو بھی اس میں مقید رکھا۔ خدا انہی کے ذمہ میں میرا شکر کرے شریعت کے مخالفین سے آپ کبھی بخوشی نہیں ملتے تھے۔ علامہ عبدالوہاب شمرانی لکھتے ہیں کہ:

”آپ ان بزرگوں میں سے تھے۔ جن کا ہمیشہ یہ مسلک رہا ہے کہ جس نے ایک لفظ کے لیے بھی شریعت کو چھوڑا وہ ہلاک ہو گیا۔“

شیخ اکبر کی ایک دفعہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے ملاقات ہوئی تو پچھ دریا ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے رہے اور بظاہر گفتگو کیے بغیر ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ بعد میں جب لوگوں نے حضرت شیخ شہاب الدین سے پوچھا کہ یہ شخص کیسے تھے۔ تو فرمایا کہ ”یہ علم حقائق کے دریا ناپید کنار ہیں۔ جن کا علم ان کے بشرہ سے ظاہر ہے۔ زبان ہلانے کی ضرورت ہی نہیں۔“ جب شیخ اکبر سے لوگوں نے ان کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا:

”از سر تا پای سنت نبوی اور عادات احمدی سے بھرے ہوتے ہیں۔“

شیخ مجد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں کہ ”مجھ کو آج تک نہیں معلوم ہوا کہ کوئی شخص علم شریعت اور حقیقت میں محی الدین ابن عربی کے مبلغ علم کو پہنچ گیا ہو۔ وہ طریقت کے علمی اور عالی اعتبار سے امام تھے اور عرفاً اور اصلاً تحقیقات میں شیخ اور عارفین کے علم کو یہ عملاً اور اسماً زندہ کرنے والے تھے جس کی فکر نے ان کی بزرگی اور بلند پایگی میں تھوڑا سا بھی پس و پیش کیا وہ غرق ہو گیا۔ کیونکہ وہ ایسے دریا ہیں جس میں ڈول کبھی مگر نہیں ہوتا۔ اور ایسے ابر ہیں کہ کسی ستارہ کے طلوع و غروب سے وہ رک نہیں سکتے۔ ان کی دعایا بدعا ساتوں آسمانوں کو پھاڑ کر اثر کر سکتی ہے۔ تمام آفاق کے موجودات ان کی برکات سے مستفیض ہوتے ہیں۔ وہ بے شک ہماری تعریف سے بڑھے ہوتے ہیں اور ہمارا قلم ہرگز ان کی تعریف کا حق ادا نہیں کر سکتا۔“

حضرت صلاح الدین صفحی مضر کی تاریخ میں فرماتے ہیں کہ:-

”جسے علم لدنی والے کے کلام کو دیکھنا منظور ہو وہ محی الدین ابن عربی کی تصانیف کو دیکھے۔“ امام

فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ:

ابن العربی جلیل القدر ولی اللہ تھے۔“

شیخ جلال الدین سیوطی تحریر فرماتے ہیں کہ:

”محی الدین ابن عربی عارفوں کے مربی ہیں۔ تنزیلات کی روح ہیں اور نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم

کے قدم بقدم چلنے والے ہیں۔

امام سبکی کا قول ہے کہ،

”شیخ محی الدین ابن عربی آیتہ من آیات اللہ تھے اور اس زمانہ کے علم و فضل کی کنجی انہی کے ہاتھ تھی۔“

**خرقہ خلافت** | حضرت شیخ اکبر کو خرقہ ایک واسطہ سے حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ سے ملا اور ایک واسطہ سے خرقہ آپ کو حضرت خضر علیہ السلام سے ملا۔ اور ایک نسبت آپ کو حضرت خضرؑ سے بلا واسطہ بھی ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ کا مذہب مالکی تھا۔

**تصانیف** | حضرت ابن عربیؒ کی تصانیف دریائے ذخائر ہیں۔ جن میں حقائق و معارف کے ایسے انمول موتی پائے جاتے ہیں جو کسی اور کی تصانیف میں نہیں میسر آتے۔ مجدد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں کہ جس نے ان کا زیادہ شغل رکھا دقاتق علم سے آگاہ ہوا۔ آپ کی تصانیف بے شمار ہیں۔ شیخ فیروز آبادی نے ان کی تعداد ۴۰۰ سے زائد بتلائی ہے۔ ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

تفسیر کبیرہ: یہ صرف آیت مبارک وَعَلَّمْنَاهُ مَنْ لَدُنَّا عَلَمًا کی ۹۵ جلدوں میں تفسیر ہے۔

تفسیر صغیرہ: یہ پورے قرآن کی تفسیر محققانہ انداز پر ۸ جلدوں میں ہے۔

الریاض الفردوسیہ: اس میں احادیث قدسی جمع کی گئی ہیں۔

الجمع والتفصیل: یہ قرآن کے حقائق میں تفسیر ہے۔

کشف المعنی: یہ اسمائے حسنیٰ کی تفسیر ہے۔

فتوحات مکیہ، فتوحات مدینہ، فصوص الحکم، مواقع النجوم، جذوة المقتبس، قصیدہ، محشرات،

اسرار العلوم۔

آپ خود اپنی تصانیف کی تعداد ایک رسالہ میں ۲۵۰ بتاتے ہیں۔ اس رسالہ کے مقدمہ میں

فرماتے ہیں:

”ان کتابوں کی تصنیف سے میرا ارادہ وہ نہیں جو عام مصنفین کا ہوتا ہے بلکہ بعض

تصانیف کے لیے حق تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا تھا۔ اور بعض تصانیف میں حق تعالیٰ

کی طرف سے مجھ پر وہ حقائق و معارف وارد ہوئے کہ بیان نہ کرتا تو خود جل جانا۔“

فتوحات مکیہ کے متعلق آپ جلد اول میں لکھتے ہیں کہ جو حقائق و معارف میں نے اس کتاب

میں بیان کیے ہیں، وہ مجھ پر طواف یا حرم پاک میں مراقبہ کے دوران وارد ہوئے۔ آپ نے یہ بھی لکھا کہ: ”ہمیں اس کتاب کی تکمیل کا تاکیدہ حکم نافذ ہوا ہے۔ اس وجہ سے اور کام بند کر دیتے تھے۔“ آپ لکھتے ہیں کہ بعض اوقات مجھ پر ایسے قاہرانہ اور ہیبت ناک امور جلوہ گر ہوتے تھے کہ میں بھاگ کر عالم سفلی میں پناہ لیتا تھا۔ اس لیے مجھے حق تعالیٰ کی طرف سے افاقہ مل جاتا تھا۔ اور میں آہستہ آہستہ سب کو قلم بند کر لیتا تھا۔

فتوحاتِ مکیہ کو لکھ کر آپ نے اوراق پریشان کو خانہ کعبہ کی چھت پر پھینک دیا اور ایک سال بھران کو اسی جگہ رہنے دیا۔ بعد اختتام سال جبکہ ان پر کئی آندھیاں چلیں اور بارشیں ہوئیں مگر اس کتاب کا ایک ورق تک نہ اپنی جگہ سے ہلا اور نہ ہی ایک حرف بارش سے مٹا۔ تب آپ نے اس کو شائع کیا۔

فصوص الحکم کے مقدمہ میں آپ لکھتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دمشق میں خواب میں ۶۲۶ھ میں دیکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی۔ آپ نے مجھ سے فرمایا یہ کتاب فصوص الحکم ہے۔ تم اس کو لوگوں کے پاس لے جاؤ۔ وہ سب اس سے نفع پائیں گے میں نے عرض کیا بسرو چشم، اللہ اور اس کے رسول اور اولوالامر کی اطاعت واجب ہے۔ پس میں اس کتاب میں وہی الفاظ کرتا ہوں جو مجھ پر القا ہوا ہے۔ اور میں وہی کچھ وارد کرتا ہوں جو مجھ پر وارد کیا گیا ہے اور میں نہ نبی ہوں نہ رسول ہوں۔ لیکن میں وارث ہوں اور اپنی آخرت کے لیے زراعت کرنے والا ہوں۔ فتوحاتِ مکیہ اور فصوص الحکم آپ کی معرکہ الارار تصانیف ہیں۔ حضرت خواجہ برہان الدین البیہقی نے فرماتے ہیں:

”فصوص جان ہے اور فتوحات دل ہے، ان حقائق و معارف کا جو شیخ اکبر نے بیان فرمائے ہیں“

حضرت شیخ اکبر کے متعلق بعض علماء کرام کو غلط فہمی ہوتی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ آپ کا

### شیخ کے متعلق غلط فہمی کی وجوہات

کلام حال اور بلند روحانی مقامات کی پیداوار ہے۔ اور جو حضرات اس نعمت سے بے بہرہ ہیں، ظاہر ہے کہ وہ نہ ان باتوں کو سمجھ سکتے ہیں نہ مخالفت سے باز آتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جس زمانے میں حضرت شیخ اکبر کی علمی، ادبی، اخلاقی تربیت ہوئی، اندلس میں سلطانین موحدین کا زور تھا۔ جنہوں نے تقلید پر پابندی لگا رکھی تھی۔ اور آزاد خیالی اور اجتہاد کا دور دورہ تھا۔ اس فضا میں شیخ اکبر نے بھی تقلید کی تمام شرائط کو زور و اثر رکھا۔ جس کی وجہ سے آپ کا کلام

تقلید کے عادی اصحاب کو ناگوار گزارا۔ بعض حضرات ایسے بھی ہیں جنہوں نے ابتدائے حال میں شیخ سے اختلاف کیا۔ لیکن بعد میں اتفاق پر مجبور ہو گئے۔

**الحاق** حضرت شیخ سے اختلاف کی ایک وجہ یہ ہوئی کہ بعض مخالفین نے ضد میں آکر ان کے کلام میں الحاق کو روار کھا۔ جس سے مخالفت میں اضافہ ہوا۔ اس قسم کا الحاق کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہ بزدلانا حملے اہل حق کے خلاف اکثر ہوتے رہتے ہیں۔ بعض فتنہ پردازوں نے امام احمد بن حنبلؒ کے تکیہ کے نیچے آپ کے مرض الموت کے وقت جھوٹے عقائد لکھ کر رکھ دیتے تھے۔ لیکن چونکہ لوگ آپ کے عقائد سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ یہ فتنہ نہ اٹھنے پایا۔ امام غزالیؒ، شیخ الاسلام مجدد الدین مراد آبادیؒ، شیخ عبدالوہاب شعرانی کے ساتھ بھی یہی سلوک ہو چکا ہے۔ زمانہ حال میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی کتابوں میں بھی الحاق ہو رہا ہے۔ اور بعض رسائل مثل تحفۃ الموحدین بھی حضرت شاہ صاحب سے منسوب کیے جا رہے ہیں۔ حالانکہ تحفۃ الموحدین آپ کے ان مسلمہ عقائد کے خلاف ہے جو آپ کی دیگر تصانیف مثل حجۃ اللہ الباقیہ، انفاس العارفين، فیوض الحرمین، لمعات، سطعات وغیرہ میں بیان کیے گئے ہیں۔ اور صاف جعل سازی پر ولایت کرتے ہیں۔

**شیخ کے مداحین** حضرت شیخ اکبر کے مداحین میں وہ حضرات شامل ہیں جن کے علم و فضل اور عقائد کی ساری دنیا قائل ہے۔ مثلاً شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ، حضرت شیخ

شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ الاسلام مجدد الدین فیروز آبادیؒ، حضرت کمال الدین رمکلانیؒ، حضرت قطب الدین حمویؒ، حضرت صلاح الدین صفکیؒ، حضرت شیخ مودت الدین خجندیؒ، امام فخر الدین رازیؒ، امام لودیؒ، امام یافعیؒ، شیخ جلال الدین سیوطیؒ، شیخ محمد شاذلیؒ، شیخ سراج الدین مخدومیؒ، قاضی القضاة شمس الدین غونجیؒ، امام سبکیؒ، سراج بلقیسیؒ، عماد ابن کثیرؒ، مولانا جلال الدین رومیؒ، مخدوم علی مہامیؒ، مولانا عبدالرحمن جامیؒ، شیخ عبدالکریم جیلیؒ، شاہ محب اللہ آبادیؒ، شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ، خواجہ باقی باللہؒ، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور ہزاروں دیگر علماء و شائخ۔ عصر حاضر کے ایک بزرگ مولانا اشرف علی تھانویؒ جو دیوبندی ہیں اور ابی شہر ہیں، نے شیخ اکبر کی حمایت میں ایک پوری کتاب لکھی ہے جس کا نام الطیب العربی ہے۔ نیز برصغیر میں غیر مقلدین کے پیشوا نواب صدیق حسن خان بھوپالی بھی شیخ اکبر کے مداح تھے۔ غیر مقلدین کے ایک اور امام قاضی محمد بن علی شوکانی مینی بھی شیخ اکبر کے مداح ہیں۔ نواب صدیق خان نے اپنی کتاب **المعتقد المتفق** میں لکھا ہے:

”ہمارے شیخ امام محمد بن علی شوکانیؒ پہلے شیخ اکبر کے حق میں منکر تھے۔ پھر چالیس برس کے بعد

رجوع کیا۔ اور کہا کہ ان کی تکفیر جائز نہیں۔ واللہ الحمد! ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ شیخ اکبر امام اور ولی اللہ تھے اور کسی مسلمان کو ان کی تکفیر کا حق نہیں پہنچتا!

اگرچہ امام عبد اللہ ذہبی شیخ اکبر کے مخالف تھے۔ لیکن جب کسی نے ان سے پوچھا کہ کیا یہ سچ ہے کہ شیخ اکبر نے فصوص الحکم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لکھا۔ تو انہوں نے کہا کہ ایسا شخص کبھی جھوٹ نہیں کہہ سکتا۔

روایت ہے کہ ایک فقیر نے شیخ اکبر سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا میرے پاس اور تو کچھ نہیں یہ مکان حاضر ہے۔ فقیر نے مکان قبول کر لیا۔ اور آپ مکان سے باہر نکل کر بیٹھ گئے۔

ایک دفعہ ایک شخص فوت ہوا جو دن میں کئی بار شیخ کو گالیاں دیتا تھا۔ آپ نے کھانا پینا ترک کر دیا اور بیت اللہ میں جا کر بیٹھ گئے۔ اور دعا کی کہ یا رب میں اس وقت تک نہ کھانا کھاؤں گا نہ پانی پیوں گا جب تک تو اسے بخش نہیں دیتا۔ ایک دن رات کے بعد جب غیب سے آواز آئی کہ ہم نے اسے بخش دیا تو شیخ نے کھانا کھایا۔

شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ کا وصال شب جمعہ ۲۲ ربیع الثانی ۶۳۸ھ کو شہر دمشق میں ہوا۔ مزار کوہ قاصیون کے دامن میں واقع ہے جو آج کل صالحیہ کے نام سے مشہور ہے

وصال



## خواجہ بزرگ خضر خواجہ بہاؤ الدین نقشبند

صاحبِ مرآۃ الاسرار حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس اللہ سرہ کو ان القاب سے یاد کرتے ہیں:

”اں سر حلقہ عارفان احوال اں غرق مشاہدہ ذوالجلال، اں بالفاق ادمی حق پسند قطب اولیاء  
خواجہ بہاؤ الدین نقشبند“ آپ کا اسم گرامی محمد بن محمد البخاری ہے۔ آپ کا شمار اکابر اولیاء کرام میں سے ہے  
آپ بڑے بلند ہمت اور عالی شان بزرگ تھے۔ اور نفس قاطع رکھتے تھے۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ آپ سے  
منسوب ہے۔

آپ تھوڑی سی توجہ سے ساکنانِ سفلی کو مقاماتِ علوی پر پہنچا دیتے تھے۔ مولانا جامی نجات الانس  
میں تحریر فرماتے ہیں:

”اگرچہ آپ کو خواجہ محمد بابا ساسی نے اپنی فرزندگی میں قبول فرمایا تھا اور میر سید کلال نے  
آپ کی تربیت فرمائی تھی۔ لیکن سب سے زیادہ فیض آپ کو حضرت عبدالخالق عجدانی  
قدس سرہ کی روحانیت پاک سے ہوا“

اصحابِ قبور سے روحانی فیض اور تربیت حاصل کرنے کا یہ ایک اور ثبوت ہے جس کے حاصل  
کرنے والے حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند ہیں۔ اور تصدیق کرنے والے حضرت مولانا جامی جیسی ہستی ہیں  
مولانا جامی نے مفصل لکھا ہے کہ خواجہ عبدالخالق عجدانی نے ذکرِ خفی اور حقائق سلوک کے علاوہ آپ کو  
وصیت فرمائی کہ متابعتِ سنت میں کمر بستہ رہیں۔ اور ہر حال میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل  
کریں اور احادیثِ نبوی کو اپنالائے عمل بنائیں۔ اس سے اس بات کی مزید تصدیق ہوتی ہے کہ صوفیاء کرام  
کالائے عمل شریعتِ محمدی اور سنتِ نبوی کی سخت پابندی تھی۔ اس سے بھی تصوف پر بیرونی اثرات کی  
من گھڑت کہانیوں کی تردید ہوتی ہے۔

کتاب مقامات میں حضرت اقدس کی زندگی کے مکمل حالات درج ہیں۔ تفصیل کے خواہشمند حضرات  
اس کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ یہاں صرف مختصر حالات قلمبند کیے جاتے ہیں۔

## حالات زندگی

آپ کی ولادت باسعادت محرم ۱۸ھ میں قصر عارفان میں ہوئی اور وصال بروز روز و شنبہ ۳ ماہ ربیع الاول ۹۱ھ کو ہوا۔ اور قصر عارفان میں دفن ہوئے۔

جو بخارا سے ایک میل دور ہے (رحمۃ اللہ علیہ)

آپ کی عمر چار سال تھی کہ آپ سے خوارق (کرامات) کا ظہور ہونے لگا۔ ان ہی ایام میں آپ نے خواب میں دیکھا کہ حکیم آنا جو ترکستان کے مشائخ میں سے تھے۔ آپ کو درویشی کی تلقین کر رہے ہیں۔ بیدار ہونے پر اس درویش کی شکل آپ کے سامنے تھی۔ ایک دن بخارا کے بازار میں ان سے ملاقات ہو گئی۔ آپ نے ان کو پہچان لیا لیکن صحبت میتر نہ آئی۔ جب گھر گئے تو رات کو ایک قاصد نے آکر کہا کہ خلیل نامی ایک بزرگ آپ کو یاد کر رہے ہیں۔ آپ فوراً ان کے پاس پہنچے اور اپنا خواب بیان کرنا چاہتے تھے کہ انہوں نے ترکی زبان میں فرمایا کہ جو کچھ تمہارے دل میں ہے مجھے معلوم ہے۔ حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ اس بات سے میرے دل میں ایک عجیب کیفیت پیدا ہو گئی۔ اور میرے دل میں ان کے لیے ایک قوی نسبت پیدا ہو گئی۔ نیز آپ کی صحبت سے عجیب و غریب چیزیں سامنے آنے لگیں۔ میں چھ سال ان کی خدمت کرتا رہا۔ اس کے بعد وہ بزرگ ماورای النہر کے بادشاہ ہو گئے اور سلطان خلیل کے نام سے مشہور ہوئے۔ اس حالت میں بھی ان کی خدمت کرتا رہا۔ اور قیام بادشاہی میں ان سے عجیب و غریب حالات مشاہدہ میں آتے رہے۔ اور مجھے بے حد فائدہ حاصل ہوا۔ اس کے بعد میں نے مزید چھ سال ان کی صحبت میں گزارے۔

جب آپ سلطان خلیل سے جدا ہوئے تو حضرت خواجہ عبدالخالق بغدادی کی روحانیت نے آپ کو ذکرِ خفی کی تعلیم شروع کی۔ اس کے بعد آپ حضرت میر سید کلال کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے بھی ذکرِ خفی کی تعلیم دی۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں ذکرِ جہری کی تعلیم | اس کے ساتھ آپ ذکرِ جہری بھی کرتے تھے  
خواجہ محمود ابجر فغزوی کے زمانے سے لیکر

امیر سید کلال تک سلسلہ نقشبندیہ میں ذکرِ جہری کا رواج رہا لیکن خواجہ نقشبند کے زمانے میں ذکرِ خفی شروع ہو گیا۔ آپ نے کئی برس امیر سید کلال کی خدمت میں رہ کر سلوک کی تکمیل کی اور خلافتِ حاصل کی۔  
اس کے بعد آپ شیخ فتم کی خدمت میں حاضر ہوئے جو شیخ احمد سیوی

شیخ فتم سے خلافت

کے سلسلہ کے بزرگ تھے۔ ان کی خدمت میں دو تین ماہ رہ کر خلافت حاصل کی۔

حضرت خواجہ نقشبند اپنی کتاب مقامات میں فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے حق تعالیٰ کے ایک دوست سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے کہا تم خدا کے دوست معلوم ہوتے ہو۔ میں نے عرض کیا خواہش تو یہی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ صحرا میں چلے جاؤ۔ جہاں تمہارے نفس کی امیدیں منقطع ہو جائیں گی۔ تین دن کے بعد تم کو برہنہ گھوڑے پر ایک شاہ سوار ملے گا۔ اسے سلام کر کے آگے چلے جانا۔ جب تین قدم جاؤ گے تو وہ کہے گا کہ اے جوان میں نے تمہارا قرض ادا کرنا ہے۔ لے لو۔ لیکن ان کی طرف التفات نہ کرنا۔ اس کے بعد میں صحرا میں گیا۔ اور جو کچھ انہوں نے فرمایا تھا وہی مشاہدہ کیا۔ اس کے بعد اس بزرگ نے فرمایا کہ ضعیفوں اور ناتواں محتاجوں اور

### محتاجوں کی خدمت

دل شکستگان کی دل جوئی میں کمر بستہ ہو جاؤ۔ اور ان کے ساتھ عجز و نیاز سے پیش آؤ۔ میں نے حکم کی تعمیل کی اور کافی مدت تک اس طریقے سے سلوک طے کرتا رہا۔

اس کے بعد انہوں نے فرمایا حیوانات کی تیمارداری کرو کیوں کہ یہ بھی مخلوق خدا ہے۔ اور حق تعالیٰ کو ان کی دلجوئی بہت مطلوب ہے۔

### حیوانات کی تیمارداری

جہاں جنگلی جانور دیکھو اس کے علاج میں کما حقہ کوشاں رہو۔ چنانچہ ایک مدت تک یہ کام کرتا رہا۔ جہاں کہیں مجھے ایسا جانور ملتا۔ اس کو جانے دیتا اور رات کے وقت سموں کے نشان تلاش کر کے جاتا اور علاج کرتا سات سال تک یہی کرتا رہا۔

اس کے بعد اس بزرگ نے فرمایا کہ اس درگاہ کے کتوں کے ساتھ نیاز سے پیش آؤ۔ اور ان سے مراد طلب کرو۔ اس اشارہ

### کتوں سے نیاز

میں تجھے ایک کتا ملے گا جس سے تجھے حاصل ہوگی۔ یہ اشارہ پا کر میں نے اس خدمت کو غنیمت سمجھاؤ۔ دل و جان سے کمر بستہ ہو گیا۔ ایک رات میں نے ایک کتا دیکھا۔ اسے دیکھتے ہی میرا حال دگرگون ہو گیا۔ میں نہایت عجز سے اس کے پاس گیا۔ اور مجھ پر گریہ طاری ہو گیا۔ اس وقت وہ کتا پیٹھ کے بل سو گیا۔ اور اپنا منہ اور چار پاؤں آسمان کی طرف کر کے رونے کی آواز نکالنے لگا۔ میں نے بھی نیاز کے ساتھ اپنے ہاتھ اٹھالیے اور آمین کہتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ خاموش ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اس سے مجھے سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت شیخ سعدی نے اسی مقام کی طرف اشارہ کیا ہے۔

زال ہر ننگ شرف داشتند کہ خود را بہ از سگ نہ پنداشتند

دکالین اس لیے فرشتوں پر سبقت لے گئے۔ کہ انہوں نے اپنے آپ کو کتوں سے بہتر نہ سمجھا۔



حضرت خواجہ اپنی کتاب مقامات میں فرماتے ہیں کہ ان ایام میں میں نے ایک اور جانور دیکھا۔ جسے احباب رست کہتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ سورج کے مشاہدہ میں مستغرق کھڑا ہے۔ اور اس پر ایک فاص حالت طاری ہے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اس سے بھی دعا کر لوں۔ چنانچہ میں نہایت عجز و انکسار کے ساتھ اس کے پاس گیا۔ اور کھڑا ہو گیا۔ اور دونوں ہاتھ دعا میں اٹھا لیے۔ کچھ دیر بعد وہ جانور استغراق سے باہر آیا۔ اور اپنی پیٹھ زمین پر رکھ کر منہ آسمان کی طرف کیا او دیر تک پڑا رہا۔ میں آمین کہتا رہا۔

اس کے بعد اس بزرگ نے فرمایا کہ اب راستوں کی طرف مشغول ہو جاؤ۔ ان کو لوگوں کے لیے صاف رکھو۔ چنانچہ میں اس کام میں مشغول ہو گیا۔ اور سات سال تک میرے آستین اور دامن خاک آلودہ رہے۔ مولانا روم نے کیا خوب فرمایا ہے۔

در بہاراں کے شود سرسبزہ رنگ خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ  
بہار کے موسم میں پتھر پر کب سبزہ پیدا ہو سکتا ہے۔ مٹی بن جاتا کہ تجھ سے رنگ رنگ کے پھول ظاہر ہوں  
اس حکایت سے ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت خواجہ نقشبندؒ کو تمام اشیاء کی حقیقت سے آگاہ فرمایا۔ صوفیاء کے نزدیک یہ مقام نہایت بلند ہے۔ اور اس کے اوپر کوئی مقام نہیں۔ بزرگان جب اس مقام پر پہنچتے ہیں تو چین نہیں لیتے۔

اس کے بعد حضرت خواجہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور ایک جہان آپ سے فیضیاب ہوا۔ اور اکثر اصحاب مثل خواجہ علاؤ الدین عطارؒ خواجہ محمد پارسا وغیر ہم مرتبہ تکمیل کو پہنچے۔

نجات الانس میں مولانا جامیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی نے حضرت خواجہ نقشبند سے پوچھا کہ آپ کی درویشی مروت یا مکتب فرمایا: بحکم جذبۃ من جذبات الحق (یعنی حق تعالیٰ کے جذب اور کشش کا نتیجہ ہے) اس کے بعد آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کے طریق میں ذکر بھری، سماع اور خلوت ہوتے ہیں۔ فرمایا نہیں۔ ہمارے طریقے کی بنیاد ان امور پر ہے۔

خلوت در انجمن ظاہر و باطن با حق۔ از دروں شو آشنا از برون بیگانہ و ش۔ این چنین زیبا روش کم بود اندہ جہاں۔ نیز فرمایا: ہمارا طریقہ صحبت شیخ ہے۔ خلوت و گوشہ نشینی میں خواہ مخواہ کی شہرت ہے۔ اور شہرت میں آفت ہے۔ خیریت جمعیت میں ہے۔ اور جمعیت (قرابت تائم) صحبت شیخ کے بغیر حاصل

نہیں ہوتی۔

فرمایا: سنتِ نبویؐ پر چلنا بہت بڑا کام ہے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اور صحابہ کرام کی اقتداء دونوں مختصر کام ہیں لیکن اس میں نفع عظیم ہے۔

فرمایا: لا الہ الا اللہ (خودی) کی نفی اور الا اللہ میں حق جل جلالہ کا اثبات ہے اور محمد رسول اللہ کا مطلب اپنے آپ کو فاشِ عوینی (اتباعِ نبوی) کے مقام پر لانا ہے۔ ذکر کا مقصد کلمہ توحید تک رسائی ہے۔ اور کلمہ توحید کا مقصد ماسویٰ کی بالکل نفی ہے۔ اس سے زیادہ نہیں کہا جاسکتا۔

نیز فرمایا: سر توحید تک پہنچنا آسان ہے۔ لیکن ستر معرفت تک رسائی مشکل ہے۔

فرمایا: حضرت عزیزان (خواجہ علی رامینی) قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اس طائفہ کے نزدیک دنیا مثل دسترخوان کے ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ ناخن کی پشت کی مانند ہے۔ کہ کوئی چیز ان کی نظر سے غائب نہیں ہوتی۔

آپ کی کرامات مثل مردوں کو زندہ کرنا بے شمار ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ جب حضرت خواجہ محمد باساسیؒ نے آپ کو سید لفظ نقشبند کی وجہ تسمیہ امیر کلال کے سپرد فرمایا تو فرمایا تھا کہ "نقشبند" اسی وجہ سے آپ کو نقشبند

کہتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ ہر طالب جو صدق دل سے آپ کے پاس جاتا اس کے دل میں نقش معنوی بندھ جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے مطلوب کے ساتھ پیوست ہو جاتا تھا۔ اس وجہ سے آپ کو نقشبند کہتے ہیں۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ آپ اپنے مریدین کو نقش اسم اللہ لکھ دیتے تھے۔ تاکہ قلب صنوبری پر اس کا تصور جم جائے۔ اور القلوب بیت اللہ کے مصداق اس کا دل نور سے بھر جائے۔ لیکن حضرت خواجہ عبدالرزاق بن خواجہ عبید اللہ احرارؒ فرماتے ہیں کہ رزق حلال کی خاطر باقی بزرگوں کی طرح آپ بھی بند بانی یا قالین سازی کا کام کرتے تھے۔ اس لیے نقشبند مشہور ہو گئے۔

۱۔ سر توحید فنا فی اللہ جس کا حصول آسان ہے لیکن ستر معرفت کہن ذات تک پہنچنا ہے جو محال ہے۔  
۲۔ یعنی ساری دنیا بیک وقت دیکھی جاسکتی ہے۔ مرد کمال کی نگاہ سے۔ یہاں علم غیب کے جھگڑے ہی ختم ہو گئے کیونکہ مومن کی نگاہ سے کوئی چیز غیب نہیں۔ لہذا ان کے علم کو علم غیب کہہ کر شرک قرار دینا بے سود ہے۔ اس کا ثبوت حدیث قدسی بی یسمع، بی یبصر ہے۔ جس میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بندہ مومن میری آنکھوں سے دیکھتا ہے اور میرے کانوں سے سنتا ہے۔ ہر کام میری دی ہوئی قدرت سے کرتا ہے۔ پس جو اللہ کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں ان کے لیے کیا مشکل ہے۔

## سمع کے متعلق آپ کا عقیدہ

جب کسی نے آپ سے سماع کی حلت یا حرمت کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ من نہ انکارے کم نہ ایں کارے

گنم (یعنی نہ میں سماع کا منکر ہوں اور نہ سماع سنتا ہوں)

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت شیخ ابوسعید البراء الخیر قدس سرہ سے پوچھا گیا کہ آپ کی نماز جنازہ میں کون سی آیات پڑھی جائیں تو آپ نے فرمایا کہ آیات تو پڑھنا تو بڑا کام ہے یہ شعر پڑھنا

کہ دو رسد نزدیک است یار بہ نزدیک یار

چیت ازین خوشتر در ہم آفاق!

لیکن میرے جنازے پر یہ شعر پڑھنا

مظلاً نیم آمدہ در کونے تو

شیئاً لہ از جمال روئے تو

حضرت خواجہ بزرگ خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ کے بلند مقام کا اس رباعی سے پتہ چلتا ہے جو آپ اکثر

## حضرت خواجہ بزرگ کا بلند مقام

پڑھتے تھے

از پائے طلب تمے تشنیم ہر دم

تا حق بہ دو چشم نہ بینم ہر دم

اں ایٹانند من چنیم ہر دم

گویند خدا بچشم کسرتوان دید

جب تک میں حق تعالیٰ کو ان جسمانی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔ طلب سے باز نہیں آتا۔ لوگ کہتے

ہیں کہ حق تعالیٰ کو جسمانی آنکھوں سے نہیں دیکھا جاسکتا۔ یہ آپ کی اپنی بات ہے میرا حال وہی ہے جو میں نے بیان کر دیا

لے نقشبندی حضرات میں بعض نے سماع سنا ہے لیکن اکثر نے نہیں سنا کیونکہ اس سلسلہ میں مراتب ذکر نفسی اور ربوبی سے طے ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ سلسلہ حضرت ابوبکر صدیق سے جاری ہوا ہے۔ آپ کی طبیعت میں خاموشی بھی تھی۔ جو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی خصوصیت ہے۔

اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کا دیدار قیامت میں ممکن ہے۔ اس جہان میں ممکن

نہیں۔ لیکن اہل بصیرت اولیاء اللہ کا توقف جو مشاہدہ پر مبنی ہے یہ ہے کہ اس دنیا میں بھی دیدار ممکن ہے۔ لیکن ستر کی آنکھوں سے (باطنی آنکھوں سے) نہ کہ سر کی آنکھوں سے (جسمانی آنکھوں سے)۔

لیکن حضرت خواجہ بزرگ فرماتے ہیں کہ مجھے ان جسمانی آنکھوں سے دیدار نصیب ہوتا ہے۔ یہ بھی صحیح ہے۔

مولانا محمد قاسم (بانی دیوبند) اپنی ایک تقریر پر سوم تقریر پذیر میں لکھتے ہیں کہ اس دنیا میں جسمانی

آنکھوں سے بھی دیدار الہی ممکن ہے۔ کیونکہ جسمانی آنکھوں میں جو قوت مبنی ہے وہ بھی روحانی بصیرت پر مبنی ہے۔ جب آدمی مر جاتا ہے اور روح جسم سے جدا ہو جاتی ہے۔ تو مردہ آدمی اس لیے نہیں دیکھ سکتا

کہ اس کے اندر روحانی بصیرت باقی نہیں ہوتی۔ اس طرح مولانا محمد قاسم کے پیر حضرت حاجی امجد الدین

مہاجر مکی نے شام املا دیہ در تبر مولانا اشرف علی تھانوی میں فرمایا ہے کہ اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ

جب مشاہدہ حق ہوتا ہے تو خواہ جسمانی آنکھیں کھلی ہوں یا بند مشاہدہ جاری رہتا ہے۔



